چمپا کلی
اے حمید

کہتے ہیں کہ ایک رات بڑا خوفناک بھونچال آیا اور سارے کا سارا شہر زمین میں دھنس گیا۔ مگر یہ دیوداسی اور پجاری، ناگ ناگن کا رُوپ دھار کر بچ گئے۔ اب یہ ناگ اور ناگن چاند رات کو مندر میں چوکی بھرنے آتے ہیں۔ جب میں نے بوڑھے ساربان سے پوچھا کہ کیا اُس نے اپنی آنکھوں سے ناگ ناگن کے جوڑے کو دیکھا ہے؟ تو وہ بولا کہ جب یہ ناگ ناگن کا جوڑا وہاں آتا ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ وہاں جائے۔ بوڑھے ساربان نے یہ بھی بتایا کہ ایک بار شہر سے ایک لڑکا لڑکی آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا استاد بھی تھا۔ سنا ہے کہ یہ لڑکا چاند رات کو گپھاہ میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن جب ناگ ناگن کا جوڑا نکلا تو ناگ اور ناگن نے اُسے دیکھ لیا اور ان کی پھنکاروں سے گپھاہ گونج اُٹھی۔ وہ لڑکا بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگ سکا۔

یہ ایک افسانوی روایت تھی جس پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ چاند رات کو اس گپھاہ میں چھپ کر ناگ ناگن کے جوڑے کے نمودار ہونے کی تصدیق کی جائے لیکن میری ہمت نہ پڑی۔ میں لاہور واپس آ گیا اور اس گمشدہ شہر کی تحقیق و جستجو کا خیال مجھے لگا رہا۔ یہ تصور بڑا رومانوی اور خیال انگیز تھا کہ ایک بستا بستا شہر راتوں رات اچانک نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اس شہر کے ناگ مندر کا پجاری اور رقاصہ چاند رات کو آج بھی ناگ ناگن کے رُوپ میں چوکی بھرنے آتے ہیں۔ وہ رقاصہ کون ہو گی؟ وہ شہر کی تباہی میں کیسے زندہ بچ گئی؟ اور اب وہ ناگن کے رُوپ میں کیسے آتی ہے؟

چاند رات کو کھنڈر کی زمین دوز گپھاہ میں جانے کا تو مجھ میں حوصلہ نہ ہوا۔ لیکن ایک بار دن کے وقت اس کھنڈر کی گھنی جھاڑیوں کے قریب سے ضرور گزرا۔ اس ڈر سے جھاڑیوں کے قریب نہ گیا کہ کہیں ناگ ناگن اچانک جھاڑیوں میں سے نکل کر مجھے ڈس نہ لیں۔ آخر میں نے اس روایت کو محض ایک افسانوی تصور سمجھ کر دل سے نکال دیا۔ یہی سمجھ لیا کہ اس روایت میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ محض سنی سنائی باتیں ہیں کہ آج سے ہزاروں سال پہلے کوئی شہر تھا جو اچانک زمین میں غرق ہو گیا۔ میں نے اس طرف سے توجہ ہٹا لی اور اپنے لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف ہو گیا۔ اب آپ ضرور مجھ سے پوچھیں گے اور یہ پوچھنے میں آپ حق بجانب ہوں گے کہ پھر چمپا کلی کی پراسرار داستان مجھے کہاں سے ملی؟ کس کی زبانی معلوم ہوئی؟

میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ اس سوال کا جواب آپ کو چمپا کلی کی داستان پڑھنے کے بعد اپنے آپ مل جائے گا۔

اے حمید
جولائی 2002ء
لاہور

آدھی رات کا وقت ہے۔

چودھویں کا پورا چاند آسمان کے وسط میں پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ نیم صحرائی علاقے میں دو اُونٹ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ چلے جا رہے ہیں۔ ان کی گھنٹیوں کی مترنم آواز صحرا کے پُر ہیبت سکوت کو اور زیادہ پراسرار بنا رہی ہے۔ ایک اُونٹ پر پروفیسر جمالی بیٹھے ہیں جو علوم آثار قدیمہ یعنی آرکیالوجی کے سینئر پروفیسر ہیں۔ دوسرے اونٹ کے کجاوے کی اگلی نشست پر شکیل اور پچھلی نشست پر نازلی بیٹھی ہے۔ دونوں آرکیالوجی کے سٹوڈنٹ ہیں اور پروفیسر جمالی کی نگرانی میں وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اس وقت پروفیسر جمالی اپنے دونوں سٹوڈنٹس کے ہمراہ ایک بڑی اہم اور پراسرار مہم پر جا رہے تھے۔

چند روز پہلے پروفیسر جمالی نے لندن سے شائع ہونے والے نیشنل جیوگرافک میگزین میں ایک مضمون پڑھا تھا جو وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب کے بارے میں تھا۔ چونکہ پروفیسر جمالی کے دونوں سٹوڈنٹس یعنی شکیل اور نازلی وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر تحقیقی کام کر رہے تھے اس لئے اس موضوع پر چھپنے والا جو بھی مضمون پروفیسر جمالی کی نظر سے گزرتا، وہ شکیل اور نازلی کو ضرور پڑھنے کے لئے دیتے تھے۔

لیکن نیشنل جیوگرافک میگزین میں چھپنے والا یہ مضمون اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا پراسرار اور افسانوی روایت کا حامل تھا۔ اس مضمون میں وادیٔ سندھ کے ایک ایسے شہر کا ذکر کیا گیا تھا جو آج سے پانچ چھ ہزار برس پہلے وادیٔ سندھ کے مشہور تاریخی شہروں موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے درمیان بہنے والے دریائے گھاگرا کے کنارے آباد تھا۔ لیکن اچانک کسی قدرتی آفت کا شکار ہو کر زمین میں غرق ہو گیا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ مضمون میں سر جان مارشل کے ایک مقالے کا حوالہ دیا گیا تھا جس میں اس زمین میں دفن ہو جانے والے شہر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ قدیم کتابوں میں اس شہر کا نام ناگا پورم بتایا گیا ہے۔ لیکن کسی کتاب میں اس شہر کی تہذیب اور تمدن کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ مضمون نگار نے اپنے مضمون میں آج کے زمانے کے مشہور مؤرخ اور دانشور ول ڈیوراں کا بھی حوالہ دیا تھا جس نے اپنی کتاب "ہسٹری آف سویلائزیشن" کی جلد اول کے صفحہ 394 پر اس غرق شدہ شہر کے بارے میں

لکھا ہے کہ یہ شہر آج سے پانچ ہزار سال پہلے ہڑپہ اور موہنجودڑو کے درمیان دریائے گھاگرا کے کنارے آباد تھا۔ اور جب مصر کے فرعون شیوپس نے پہلے اہرام کا سنگ بنیاد رکھا تھا تو اس شہر یعنی ناگا پورم کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ ول ڈیوراں لکھتا ہے کہ آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سا حادثہ تھا، کون سی قدرتی آفت تھی جس کی زد میں آ کر یہ شہر اچانک زمین میں غرق ہو کر اتنی گہرائی میں دفن ہو گیا کہ ہڑپہ اور موہنجودڑو کو دریافت کرنے والے سرجان مارشل بھی سینکڑوں فٹ کھدائی کے باوجود اس شہر کا سراغ نہ لگا سکے۔ مضمون نگار نے آگے چل کر یہ بھی لکھا تھا کہ اس پراسرار شہر کے زمین میں غرق ہو جانے کے بعد اس کے پہلو میں بہنے والا دریائے گھاگرا بھی زمین میں غائب ہو گیا تھا اور وہاں اب اس گمشدہ دریا کی گزرگاہ کا ڈھندلا سا نشان ہی باقی رہ گیا ہے۔

پروفیسر جمالی نے یہ مضمون پڑھا تو اُس کے دل میں اس گمشدہ شہر کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے قدرتی طور پر تجسس پیدا ہوا۔ اُس نے لندن میں میگزین کی معرفت مضمون نگار کو خط لکھ کر اس مضمون کے بارے میں تصدیق چاہی تو مضمون نگار نے جوابی خط میں پروفیسر جمالی کو بتایا کہ اس نے بڑی تحقیق کے بعد یہ مضمون لکھا ہے اور ہندوستان کی قدیم کتاب رگ وید میں بھی اس گمشدہ شہر کے بارے میں پڑھا ہے جو دریائے گھاگرا کے کنارے آج سے پانچ ہزار برس پہلے آباد تھا۔ اور پھر اچانک کسی قدرتی آفت کی زد میں آ کر زمین میں غرق ہو گیا تھا۔ مضمون نگار نے پوری تحقیق کے بعد اس گمشدہ شہر کا محل وقوع وادیٔ سندھ میں ہڑپہ کے شمال مغرب کی جانب پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر بتایا تھا۔

اس کے بعد پروفیسر جمالی نے اس گمشدہ بلکہ غرق شدہ شہر کے بارے میں اپنے ہونہار سٹوڈنٹس اور وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر تحقیقی کام کرنے والے شکیل اور نازلی کو اس افسانوی روایت سے آگاہ کیا اور نیشنل جیوگرافک میگزین والا مضمون بھی پڑھوایا تو دونوں سٹوڈنٹس یعنی شکیل اور نازلی کو حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی ہوئی۔ کیونکہ اُنہیں اپنے تحقیقی مقالے کے لئے سندھ کی قدیم تہذیب پر ایک ایسا موضوع ہاتھ آ گیا تھا جس پر آج تک بھی کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ شکیل کہنے لگا۔

''سر! اگر اس شہر کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے تو ہمیں اس کا سراغ لگانے کی کوشش کرنی چاہئے۔''

نازلی نے کہا۔ ''سر! اگر ہم اس گمشدہ شہر کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا تحقیقی مقالہ وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب کا ایک نیا باب کھول دے گا۔''

''ہاں ... یہ تو ہے۔'' پروفیسر جمالی نے اپنے چشمے کے شیشے کو ٹشو پیپر سے صاف کرتے

ہوئے کہا۔ ''یہ ایک ایسی نئی دریافت ہو گی جو موہنجودڑو اور ہڑپہ ایسے شہروں کی دریافت کو بھی پیچھے چھوڑ جائے گی۔ اس تاریخی انکشاف پر تم دونوں کو تاریخ اور آرکیالوجی کے شعبوں کا نوبل انعام بھی مل سکتا ہے۔''

شکیل بولا۔ ''سر! اس انعام کے حق دار آپ ہوں گے۔ کیونکہ آپ ہمارے استاد ہیں اور ہم آپ ہی کی نگرانی اور تعاون کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں۔''

پروفیسر جمالی پائپ سلگاتے ہوئے مسکرانے لگا۔ اُس نے کہا۔

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت ہمیں اس سلسلے میں عملی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہڑپہ کا ریلوے سٹیشن ہمارے شہر سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ ہمیں وہاں جا کر سراغ لگانے کی کوشش کرنی ہو گی۔''

چنانچہ ایک روز پروفیسر جمالی نے شکیل اور نازلی کو ساتھ لیا اور وادیٔ سندھ کے اس قدیم گمشدہ شہر ناگا پورم کی دریافت کی پراسرار مہم پر روانہ ہو گئے۔ یونیورسٹی کے چانسلر کو اُنہوں نے اپنی اس تحقیقی مہم کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ چانسلر نے کسی قدر تامل کے ساتھ کہا تھا کہ آپ ایک بیکار مہم پر جا رہے ہیں۔ جس شہر کے بارے میں سرجان مارشل جیسے ماہر آثارِ قدیمہ کوئی سراغ نہیں لگا سکے آپ کو کیا حاصل ہو گا؟

پروفیسر جمالی نے کہا۔

''سر! کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ ہو سکتا ہے ہم تھوڑی بہت معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔''

اور چانسلر صاحب نے انہیں اجازت دے دی تھی۔

پروفیسر جمالی کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ سر کے بالوں میں سفیدی نمایاں طور پر جھلک رہی تھی۔ موٹے شیشوں کی عینک لگاتے تھے، پائپ منہ میں دبائے رکھتے تھے اور اپنے سبجیکٹ میں سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ شکیل اور نازلی دونوں بڑے ہونہار اور نوجوان سٹوڈنٹ تھے اور اُن کے اندر نئی نئی چیزیں دریافت کرنے کا زبردست جذبہ تھا۔ یہی جذبہ انہیں پروفیسر جمالی کے ساتھ لئے جا رہا تھا۔

ہڑپہ کے ریلوے سٹیشن پر اُترنے کے بعد پروفیسر جمالی جیب سے اس علاقے کا نقشہ نکال کر دیکھنے لگے۔ نقشے پر ہڑپہ کے ریلوے سٹیشن سے شمال مغرب کی سمت پچاس ساٹھ میل تک کوئی ریلوے سٹیشن نہیں تھا۔ اور گمشدہ شہر کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ یہ شہر ہڑپہ سے موہنجودڑو کی جانب سفر کرتے ہوئے پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

شکیل نے کہا۔ ''سر! ہو سکتا ہے اس طرف کوئی قصبہ یا گاؤں ہو اور وہاں تک کوئی لاری وغیرہ جاتی ہو۔''

نازلی نے کہا۔ "شکیل ٹھیک کہتا ہے سر! ہمیں لاریوں کے اڈے سے معلوم کرنا چاہئے۔"

وہاں سے وہ لاریوں کے اڈے پر آ گئے۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ ہڑپہ کے شمال مغرب کی سمت سارا علاقہ غیر آباد ہے اور اس طرف کوئی لاری وغیرہ نہیں جاتی۔ پروفیسر جمالی، شکیل اور نازلی تینوں کے دل میں ایک لگن لگی ہوئی تھی اور وہ ناکام واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک یکے والے سے بات کی اور یکے پر سوار ہو کر شہر سے شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ پروفیسر جمالی نے سمت بتانے والی کمپاس اپنے پاس رکھ لی تھی اور اس کو دیکھ کر وہ سمت کا صحیح تعین کئے ہوئے تھے۔ کچھ دُور تک تو یکہ ایک کچے راستے پر چلتا رہا۔ چھ سات میل کے سفر کے بعد پروفیسر نے کمپاس پر نگاہ ڈالی تو اس کی سوئی مغرب کی جانب سمت کا تعین بائیں جانب کر رہی تھی۔ اُنہوں نے یکے والے سے کہا کہ وہ کچا راستہ چھوڑ کر بائیں جانب چلے۔ یکے والا بولا۔

"اس طرف تو کوئی راستہ نہیں ہے۔ آگے سارا علاقہ ریتلا اور جنگلی جھاڑیوں کا علاقہ ہے۔ یکہ زیادہ دُور تک نہیں جا سکے گا۔"

شکیل نے کوچوان سے کہا۔

بھائی! جتنی دُور تک یکہ چل سکتا ہے اتنی دُور تک تو اسے لے چلو۔"

اور یکہ کچے راستے سے اُتر کر بائیں جانب والے ویران اور جنگلی جھاڑیوں والے علاقے میں چل پڑا۔ زمین جنگلی جڑی بوٹیوں والی جھاڑیوں اور سوکھے ہوئے درختوں والی تھی۔ کہیں کہیں کوئی کیکر کا سبز درخت نظر آ جاتا تھا۔ یکہ دھیمی رفتار سے چل رہا تھا۔ پروفیسر جمالی تھوڑی تھوڑی دیر بعد کمپاس پر نگاہ ڈال لیتے تھے تا کہ وہ صحیح سمت سے اِدھر اُدھر نہ ہو جائیں۔ کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک جگہ کچھ جھونپڑیاں دکھائی دیں۔ یہ خانہ بدوش لوگ تھے۔ پروفیسر نے وہاں یکہ رُکوایا اور شکیل اور نازلی سے کہا۔

"ان لوگوں سے بات کرتے ہیں۔"

ایک بوڑھا خانہ بدوش پھلاہی کے درخت کے نیچے بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ پروفیسر جمالی نے قریب جا کر سلام کیا۔ خانہ بدوش بوڑھے نے نظر اُٹھا کر پروفیسر اور دونوں سٹوڈنٹس کی طرف دیکھا اور وعلیکم السلام کہا۔ پروفیسر جمالی اُس کے پاس بیٹھ گئے اور اُسے بتایا کہ وہ اس علاقے کے بارے میں ایک کتاب لکھ رہے ہیں اور اُنہیں معلوم ہوا ہے کہ اِدھر کسی پرانے قلعہ کے کھنڈر بھی ہیں۔

"کیا آپ ہمیں ان کھنڈروں کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟"

بوڑھے خانہ بدوش نے حقے کا کش لگایا اور بولا۔

"یہاں تو ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں سے دو تین کوس آگے ایک ٹبہ ہے۔ وہاں پرانی

اینٹوں کی دو چار ڈھیریاں ہیں۔ وہاں جا کر معلوم کر لو۔"

پروفیسر نے بوڑھے خانہ بدوش کا شکریہ ادا کیا اور یکے والے سے آگے جانے کو کہا۔ یکے والا آگے جاتے ہوئے ٹال مٹول کرنے لگا لیکن پروفیسر جمالی نے کچھ پیسوں کا لالچ دیا تو وہ آگے چلنے پر تیار ہو گیا۔ دو تین کوس اس ویران نیم صحرائی علاقے میں سفر کرنے کے بعد وہ ایک ٹبے کے پاس پہنچے جہاں بوڑھے خانہ بدوش کے کہنے کے مطابق پرانی اینٹوں کی دو چار ڈھیریاں اِدھر اُدھر نظر آ رہی تھیں۔ پروفیسر جمالی، شکیل اور نازلی ان ڈھیریوں کے قریب جا کر انہیں غور سے دیکھنے لگے۔ پروفیسر جمالی نے ایک اینٹ اُٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور کہنے لگے۔

یہ اینٹ ان اینٹوں سے ملتی جلتی ہے جو موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے کھنڈرات کی دیواروں میں استعمال کی گئی ہیں۔"

نازلی نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ اسی زمانے کی کسی عمارت کا کوئی کھنڈر ہے جس کی اب صرف یہ اینٹیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔"

شکیل بولا۔ "لیکن سر! ہمیں جس قدیم شہر کی تلاش ہے اس کے بارے میں تو کہا گیا ہے کہ وہ زمین کے اندر دھنس گیا تھا اور یہ کھنڈر تو کسی ایسی عمارت کے ہیں جو زمین سے باہر تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" پروفیسر جمالی نے اینٹ ڈھیری پر رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ان اینٹوں سے کم از کم اتنا سراغ ضرور مل جاتا ہے کہ یہاں آس پاس کوئی آبادی ضرور ہوا کرتی تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ اُسی گمشدہ شہر کی آبادی ہو۔"

کچھ دیر وہ ان کھنڈروں کی بچی کھچی ڈھیریوں کا معائنہ کرتے رہے، پھر ٹبے کے اُوپر چڑھ کر شمال مغرب کی طرف دیکھا تو انہیں کچھ فاصلے پر کھجوروں کے اُونچے اُونچے درختوں کے کچھ جھنڈ دکھائی دیئے۔ شکیل بولا۔

"سر! وہاں ضرور کوئی آبادی ہو گی۔ ہمیں وہاں جا کر دیکھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے ہمیں مزید کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔"

نازلی نے بھی شکیل کی تجویز کی حمایت کی۔ پروفیسر جمالی کہنے لگے۔

"کوچوان تیار ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ وہ پہلے ہی تنگ آیا ہوا ہے۔"

اُنہوں نے یکے والے کو آگے چلنے کے لئے کہا تو اُس نے صاف انکار کر دیا اور بولا۔

"صاحب! میں آگے ایک قدم بھی نہیں جاؤں گا۔ آپ بے شک مجھے پیسے نہ دیں۔"

پروفیسر جمالی نے اُسے قائل کرنے کی کوشش کی، مزید پیسوں کا لالچ بھی دیا مگر کوچوان کسی طرح راضی نہ ہوا۔ صحرا میں اتنی دُور پیدل جانے کی پروفیسر جمالی میں ہمت نہ ہوئی۔ مجبوراً انہیں وہیں سے واپس لوٹنا پڑا۔

ایک ہفتے بعد پروفیسر جمالی نے شکیل اور نازلی کو ساتھ لیا اور ایک بار پھر اس پراسرار ایڈونچرس مہم پر نکل پڑے۔ اس دفعہ وہ ایک جیپ میں سوار ہو کر لاہور سے نکلے تھے۔ یہ جیپ شکیل کے ایک دوست کی تھی۔ لاہور کے ایک پٹرول پمپ پر انہوں نے جیپ کی ٹینکی پٹرول سے بھری اور چل پڑے۔ وہ منہ اندھیرے لاہور سے چلے تھے اور دوپہر تک اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے اُنہوں نے ایک ہفتہ پہلے یکے پر سفر شروع کیا تھا۔ وہاں سے جیپ کچے راستے کو چھوڑ کر جنگلی جھاڑیوں والی ریتلی زمین پر چل پڑی۔ جیپ شکیل خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ پروفیسر جمالی اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ نازلی پیچھے بیٹھی تھی۔ مارچ اپریل کے دن تھے۔ موسم ابھی خوشگوار تھا۔ اگرچہ ہڑپہ سے آگے دُھوپ کی حدت میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن جیپ اُوپر سے کچھ ڈھکی ہوئی تھی۔ کھانے پینے کا سامان وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ جیپ اُس جگہ پہنچی جہاں ایک ہفتہ قبل خانہ بدوشوں کی عارضی جھونپڑیاں تھیں اور انہیں ایک بڈھا خانہ بدوش ملا تھا۔ وہاں اب کوئی جھونپڑی اور خیمے وغیرہ نہیں تھے۔ خانہ بدوش جا چکے تھے۔

وہ یہاں سے بھی آگے گزر گئے۔ آخر وہ ٹبہ آ گیا جہاں قدیم زمانے کے کسی کھنڈر کی پرانی اور خستہ اینٹوں کی ڈھیریاں ادھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ یہاں سے آگے اُنہیں دُور کھجوروں کے اُونچے اُونچے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے یکے والے کوچوان نے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اب ان کے پاس جیپ تھی۔ وہ جیپ لے کر آگے چل پڑے۔ آگے زمین بھربھری اور ریتلی تھی۔ کسی جگہ اتنی نرم تھی کہ جیپ کے پہیئے زمین میں دھنس جاتے تھے اور کہیں پتھر کی طرح سخت ہو جاتی تھی۔ آخر وہ کھجوروں کے جھنڈ کے پاس آ گئے۔

یہاں درختوں کے درمیان ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا۔ یہاں وہ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئے، کھانا نکال کر کھایا، چشمے کا پانی ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ دونوں تھرمس بوتلیں چشمے کے پانی سے بھر لیں۔ شکیل نے پروفیسر جمالی سے کہا۔

''سر! میرا تو خیال ہے کہ ہمیں کچھ اور آگے جانا چاہئے۔ ممکن ہے دفن شدہ شہر کا کچھ سراغ مل جائے۔''

پروفیسر جمالی درخت سے ٹیک لگائے بڑے مزے سے پائپ منہ میں دبائے آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ نازلی نے کہا۔

''ہاں سر! ہمیں اور آگے چلنا چاہئے۔''

پروفیسر جمالی نے آنکھیں کھول دیں، پائپ کا کش لیا اور دُھواں چھوڑتے ہوئے بولے۔

''میں تو سمجھتا ہوں کہ آگے جانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ آگے ریت کے ٹیلے شروع ہو جاتے ہیں۔''

پھر اُنہوں نے جیب سے وہ نقشہ نکال کر کھولا جو اُنہوں نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کیا

تھا۔ ایک جگہ اُنگلی رکھ کر بولے۔

''یہ دیکھو ہم اس وقت اس جگہ پر ہیں اور یہ جگہ ہڑپہ شہر سے پچاس پچپن میل کے فاصلے پر ٹھیک شمال مغرب میں واقع ہے۔''

شکیل اور نازلی بھی نقشے پر جھکے بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر جمالی نقشے پر ایک جگہ سے اُنگلی پھیرتے ہوئے نقشے کے آخری کونے تک لے گئے، جہاں موہنجودڑو انگریزی اور اُردو میں لکھا تھا۔ کہنے لگے۔

''یہ موہنجودڑو ہے جو ہڑپہ کے شمال مغرب میں تین ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر ہے۔ نیشنل جیوگرافک میگزین والے مضمون میں اور دوسری ایک دو کتابوں میں جو میں نے لائبریری میں دیکھی ہیں ان میں بھی یہی لکھا ہے کہ یہ شہر ہڑپہ سے پچاس ساٹھ یا زیادہ سے زیادہ ستر میل کے فاصلے پر موہنجودڑو اور ہڑپہ کے درمیان آباد تھا۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ گمشدہ بلکہ غرق شدہ شہر یہیں کہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہیں وہ گمشدہ شہر ہمارے نیچے ہی زمین کی گہرائیوں میں مدفون ہو۔''

پروفیسر جمالی نے نقشہ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا اور درخت سے دوبارہ ٹیک لگا دی اور بولے۔ ''اس لئے میں کہتا ہوں کہ آگے جانا بیکار ہوگا۔ اگر ہمیں اس شہر کا کوئی سراغ ملنا ہے تو اسی جگہ، اسی علاقے میں ہی مل سکے گا۔ آگے ریت کے ویران ٹبوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔''

مگر شکیل آگے جانے کو بے تاب تھا۔ اُس کے اندر گمشدہ شہر کو دریافت کرنے کا جذبہ اور شوق شعلہ بن کر بھڑک رہا تھا۔ جوان خون تھا۔ دل میں کچھ کر گزرنے کا ولولہ تھا اور پھر اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ وادیٔ سندھ کے اس گمشدہ افسانوی شہر کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ دریافت ساری دنیا کو چونکا کر رکھ دے گی اور ان کا نام انسانی تاریخ کے صفحات پر روشن ہو جائے گا۔

اُس کی دوست اور ساتھی سٹوڈنٹ نازلی کے دل میں بھی یہی جذبہ موجزن تھا۔ چنانچہ وہ اس مہم میں شکیل کے ہر خیال کی، ہر تجویز کی تائید کرنے میں پیش پیش تھی۔ پروفیسر جمالی خود بھی یہی چاہتے تھے کہ اُنہیں اس گمشدہ شہر کا کوئی ایسا سراغ مل جائے جو اس شہر کی ابھی تک دنیا کی نظروں سے اوجھل قدیم ترین تہذیب و ثقافت کو دریافت کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ وہ اس حقیقت سے بھی باخبر تھے کہ اگر وہ اس مہم میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف یہ کہ ان تینوں کے نام سر جان مارشل کے ساتھ تاریخ میں آ جائیں گے بلکہ بہت ممکن تھا کہ ان تینوں کو نوبل انعام سے بھی نوازا جائے۔ لیکن نقشے کے مطابق انہیں یقین تھا کہ غرق شدہ شہر ناگا پورم اسی علاقے میں اسی مقام پر زمین کے اندر دفن ہے جہاں وہ اس وقت موجود ہیں اس لئے آگے جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن شکیل اور نازلی کے شوق کو دیکھ کر اور ان کے اصرار پر وہ کچھ دُور

آگے چلنے پر تیار ہو گئے۔ اور اُن کی جیپ کھجوروں کے جھنڈ سے نکل کر آگے روانہ ہو گئی۔

اب ان کی جیپ ایسے علاقے میں چل رہی تھی جہاں کبھی ریتلا صحرا آ جاتا اور کبھی پتھر کی طرح سخت زمین شروع ہو جاتی۔ دُور دُور ریت کے ٹیلے بھی تھے۔ کہیں کہیں کوئی صحرائی درخت بھی دکھائی دے جاتا تھا۔ دُھوپ کی تمازت بڑھتی جا رہی تھی۔ کھجوروں کے جھنڈوں سے وہ بہت آگے نکل آئے تھے۔ سارا علاقہ ویران، غیر آباد اور کلر زدہ تھا۔ پروفیسر جمالی نے شکیل سے کہا۔

''بھائی! جیپ کو واپس موڑو۔ آگے کچھ نہیں ہے۔''

شکیل خود بھی کچھ نا اُمید سا ہو گیا تھا کہ ایک ٹیلے کا موڑ مُڑنے کے بعد اُنہیں دُور ایک جگہ سے دُھواں اُٹھتا دکھائی دیا۔ جہاں سے دُھواں اُٹھ رہا تھا وہاں کچھ درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ شکیل نے اُس طرف اشارہ کر کے پروفیسر جمالی سے کہا۔

''سر! وہاں کوئی آبادی ہے۔ چل کر دیکھتے ہیں، شاید ہمیں کچھ مفید معلومات مل جائیں۔''

نازلی نے فوراً کہا۔

''سر! شکیل ٹھیک کہتا ہے۔ وہاں ضرور کوئی گاؤں ہے۔ چل کر دیکھنا چاہئے۔''

وہ جگہ وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ چنانچہ پروفیسر جمالی نے کوئی اعتراض نہ کیا اور شکیل نے جیپ کا رُخ اُس طرف کر دیا جدھر سے دُھوئیں کی ایک لکیر درختوں کے درمیان سے اُوپر کو اُٹھ رہی تھی۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ کیکر اور پھلاہی کے چند ایک صحرائی درختوں کے نیچے کھجور کی سوکھی شاخوں کی چھت والی ایک جھونپڑی کے باہر ایک آدمی بیٹھا اک تارہ بجاتے ہوئے کچھ گا رہا ہے۔ سامنے سوکھے پتوں اور سوکھی شاخوں کی ڈھیری میں سے دُھواں اُٹھ رہا ہے۔ ایک طرف ایک اُونٹ بیٹھا مزے سے جگالی کر رہا ہے۔ جیپ سے اُتر کر وہ لوگ اس آدمی کے پاس گئے۔ وہ آدمی شکل اور لباس سے شتر بان لگتا تھا۔ اُس کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہو گی۔ لیکن چہرے پر صحرا کی تمازت اور چمک تھی۔ سر پر پگڑ بندھا ہوا تھا۔ لمبے بال کندھوں تک آئے ہوئے تھے جن میں سفید بالوں کی کثرت تھی۔ تین اجنبی شہریوں کو جیپ سے اُتر کر اپنے قریب آتے دیکھ کر اُس نے گانا بند کر دیا اور اُن کی طرف تکنے لگا۔

پروفیسر جمالی اُسے سلام کر کے قریب بیٹھ گئے اور بولے۔

''بھایا جی! میرا نام جمالی ہے۔ میں ہڑپہ کے کالج میں لیکچر دینے آیا تھا۔ یہ دونوں میرے سٹوڈنٹ بھی لاہور سے میرے ساتھ آئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم صحرا میں سیر کرنے نکلے تھے اور راستہ بھول گئے ہیں۔ برائے مہربانی ہمیں اتنا بتا دیں کہ یہاں سے ہڑپہ شہر کو کون سا راستہ جاتا ہے؟''

بوڑھے شتر بان نے کہا۔

''بھایا! آپ لوگ ہڑپہ سے بہت دُور نکل آئے ہیں۔ اور ہڑپہ شہر کی طرف سے ہی آ رہے ہیں۔ بس یہاں سے ذرا دائیں جانب ہو کر واپس مُڑ جائیں اور سیدھ میں چلتے جائیں۔ شام تک ہڑپہ پہنچ جائیں گے۔''

''شکریہ بھایا جی!'' پروفیسر جمالی نے کہا۔

شکیل نے پوچھا۔'' آپ اسی علاقے کے رہنے والے ہیں کیا؟''

بوڑھا شتر بان ذرا سا مسکرایا اور اک تارہ اپنے زانو پر رکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا! میں ہی نہیں، میرے باپ دادا بھی اسی علاقے میں جمے پلے ہیں۔ میں بھی اسی علاقے میں پیدا ہوا تھا۔''

نازلی نے پوچھا۔''بابا جی! آپ کا نام کیا ہے؟''

بوڑھا بولا۔''میرا نام بالی ہے۔ میں شتر بان ہوں۔ ہم اُونٹوں پر سامان لاد کر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں لے جاتے ہیں۔ باپ دادا کے زمانے سے ہمارا یہ پیشہ چلا آ رہا ہے۔''

پروفیسر جمالی نے بوڑھے شتر بان سے ذرا بے تکلف ہونے کے لئے صحرا میں راستہ بھول جانے کا ذکر کیا تھا کیونکہ صحرا کے لوگ شہر والوں سے اتنی جلدی بے تکلف نہیں ہوتے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد جب بوڑھا شتر بان بالی ذرا کھل کر بات کرنے لگا تو پروفیسر جمالی نے اصل موضوع چھیڑتے ہوئے کہا۔

''بالی بھایا جی! ہم نے سنا ہے کہ اس علاقے میں پرانے زمانے کے بہت سے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔''

شتر بان بولا۔''ہاں.... یہ سارا علاقہ ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں سے بھرا پڑا ہے۔''

پروفیسر نے کہا۔''ہم نے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں اس جگہ کوئی شہر ہوا کرتا تھا جو اچانک زمین میں غرق ہو گیا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟''

شتر بان بولا۔''ہاں بھایا جی! یہ بات ہم نے بھی اپنے بڑے بوڑھوں کی زبانی سنی ہے۔ کہتے ہیں اگلے وقتوں میں اس علاقے میں ایک شہر آباد تھا۔ اس شہر کے لوگ ہر طرح کے بُرے کام کرتے تھے۔ گناہوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک رات اچانک زمین پھٹ گئی اور سارے کا سارا شہر زمین میں غرق ہو گیا۔''

پروفیسر جمالی نے شکیل اور نازلی کی طرف دیکھا۔ نازلی نے پروفیسر کو انگریزی میں کہا۔

''سر! اس کا مطلب ہے ہم کسی غلط مہم پر نہیں نکلے۔''

شکیل نے شتر بان سے پوچھا۔

''بابا! تمہیں کچھ پتہ ہے وہ شہر یہاں کس جگہ پر آباد تھا؟''

شتر بان ہنس دیا۔ کہنے لگا۔'' یہ تو آج سے ہزاروں برس پہلے کی بات ہے۔ مجھے کیسے پتہ

ہو سکتا ہے؟''

پروفیسر نے پوچھا۔ ''تم نے اپنے بزرگوں سے یہ نہیں سنا کہ وہ بدقسمت شہر کس جگہ پر ہوا کرتا تھا؟''

''بالکل نہیں۔'' شتر بان نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ ''یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ ہمارے علاقے کے مہاری اُونٹوں کے قافلے کو لے جاتے ہوئے ایک پرانا گیت گایا کرتے ہیں۔ اس گیت میں بھی اس شہر کا ذکر کیا جاتا ہے۔''

''کیا وہ گیت تمہیں یاد ہے؟'' شکیل نے پوچھا۔

''ہاں......'' شتر بان بولا۔ ''جب بھی میں کوئی بڑا قافلہ لے کر صحرا میں سفر کرتا ہوں تو اکثر میں بھی وہ گیت گایا کرتا ہوں۔ میں تمہیں سناتا ہوں۔''

شتر بان نے اِک تارا اُٹھایا اور اس کے تار کو چھیڑتے ہوئے ایک گیت گانے لگا۔ اُس کی خشک آواز میں بڑا درد اور سوز تھا۔ شکیل، نازلی اور پروفیسر ہمہ تن گوش ہو کر گیت سن رہے تھے۔ گیت کا مفہوم کچھ یوں تھا......

''آسمان پر پورا چاند چمک رہا ہے
ہم قافلے کے آگے صحرا میں چلتے رہتے ہیں
سات ندیاں بہتی تھیں اس صحرا میں
وہ سات بہنیں تھیں
سب سے بڑی ندی کا نام گھاگرا تھا
گھاگرا مر گئی
شہر میں کالا دھواں پھیل گیا
سات بہنیں ناگ دیوتا کی پجارنیں تھیں
اگم پوری۔ اگم پوری۔ ناگا پوری
آہ! شہر کو زمین کھا گئی
سات بہنیں بچھڑ گئیں
ایک ایک کر کے بچھڑ گئیں......''

گیت ختم ہوا تو بوڑھے شتر بان کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ کہنے لگا۔

''یہ گیت ہم راتوں کو قافلے کے ساتھ سفر کرتے ہوئے گاتے ہیں۔ اس کو دن کے وقت نہیں گاتے۔ گاؤ تو دل اُداس ہو جاتا ہے......''

اس دردناک گیت نے ان تینوں پر بھی گہرا اثر کیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اس دردناک گیت کے زیر اثر خاموش بیٹھے بوڑھے شتر بان کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے۔ اس لوک گیت نے

بھی پروفیسر جمالی کے مؤقف کی تصدیق اور تائید کر دی تھی کہ ایک شہر جس کا نام ناگا پوری تھا جو اصل میں ناگا پورم تھا اور اس شہر کو اچانک زمین نے نگل لیا تھا۔

لوک گیتوں میں بیان کئے گئے واقعات میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوتی ہے۔ پروفیسر جمالی کو اس بوڑھے شتر بان کی زبانی غرق شدہ شہر کے بارے میں بڑی حوصلہ افزا معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ اُس نے بوڑھے شتر بان سے سوال کیا۔

''بھائی! اتنا بڑا شہر اچانک غائب ہو گیا۔ پورے شہر کو، شہر کی پوری آبادی کو، تمام مکانوں کو زمین نے نگل لیا اور اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔ کہیں نہ کہیں تو اس بدنصیب شہر کی کوئی نہ کوئی نشانی ضرور موجود ہو گی۔ یاد کرو! شاید کچھ یاد آ جائے۔''

شتر بان سر جھکائے کچھ دیر سوچتا رہا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اُس نے سر اُٹھایا اور بولا۔

''مجھے یاد ہے، ہمارے ایک بزرگ جن کی عمر سو سال کی ہو گئی تھی، بتایا کرتے تھے کہ جہاں وہ شہر غرق ہوا تھا وہاں چاندنی راتوں میں سانپوں کا ایک جوڑا نکلتا ہے۔ دونوں کچھ دیر خاموش بیٹھے چاند کی طرف تکتے رہتے ہیں۔ اور پھر زمین کے اندر چلے جاتے ہیں۔''

گم شدہ شہر کے معمے کی کڑیاں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں۔ پروفیسر جمالی، شکیل اور نازلی کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ پروفیسر جمالی بوڑھے شتر بان سے کچھ پوچھتا، نازلی نے پوچھا۔

''سانپوں کا یہ جوڑا کس جگہ زمین سے نکلتا ہے بابا؟ تمہارے بزرگ نے اس جگہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہو گا۔''

''نہیں......'' بوڑھے شتر بان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس بارے میں نہ ہمارے بزرگوں نے کچھ بتایا اور نہ کسی کو آج تک اس کا پتہ لگ سکا ہے۔''

جو سوال پروفیسر جمالی پوچھنا چاہتا تھا وہ نازلی نے پوچھ لیا تھا۔ کچھ دیر کے لئے وہاں خاموشی چھائی رہی۔ پروفیسر کوئی بات کرنے لگا تھا کہ بوڑھا شتر بان بولا۔

''ایک بات میں آپ لوگوں کو بتانی بھول گیا ہوں۔''

پروفیسر اور اس کے دونوں سٹوڈنٹ بے تاب سے ہو کر بوڑھے شتر بان کو دیکھنے لگے۔ شتر بان بولا۔

''یہاں سے پورب کی سمت سات کوس کے فاصلے پر کالی پہاڑی ہے۔ اس پہاڑی کے پاس ہی کسی پرانے کھنڈر کا ایک تہہ خانہ ہے۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اس تہہ خانے میں پورے چاند کی رات کو سانپوں کا ایک جوڑا تھوڑی دیر کے لئے زمین سے باہر آتا ہے، کچھ دیر وہاں بیٹھا رہتا ہے اور پھر دوبارہ زمین میں واپس چلا جاتا ہے۔ لیکن آج تک کسی نے

اپنی آنکھوں سے اُس جوڑے کو نہیں دیکھا۔ ایک بار پورے چاند کی رات کو میں بھی اس کھنڈر میں گیا تھا کہ ناگ ناگن کے جوڑے کو چھپ کر دیکھوں۔''

شکیل نے پوچھا۔ ''کیا تم نے وہ جوڑا دیکھا؟''

''نہیں بھائی نہیں۔'' شتر بان بولا۔ ''میں کیوں جھوٹ بولوں۔ خدا کو جان دینی ہے۔ مجھے وہاں کوئی سانپ دکھائی نہیں دیا۔''

بوڑھے شتر بان نے اک تارہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں۔ ان میں سچ کیا ہے، جھوٹ کیا ہے کسی کو معلوم نہیں۔''

پروفیسر جمالی نے پوچھا۔ ''بالی بابا! کیا آپ اسی جھونپڑی میں رہتے ہیں؟''

''نہیں بھایا!'' شتر بان بولا۔ ''یہاں دوپہر کو کبھی کبھی آرام کرنے کے لئے آ جاتا ہوں۔ رہتا میں اپنے ڈیرے پر ہوں۔''

''آپ کا ڈیرا کہاں ہے بابا؟'' شکیل نے سوال کیا۔

''یہاں سے دائیں جانب اُونچے ٹیلوں کے پیچھے ہے۔'' شتر بان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''اب مجھے چلنا چاہئے۔ شام سے پہلے مال لے کر دوسرے گاؤں پہنچانا ہے۔''

اور بوڑھا شتر بان ان تینوں کو اسلام علیکم کہہ کر اُونٹ پر سوار ہوا اور چل دیا۔ اُس کے جانے کے بعد شکیل نے پروفیسر جمالی سے کہا۔

''سر! دیکھ لیں۔ ہمارا اس طرف آنا بیکار نہیں گیا۔ اس بوڑھے شتر بان کی زبانی ہمیں بڑی قیمتی معلومات مل گئی ہیں۔''

نازلی بولی۔ ''سر! ایک اور بات ہے۔ بوڑھے شتر بان نے جو لوک گیت سنایا ہے اس میں غرق شدہ شہر کے علاوہ ایک دریا کا بھی ذکر ہے جس کا نام گھاگرا تھا۔ اور یہ دریا بھی شہر کے زمین دوز ہو جانے کے بعد زمین کے اندر غائب ہو گیا تھا۔''

پروفیسر جمالی پائپ کو جھاڑتے ہوئے بولے۔

''یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ سب افسانوی باتیں ہیں۔ ابھی تک کسی ذریعے سے بھی گمشدہ شہر کی جگہ کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔''

شکیل نے کہا۔

''میرا خیال ہے یہاں سے سات کوس پر واقع کالی پہاڑی کے جس کھنڈر کا شتر بان نے ذکر کیا ہے وہاں چل کر دیکھنا چاہئے کہ کیا واقعی وہاں سانپوں کا جوڑا رات کو نکلتا ہے؟''

پروفیسر جمالی اور دونوں سٹوڈنٹس اپنی جیپ میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ پروفیسر نے شکیل کے استفسار کے جواب میں کہا۔

''مگر بھائی! وہ جوڑا تو بقول شتر بان کے چاند کی چودھویں تاریخ کو نکلتا ہے۔ اور پھر

شتر بان نے اس کے بارے میں صرف بتایا ہی ہے، اُس نے خود اس جوڑے کو نہیں دیکھا۔ وہاں جانے کا کیا فائدہ؟''

نازلی نے بچوں کی طرح اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''سر! کالی پہاڑی قریب ہی تو ہے۔ جیپ ہمارے پاس ہے۔ ایک نظر اُس کھنڈر کے تہہ خانے کو بھی چل کر دیکھ لیتے ہیں۔''

پروفیسر جمالی نے اپنی کلائی کی گھڑی پر نگاہ ڈال کر کہا۔ ''تم لوگ اصرار کرتے ہو تو چل کر دیکھ لیتے ہیں۔ مگر یہ خیال رہے کہ ہمیں واپس لاہور بھی پہنچنا ہے۔''

''فکر نہ کریں سر! ہم انشاء اللہ شام سے بہت پہلے لاہور پہنچ جائیں گے۔''

شکیل نے یہ کہہ کر جیپ سٹارٹ کی اور اُس کا رُخ اس سمت کر دیا جس سمت بوڑھے شتر بان نے بتایا تھا کہ سات کوس کے فاصلے پر کالی پہاڑی کا کھنڈر ہے۔ جیپ کے لئے سات کوس کا فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا جبکہ زمین بھی سخت تھی۔ کہیں کہیں ریت کا کوئی ٹکڑا آ جاتا تھا۔ کالی پہاڑی اُنہیں دُور ہی سے نظر آ گئی۔ یہ پتھر کی طرح جمی ہوئی ریت کی پہاڑی تھی جس کا رنگ موسموں کی مار کھا کھا کر سیاہ پڑ چکا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں کسی پرانی عمارت کا کھنڈر تھا جس کی ٹوٹی پھوٹی ڈیڑھ دیوار ہی باقی رہ گئی تھی۔ درمیان میں ایک بہت بڑا گڑھا تھا جس میں سے ایک راستہ زمین کے اندر چلا گیا تھا۔

پروفیسر جمالی نے گڑھے کا جائزہ لینے کے بعد زمین دوز راستے کو دیکھا اور کہا۔

''یہی وہ راستہ ہے جو تہہ خانے کو جاتا ہوگا۔''

شکیل تہہ خانے میں جانے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے وہی اس گڑھے میں اُترا اور کہنے لگا۔ ''میں اندر جا رہا ہوں۔''

اور وہ غار نما دہانے میں داخل ہو گیا۔ اُس نے طاقتور ٹارچ ہاتھ میں لے لی تھی۔ پروفیسر جمالی اور نازلی بھی اُس کے پیچھے پیچھے دہانے میں اُتر گئے۔ چند قدم سرنگ نما راستے پر چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا دالان آ گیا جس کی چھت کوئی بیس فٹ اُونچی تھی اور چھ سات ستونوں نے اسے سہارا دے رکھا تھا۔ ان ستونوں کی تراش خراش موہنجوداڑو کے زمانے کی تھی۔ شکیل نے دیوار پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ دیوار پر رقص کرتی ایک عورت کی اُبھری ہوئی مورتی بنی تھی جس کے رنگ اُکھڑ چکے تھے اور مورتی کی ناک بھی غائب تھی۔ پروفیسر جمالی قریب سے اس مورتی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کہنے لگے۔

''یہ شمالی ہند میں آریاؤں کی آمد سے پہلے کی سنگ تراشی ہے۔ رقص کرتی اس رقاصہ کی ایسی ہی ایک مورتی موہنجوداڑو کی کھدائی کرتے ہوئے بھی نکلی ہے۔ تم لوگوں نے اس کی فوٹو اپنی کتاب میں ضرور دیکھی ہوگی۔''

"جی ہاں سر!" نازلی بولی۔ "اسے ڈانسنگ گرل آف موہنجوڈرو بھی کہا جاتا ہے۔"

"ہاں وہی۔" پروفیسر نے کہا۔ "اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ کھنڈر آج سے پانچ ہزار برس پرانے زمانے کا ہے۔ اور اس کا تعلق موہنجوڈرو کی تہذیب و تمدن سے ہے۔"

شکیل بولا۔ "سر! ہو سکتا ہے جس گمشدہ شہر کی ہمیں تلاش ہے یہ اسی شہر کا کوئی کھنڈر ہو۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" پروفیسر نے کہا۔ "اس لئے کہ گمشدہ شہر کے بارے میں جو روایات مشہور ہیں اور جن کا تذکرہ کتابوں میں بھی ہے ان کے مطابق یہ بدقسمت شہر ایک دم سارے کا سارا زمین دوز ہو گیا تھا اور اس کی ایک بھی عمارت سطح زمین پر باقی نہیں بچی تھی۔"

نازلی نے کہا۔ "لیکن سر! یہ تہہ خانہ بھی زمین کے اندر ہے۔ ہو سکتا ہے یہ اسی بدقسمت شہر کے کسی مندر کا تہہ خانہ ہو۔"

پروفیسر جمالی نے شکیل کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور اس کی روشنی سامنے والی دیوار پر ڈالی۔ اس دیوار کے آگے کچھ اینٹیں اس طرح ایک دوسرے کے اوپر پڑی تھیں کہ زمین سے تین چار فٹ اونچا ایک ستون سا بن گیا تھا۔ شکیل نے اس لاٹھ نما ستون کو دیکھ کر کہا۔

"سر! کہیں یہ شولنگ کا مجسمہ تو نہیں ہے؟"

پروفیسر اُس کے جواب میں بولے۔

"تم بھول گئے ہو کہ تری مورتی یعنی برہما، وشنو اور شو دیوتاؤں کا تصور آریا قوم اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے دراوڑ لوگ شو، وشنو اور برہما ایسے دیوتاؤں سے ناآشنا تھے۔ ان کے اپنے دیوی دیوتا تھے جن کے بارے میں ہمیں ابھی تک زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موہنجوڈرو کے زمانے کے کتبوں پر لکھی ہوئی تحریر جو ان لوگوں کے اپنے رسم الخط میں لکھی گئی ہے ابھی تک نہیں پڑھی جا سکی۔ تاریخ ہمیں اتنا ضرور بتاتی ہے کہ یہ لوگ مظاہر فطرت کی پوجا کرتے تھے اور موہنجوڈرو کی ڈانسنگ گرل کی مورتی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مندروں میں دیوداسیاں رقص کیا کرتی تھیں۔ بہرحال یہ تو قدیم تاریخ کی باتیں ہیں۔ اس وقت ہمیں سانپوں کے اس جوڑے کے بارے میں معلوم کرنا ہے جس کے بارے میں شتربان بالی نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ یہاں کہیں کسی جگہ نمودار ہوتا ہے۔"

نازلی نے کہا۔ "لیکن سر! اس شتربان نے تو کہا تھا کہ سانپوں کا یہ جوڑا چاند کی چودھویں رات کو نکلتا ہے۔"

پروفیسر بولا۔ "یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ اسی لئے تو میں نے تم لوگوں کو کہا تھا کہ اس وقت یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، مگر شکیل ضد کرنے لگا کہ کم از کم وہ جگہ تو دیکھ آئیں۔"

شکیل کہنے لگا۔ "سر! ہمارا یہاں آنا بے فائدہ نہیں رہا۔ یہاں آ کر کم از کم اس بات کی تو تصدیق ہو گئی ہے کہ اس کھنڈر کا تعلق اسی بدنصیب شہر سے ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

پروفیسر جمالی نے ٹارچ شکیل کو تھماتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے..... تصدیق ہو گئی ہے نا؟ اب واپس چلو! ہمیں لاہور بھی پہنچنا ہے۔"

شکیل ٹارچ کی روشنی تہہ خانے کے ستونوں، اس کی چھت اور دیوار پر اُبھری ہوئی رقاصہ کی مورتی پر ڈالنے لگا۔ اس دوران پروفیسر جمالی تہہ خانے سے باہر نکل گئے تھے۔

نازلی نے کہا۔ "سر چلے گئے ہیں شکیل! آؤ اب واپس چلو۔"

شکیل بولا۔ "نازلی! ہمیں چاند رات کو یہاں آنا چاہئے۔ شتربان نے غلط نہیں کہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ سانپوں کا جوڑا چاند رات کو یہاں ضرور کسی جگہ سے نمودار ہوتا ہوگا۔"

نازلی نے بے دلی سے کہا۔ "اگر وہ نکل بھی آیا تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟"

شکیل نازلی کے ساتھ تہہ خانے سے باہر نکل رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"پتہ نہیں کیوں، میرا دل کہتا ہے کہ سانپوں کا یہ جوڑا شاید گمشدہ شہر کا راز کھول دے اور ہم زمین دوز شہر کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

نازلی نے اپنے کٹے ہوئے سنہری بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"ہم خلائی دور میں رہ رہے ہیں، الف لیلیٰ کی دنیا میں نہیں رہ رہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سانپ ہمیں یہ بتا دیں کہ وہ شہر کہاں غرق ہوا تھا، کیسے غرق ہوا تھا۔"

دونوں تہہ خانے کے گڑھے سے باہر نکلے تو اُنہوں نے دیکھا کہ پروفیسر جمالی کچھ دُور ایک جگہ جھک کر زمین کو بڑے غور سے دیکھ رہے ہیں۔ دونوں پروفیسر صاحب کے پاس آ گئے۔ پروفیسر جمالی کے ہاتھ میں درخت کی سوکھی ہوئی شاخ تھی۔ اُنہوں نے زمین پر ایک جگہ درخت کی شاخ سے لمبی لکیر کھینچ کر کہا۔

"غور سے دیکھو..... یہاں زمین پر چکنی مٹی کی تہہ جمی ہوئی ہے۔ تمہارے خیال میں یہاں چکنی مٹی کہاں سے آ گئی ہے؟"

شکیل اور نازلی بھی جھک کر زمین کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ شکیل بولا۔

"سر! ہو سکتا ہے یہاں کبھی کوئی چشمہ بہتا ہو جو وقت گزرنے کے ساتھ خشک ہو گیا ہے۔"

پروفیسر جمالی سیدھے ہو گئے۔ کہنے لگے۔

"تم نے کافی حد تک درست اندازہ لگایا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ کسی زمانے میں اس دریا کی گزرگاہ تھی جو گمشدہ شہر کے ساتھ ہی زمین کے اندر غائب ہو گیا۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے۔"

"آپ کا مطلب دریائے گھاگرا سے ہے سر؟" نازلی نے پوچھا۔

"ہاں۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "اب تک اس گمشدہ شہر کے بارے میں غیر ملکی ماہرین نے جس قدر تحقیق کی ہے اس کے مطابق اس دریا کا نام گھاگرا ہی تھا۔"

شکیل فوراً بولا۔

''سر! بوڑھے شتربان نے جو قدیم لوک گیت ہمیں سنایا تھا اس میں بھی اس دریا کو گھاگرا کے نام ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔''

پروفیسر جمالی کہنے لگے۔

''جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بتایا تھا آریاؤں کی قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب رگ وید میں بھی اس دریا کا تذکرہ ملتا ہے۔ اور گھاگرا کا مطلب گمشدہ بیان کیا گیا ہے۔''

وہ تینوں اسی موضوع پر باتیں کرتے جیپ میں آکر بیٹھ گئے۔ شکیل نے جیپ سٹارٹ کی اور واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ پروفیسر جمالی کسی گہری سوچ میں تھے۔ اُنہیں یقین ہو چلا تھا کہ اگر لگاتار کوشش کی جائے تو گمشدہ شہر کا معمہ حل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے سخت محنت اور بار بار اس علاقے میں آکر صحرا نوردی کرنی پڑتی تھی جس کے لئے مضبوط اعصاب کی ضرورت تھی اور پروفیسر جمالی کے اعصاب ضعیف ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود اُنہوں نے پختہ عزم کر رکھا تھا کہ وہ گمشدہ شہر کے راز پر جو ہزاروں برس کا پردہ پڑا ہوا ہے اُسے اُٹھا کر دم لیں گے۔ شکیل جیپ ڈرائیو کرتے ہوئے تہہ خانے کے کھنڈر میں پورے چاند کی رات کو آنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس نے پروفیسر سے کہا۔

''سر! میرا خیال ہے ہمیں پورے چاند کی رات کو یہاں آنا چاہئے تاکہ سانپوں کے جوڑے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' پروفیسر جمالی نے بے نیازی سے کہا۔ ''اگر سانپوں کا تماشہ ہی دیکھنا ہے تو وہ ہم شہر میں بھی کسی سپیرے کو بلا کر دیکھ سکتے ہیں۔''

شکیل خاموش ہوگیا۔ جیپ کھجوروں کے جھنڈ کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔ پروفیسر جمالی نے پائپ، ہونٹوں سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''مائی ڈیئر! ہماری یہ مہم ناکام نہیں رہی۔ ہمیں اپنے مطلب کی بہت سی قیمتی معلومات مل گئی ہیں۔ اب ہمیں وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر لکھی گئی تمام کتابوں کی چھان بین کرنی ہو گی۔ ان کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ گمشدہ شہر کا اگر کوئی سراغ ملا تو ان کتابوں سے ہی مل جائے گا۔''

پروفیسر جمالی اپنی جگہ پر ٹھیک سوچ رہے تھے۔ تحقیق کرنے والا محقق اسی طرح سوچتا ہے۔ مگر شکیل کے دل میں تحقیق کے ساتھ ساتھ ایڈونچر کا جذبہ بھی موجزن تھا۔ یہ اس کی عمر اور جوان خون کا تقاضہ بھی تھا۔ چنانچہ اُس نے پورے چاند کی رات کو تہہ خانے کے قدیم کھنڈر میں آنے کا دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔

لاہور پہنچنے کے بعد اُس نے پروفیسر صاحب کو اُن کی رہائش گاہ پر اُتارا اور نازلی کو لے کر گرلز ہاسٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔ نازلی اب جیپ کی اگلی سیٹ پر شکیل کے ساتھ آکر بیٹھ گئی

تھی۔ شکیل کی طرف دیکھ کر بولی۔

''تم کیا سوچ رہے ہو؟''

شکیل کہنے لگا۔ ''میں نے تو چاند رات کو سانپوں کے جوڑے کو دیکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟ پروفیسر صاحب تو نہیں جائیں گے۔''

نازلی سوچ میں پڑ گئی۔ جیپ اس وقت لاہور کی بارونق سڑکوں پر سے گزر رہی تھی۔ شکیل نے نازلی سے دوبارہ پوچھا۔

''کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟''

نازلی نے کہا۔ ''میں اس ایڈونچر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔ لیکن ہاسٹل کی وارڈن مجھے رات باہر رہنے کی اجازت نہیں دے گی۔''

شکیل نے کہا۔ ''تم بڑی آسانی سے اپنے گھر جانے کی چھٹی لے سکتی ہو۔''

''ہاں...... یہ تو ہے۔'' نازلی نے آہستہ سے کہا۔ اُس کے ہاسٹل کی عمارت آگئی تھی۔ شکیل نے جیپ ہاسٹل کے گیٹ کے پاس کھڑی کی اور نازلی سے پوچھا۔

''پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟ میرے ساتھ چلو گی یا مجھے اکیلے ہی جانا پڑے گا؟''

نازلی نے مسکرا کر کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نہ جاؤں؟ کیا مجھے ہزاروں برس پرانے گمشدہ شہر کو دریافت کر کے نوبل پرائز نہیں لینا؟ میں تمہارے ساتھ ضرور جاؤں گی۔ اوکے!''

''اوکے!'' شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نازلی نے جیپ سے اُتر کر اپنے بالوں کو جھٹک کر پیچھے کیا اور ہاسٹل کے گیٹ میں داخل ہوگئی۔ گیٹ میں داخل ہونے کے بعد اُس نے ہاتھ ہلا کر بائی بائی کہا۔ اس کے جواب میں شکیل نے بھی ہاتھ ہلا کر بائی کہا اور جیپ کو واپس موڑ کر اپنے ہاسٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

○

دوسرے دن پروفیسر جمالی نے یونیورسٹی اور کالج کی لائبریریوں سے وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر انگریزی اور اُردو میں لکھی گئی تقریباً تمام کتابیں نکلوا کر اپنے یونیورسٹی کیمپس کے کمرے کی میز پر جمع کر دیں اور کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے۔ وہ خاص خاص جگہوں پر کتاب کھول کر اُسے پڑھتے جاتے اور ساتھ ساتھ کاغذ کے پیڈ پر ضروری پوائنٹ نوٹ بھی کرتے جاتے۔ اس تحقیق میں نازلی اور شکیل بھی اُن کی مدد کر رہے تھے اور پروفیسر جمالی اُنہیں جو ضروری پوائنٹس لکھواتے وہ انہیں کاپی پر لکھتے جاتے تھے۔

تحقیق کا یہ عمل تو اپنی جگہ پر جاری تھا لیکن دوسری طرف شکیل بڑی بے صبری سے پورے چاند کی رات کا انتظار کر رہا تھا جس میں ابھی سات دن باقی تھے۔ قمری کیلنڈر کے مطابق وہ

ایک ایک دن کا حساب رکھ رہا تھا۔

آخر چاند کی چودھویں تاریخ آ گئی۔۔۔!

ایک دن پہلے ہی نازلی نے ہوسٹل کی وارڈن کو درخواست دے کر ایک دن کی چھٹی لے لی تھی۔ شکیل نے اپنے دوست سے ایک دن کے لئے جیپ عاریتاً لے لی تھی۔ صبح صبح نازلی، شکیل کے ہوسٹل کی کینٹین میں پہنچ گئی۔ شکیل اُس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ دونوں نے مل کر ناشتہ کیا، شکیل نے کینٹین سے کچھ شامی کباب، سینڈوچز کے علاوہ ایک تھرمس میں چائے بنوا کر بھر لی تھی۔ دوسری بڑی تھرمس میں پانی بھر لیا تھا۔ دن کافی نکل آیا تھا جب وہ کینٹین سے نکلے اور علاقے کے پٹرول پمپ پر آ گئے۔ یہاں سے اُنہوں نے جیپ کی ٹینکی پٹرول سے فُل کرائی اور اللہ کا نام لے کر اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔

دونوں نے جینز اور جیکٹس پہن رکھی تھیں۔ شکیل جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ نازلی اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ہوا میں اُس کے سنہری بال بار بار ماتھے پر آ جاتے تھے جنہیں نازلی ایک ہاتھ سے پیچھے ہٹا دیتی تھی۔ شکیل نے اُس کی طرف دیکھ کر اُسے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

''یہ سنہری بال تمہارے چہرے پر لہراتے ہوئے اچھے لگتے ہیں، انہیں کیوں ہٹاتی ہو؟''

نازلی ہنس پڑی، کہنے لگی۔ ''بالوں کو میں اس لئے ہٹاتی ہوں کہ کہیں انہیں تمہاری نظر نہ لگ جائے۔''

شکیل نے فوراً جواب دیا۔ ''جو محبت کرتے ہوں ان کی نظر نہیں لگا کرتی۔''

نازلی نے بھنویں چڑھا کر شکیل کی طرف دیکھا اور کہا۔

''اچھا۔۔۔ تو گویا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ یہ بخار تمہیں کب چڑھا؟''

شکیل کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ کہنے لگا۔

''یہ بخار تو اسی روز چڑھ گیا تھا جب میں نے تمہیں پہلی بار یونیورسٹی کیمپس میں دیکھا تھا۔ اب تو اس کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔''

نازلی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اپنے چہرے پر آئی ہوئی سنہرے بالوں کی لٹ ہاتھ سے پیچھے کی اور شوخی سے کہا۔

''بہتر ہے کہ دماغی امراض کے کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔''

شکیل نے سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''میری ڈاکٹر تو صرف تم ہی ہو۔''

''شٹ اپ۔۔۔'' نازلی نے مسکراتے ہوئے شکیل کو جھڑک دیا۔ شکیل قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور بولا۔ ''اس طرح باتیں کرنے سے سفر اچھی طرح کٹ جائے گا۔''

نازلی نے ڈیش بورڈ کھول دیا۔ اُس کے اندر ایک بڑا شکاری چاقو دیکھ کر بولی۔

''یہ چاقو تم نے ساتھ لیا ہے؟''

''ہاں۔۔۔'' شکیل نے جواب دیا۔ پستول، بندوق تو ہمارے پاس ہے نہیں۔ صحرا میں رات کو اکیلے ہوں گے۔ کسی جنگلی درندے نے حملہ کر دیا تو اپنے بچاؤ کے لئے کچھ تو پاس ہونا چاہئے۔''

نازلی نے ڈیش بورڈ بند کر دیا، کہنے لگی۔

''پروفیسر صاحب کے سامنے تو تم بڑے ادب آداب سے مجھ سے بات کرتے ہو۔ آج بڑے بے تکلف ہو رہے ہو۔''

شکیل بولا۔ ''جمالی صاحب ہمارے گائیڈ پروفیسر ہیں۔ اُن کا ادب لحاظ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیا تمہیں میرا بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگا؟''

نازلی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بہت برا لگا ہے۔ بہت ہی برا۔''

شکیل نے ہنس کر کہا۔ ''تھرڈ ایئر میں آسکر وائلڈ کا ایک قول پڑھا تھا کہ عورت جب نہیں کہتی ہے تو اس کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔ آج یہ قول سچا ثابت ہو گیا ہے۔''

نازلی ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ کہنے لگی۔

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تمہیں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر کھنڈر کے تہہ خانے میں سانپوں کا جوڑا رات کو نکل آیا تو ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ میں نے سنا ہے کہ ناگ اور ناگن کا جوڑا جب ایک جگہ مل رہا ہو اور وہاں کوئی انسان آ جائے تو ناگ اور ناگن فوراً اسے ڈس کر ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ یقین کرو! مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔''

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شکیل بولا۔ ''ہم سانپوں کے جوڑے کے سامنے تھوڑی جائیں گے؟ ہم تو کسی جگہ چھپ کر اُن کو دیکھیں گے۔''

نازلی نے کہا۔ ''تم بھول رہے ہو۔ آدمی اگر چھپا ہوا بھی ہو تو سانپ کو آدمی کے بدن سے اُٹھنے والی حرارت سے اُس کی موجودگی کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور ہم تو ناگ اور ناگن کی تنہائیوں میں مخل ہوں گے۔ سانپ تو غضبناک ہو کر ہم پر حملہ کر دیں گے۔''

''تو کیا تم اس مہم پر نہیں جانا چاہتی؟'' شکیل نے پوچھا۔ اس وقت ان کی جیپ لاہور کے مضافات سے نکل چکی تھی اور اس کا رُخ ہڑپہ شہر کی جانب تھا۔ نازلی نے تنک کر کہا۔

''اگر مہم پر نہ جانا ہوتا تو میں ہوسٹل سے چھٹی کیوں لیتی؟''

''تو پھر؟ کیا تم ڈر رہی ہو؟'' شکیل نے اعتراض کیا۔

نازلی بولی۔ ''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر ہم میڈیکل سنٹر سے سانپ کے زہر سے بچنے کا انجکشن لگوا لیتے تو بہتر ہوتا۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' شکیل نے سرزنش کرنے کے انداز میں کہا۔ ''ہم کوئی دودھ

پیتے بچے تو نہیں ہیں۔ اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔"

شکیل کی اس سرزنش سے بھی نازلی کے دل کا خوف دُور نہ ہوا۔ نازلی کا خطرہ جائز تھا کہ زمین دوز تہہ خانے یعنی کھنڈر کی گپھاہ میں اگر سانپوں کا جوڑا ان کی موجودگی کو محسوس کر لیتا ہے تو پھر ان دونوں کا ان سے بچ کر نکل جانا ایک معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔ ناگ اور ناگن جب ایک دوسرے سے ملاپ کر رہے ہوتے ہیں یا چاندنی رات میں ایک دوسرے سے راز و نیاز میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ ایسے وقت میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔ سپیروں کا کہنا ہے کہ اس وقت اگر کوئی انسان یا درندہ ان کے سامنے آ جائے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑتے۔ مگر شکیل پر گمشدہ شہر کی دریافت کی دھن سوار تھی اور اس دھن میں اُسے اور کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

انہیں ہڑپہ شہر پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی۔

شہر سے باہر ایک کنویں کے پاس بیٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا، کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر آگے منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ سورج آہستہ آہستہ غروب ہونا شروع ہو گیا تھا جب وہ کھجوروں کے اس جھنڈ میں پہنچے جہاں ٹھنڈے پانی کا ایک قدرتی چشمہ تھا۔ یہاں انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر تھرماس میں سے چائے نکال کر پی۔ جیپ کے انجن کو چشمے کے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کیا اور وہاں سے نکل کر اس جگہ آ گئے جہاں انہیں بالی نام کا بوڑھا شتربان ملا تھا۔ بوڑھا شتربان وہاں نہیں تھا۔ اُس کی جھونپڑی خالی پڑی تھی۔ یہاں سے انہیں سات کوس دُور کالی پہاڑی کے دامن میں واقع قدیم زمانے کے کھنڈر کے تہہ خانے یعنی زمین دوز گپھاہ میں جانا تھا جہاں شتربان کے قول کے مطابق چاند کی چودھویں تاریخ کو آدھی رات کے بعد ناگ اور ناگن کا جوڑا نمودار ہوتا تھا۔

ابھی رات ہونے میں کافی وقت تھا۔ شکیل نے نازلی سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اسی جگہ رہ کر رات ہونے کا انتظار کر لینا چاہئے۔ کیونکہ آگے کوئی ایسی سایہ دار جگہ نہیں ہے۔"

نازلی نے اس تجویز کو پسند کیا۔ شکیل نے جیپ میں سے چادر نکال کر جھونپڑی کے اندر بچھائی اور کیکر اور پھلاہی کے درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر کچھ سینڈوچز کھائے، چائے پی اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد شکیل نے نازلی سے کہا۔

"تم جھونپڑی میں جا کر کچھ دیر آرام کر لو۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔ اگر نیند آ گئی تو یہیں کچھ دیر کے لئے سو جاؤں گا۔"

نازلی جھونپڑی کے اندر جا کر لیٹ گئی۔ شکیل جھونپڑی کے باہر درختوں کی چھاؤں میں کچھ دیر تک خشک پتوں کے فرش پر لیٹا رہا۔ اُس کا ذہن گمشدہ شہر کے خیالوں میں کھویا ہوا

تھا۔ پھر وہ اُٹھا، اُس نے تھرمس اور کپ اُٹھا کر جیپ میں رکھے اور واپس اسی جگہ آ کر لیٹ گیا۔ آسمان پر سے دن کی روشنی غروب آفتاب کی سرخی میں تبدیل ہو کر آہستہ آہستہ مغرب کی طرف سمٹتی جا رہی تھی۔ پھر سورج غروب ہو گیا۔ لیکن آسمان پر ابھی غروب آفتاب کی ملگجی روشنی باقی تھی۔ صحراؤں میں سورج کے غروب ہونے کے بعد بھی آسمان پر کافی دیر تک شام کی روشنی باقی رہتی ہے۔ اس روشنی کو ٹوائی لائٹ کہتے ہیں۔ اور یہ روشنی ساحل سمندر کے آسمان پر بھی کافی دیر تک موجود رہتی ہے۔ لیٹے لیٹے شکیل کی آنکھ لگ گئی۔ جب اُس کی آنکھ کھلی، چودھویں رات کا چاند آسمان کے وسط میں چمک رہا تھا اور اس کی دودھیا روشنی اس صحرائی ویرانے میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

اُس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا اور رات کے آٹھ بجے کا عمل تھا۔ نازلی ابھی تک جھونپڑی میں سو رہی تھی۔ وہ جلدی سے اُٹھا۔ اُس نے ٹارچ لی اور جھونپڑی میں جا کر اُسے آن کر کے دیکھا۔ نازلی بے خبر ہو کر سو رہی تھی۔ اُس نے نازلی کو جگا کر کہا۔

"اُٹھو...... رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔"

نازلی جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ شکیل جیپ میں سے ایک بڑی موم بتی اُٹھا لایا۔ اُسے جلا کر جھونپڑی کے باہر ایک اینٹ پر جما دیا۔ نازلی جھونپڑی سے نکل آئی تھی۔ شکیل نے خشک گھاس پھونس اور درختوں کی شاخیں اکٹھی کر کے وہاں آگ کا چھوٹا سا الاؤ روشن کر دیا۔ دونوں نے اس کے پاس بیٹھ کر رات کا کھانا یعنی کچھ سینڈوچز اور بسکٹ کھائے۔ چائے کے دو دو کپ پئے اور تازہ دم ہو گئے۔ نازلی نے چاروں طرف پھیلی ہوئی دودھیا چاندنی کو اور پھر آسمان پر چمکتے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور بولی۔

"میرے خدا! میں چاند کو اتنی آب و تاب سے چمکتے ہوئے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ شہروں میں تو اس کا چہرہ پھیکا پھیکا اور اُترا ہوا سا ہوتا ہے۔"

شکیل نے کہا۔

"شہروں کی فضا پٹرول اور ڈیزل کے دھوئیں سے آلودہ ہو چکی ہے جس کی وجہ سے چاند کی چمک پھیکی پڑ جاتی ہے۔ لیکن یہ صحرا کا کھلا اور وسیع و عریض آلودگی سے پاک علاقہ ہے۔ چاند کی چاندنی یہاں اپنے پورے جوبن پر ہوتی ہے۔"

کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ فضا پر ایک سکوت طاری تھا، جیسے چاندنی میں شہر اور رات کی فضا بھی ہمہ تن گوش ہو کر کان لگائے سانس روکے کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ صحرا کے اس سکوت اور گہری خاموشی اور جنگل کی راتوں کی گہری خاموشی میں شکیل کو بڑا واضح فرق محسوس ہو رہا تھا۔ جنگل کی راتوں کی خاموشی میں ایک خوف چھپا ہوا ہوتا ہے، جان

کے خطرے کا احساس ہر لحظہ دل پر طاری رہتا ہے۔ جبکہ اس صحرائی علاقے کی رات کی خاموشی میں ایک طرح کی گرمجوشی اور محبت کا احساس تھا۔ دونوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے صحرا کی منور چاندنی نے دونوں کو اپنی محبت بھری آغوش میں لے رکھا ہے۔ اس وسیع و عریض صحرائی کشادگی میں پھیلی ہوئی چاندنی رات کو شکیل پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ایک پُر جلال ہیبت سی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ مگر اس ہیبت میں شفقت اور رحم دلی اور محبت کا عنصر زیادہ تھا۔ دل بے اختیار ہو کر رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہونے کو چاہ رہا تھا۔

نازلی کے ذہن پر بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت طاری تھی۔ شکیل اُٹھ کر جیپ میں سے چائے کی تھرمس لے آیا۔ وہ دونوں پیالیوں میں چائے ڈال کر پینے اور گمشدہ شہر کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ نازلی چائے کا ہلکا سا گھونٹ لینے کے بعد کہنے لگی۔

''شکیل! کسی وقت مجھے لگتا ہے کہ یہ سب وہم و خیال کی افسانوی باتیں ہیں جن کو حقیقت جان کر ہم اس مہم پر نکل آئے ہیں۔ ہم ایک ایسی چیز کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے۔''

شکیل نے کہا۔

''یہ بھی محض تمہارا وہم ہے کہ ہم ایک وہم کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس گمشدہ شہر کا ذکر صرف لوک داستانوں اور لوک گیتوں میں ہی نہیں سنا، اس کا ذکر موہنجوڈرو اور ہڑپہ ایسی قدیم تہذیبوں اور شہروں کو دریافت کرنے والے شخص سر جان مارشل نے بھی اپنی یادداشتوں میں کیا ہے جس کا ریکارڈ موجود ہے۔ اور اس شہر کا تذکرہ مختلف حوالوں سے آج کے روز کے مشہور سکالر اور مؤرخ ول ڈیوراں نے اپنی کتاب ''سٹوری آف سویلائزیشن'' کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر 394 پر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آج سے ہزاروں برس پہلے ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے درمیانی علاقے میں ایک شہر آباد تھا جس کی تہذیب اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی جب قدیم مصر میں اہرامِ مصر کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ یہ لوگ محض سنی سنائی باتیں نہیں لکھا کرتے۔ ایسی باتیں لکھنے سے پہلے وہ پوری تحقیق کرتے ہیں، اس کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔ اور پھر ہمارے پروفیسر جمالی صاحب کوئی بے وقوف نہیں ہیں کہ جو یونیورسٹی کیمپس کے اپنے کمرے میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے اس شہر پر ریسرچ ورک کر رہے ہیں۔''

نازلی کہنے لگی۔ ''تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن...... لیکن پتہ نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے کہ ہم ایک وہم کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔''

شکیل بولا۔ ''یہ وہم اُس وقت تک وہم ہے جب تک کہ ہمیں اس کی اصل حقیقت کا ثبوت نہیں ملتا۔ دنیا کی بڑی بڑی دریافتوں کی ابتداء ایک وہم، ایک خیال ہی سے ہوئی ہے۔ ایڈیسن کے دل میں یہ خیال ایک واہمے کی طرح ہی آیا تھا کہ حرارت اپنے ایک خاص نقطہ

عروج پر پہنچ کر روشنی میں تبدیل ہو سکتی ہے اور اُس نے بجلی کا بلب ایجاد کر کے اس وہم، اس خیال کو حقیقت میں بدل دیا۔ ہم بھی اپنی اس گمشدہ شہر کی ریسرچ کی مہم میں ایک خاص نقطہ عروج کی تلاش میں ہیں۔ جس روز وہ ہمارے ہاتھ لگ گیا ہم سر جان مارشل کی طرح موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے بعد اس قدیم دور کے ایک گمشدہ شہر کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس وقت ضرورت صرف اسی بات کی ہے کہ ہم جی نہ ہاریں، ہمت نہ ہاریں اور اپنی منزل کی جانب مسلسل قدم بڑھاتے چلے جائیں۔''

نازلی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کیا بات ہے؟ آج تم بڑی عقلمندی کی باتیں کر رہے ہو۔''
شکیل الاؤ کی بجھی ہوئی آگ کو درخت کی ٹہنی سے کریدتے ہوئے بولا۔

''تم جو میرے سامنے بیٹھی ہو۔ شاید اسی لئے میں عقل مندی کی باتیں کرنے لگا ہوں۔''
نازلی کچھ شرما سی گئی۔ شکیل بولا۔ ''آگ بجھ گئی ہے۔ ہمیں آدھی رات تک بیٹھنا ہے۔''
اِدھر اُدھر سے سوکھی شاخیں اور پتے لا کر اُس نے دوبارہ آگ روشن کر دی۔ دس بجے کے قریب نازلی نے جمائی لے کر کہا۔

''مجھے تو نیند آ رہی ہے۔''

شکیل نے کہا۔ ''تم تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ۔ میں آدھی رات سے کچھ دیر پہلے تمہیں جگا دوں گا۔ ویسے بھی ہمیں کھنڈر کی گپھاہ میں آدھی رات سے کچھ پہلے ہی پہنچنا چاہئے۔''

نازلی جھونپڑی میں جا کر لیٹ گئی۔ شکیل آگ کے پاس بیٹھا سانپوں کے جوڑے کے بارے میں سوچتا رہا۔ رات کے وقت صحرا میں ٹھنڈ ہو گئی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ جب رات کے بارہ بجنے میں بیس منٹ باقی رہ گئے تو شکیل نے نازلی کو جگا دیا۔

''ہمیں اب چلنا چاہئے۔''

وہ جلدی سے جیپ میں سوار ہو گئے اور جیپ کالی پہاڑی کی سمت روانہ ہو گئی۔ کالی پہاڑی وہاں سے سات آٹھ کوس کے فاصلے پر ہی تھی۔ دُور دُور تک بکھری ہوئی چاندنی میں دور سے کالی پہاڑی کی چوٹی دُھندلی دُھندلی سی نظر آ رہی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں آ کر انہوں نے جیپ ایک طرف کھڑی کر دی۔ شکیل نے ڈیش بورڈ میں سے شکاری چاقو نکال کر اپنی پتلون کی پیٹی میں اڑس لیا، ٹارچ ہاتھ میں پکڑی اور نازلی سے کہا۔

''ہمیں گپھاہ میں پہنچ کر ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں بات کرنی ہو گی، بلکہ زیادہ تر خاموش ہی رہنا ہو گا۔''

اتنا کہہ کر وہ بوسیدہ کھنڈر کے گڑھے میں اُتر گئے۔ شکیل نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ گڑھے میں اُترنے کے بعد چند قدم چل کر وہ سرنگ نما دہانے میں داخل ہو گئے۔ اب وہ گپھاہ کے اندر تھے۔ شکیل نے رُک کر ٹارچ کی روشنی میں گپھاہ کا اچھی طرح سے معائنہ کیا۔

ابھی تک وہاں کوئی سانپ نمودار نہیں ہوا تھا۔ گپھاہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اُنہوں نے ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جہاں تین چار فٹ کا اینٹوں کا ستون سا بنا ہوا تھا اس پر چھت کے ایک کونے سے چاندنی کی کرنیں آ کر پڑ رہی تھیں۔شکیل نے ٹارچ بجھا دی۔ اب گپھاہ کے سیاہ اندھیرے میں اینٹوں کا ستون چاندنی کی کرنوں میں روشن نظر آ رہا تھا۔ نازلی شکیل کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ اُس نے سرگوشی میں شکیل سے کہا۔

''یہ چاندنی چھت میں سے کہاں سے آ رہی ہے؟''

شکیل نے سرگوشی میں ہی جواب دیا۔''چھت میں کوئی سوراخ ہے جو خاص اسی مقصد کے لئے رکھا گیا ہے کہ جب چاندرات ہو تو چاند کی کرنیں اس سوراخ میں سے نکل کر اس ستون پر پڑیں۔ میرا خیال ہے پرانے زمانے میں یہاں کوئی مورتی ہوا کرتی تھی جس کی یہاں کے لوگ چاندرات میں پوجا کرتے ہوں گے۔''

نازلی نے کہا۔''مجھے تو یہاں سے خوف آنے لگا ہے۔''

''اپنے دل کو مضبوط رکھو!'' شکیل نے نازلی کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا اور ٹارچ روشن کر کے چھپ کر بیٹھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ ایک جگہ ستون کے پیچھے پرانی اینٹوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔شکیل نے اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے یہ جگہ مناسب رہے گی۔''

وہ اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ یہاں سے باہر جانے کا راستہ بھی چار پانچ قدموں کے فاصلے پر تھا۔شکیل نے ٹارچ بجھا دی۔ نازلی اس کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ اُس نے سرگوشی میں شکیل سے ٹائم پوچھا۔شکیل نے کلائی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور بولا۔

''رات کے ٹھیک بارہ بج کر دس منٹ ہوئے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے آدھی رات ہو گئی ہے۔'' نازلی بولی۔''ہاں۔'' شکیل نے ٹارچ بجھا کر کہا۔''سانپوں کا جوڑا اب کسی بھی وقت نمودار ہو سکتا ہے۔''

دونوں گپھاہ کے اندھیرے میں آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ نازلی کہنے لگی۔''ہمیں ٹارچ بجھانی نہیں چاہئے، اسے روشن رکھنا چاہئے۔ تاکہ اگر سانپوں کا جوڑا نمودار ہو تو ہمیں وہ نظر آ جائیں۔ اندھیرے میں وہ ہمیں کہاں دکھائی دیں گے۔''

''اس کا مجھے خیال ہی نہیں آیا۔''

یہ کہہ کر شکیل نے ٹارچ روشن کر کے اینٹوں کے درمیان اس طرح رکھ دی کہ اس کی روشنی اینٹوں کے ستون پر پڑ رہی تھی۔ لیکن ایک خیال کے آتے ہی اُس نے ٹارچ بجھا دی اور سرگوشی میں نازلی سے کہا۔

''ہمیں ٹارچ بجھا کر رکھنی چاہئے۔ چاند کی کرنیں ستون پر پڑ رہی ہیں۔ سانپوں کا جوڑا آیا تو وہ ہمیں نظر آ جائے گا۔ ٹارچ کی روشنی میں ہو سکتا ہے سانپ ڈر کر واپس چلے جائیں۔''

نازلی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ دونوں اینٹوں کی ڈھیری کی آڑ میں خاموش بیٹھے تھے۔ اُن کی نگاہیں چاندنی میں نہائے ہوئے ستون پر لگی تھیں۔ ستون پر چاند کی جو کرنیں پڑ رہی تھیں ان کے عکس کی وجہ سے گپھاہ کا اندھیرا دُھندلی روشنی کے غبار میں تبدیل ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ اگر سانپ کسی جگہ سے نمودار ہوتے تو وہ انہیں دیکھ سکتے تھے۔

○○○

دونوں کافی دیر اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے بیٹھے رہے لیکن سانپوں کا جوڑا نمودار نہ ہوا۔ شکیل نے ٹارچ روشن کر کے کلائی پر وقت دیکھا، رات کا سوا ایک بج چکا تھا۔

نازلی نے سرگوشی میں کہا۔ ''میرا خیال ہے اب یہاں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سانپوں کو آنا ہوتا تو اب تک آ چکے ہوتے۔''

شکیل نے ایک بار پھر بڑے غور سے گپھاہ میں چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ کسی جگہ سانپوں کے نمودار ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اُس نے نازلی سے کہا۔

''کچھ دیر اور انتظار کر لینا چاہئے۔''

جب اُنہیں بیٹھے بیٹھے رات کے دو بجے کا وقت آن پہنچا تو نازلی بالکل مایوس ہو گئی۔ اُس نے شکیل سے فیصلہ کن الفاظ میں کہا۔

''مجھ سے اب نہیں بیٹھا جاتا۔ یہاں کوئی سانپ وغیرہ نہیں آئیں گے۔''

شکیل نے بھی وہاں مزید بیٹھے رہنا مناسب خیال نہ کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

تہہ خانے کی گپھاہ سے نکلنے سے پہلے شکیل نے اینٹوں کے ستون پر نگاہ ڈالی۔ اس کے نزدیک اب اس کی اہمیت پرانی اینٹوں کے ڈھیر کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ دونوں گپھاہ سے نکل گئے۔ نازلی تھکے تھکے قدموں سے شکیل کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ کھائی نما گڑھے سے باہر آ گئے۔ چاندنی رات چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی جیپ میں آ کر بیٹھ گئے۔ نازلی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''خواہ مخواہ وقت ضائع کیا یہاں آ کر۔''

شکیل نے جیپ سٹارٹ کی اور بولا۔ ''ہمیں پہلے تھوڑی پتہ تھا کہ سانپوں کا جوڑا نہیں آئے گا۔ لیکن میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ شتر بان نے اپنے بڑے بوڑھوں سے غلط نہیں سنا۔ اور یہاں کے لوک گیت محض افسانہ نہیں ہیں۔''

جیپ ویران علاقے میں واپس جا رہی تھی۔ نازلی بولی۔ ''اس کا مطلب ہے تمہیں اب بھی یقین ہے کہ چاندنی رات میں سانپوں کا جوڑا گپھاہ میں نکلتا ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' شکیل نے آہستہ سے کہا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد شکیل کہنے لگا۔

''میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں اگلی چاند رات کو یہاں ایک بار پھر آنا چاہئے۔''

''میں تو نہیں آؤں گی۔'' نازلی بولی۔ ''تم بے شک آ جانا۔''

شکیل نے نازلی کو تو کوئی جواب نہ دیا لیکن یہ بات اُس نے اپنے دل میں طے کر لی تھی کہ وہ اگلی چاند رات کو گپھاہ والے کھنڈر کا چکر ضرور لگائے گا۔ ان کی جیپ چاندنی رات کی خاموشی میں لاہور کی سمت سفر کر رہی تھی۔ اُنہیں صبح صبح لاہور پہنچ جانا تھا۔

ان دونوں کو لاہور کی سمت محو سفر چھوڑ کر ہم ہزاروں برس پرانے کھنڈر کی گپھاہ میں آتے ہیں۔ گپھاہ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چھت کے سوراخ میں سے پھسل کر چاندنی کی زرد دُھندلی کرنیں اینٹوں کے ستون پر پڑ رہی تھیں۔ ان کرنوں کا عکس دیوار میں اُبھری ہوئی رقاصہ کی سنگین مورتی کو بھی اُجاگر کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ پانچ ہزار برسوں سے اسی حالت میں ساکت و جامد تھا۔ کوئی شے اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔ گپھاہ کے وسط میں چھوٹے سے چبوترے پر بنے ہوئے ستون کو وقت کی آندھیوں اور زلزلوں نے ضرر توڑ پھوڑ دیا تھا اور یہ ستون جہاں کبھی موہنجوڈرو اور ہڑپہ کی قدیم ترین دراوڑ قوم کے کسی دیوی دیوتا کا بُت رکھا ہوا ہو گا اب محض اینٹوں کی ایک چھوٹی سی ڈھیری بن چکا تھا۔ گپھاہ کی فضا ہزاروں برس سے خاموش اور ساکت تھی۔

اچانک اس خاموشی میں کسی طرف سے بین کی دھیمی دھیمی سی آواز آنا شروع ہوئی۔ بین کے ساتھ ڈھولک بجنے کی بھی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ گپھاہ کی مہر بہ لب خاموشی جیسے سرگوشیاں سی کرنے لگی۔ بین اور ڈھولک کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی۔ پھر ایک پھنکار کی آواز نے فضا کے سکوت کو لرزا کر رکھ دیا۔ یہ کسی سانپ کی پھنکار کی آواز تھی۔ اس کے فوراً بعد ایک اور پھنکار کی آواز گونج اُٹھی۔ یہ پہلی پھنکار کی آواز سے تیز اور غصیلی پھنکار تھی۔ اُس وقت اگر شکیل اور نازلی گپھاہ میں موجود ہوتے تو سانپوں کی غضب ناک پھنکاریں سن کر کم از کم نازلی ضرور بے ہوش ہو جاتی۔ لیکن اس وقت ان دونوں میں سے وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سانپوں کی پھنکاریں آہستہ آہستہ مدھم ہوتی گئیں۔ پھر گپھاہ کے وسط میں خستہ حال ستون کے پیچھے سے سانپوں کا ایک جوڑا نمودار ہوا۔ وہ ستون کے پیچھے زمین کے اندر سے نمودار ہوئے تھے اور رینگتے ہوئے ستون کے اُوپر سے ہو کر ایک دوسرے کے آگے پیچھے ستون سے اُتر کر پرانی اینٹوں کے چھوٹے سے چبوترے کے پاس آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گئے تھے۔ دونوں سانپوں کے رنگ نسواری تھے۔ چھت کے سوراخ سے آنے والی چاند کی کرنیں ان پر پڑ رہی تھیں جن کی دُھندلی روشنی میں ان کے جسموں کی نسواری کھال چمک رہی تھی۔ دونوں سانپوں کی آنکھیں سرخ نگینوں جیسی تھیں اور وہ ٹکٹکی باندھے گپھاہ سے باہر جانے والے راستے کو تک رہے تھے۔

بین کی دھیمی دھیمی آواز برابر آ رہی تھی۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ بین کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ ستون کے آگے کنڈلی مار کر بیٹھے بیٹھے دونوں سانپوں نے اپنی گردنیں اُوپر اُٹھا

لیں۔ دونوں ایک ہی وقت میں خوفناک آواز میں پھنکارے۔ ان کی پھنکاروں سے گپھاہ کے ہزاروں سال پرانے در و دیوار ہل گئے۔ دوسرے لمحے دونوں سانپوں نے اپنے اپنے پھن کھول دیئے۔ اُن کی دو شاخہ زبانیں بار بار باہر نکل نکل کر لہرا رہی تھیں۔ دونوں کے منہ ایک دوسرے کی طرف تھے اور ان کے پھن غیبی بین کی آواز پر جھوم رہے تھے۔ کبھی اپنے پھن کو ایک دوسرے کے قریب لے جاتے اور کبھی پیچھے ہٹ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر دھیمی دھیمی پھنکاروں کی آوازیں نکالتے۔ بین کی آواز اور لے تیز ہونے لگی۔ دونوں سانپ بین کی آواز پر رقص کرنے لگے۔ رقص کرتے کرتے وہ بار بار ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے اور لپٹ لپٹ کر الگ ہو رہے تھے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان میں سے ناگ کون ہے اور ناگن کون ہے۔

چھت کے شگاف میں سے آتی چاند کی کرنیں ستون پر سے اُتر کر اب آگے چبوترے پر آ گئی تھیں جہاں دونوں سانپ عشق و محبت کی کیفیت میں سرشار ایک دوسرے کے ساتھ لگے گول دائرے میں رقص کر رہے تھے۔ جیسے جیسے بین اور ڈھولک کی آواز اور لے تیز ہوتی جا رہی تھی، سانپوں کا جوڑا بھی زیادہ جوش اور جذبے کے ساتھ تیزی سے رقص کر رہا تھا۔ پھر اچانک بین اور ڈھولک کی آواز رُک گئی۔ گپھاہ میں دوبارہ ہزاروں برس پرانی وحشت ناک خاموشی چھا گئی۔ اس وقت سانپوں کا جوڑا ستون کے سامنے چبوترے پر ایک دوسرے کے ساتھ لگا آہستہ آہستہ جھوم رہا تھا۔ جھومتے جھومتے ایک سانپ جو ناگن لگتی تھی ناگ سے الگ ہو گئی۔ اُس نے اپنا پھن اُونچا اور اُونچا کر دیا۔ اور جیسے ایک بجلی سی چمکی اور دوسرے لمحے ناگن کی جگہ نہایت حسین نوجوان عورت ناگ کے سامنے کھڑی تھی۔ اُس کا لباس شاہانہ ٹھاٹھ کا تھا۔ جسم کی رنگت نسواری تھی، آنکھیں نیلی تھیں اور ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سر پر سونے کا تاج تھا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اُس کے شاہانہ ریشمی لباس میں ننھے ننھے موتی جگنوؤں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ چہرے پر مہارانیوں اور راجکماریوں والا وقار تھا۔ اُس نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھے سانپ کی طرف دیکھا اور کہا۔

''میرے ناگ پال! آج پونم کی رات ہے۔ ہمارے ملاپ کی رات ہے۔ مجھے اپنا خوبصورت چہرہ دکھاؤ۔ مجھ سے پیار محبت کی باتیں کرو۔''

ناگن کی آواز ایسی سحر انگیز تھی جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔ اُس کی آواز سن کر اُس کے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھے سانپ نے اپنا پھن بلند کیا اور اُس کے منہ سے پھنکار کی آواز نکلی اور اُس نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ یہ ایک خوبصورت، تیکھے نقش و نگار والا جوان مرد تھا جس کی سیاہ آنکھیں سیاہ ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سیاہ کنڈل دار بالوں نے اُس کے سر کو

ڈھانپ رکھا تھا۔ گلے میں بڑے قیمتی سیاہ اور سبز موتیوں کی مالا تھی۔ کمر کے گرد ہیرے موتیوں سے جڑا ہوا پٹکا بندھا تھا، بانہوں میں جواہرات سے مرصع بازو بند تھے۔ وہ محبت میں سرشار نظروں سے ناگن عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ناگن عورت نے کہا۔

''ناگ پال! مجھے تم سے ملنے کے لئے ایک مہینے کی کٹھن جدائی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ کب پونم کی چاند رات آئے اور کب میں یہاں آ کر تم سے ملوں، تمہارا محبت بھرا خوبصورت چہرہ دیکھوں......''

ناگ نے جس کو ناگن عورت نے ناگ پال کہہ کر مخاطب کیا تھا، کہا۔

''چمپا کلی! یہ ہمارے بھاگیہ (قسمت) کا لکھا ہے جو ہمیں بھگتنا پڑے گا۔ جب تک ہمارے اس جنم کا چکر پورا نہیں ہو جاتا ہم اسی طرح پونم کی ہر رات کو مل کر ایک دوسرے سے جدا ہوتے رہیں گے۔ دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے۔''

ناگن کا نام چمپا کلی تھا۔ چمپا کلی ناگن نے ایک سرد آہ بھری اور بولی۔

''کتنے پتھر دل ہیں ہمارے دیوتا جنہوں نے ہم دو محبت کرنے والوں کو آپس میں ملا کر بھی ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔''

ناگ پال نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ ناگن چمپا کلی نے بھی دونوں ہاتھ اُس کی طرف بڑھا دیئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال دیئے اور چبوترے پر بیٹھ گئے۔ ناگن چمپا کلی نے اپنا خوبصورت سر ناگ پال کے چوڑے سینے کے ساتھ لگا دیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

''دیوتاؤں نے مجھے میرے پاپ کی سزا دی ہے۔ اگر میں تم سے بے وفائی نہ کرتی تو اس طرح ہر ماہ جدائی کی آگ میں نہ جلتی۔''

ناگ پال نے ناگن چمپا کلی کا سر چوم لیا اور بولا۔

''چمپا کلی! ہونی ہو کر رہتی ہے۔ قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔''

ناگن چمپا کلی نے اپنا چہرہ اُوپر اُٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے ناگ پال کو دیکھا اور بولی۔

''میرے ناگ پال! تم نے مجھے معاف کر دیا ہے نا؟''

ناگ پال نے اپنے ہاتھ کی خوش نما لمبی اُنگلیوں سے ناگن چمپا کلی کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو تمہیں اس وقت بھی معاف کر دیا تھا جب تم نے ایک غیر مرد کے لئے مجھ سے بے وفائی کی تھی۔''

ناگن چمپا کلی نے ناگ پال کا ہاتھ چوم لیا اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔

''لیکن دیوتاؤں نے مجھے معاف نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے میرے پاپ کی پوری سزا دی۔

دُکھ اس بات کا ہے کہ میرے ساتھ تمہیں بھی یہ سزا بھگتنی پڑ رہی ہے۔"

ناگ پال نے ناگن چمپا کلی کے سیاہ چمکیلے اور ریشم کی طرح نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنا چہرہ اُوپر اُٹھایا اور سرد آہ بھر کر کہا۔

"تم جسے سزا کہتی ہو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔"

ناگن چمپا کلی بولی۔ "لیکن میرا دل خون کے آنسو روتا ہے جب میں سوچتی ہوں کہ تمہیں بھی میرے ساتھ جدائی اور ملاپ کے درمیان بھٹکتے ہوئے اس جنم کے ایک لاکھ سال کا چکر پورا کرنا پڑے گا۔"

ناگ پال بولا۔

"چمپا کلی! میں نے لاکھ سال کے اس جنم کے چکر کو اپنی مرضی سے قبول کیا ہے۔ میں نے دیوتاؤں کے آگے پرارتھنا کی تھی کہ اگر میں نے زندگی میں کچھ اچھے کرم کیے ہیں تو اس کے بدلے آواگون کے چکر سے نجات دینے کی بجائے مجھے اپنی چمپا کلی کے ساتھ اس کے جنم چکر میں شامل کر دیا جائے۔ دیوتاؤں نے میری پرارتھنا سویکار (قبول) کر لی اور میں تمہارے پاس آ گیا۔ مجھے ایسی نجات، ایسی مکتی نہیں چاہیے جو مجھے تم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دے۔ اب ہم ایک دوسرے کے پاس تو ہیں۔ پونم کی رات کو ہی سہی، لیکن ایک دوسرے سے مل تو لیتے ہیں، ایک دوسرے کی شکل تو دیکھ لیتے ہیں، پیار محبت کی چار باتیں تو کر لیتے ہیں۔"

ناگن چمپا کلی کو اچانک ایک خیال آ گیا۔ وہ جلدی سے ناگ پال کے سینے سے الگ ہو گئی۔ ناگ پال نے پریشان سا ہو کر پوچھا۔

"کیا ہوا چمپا کلی؟"

چمپا کلی نے چہرہ آگے کر کے ناگ پال کی کشادہ پیشانی پر بوسہ دیا اور بولی۔

"بھگوان نہ کرے کہ ہم جنم جنم کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں۔ لیکن تمہارا ناگ رتن، جو ناگ دیوتا نے تمہیں دیا تھا اگر گم ہو گیا تو ہم جنم جنم کے لئے بچھڑ جائیں گے۔ یاد ہے، ناگ دیوتا نے تمہیں کہا تھا، ناگ پال! یہ ناگ رتن تمہارا مہرہ ہے۔ اس کی حفاظت کرنا۔ اگر اسے گم کر بیٹھے تو پھر کسی جنم میں بھی تمہارا اور چمپا کلی کا ملاپ نہیں ہو سکے گا۔"

ناگ پال بولا۔ "مجھے ناگ دیوتا کے یہ الفاظ یاد ہیں اور میں اپنے ناگ رتن کی دل و جان سے حفاظت کرتا ہوں۔ یہ دیکھو..... !"

یہ کہہ کر ناگ پال اپنا ہاتھ منہ کے پاس لے گیا اور زبان کے نیچے سے چھوٹے ہیرے کے سائز کا ایک شفاف اور چمکیلا نیلا پتھر نکال کر ناگن چمپا کلی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ جس طرح ہر اژدھا، سانپ کا ایک منکا ہوتا ہے جسے مہرہ بھی کہتے ہیں اسی طرح سانپ کے رُوپ میں آنے کے بعد ناگ پال کا بھی ایک منکا یا مہرہ اپنے آپ اُس کی زبان کے نیچے آ کر چپک گیا

تھا جس کو ناگ دیوتا نے ناگ رتن کا نام دیا تھا۔ ناگن چمپا کلی نے ناگ پال کے ناگ رتن کو تین بار چوما اور ناگ پال کو واپس دیتے ہوئے کہا۔

"اس ناگ رتن میں ایک طرح سے میری جان ہے ناگ پال! میری خاطر اس کی حفاظت کرنا۔" اور ناگن چمپا کلی نے اپنا سر ایک بار پھر ناگ پال کے سینے کے ساتھ لگا دیا اور اسی آواز میں کہنے لگی۔ "ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہماری زندگی میں ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم انسان سے سانپ بنا دیئے جائیں گے۔ ہمیں یہ بد دُعا دی جائے گی کہ تم صرف پونم کی رات کو ایک دوسرے سے مل سکو گے اور اس حالت میں ایک دوسرے سے مل کر بھی ایک دوسرے کی جدائی میں تڑپتے ہوئے اس جنم کے ایک لاکھ برس پورے کرو گے۔"

ناگ پال نے ناگن چمپا کلی کے بالوں کو چوم کر کہا۔

"یہ ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا ملی ہے۔" اور ناگ پال نے اپنا ناگ رتن اپنی زبان کے نیچے دوبارہ رکھ کر چھپا لیا۔ ناگن چمپا کلی بولی۔

"ہمارے گناہ تو ہمارے شہر کے لوگوں کے گناہوں سے بہت ہلکے تھے، بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے۔"

ناگ پال بولا۔ "اسی لئے ہمیں کم سے کم سزا ملی ہے۔ ہمارے شہر کے لوگوں کے گناہ تو اتنے بڑے تھے کہ اُن پر توبہ کے دروازے بند ہو گئے تھے اور وقت آنے پر قدرت کا قہر نازل ہوا اور ہمارے کا سارا شہر زمین میں دھنس گیا۔ اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ شہر کے سارے لوگ، راجہ اور اُس کے راج گورو اور پجاری مکانوں کی گرتی چھتوں اور دیواروں اور ٹیلوں کے اُڑتے ہوئے پتھروں تلے آ کر کچلے گئے۔ پس گئے تھے....."

"ہاں..... !" ناگن چمپا کلی نے مدھم آواز میں کہا۔ "اور میرے لئے یہ عذاب بھی کوئی کم عذاب نہیں ہے کہ مجھے تم سے جدا ہو کر دوسری پونم کی رات تک تمہارے دوبارہ انسانی شکل میں آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔"

پیار محبت کی باتوں میں ان دونوں محبت کرنے والوں کو وقت کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ مگر وقت تو مُردہ اور زندہ، محبت کرنے والوں اور نفرت کرنے والوں، جاگتے ہوؤں اور سوئے ہوؤں دونوں کو پیچھے چھوڑ کر دونوں سے بے نیاز آگے گزرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ وقت گزرتا چلا گیا تھا اور چھت کے شگاف میں سے گپھا کے اندر آنے والی چاندنی کی کرنیں ستون کے چبوترے سے اُتر کر اس جگہ پہنچ چکی تھیں جہاں گپھا سے باہر راستہ جاتا تھا۔ ناگ پال نے چونک کر کہا۔

"چمپا کلی! ہمارے جدا ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔ دیکھو! چاند کی کرنیں گپھا کی دیوار تک پہنچ گئی ہیں اور ہمیں جدائی کا پیغام دے رہی ہیں۔"

ناگن چمپاکلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ناگ پال کے سینے سے لپٹ گئی اور گلوگیر آواز میں بولی۔ ''کاش وقت تھم جاتا۔ وقت کبھی نہ گزرتا۔ کم از کم آج کی رات نہ گزرتا۔''

ناگ پال کو بھی چمپاکلی سے جدا ہوتے ہوئے بڑا دُکھ محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر وہ چاند کی کرنوں کے گپھاہ کے دروازے پر پہنچنے کے بعد ایک دوسرے سے الگ نہ ہوئے تو پھر وہ کبھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے۔ اُس نے چمپاکلی کا اُداس چہرہ اُوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''دیوتاؤں نے ہماری ملاقاتوں کا جتنا وقت لکھ دیا تھا وہ پورا ہو چکا چمپاکلی! اب ہمیں ٹیلے کے اندر اپنی اپنی جگھوں پر واپس جانا ہے۔''

ناگن چمپاکلی نے روتے ہوئے کہا۔ ''دیوتا ہمارے دشمن ہیں.... دیوتا ہمارے دشمن ہیں۔'' اور ناگ پال سے چمٹ گئی۔

''ایسا نہ کہو چمپاکلی! دیوتاؤں نے ہمارے ساتھ دشمنی نہیں کی، بلکہ ہم نے خود اپنے ساتھ دشمنی کی ہے۔''

ناگ پال نے بڑی مشکل سے چمپاکلی کو اپنے سے الگ کیا اور خود بھی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں تین گز کے فاصلے پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے حسرت بھری اُداس نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر ایک بجلی سی چمکی اور دوسرے ہی لمحے ناگ پال اور چمپاکلی انسانی شکل سے سانپ کے رُوپ میں واپس آ گئے۔ اس کے ساتھ ہی گپھاہ کی خاموش ساکت فضا میں بین کی دھیمی دھیمی آواز ایک بار پھر سنائی دی اور دونوں سانپ فرش پر کنڈلی مار کر بیٹھ گئے۔ دونوں کے پھن کھڑے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر بین کی آواز پر جھوم رہے تھے۔ اسی طرح جھومتے ہوئے دونوں ناگ اور ناگن ایک دوسرے کے گلے ملے اور ایک دوسرے سے الگ ہو کر رینگتے ہوئے اینٹوں کے شکستہ ستون کے پیچھے غائب ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی بین کی اُداس آواز بھی غائب ہو گئی اور گپھاہ پر ایک بار پھر صدیوں پرانے قبرستانوں ایسی خاموشی طاری ہو گئی......!

○

ہمارے قارئین کے دلوں میں قدرتی طور پر یہ سوالات پیدا ہو رہے ہوں گے کہ ایک دوسرے سے والہانہ پیار کرنے والے یعنی چمپاکلی اور ناگ پال حقیقت میں کون تھے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ کہاں رہتے تھے اور وہ کیا حالات تھے اور کون سے پراسرار واقعات تھے جن کے نتیجے میں ان دونوں کو دیوتاؤں کی طرف سے یہ سزا دی گئی کہ انہیں انسانوں کے بلند رُتبے سے معزول کر کے سانپوں یعنی ناگ اور ناگن کی جون میں تبدیل کر دیا گیا۔

ان سوالوں کے جواب پانے کے لئے ہمیں آج سے پانچ چھ ہزار برس پہلے کے زمانے

میں جانا ہو گا جب وادیٔ سندھ میں موہنجودڑو اور ہڑپہ کے شہروں کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ دونوں شہروں کے درمیان اگرچہ سینکڑوں کوس کا فاصلہ تھا مگر دونوں کی تہذیب، دونوں کی ثقافت اور تمدن ایک جیسا تھا۔ دونوں شہروں کے لوگوں کا رہن سہن ایک جیسا تھا، دونوں ایک ہی زبان بولتے تھے، ایک ہی رسم الخط میں لکھتے تھے۔ دونوں کے دجلہ اور فرات کی وادی میں آباد اُس زمانے کے مشہور شہروں سے تجارتی روابط تھے۔ دونوں شہروں کی رعایا خوشحال تھی اور دونوں شہروں میں امن اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ لیکن ان دونوں شہروں کے درمیان ایک اور شہر بھی اس زمانے میں آباد تھا جس کا نام ویدوں اور ہندوستان کی قدیم کتابوں میں ناگا پورم بتایا گیا ہے۔ اتنے بڑے اور مہذب اور اخلاقی اعتبار سے بلند مرتبہ رکھنے والے شہروں ہڑپہ اور موہنجودڑو کے درمیان آباد ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر ناگاپورم شہر کو بھی تہذیب اور عدل و انصاف کا گہوارہ ہونا چاہئے تھا لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ بلکہ بات اس کے برعکس تھی۔

ناگا پورم شہر گناہ اور بے حیائی، ظلم و نا انصافی اور بدکاریوں کی دلدل میں ڈوبا ہوا شہر تھا۔ زنا کاری، جھوٹ، فریب دہی، جعل سازی، چوری، قتل و غارت گری، توہمات اور بدکاریاں عام تھیں۔ چند ایک نیک انسانوں کو چھوڑ کر شہر کی اکثریت ان برائیوں میں پھنس چکی تھی۔ لوگ کم تولتے تھے، جھوٹی قسمیں کھاتے تھے، چیزوں میں ملاوٹ کرتے تھے، نقلی کو اصلی کہہ کر بیچتے تھے، رشوت ستانی کرتے تھے۔ دیوتاؤں کے معبد گناہ کے مندر بن چکے تھے جہاں دن رات عیاشیوں کے دوران گناہوں کی پرورش ہوتی تھی۔ عورتیں عام طور پر ایک مرد کی بجائے پانچ چھ سات سات مردوں سے شادی کرتی تھیں۔ اگر ایک گھر میں پانچ بھائی رہتے تھے تو الگ الگ دُلہنیں بیاہ کر لانے کی بجائے ان میں سے کوئی ایک بھائی کسی لڑکی سے شادی کر لیتا تھا اور وہ لڑکی باقی کے چار بھائیوں کی بھی دُلہن بن کر اس گھر میں رہنے لگتی تھی۔ ہر گھر میں الگ الگ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ یہ کافر اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ سانپوں، بچھوؤں، کنکھجوروں، اور کتے بلیوں کے بت بنا کر گھروں میں رکھ لیتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ شراب کی دُکانیں شہر میں جگہ جگہ کھلی تھیں۔ عہد قدیم کے تاریخی شہر بابل کی طرح ناگاپورم شہر کے مندر بھی عیاشیوں کے اڈے بن چکے تھے جہاں گناہوں کی پرورش ہوتی تھی، گناہ کے دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی اور پوجا بھی اس طریقے سے ہوتی تھی کہ ان بدکار دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے لوگ طوائفوں کو مندر میں لاتے تھے اور دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے اُن سے زنا کاری کے گناہ کے مرتکب ہوتے تھے۔ شریف عورتیں گھروں کی چاردیواری سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ ہر تیسرے چوتھے گھر میں قحبہ خانہ کھلا تھا۔ بابل کی طرح اس شہر یعنی ناگاپورم کے مندروں کے باہر بھی ایک خاص دیوار بنی ہوتی تھی۔ اس دیوار پر طوائفیں اپنا نام، پتہ، عمر اور مردوں کو لبھانے کا اپنا کوئی خاص وصف لکھ دیتی

تھیں۔ شام کو عیاش لوگ مندر میں پوجا کرنے آتے تو اس دیوار پر لکھے ہوئے طوائفوں کے نام اور ان کی عیاشیوں کے خاص وصف پڑھتے اور پھر اپنی پسند کی طوائف کے پاس چلے جاتے تھے۔

شہر کے بعض امیر گھرانوں کی عیاش طبع عورتوں کو ایسی لت پڑ گئی تھی کہ وہ عیاش مردوں کی کھوج میں رہتی تھیں۔ اپنے خاندانی ہونے کی وجہ سے وہ خود کسی عیاش مرد کو تلاش نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کام کے لئے اُنہوں نے بدمعاش لوگوں کی خفیہ طور پر خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ یہ بدمعاش لوگ ان عیاش طبع امیر اور گناہگار عورتوں کے لئے اُجڈ، جاہل اور درندہ صفت بدمعاش لوگوں کو تلاش کرتے تھے اور مندروں میں ان کا ملاپ کرواتے تھے۔ بعض بت پرست دولت مند گھرانوں کی عیاش عورتوں نے اپنی عیاشیوں اور گناہوں کی تسکین کے لئے ایک انوکھا طریقہ نکال رکھا تھا۔ ان عورتوں نے شہر کی بدنام ترین بستیوں میں بعض طوائفوں سے خفیہ مراسم استوار کر رکھے تھے۔ یہ بت پرست امیر زادیاں رات کے اندھیرے میں شہر کی طوائفوں ایسا لباس پہن کر، ان کے حلیے بنا کر طوائفوں کے ہاں پہنچ جاتی تھیں اور بڑے شوق سے بدمعاش مردوں کی ہوس کا نشانہ بنتی تھیں اور اپنی ہوس کی آگ بجھاتی تھیں اور اپنے دوزخ کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا آتی تھیں۔

ہر قسم کی برائیوں اور گناہوں کی دلدل میں ڈوبے ہوئے اس شہر ناگاپورم سے ہڑپہ اور موہنجودڑو کے شریف اور بلند کردار لوگوں نے ہر قسم کے رشتے ناطے توڑ رکھے تھے۔ ہڑپہ اور موہنجودڑو شہر کا کوئی شہری ناگاپورم شہر میں نہیں جاتا تھا اور ناگاپورم شہر کے کسی باشندے کو ہڑپہ اور موہنجودڑو دونوں میں سے کسی شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ان دونوں مہذب اور تہذیب یافتہ شہروں کے راجاؤں نے اعلان کر رکھا تھا کہ اگر ناگاپورم شہر کا کوئی مرد یا کوئی عورت ہمارے شہر میں داخل ہو تو اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ناگاپورم شہر کے راجہ نے بھی یہ اعلان کر رکھا تھا کہ اگر موہنجودڑو یا ہڑپہ شہر کا کوئی آدمی یا عورت ان کے شہر کی چاردیواری میں داخل ہوا تو اسے قتل کر کے اس کی لاش شہر کے دروازے پر لٹکا دی جائے گی۔

حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس نوع کی شدید دشمنی کے باوجود دونوں شہروں یعنی موہنجودڑو اور ہڑپہ کے ناگاپورم شہر سے تجارتی تعلقات ایک عرصے سے قائم تھے اور ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں آئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تھی اور یہ وجہ موہنجودڑو اور ہڑپہ کے راجاؤں کی مجبوری بن گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ایک دریا جس کا نام دریائے گھاگھرا تھا ناگاپورم شہر کے باہر بہتا تھا۔ بلکہ شہر کی دیوار کو چھو کر گزرتا تھا۔ جب یہ دریا شہر کی دیوار کو چھو کر گزرتا تھا تو کچھ دور جا کر اس کا پانی قدرتی طور پر ایک جگہ زمین کے اندر شہر کی دیوار کے نیچے ایک چھوٹی سی نہر کی شکل

میں داخل ہو جاتا تھا۔ دریا کی اس نہر نے شہر کی دیوار کے نیچے کافی گہرائی میں ایک گزرگاہ بنا لی ہوئی تھی۔ دریا کے پانی کی یہ نہر زمین کے اندر ہی اندر اپنی گزرگاہ سے گزرتی ہوئی شہر ناگاپورم کی چار دیواری کے اندر ایک جگہ سے خود بخود باہر نکل آتی تھی اور شہر میں سے گزرتی ہوئی واپس دریا میں جا کر گر جاتی تھی۔ جب دریا کا پانی شہر کی دیوار کے نیچے گھس کر زمین کے اندر ہی اندر کافی گہرائی میں ایک نہر کی شکل میں گزرتا تھا تو اس پانی میں زمین سے از خود نکلنے والے سونے چاندی کے ذرّات شامل ہو جاتے تھے۔ یہ قیمتی ذرّات جہاں دریا کی یہ نہر ناگاپورم شہر کی چار دیواری کے اندر زمین سے باہر آ جاتی تھی وہاں کناروں کے ساتھ جمع ہو جاتے تھے جنہیں راجہ کے اہلکار جمع کر کے ایک بڑے مٹکے میں ڈالتے جاتے تھے۔

یہ جگہ سونے کی کان کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ یہ سونا اور چاندی اکٹھی کر کے پگھلائی جاتی۔ پھر ان کی اینٹیں بنا کر انہیں دوسرے شہروں میں فروخت کر دیا جاتا۔ چونکہ یہ قیمتی معدنیات بڑی تعداد میں از خود ناگاپورم شہر سے نکلتی تھیں اس لئے ان کی قیمت زیادہ نہیں ہوتی تھی اور ہڑپہ اور موہنجودڑو کے تاجر انہیں فوراً خرید لیتے تھے۔ سونے کی اس کان نے ناگاپورم شہر کو معاشی طور پر تباہ ہونے سے صرف بچا ہی نہیں لیا تھا بلکہ اسے ہڑپہ اور موہنجودڑو کے مقابلے میں زیادہ خوشحال بنا دیا تھا۔ کیونکہ ناگاپورم شہر کے اردگرد زمین بنجر اور ریتلی تھی اور وہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی تھی۔ سونے چاندی کے عوض ناگاپورم کی حکومت دوسرے شہروں سے ضروریات زندگی کی تمام چیزیں خرید لیتی تھی۔ قدرت نے یہ نعمت شاید اس گناہگار شہر میں بسنے والے نیک آدمیوں کو ان کی نیکیوں کے عوض عطا کر رکھی تھی جس سے شہر کے گناہگار لوگ بھی فائدہ اُٹھاتے تھے۔

ہڑپہ اور موہنجودڑو کے ساتھ سونے چاندی کے عوض دوسری اشیاء کی خرید و فروخت کا کاروبار ناگاپورم شہر سے باہر ایک پہاڑی ٹیلے کے دامن میں ہوتا تھا جہاں تینوں شہروں کے تاجر وقت مقررہ پر پہنچ جاتے تھے۔ یہ کاروبار مہینے میں ایک خاص دن ہوتا تھا۔ اس کے بعد یہ لوگ ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے تھے۔ یہ تھی ناگاپورم شہر کی خوشحالی کی وجہ۔

اگر کسی سال پیچھے پہاڑیوں میں بارش نہیں ہوتی تھی اور دریا اُتر جاتا تھا اور دریا کا پانی زمین کے اندر سے سونے چاندی کی قیمتی دولت لے کر ناگاپورم شہر کی چاردیواری کے اندر نہیں پہنچاتا تھا تو دریا کے دیوتا کو خوش کرنے کے واسطے راجہ کے حکم سے ایک کنواری لڑکی کی قربانی دی جاتی تھی۔ قربانی کا طریقہ یہ تھا کہ شہر کی غریب آبادی میں سے جو کنواری لڑکی سب سے زیادہ خوبصورت ہوتی تھی، اُسے پکڑ کر دریا کے کنارے پر لٹا دیا جاتا تھا۔ پجاری اور پروہت ڈھول تاشوں اور نفیریوں کے شور میں اشلوک پڑھتے تھے۔ ایک پروہت تیز دھار والا خنجر ہاتھ میں لئے بدنصیب غریب کنواری لڑکی کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ پیر بندھے ہوتے

تھے۔ پروہت بھجنوں اور ڈھول تاشوں کے شور میں لڑکی کا پیٹ ننگا کر دیتا اور پھر تیز دھار خنجر کے ایک ہی وار سے اُس کا پیٹ چاک کر کے اس کی انتڑیاں وغیرہ دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر باہر نکال کر پھینک دیتا تھا۔ اس کے بعد خون آلود اور مری ہوئی لڑکی کو اُترے ہوئے دریا کے پانی میں پھینک دیا جاتا تھا اور ساری رات بدمعاش عورتیں اور مرد سوم رس پی کر نشے میں مدہوش دریا کنارے کپڑے اُتار کر خرمستیاں کر کے گزار دیتے تھے۔

ناگاپورم شہر کی ان بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے مہذب لوگ اس شہر کو گناہوں کی بستی اور شیطان کے شہر کے نام سے موسوم کرتے تھے اور اس شہر کے قریب سے بھی گزرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

ناگاپورم کا راجہ گناہگاروں اور بدکرداروں کا سرغنہ تھا۔ ظلم وستم اور وحشیانہ زندگی میں وہ شہر کے تمام بدکرداروں اور بدمعاشوں سے بازی لے گیا تھا۔ اُس کی دولت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ وہ ایک بار سونے چاندی کی جن تھالیوں میں کھانا کھاتا تھا، بعد میں انہیں کوڑے کرکٹ کی طرح پھنکوا دیتا تھا۔ وہ انتہائی سنگدل اور ظالم تھا۔ اُس کی ایک سو ایک رانیاں تھیں مگر کسی رانی میں سے اُس کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ راجہ کو اولاد کی بڑی خواہش تھی۔ اولاد حاصل کرنے کے لئے وہ ہر سال شہر کی کسی خوبصورت لڑکی سے شادی رچاتا تھا۔ جب ایک سال میں اس لڑکی میں بچے کی پیدائش کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی تھی تو اُس کا سر قلم کر کے لاش دریا میں پھینک دی جاتی تھی۔

ناگ مندر ناگاپورم شہر کا سب سے بڑا مندر تھا۔ جہاں سانپوں کے دیوتا ناگ دیوتا کی پوجا ہوتی تھی۔ ہر سال پونم یعنی پورے چاند کی رات کو ایک بار ایک کنواری لڑکی اور دوسرے سال ایک خوبصورت کنوارا نوجوان ناگ دیوتا پر قربان کیا جاتا تھا۔ قربانی کی یہ رسم بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ جس سال ناگ دیوتا پر کسی نوجوان حسین لڑکی کو قربان کرنا ہوتا تھا تو اُسے سولہ سنگھار سے سجایا جاتا تھا۔ اور قربانی سے پہلے خفیہ طور پر راجہ کے محل میں پہنچا دیا جاتا تھا جہاں راجہ اُسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا۔ اس کے بعد اس لڑکی کو مندر میں ناگ دیوتا پر قربان کر دیا جاتا تھا۔ قربان کئے جانے والے لڑکے اور کنواری لڑکیاں شہر کے غریب گھرانوں کی ہوتی تھیں۔

اس کے علاوہ راجہ کو ایک مرض بھی لاحق تھا۔

شہر میں جس لڑکی کی شادی ہوتی تھی اُس لڑکی کو شادی کی پہلی رات راجہ کے شاہی محل کی خواب گاہ میں بسر کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد اُسے اپنے خاوند کے ساتھ جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ اتفاق سے اگر راجہ کو ایک رات کی دُلہن پسند آ جاتی تھی تو پھر اُسے بھی راجہ اپنی ایک سو ایک رانیوں میں شامل کر لیتا تھا۔ راجہ نے خاص جاسوس عورتیں اور مرد چھوڑ رکھے

تھے جو شہر میں گھوم پھر کر یہ پتہ کرتے تھے کہ کہاں کون لڑکی دُلہن بننے والی ہے۔ چنانچہ شادی والے دن رخصتی کے وقت راجہ کے فوجی چھاپہ مار کر دُلہن کو اُٹھا کر شاہی محل میں لے جاتے تھے۔ اگر وہ دُلہن ایک رات کے بعد راجہ کو پسند نہیں آتی تھی تو اُسے اُس کے خاوند کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور اگر دُلہن راجہ کو پسند آ جاتی تھی تو اس کے بعد دُلہن کے ماں باپ اور اُس کے خاوند کو ساری زندگی اُس کی شکل دوبارہ دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی۔

جس شہر کے راجہ کی بدمعاشیوں کا یہ عالم ہو اُس کی رعایا کتنی بے حیا اور بے راہ رو ہو گی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ناگ مندر کا بڑا پروہت ایک خونخوار قسم کا درندہ صفت آدمی تھا۔ اُس کا نام دیوا تھا۔ نام اگرچہ اُس کا دیوا تھا مگر اُس کے ضمیر کے اندر اندھیروں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اُس کے بھاری بھرکم بدن پر صرف ایک لہنگا بندھا ہوتا تھا جس پر سونے کی تاروں سے چھوٹے بڑے سانپوں کی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ ناگ مندر میں پوجا کے لئے آنے والی عورتوں میں اگر اُسے کوئی عورت پسند آ جاتی تھی تو پروہت کے جاسوس اُس کا پیچھا کر کے پتہ چلاتے تھے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ پھر اس عورت کو پروہت کے حکم سے اغوا کر کے ناگ مندر کی خفیہ گپھاہ میں پہنچا دیا جاتا تھا جہاں اس عورت کے ساتھ ایک رات بسر کرنا پروہت ناگ دیوتا کے دھرم کے مطابق اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس عورت کی بدقسمتی سے اگر پروہت کو وہ عورت کچھ زیادہ ہی پسند آ جاتی تھی تو پروہت اُسے دوسری رات کے لئے بھی اپنی گپھاہ میں ہی رکھتا تھا۔ دوسری رات عورت کو سوم رس پلا کر مدہوش کر دیا جاتا تھا۔ پروہت نے ایک کالا سانپ پال رکھا تھا جس کا سائز ایک بالشت بھر تھا۔ بدکردار بدمعاش پروہت اس سانپ کو بے چاری مجبور و بے کس عورت پر چھوڑ دیتا۔ سانپ عورت کے سارے جسم پر رینگ کر اُس کے بدن کی بو سے پوری طرح سے آشنا ہو جاتا۔ صبح ہوتے ہی عورت کو اُس کے گھر پہنچا دیا جاتا۔ جب رات آدھی گزر جاتی تو بدمعاش پروہت دیوا سانپ کو چھوڑ دیتا۔ سانپ اُس عورت کی بو سونگھتا اُس کے گھر پہنچ کر اُس کے جسم پر کسی جگہ ڈستا اور واپس آ جاتا۔ اس سانپ کے زہر میں صرف اتنی ہی تاثیر تھی کہ اُس کے ڈسنے سے آدمی مرتا نہیں تھا بلکہ اُس پر ایک نشہ طاری ہو جاتا تھا۔ سانپ روز رات کو جا کر عورت کو ڈستا، عورت اس نشے کی آہستہ آہستہ عادی ہو جاتی۔ اب وہ رات کو جاگ کر سانپ کی آمد کا انتظار کرتی۔ پندرہ بیس دن گزر جانے کے بعد جب پروہت کو یقین ہو جاتا کہ اس کی پسندیدہ عورت کو سانپ کے نشہ کی عادت ہو گئی ہے تو وہ سانپ کو روک لیتا۔ عورت نشہ ٹوٹنے سے بے چین ہو کر ناگ مندر کو دوڑی آتی۔ کیونکہ وہ جان چکی ہوتی تھی کہ سانپ ناگ مندر سے آتا ہے۔ وہ پروہت کو صورتحال سے آگاہ کرتی۔ پروہت کہتا کہ اب ناگ مندر کا سانپ اس کے گھر نہیں جائے گا۔ اب اسے خود مندر میں رہنا ہو گا۔ کیونکہ ناگ دیوتا نے اُسے اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔ یوں پروہت دیوا کو

ایک جعلی جواز مل جاتا۔ عورت نشے سے مجبور ہو کر مندر میں ہمیشہ کے لئے آ جاتی۔ عورت کے گھر والے ناگ مندر کے خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہتے بلکہ خوش ہوتے کہ ان کی بیٹی یا بہو کو ناگ دیوتا نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اس طرح بدقماش پروہت کی پسندیدہ عورت ہمیشہ کے لئے اس کے پاس آ جاتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب پروہت کو کوئی دوسری عورت پسند آ جاتی تو اُس پر بھی سانپ چھوڑ کر یہی طریقہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اور پھر پہلی عورت کو دوسرے پجاریوں کے حوالے کر دیا جاتا۔ اور پروہت دوسری عورت سے رنگ رلیاں منانے لگتا اور بدکرداری اور گناہوں کا یہ گھناؤنا کھیل جاری رہتا۔

ناگاپورم کے راجہ کو خود اپنی عیاشیوں سے فرصت نہیں تھی۔ وہ خود گناہوں کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ اُس کی ایک سو رانیاں تھیں جن میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اُس کی پسندیدہ کنیزیں تھیں جن کی حیثیت راجہ کی داشتاؤں کی تھی۔ اس راجہ کا نام یوگ راج تھا۔ راجہ یوگ راج اولاد کے لئے ہر سال ایک نئی شادی رچاتا۔ اگر اس عورت کے بطن سے بھی اولاد نہ ہوتی تو اس بدنصیب عورت کا سر قلم کروا دیا جاتا۔ کیونکہ راجہ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ اس کی ایک سال کی پتنی کسی دوسرے مرد کے پاس جائے۔ راجہ یوگ راج کا وزیر یعنی راج گورو بدکاری میں راجہ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ اُس کا نام مارا تھا۔ راج گورو مارا بے حد خبیث اور ظالم آدمی تھا۔ اُس کے گلے میں ہر وقت دو چار کالے سانپ لٹکتے رہتے تھے، سر منڈا ہوا تھا، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، ناک طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے مڑی ہوئی تھی۔ اُس کو دیکھ کر ہی ڈر لگتا تھا۔ راج گورو مارا کے ہاتھ میں آبنوس کی سیاہ لکڑی کا ایک موٹا عصا ہوتا تھا جس کی موٹھ پر سانپ کا پھن بنا ہوتا تھا۔ وہ سانپ کے زہر کے نشے کا عادی تھا۔ روزانہ ایک سانپ سے اپنے آپ کو ڈسواتا تھا۔ اُس کے حکم سے جس کنواری لڑکی کو ناگ دیوتا پر قربان کیا جاتا تھا، اسے قربانی سے پہلے ایک رات راج گورو مارا کی گپھاہ میں بسر کرنی پڑتی تھی۔ راج گورو مارا اس لڑکی کو نشیلے زہر والے سانپ سے ڈسواتا، پھر خنجر سے کنواری لڑکی کے سینے میں ہلکا سا زخم لگاتا اور اس کے خون سے اپنی حیوانی بلکہ درندوں والی پیاس بجھاتا۔ دوسرے دن اس لڑکی کو پروہت دیوا کے حوالے کر دیا جاتا جس کی نگرانی میں کنواری لڑکی کو ناگ مندر کے دیوتا پر قربان کر دیا جاتا۔

ناگ دیوتا کی قربانی کی رسم بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی۔

سارے شہر ناگاپورم کو سجایا جاتا۔ اُس روز سب کو اجازت تھی کہ وہ کھلے عام بازاروں اور باغوں میں رنگ رلیاں منائے۔ طوائفیں اُس روز بڑی بن سنور کر ناگ مندر کی سیڑھیوں کی دونوں جانب بیٹھ جاتیں۔ جو عورت جس مرد کو پسند آ جاتی وہ اُسے اپنے ساتھ لے جاتا۔ اگر کسی عورت کو کوئی مرد پسند آ جاتا تو وہ اُس کا بازو پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ چمٹا لیتی۔ یہ گناہ

عام ہوتے تھے۔ ناگ دیوتا کے مندر کو شراب کی بالٹیاں لنڈھا کر دھویا جاتا۔ ناگ دیوتا کی مورتی کو شراب اور گھی سے شرابور کیا جاتا۔ ناگ دیوتا کی مورتی ایک ڈراؤنے اژدھا کی شکل کی تھی جس کا پھن پھیلا ہوا تھا اور اُس کے چھ منہ تھے۔ ہر منہ میں سے دو شاخہ زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ ناگ کی مورتی کے آگے سنگ مرمر کی قربان گاہ بنی ہوتی تھی۔ پروہت دیوا اُس روز زعفرانی ریشمی لباس زیب تن کرتا اور ہیرے جواہرات سے مرصع کمر بند اپنی کمر کے ساتھ باندھتا۔ اس کے گلے میں قیمتی موتیوں کی مالا ہوتی اور ہاتھ میں لمبا عصا ہوتا تھا۔ اس روز شہر کا راجہ بڑے شاندار جلوس کے ساتھ سونے کے تخت پر سوار ہو کر ناگ مندر میں آتا۔ راجہ کے تخت کے پیچھے راج گورو مارا کا چاندی کا تخت ہوتا۔ دونوں تخت غلاموں نے کندھوں پر اٹھائے ہوتے۔ جلوس کے آگے آگے ڈھول تاشے اور نفیریاں اور شہنائیاں بجانے والے زور شور سے ساز بجاتے چل رہے ہوتے تھے۔ جب یہ جلوس ناگ مندر کے دروازے پر پہنچتا تو مندر کا پروہت دیوا خود راجہ اور راج گورو کے استقبال کے لئے موجود ہوتا۔ وہ جھک کر راجہ کو پرنام کرتا اور اس کے پاؤں پر جھک کر بوسہ دیتا اور کہتا۔

''ہمارے دھن بھاگ کہ ناگاپورم کے راجہ مہاراج یوگ راج خود یہاں تشریف لائے ہیں۔''

اس کے بعد راجہ اور راج گورو مارا قربان گاہ کے سامنے بنائے گئے چبوترے کے تخت پر بیٹھ جاتے اور قربانی سے پہلے مندر کی دیوداسیاں رقص کرتیں، راجہ کی تعریف و ستائش کے گیت گاتیں۔ پھر ناگ دیوتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان مرد یا اگر اس سال کسی لڑکی کی باری ہوتی تو اس لڑکی کو لایا جاتا اور اُسے زبردستی قربان گاہ کے سنگ مرمر کے چبوترے پر لٹا دیا جاتا۔ دیوتاؤں اور راجہ کے رُعب اور خوف کے مارے اس لڑکی کی زبان گنگ ہو گئی ہوتی تھی۔ اس کے بعد قربانی کی آخری رسومات پوری کرنے کے لئے ناگ مندر کی شاہی رقاصہ ڈھول تاشوں اور شہنائیوں کی گونج میں نمودار ہوتی۔ شاہی رقاصہ کی سج دھج دیکھنے والی ہوتی تھی۔ وہ سب سے پہلے راجہ کے آگے جا کر جھک کر پرنام کرتی، اس کے بعد راج گورو کے آگے جھک کر پرنام کرتی اور دونوں کا آشیرباد حاصل کرنے کے بعد مندر کے پروہت دیوا کے آگے ہاتھ باندھ کر، سر جھکا کر پرنام کرتی اور پھر شاہی رقاصہ کا رقص شروع ہو جاتا۔ یہ ناگ رقص ہوتا تھا اور صرف شاہی رقاصہ یہ رقص صرف ناگ دیوتا کی قربانی سے پہلے ہی پیش کرتی تھی۔ رقص کرتے کرتے وہ قربان کی جانے والی کنواری لڑکی کے گرد چکر لگانے لگتی۔ ...ت کنواری لڑکی کو قربان گاہ کے چبوترے پر اس طرح بالکل سیدھا لٹایا ہوا ہوتا تھا کہ اس کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ چبوترے کے کونوں پر لگے ہوئے لوہے کے کنڈوں کے ساتھ ...وں سے بندھے ہوتے تھے۔ بے چاری بدنصیب لڑکی ہاتھ پیر بالکل نہیں ہلا سکتی تھی۔ جب

شاہی رقاصہ کا رقص اپنے عروج پر پہنچ جاتا تو قربانی کی آخری ضروری رسم ادا کی جاتی اور اس کے بعد بدنصیب کنواری لڑکی کو جو عام طور پر شہر کے کسی غریب گھرانے کی ہوتی تھی، ناگ دیوتا پر قربان کر دیا جاتا۔

یہ مکروہ رسم اس وقت سے جاری تھی جب سے ناگا پورم شہر میں گناہوں نے اپنا ڈیرا جمایا تھا اور جن کی وجہ سے موہنجوڈرو اور ہڑپہ جیسے تہذیب یافتہ شہروں نے ناگا پورم کے شہر اور اس کے لوگوں سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لیا ہوا تھا۔

گناہوں کی کالی سیاہ گھٹاؤں میں ڈوبے ہوئے ناگا پورم شہر کی پانچ ہزار سال پرانی ہماری یہ عبرت انگیز داستان ایسے موقع سے شروع ہوتی ہے جب ناگ دیوتا کی قربانی میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔ راجہ یوگ راج کے حکم خاص سے اُس کے خبیث راج گورو مارا کی نگرانی میں شاہی جاسوس ایک غریب گھر کی کنواری مگر حسین و جمیل لڑکی کو اُٹھا کر لا چکے تھے اور اس لڑکی کو مندر کی چار دیواری میں قید کیا ہوا تھا۔ یہ لڑکی ایک غریب لکڑ ہارے کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جو اس کے بیاہ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ بدقسمتی سے ایک روز لڑکی تالاب پر نہانے گئی تو شاہی جاسوسوں کی اس پر نظر پڑ گئی۔ لڑکی کا حسن و جمال ناگ دیوتا کی قربانی کے معیار کے عین مطابق تھا۔ صرف یہ معلوم کرنا باقی تھا کہ یہ لڑکی کہیں شادی شدہ تو نہیں ہے؟ اس فرض کو پورا کرنے کے لئے شاہی جاسوسوں کے ساتھ آئی ہوئی پرانی نائیکہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

جب لڑکی اشنان سے فارغ ہو چکی تو نائیکہ اُس کے پاس گئی اور اُس کو کھانے کے لئے مٹھائی پیش کی اور اُس سے پیار اور شفقت کی باتیں کرنے لگی۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے معلوم کر لیا کہ لڑکی کنواری ہے۔ نائیکہ نے قریب ہی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے شاہی جاسوسوں کو جا کر یہ خوشخبری سنا دی کہ لڑکی کنواری ہے۔ بس پھر کیا تھا، بے چاری لڑکی ابھی تالاب سے اپنے گھر کی طرف دو قدم ہی چلی تھی کہ شاہی جاسوسوں نے اُسے دبوچ لیا اور گھوڑے پر زبردستی بٹھا کر ناگ مندر کی طرف لے چلے۔ لڑکی نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے، چیخ و پکار کی مگر وہاں اُس کی فریاد سننے والا کون تھا؟ اسی روز لڑکی کے غریب لکڑ ہارے باپ کو شاہی ہرکارے نے جا کر مبارکباد دی کہ اس کی بیٹی کو ناگ دیوتا نے اپنی قربانی کے لئے چن لیا ہے۔ باپ کی حیثیت سے لکڑ ہارے کے دل پر چھری سی چل گئی۔ لیکن ناگ دیوتا کے پجاری ہونے کی حیثیت سے اُس نے اپنا سر جھکا دیا۔ وہ سوائے صبر و شکر کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

قربانی سے ایک رات پہلے مندر کے پروہت دیوا کے اشارے پر قربان کی جانے والی لڑکی کو اُس کی خفیہ گپھاہ میں پہنچا دیا گیا۔ شیطان صفت پروہت دیوا نے جی بھر کر سوم رس پیا اور نشیلے زہر والے سانپ کو اپنی کلائی پر لپیٹ کر رات کی تاریکی میں اپنی خفیہ گپھاہ میں داخل

ہوا۔ گپھاہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جہاں زیتون کے تیل کا ایک چراغ روشن تھا۔ اس کی روشنی میں لکڑ ہارے کی بیٹی ایک تخت پوش پر سر گھٹنوں میں دیئے سمٹ کر بیٹھی اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔ اگرچہ اُس کے خون میں دیوتاؤں کا خوف اور ہیبت شامل تھی لیکن وہ ناگ دیوتا پر قربان کئے جانے کی اذیت ناک موت کے تصور ہی سے دہشت زدہ تھی۔ اُس کے سیاہ بال اُس کی پیٹھ پر بکھرے ہوئے تھے۔ اُس نے کاسنی رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ پروہت دیوا کوٹھڑی میں داخل ہوا تو لڑکی نے سر اُٹھا کر اُس بدصورت شخص کو دیکھا اور کانپ اُٹھی۔ پروہت دیوا کے ہاتھ میں لکڑی کا عصا تھا۔ دوسرے ہاتھ کی کلائی کے ساتھ نشیلے زہر والا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ بے چاری لڑکی کے ذہن میں بچپن ہی سے یہ عقیدہ ڈال دیا گیا تھا کہ ناگ دیوتا سب سے بڑا دیوتا ہے اور ناگ مندر کا پروہت ناگ دیوتا کا اوتار ہوتا ہے اور پروہت کا حکم نہ ماننا ناگ دیوتا کی حکم عدولی کے برابر ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ناگ دیوتا کی حکم عدولی کا مرتکب ہوتا ہے تو مرنے کے بعد اُس کا اگلا جنم بندر کا اور اس سے اگلا جنم بچھو کا اور اس سے اگلا جنم چھپکلی کا ہوگا اور یہ جنم جنم کا سلسلہ چوراسی لاکھ سالوں تک جاری رہے گا۔ ہندوؤں کے قدیم ویدوں میں ہر جنم کی مدت چوراسی لاکھ سال بتائی گئی ہے۔ ویدوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی منش (انسان) دیوتاؤں کی حکم عدولی کرتا ہے تو اُس کا جنم حشرات الارض کے کیڑوں مکوڑوں میں ہوتا ہے اور اس کی مدت چوراسی لاکھ سال کی ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ویدوں میں درج ہے زمین پر بسنے والے حشرات الارض کی اقسام چوراسی لاکھ پائی جاتی ہیں، چوراسی لاکھ سال کے بعد جا کر پھر سے اس شخص کو انسان کا جنم میسر آتا ہے۔ اس خیال کو ایک بھجن کے اس شعر میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

لاکھ چوراسی بھگت کے آیا
بڑے بھاگ مانش تن پایا

مطلب یہ کہ اے آدمی تو نے حشرات الارض کے جنموں کا چوراسی لاکھ سال کا چکر پورا کر لیا ہے اور یہ تیری بڑی خوش قسمتی ہے کہ تجھے پھر سے انسان کا رُوپ دیا گیا ہے۔ اب دیوتاؤں کی حکم عدولی مت کرنا۔ یہ عقیدہ خون بن کر لکڑ ہارے کی ان پڑھ حسین و جمیل کنواری لڑکی کی رگوں میں گردش کر رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ ناگ دیوتا پر قربان ہونا نہیں چاہتی تھی، وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ نوجوان تھی، دل ارمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کا ایک بھی ارمان ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد اُس کی شادی ہونے والی تھی۔ اُس کے دل کے ارمان پورے ہونے کی حسین گھڑیاں قریب آ رہی تھیں کہ اُسے ناگ دیوتا پر قربان کرنے کے لئے اغوا کر کے قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ مگر وہ ایک بے بس اور کمزور لڑکی تھی۔ سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

پروہت دیوا، نے گپھاہ میں داخل ہوتے ہی اپنا عصا والا بازو اُوپر اُٹھا کر ناگ دیوتا کی جے ہو کا نعرہ لگایا اور چند قدم چل کر لڑکی کے قریب آ گیا۔ لڑکی سہمی ہوئی تھی۔ آنسوؤں بھری آنکھوں سے خوفناک چہرے والے پروہت کو تک رہی تھی۔ پروہت دیوا، نے ہاتھ بڑھا کر لڑکی کی ٹھوڑی کو ذرا سا اُوپر اُٹھایا اور بولا۔

''ناگ دیوتا نے تمہیں یوں ہی پسند نہیں کیا۔ تم ناگا پورم شہر کی سب سے سندر لڑکی ہو۔ تمہیں ناگ دیوتا کی محبوبہ بننے پر میں دل سے بدھائی دیتا ہوں۔''

اور پروہت نے جھک کر لڑکی کے ماتھے کو چوم لیا۔

لڑکی بے چاری کے ہونٹ خوف سے کپکپا رہے تھے۔ اُسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ لیکن پتھر دل بدکردار پروہت دیوا کو لڑکی کے جذبات سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اُسے ان جذبات کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔ اُس نے لڑکی پر ناگ دیوتا کی عقیدت مندی کا رُعب طاری کرنے کے لئے اُونچی آواز میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ اشلوک پڑھتے ہوئے وہ اس تخت پوش کے گرد چکر بھی لگا رہا تھا جس پر لڑکی سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ چھ سات چکر لگانے کے بعد پروہت نے اپنا عصا اُٹھا کر ایک بار پھر ناگ دیوتا کی جے کا نعرہ لگایا اور لڑکی کو بازو سے پکڑ کر کہا۔

''ناگ دیوتا قربانی سے پہلے تجھے اپنی دُلہن بنانا چاہتا ہے۔ اور ناگ دیوتا نے میرا رُوپ دھارن کر لیا ہے۔ اس وقت تمہارے سامنے پروہت دیوا نہیں بلکہ خود ناگ دیوتا یعنی تمہارا دُلہا موجود ہے۔ تم شہر کی سب سے سوبھاگیہ لڑکی ہو کہ ناگ دیوتا نے تمہیں اپنی دُلہن چنا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی پروہت دیوا کوٹھڑی کے ایک طاق کی طرف گیا۔ طاق میں پہلے سے سوم رس کا بھرا ہوا مٹکا اور ایک کٹورا رکھا ہوا تھا۔ سوم رس اُس زمانے کی شراب تھی جس کو دیوتاؤں کے مشروب سوم رس کا نام دیا گیا تھا۔ وہ سوم رس کٹورے میں ڈال کر لڑکی کے پاس لایا اور بولا۔ ''سوبھاگیہ وتی! یہ دیوتاؤں کا مشروب پوتر سوم رس ہے۔ ناگ دیوتا نے اسے خاص طور پر تیرے لئے بھیجا ہے۔ اسے پی کر ناگ دیوتا کی آتما کو خوش کر دو اور دیوتاؤں کا اشیرباد حاصل کرو۔''

لڑکی بے چاری سہمی ہوئی تھی۔ اُس پر آنے والی اذیت ناک موت کی دہشت طاری تھی۔ اُسے کچھ نہیں پتہ تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پروہت دیوا، نے ایک ہاتھ سے لڑکی کا چہرہ اُوپر کیا اور سوم رس کا کٹورا اُس کے ہونٹوں کے قریب لا کر بولا۔

''اسے پی جاؤ! اور اپنے دُلہا ناگ دیوتا کی آتما کو پرسن کرو۔''

اور پروہت نے کٹورے کا سارے کا سارا سوم رس زبردستی لڑکی کے حلق میں انڈیل دیا۔ سوم رس کے تیز اثر نے لڑکی کے خون میں شامل ہو کر اُس کے بدن میں جیسے آگ سی لگا دی۔

پروہت نے اُسے تخت پوش پر سیدھی لیٹ جانے کا حکم دیا۔ لڑکی کے اندر اب انکار کی جرأت ختم ہو چکی تھی۔ وہ تخت پوش پر لیٹ گئی۔

پروہت طاق کے پاس گیا اور سوم رس کا ایک کٹورا بھر کر خود پی گیا۔ اُس نے ناگ دیوتا کی جے ہو کا نعرہ بلند کیا اور اپنی کلائی کا سانپ ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ لڑکی کے پاس آ کر تخت پوش پر بیٹھ گیا اور بولا۔

''یہ سانپ ناگ دیوتا کا سیوک ہے۔ ناگ دیوتا نے اسے تمہارے بدن کو چومنے کے لئے بھیجا ہے۔ تاکہ ناگ دیوتا کی دُلہن کا بدن پوتر ہو کر ناگ دیوتا کے لائق بن جائے۔''

لڑکی کی آنکھیں سوم رس کا پورا کٹورا پینے کے بعد بند ہو رہی تھیں۔ پروہت نے سانپ کا منہ لڑکی کی گردن کے ساتھ لگا دیا۔ سانپ نے اُسے کاٹا اور اپنا نشیلا زہر اُس کے خون میں شامل کر دیا۔ لڑکی کو سانپ کے کاٹنے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اُسے ہلکی سی درد کا بھی احساس نہ ہوا۔ پروہت نے اس کے بعد اپنی گردن پر دو جگہوں پر سانپ سے ڈسوایا اور لڑکی کے سینے پر سے کپڑا ہٹا کر سانپ کا منہ اُس کے سینے سے لگا دیا۔ سانپ نے لڑکی کے سینے پر بھی ڈس دیا۔ لڑکی کو معمولی سی چبھن کا احساس ہوا اور وہ ادھ کھلی آنکھوں سے پروہت کو تکتی رہی۔ سوم رس کے نشے سے جو کسر باقی رہ گئی تھی اسے سانپ کے نشے نے پورا کر دیا۔ لڑکی کا شعور گناہ و ثواب، نیکی اور بدی اور حسرتوں، پچھتاوؤں اور دنیا کے دُکھوں اور غموں سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اور جو خیالات بچپن میں اُس کے ذہن میں ڈال دیئے گئے تھے اور جو اس لڑکی کے شعور کا عقیدہ بن چکے تھے اب کھل کر اُس کے ذہن پر حاوی ہو گئے تھے۔ وہ سچ مچ اپنے آپ کو ناگ دیوتا کی دُلہن سمجھنے لگی تھی۔ اس کا ثبوت بدقماش پروہت کو یوں ملا کہ لڑکی اُس کی طرف دیکھ کر تھوڑا سا مسکرائی۔

یہ سوم رس اور سانپ کے نشے کی مسکراہٹ تھی۔ اس مسکراہٹ نے پروہت دیوا پر ایک وحشت سی طاری کر دی۔ اُس نے عصا ایک طرف پھینک دیا اور درندگی کے اصلی رُوپ میں آ گیا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اُونچی آواز میں اشلوکوں کا جاپ کرتے ہوئے لڑکی کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ اُس نے تخت پوش کے گرد دونوں بازو کھول کر چھ چکر پورے کئے اور لحاف میں رکھا ہوا خنجر نما آلہ اُٹھا کر لے آیا۔ سخت ترین چٹانی پتھروں کو تراش کر یہ خنجر بنائے جاتے تھے۔ وہ خنجر ہاتھ میں لئے لڑکی کے اُوپر جھک گیا اور بولا۔

''ناگ دیوتا کی دُلہن! ناگ دیوتا تمہارے سامنے موجود ہے۔ ناگ دیوتا تمہارے خون کا ایک گھونٹ پی کر تمہیں جنم جنم کے چکر سے نجات دلا دینا چاہتا ہے۔''

یہ کہہ کر پروہت نے خنجر کی نوک لڑکی کے سینے کے عین درمیان میں رکھ کر اسے ذرا سا دبایا اور لڑکی سے پوچھا۔

''ناگ دیوتا کی دُلہن! تجھے درد تو نہیں ہوا؟''

لڑکی اب پورے نشے میں تھی۔ اُس غریب لڑکی کو کیا پتہ کہ نشہ کیا ہوتا ہے؟ وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ حقیقی معنوں میں ناگ دیوتا کی دُلہن بن گئی ہے اور سب کچھ ناگ دیوتا اور دوسرے دیوتاؤں کی خوشی کی خاطر کر رہی ہے۔ اور وہ بہت جلد جنم جنم کے چکروں سے مُکت ہونے والی ہے۔ پروہت کو بھی لڑکی کی بے حسی اور نشے کی انتہائی کیفیت کا احساس ہو گیا تھا۔ اُس نے لڑکی کے سینے میں خنجر کی نوک زیادہ زور سے چبھو دی اور پھر جلدی سے خنجر اُوپر کر لیا۔ جہاں نوک چبھوئی گئی تھی، وہاں سے سرخ رنگ کا تازہ خون نکلنا شروع ہو گیا۔

پروہت نے جے ناگ دیوتا کا نعرہ بلند کیا اور اپنے ہونٹ لڑکی کے سینے پر لگائے گئے زخم پر رکھ دیئے اور زخم سے نکلنے والا نیم گرم تازہ خون پینے لگا۔ دو تین چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے کے بعد پروہت نے منہ ہٹا لیا۔ اُس کے ہونٹ خون آلود ہو گئے تھے۔ زیتون کے تیل کے چراغ کی روشنی میں لڑکی نے پروہت کے خون آلود ہونٹوں کو دیکھا اور ایک بار پھر مسکرا دی۔ پروہت پر حیوانیت اور درندگی کی انتہائی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ اس کے بعد وہاں جو کچھ ہوا اس جیسے حیا سوز منظر کے بارے میں نہ ہم کچھ لکھ سکتے ہیں اور نہ آپ اسے پڑھ سکتے ہیں۔

رات گزر گئی...... زیتون کے تیل کے دیئے کی لو اپنے آپ مدھم ہو گئی تھی۔ لڑکی نیم بے ہوشی کی حالت میں بے سدھ ہو کر تخت پر پڑی تھی۔ پروہت نے لڑکی کے سینے پر خنجر کے لگائے ہوئے زخم کو جھک کر دیکھا، اُس پر خون جم چکا تھا۔ اُس نے زخم پر تھوڑا سا سوم رس لگا دیا اور کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ یہ اس شہر کے انسانیت سوز گناہوں میں سے وہ حیا باختہ گناہ تھا جنہوں نے اپنی انتہا پر پہنچ کر قہر خداوندی کو للکارا تھا۔ اور پھر جب خدا کا قہر نازل ہوا تو اس شہر کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ لیکن ابھی قدرتِ خداوندی نے اس شہر کی رسّی ڈھیلی کی ہوئی تھی کہ شاید یہ بدکار قوم اپنے گناہوں سے توبہ کر کے انسانیت کے مقام پر واپس آ جائے۔

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ منہ اندھیرے کا وقت تھا کہ پروہت دیوا کے بدمعاش پجاری وہاں پالکی لے کر آئے اور نیم بے ہوش لڑکی کو پالکی میں ڈال کر ناگ مندر لے گئے جہاں اُسے اگلی رات ناگ دیوتا پر قربان کرنے کی خاطر ایک تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔

دوسرے روز ناگا پورم شہر میں تہوار کا سماں تھا۔

یہ ناگ دیوتا کی قربانی کا دن تھا جو ایک سال کے بعد آیا تھا۔ رات پونم کی رات تھی اور اس رات کو اس دفعہ ایک کنواری لڑکی کی قربانی دی جا رہی تھی جسے دیکھنے کی خاطر شہر کے مردوں عورتوں میں زبردست جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ شہر کو جھنڈوں اور کیلے کے پتوں کے ہاروں سے سجا دیا گیا تھا۔ راجہ کے شاہی محل اور ناگ دیوتا کے مندر کے در و دیوار کو دن کے وقت ہی چراغوں سے روشن کر دیا گیا تھا۔ جلتے ہوئے چراغ دن کی روشنی میں عجیب منظر پیش

کر رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ستارے دن کے وقت زمین پر اُتر آئے ہیں۔ رات ہوئی تو ناگ دیوتا کے مندر میں قربانی کی تیاریاں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ آسمان پر پونم کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ چاندنی کے مرمریں غبار میں ناگ مندر کے چوکور مینار اور درمیان والا بڑا چوکور گنبد خواب کے کسی مندر کی طرح لگتے تھے۔ سارا ماحول، سارا مندر زیتون کے روشن چراغوں سے جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔

ناگ دیوتا کا بڑا بُت مندر کے جنوبی گوشے میں تھا۔ مندر کے گرداگرد جو بڑی اور اُونچی چار دیواری تھی اس کے اندر ایک اور چار دیواری تھی جو ناگ دیوتا کے بُت والے مندر کی چار دیواری تھی۔ دونوں چار دیواریوں کے درمیان کھلی جگہ تھی جہاں سنگ سرخ کے چھوٹے بڑے بے شمار سانپوں کی مورتیاں سیاہ پتھروں کے چبوتروں پر رکھی ہوئی تھیں جن پر گھی اور زیتون کا تیل مل دیا گیا تھا۔ یہ مورتیاں چودھویں کے چاند کی چاندنی میں چمک رہی تھیں۔ شہر کے مرد عورتیں ان بتوں کے آگے اگر اور لوبان سلگا کر ان کی پوجا میں مصروف تھے۔ دوسری چار دیواری کے جنوبی گوشے میں جو راستہ ناگ دیوتا کے بڑے بُت تک جاتا تھا اس کی دونوں جانب اُونچے اُونچے درخت کھڑے تھے جن کے تنوں پر لال سیندور پھرا ہوا تھا جو چاندنی اور رات کے اندھیرے میں خون آلود ستونوں کی طرح نظر آتے تھے۔ راستے کی دونوں طرف بانس کی باڑھ تھی جس پر رتن جو اور موگرے کے کاسنی اور نیلے پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ آگے ناگ دیوتا کے بڑے بُت والے گوشے کا دروازہ تھا جو صندل اور آبنوس کی قیمتی لکڑی کا تھا اور جس پر ہر قسم کے موتی، ہیرے اور پنے جڑے ہوئے تھے۔ دروازے کے اندر ایک قوس نما صحن تھا جس کے وسط میں ایک حوض تھا جس کے پانی میں سرخ مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ اس کے آگے سنگ سرخ کا ایک بڑا دالان تھا جہاں زمین سے سات فٹ کی اُونچائی پر سنگ مرمر کے ایک چبوترے پر ناگ دیوتا کا بہت بڑا بت کنڈل مارے اپنے چھ سروں والا پھن کھولے ہوئے تھا۔ یہ بت سنگ سیاہ کا تھا۔ یہ بہت بڑے اژدھا کا بت تھا جس کے چھ سروں کی آنکھوں کی جگہ سرخ لعل جڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے سرخ روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ناگ دیوتا کے بت کے اوپر شیشے کا ایک بڑا گولا گھوم رہا تھا جس میں سے لال، نیلی اور پیلی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اژدھا کے پھن کے بیچ میں چھ ہیرے اور یاقوت ساتھ ساتھ جڑے ہوئے تھے جن میں سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر سانپ کے پھن کو اُجال رہی تھیں۔ اژدھا کے بت کی دونوں جانب سنگ سرخ کے بڑے بڑے پیالوں میں اگر اور لوبان سلگ رہا تھا۔ مندر کی چھت پر جھاڑ اور فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ یہ جھاڑ اور فانوس انسانوں کی کھوپڑیوں کی شکل کے تھے اور ان کے اندر زیتون کے تیل کے چراغ ہر وقت جلتے رہتے تھے۔ بت کی ایک جانب چبوترے پر مٹی کا ایک بہت بڑا مٹ ہر وقت شراب سے بھرا

رکھا رہتا تھا۔ شراب کے اس مٹکے کے آگے ایک دیوداسی ہاتھ میں سونے کا پیالہ لئے بیٹھی تھی۔ اس دیوداسی کا لباس سانپ کی کھال جیسا تھا۔ بت کے چبوترے کے سات فٹ نیچے سنگ مرمر کی قربان گاہ تھی جہاں سرخ اور زرد پتھر کا ایک تین فٹ چوڑا اور چھ فٹ لمبا تختہ بچھا ہوا تھا جس کے پائے سیاہ پتھروں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔ اس تختے کے چاروں کونوں پر ناگ دیوتا کی شکل کی سانپوں کی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔

قربان گاہ کی دونوں جانب لمبے سیاہ بالوں والی دیوداسیاں آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ اُن کے سیاہ بالوں کی مینڈھیاں اس طرح بنائی گئی تھیں کہ وہ سانپوں کی طرح ان کے نیم عریاں بدن پر پڑ رہی تھیں۔ دُور سے دیکھنے پر ایسے لگتا تھا کہ ان کے جسموں کے اُوپر والے حصے پر سانپ چمٹے ہوئے ہیں اور یہ سانپ ان کے سروں پر بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر دیوداسی کے ہاتھ میں ایک ایک رباب تھا جس کو وہ آہستہ آہستہ بجا رہی تھیں۔ قربان گاہ کے قریب ہی ایک اُونچی جگہ پر چاندی کا تخت بچھا تھا جس پر سونے کی دو کرسیاں رکھی تھیں۔ اُوپر سونے چاندی کے تاروں والا چھتر سایہ کئے ہوئے تھا۔ ہر سال ناگ دیوتا کی قربانی کے موقع پر یہاں راجہ یوگ راج اپنے راج گورو مارا کے ساتھ آ کر براجمان ہوتا تھا۔ راجہ کے بیٹھنے کے لئے بنائے گئے چاندی کے تخت کے آگے پورے چاند کی شکل کی ایک کھلی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ یہاں بابل اور نینوا سے منگوائے گئے سرخ ریشمی قالین بچھے ہوئے تھے۔ یہاں ناگ دیوتا کے آگے قربانی پیش کرنے سے پہلے شاہی رقاصہ آ کر رقص کرتی تھی۔

پونم کی رات جب آدھی گزر گئی اور ناگ دیوتا کے آگے کنواری کنیا کو قربان کر دینے کا وقت آ گیا تو ناگ دیوتا کے بت کے قدموں میں نصف دائرے کی صورت میں بیٹھی نیم عریاں دیوداسیوں نے پوری لے کے ساتھ چنگ بجانے شروع کر دیئے۔ مندر کے نوجوان پجاری اور نوجوان پجارنیں دو قطاروں میں ایک طرف سے نمودار ہو کر قربان گاہ کے عقب میں راجہ کے تخت کے دونوں طرف آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ہر پجارن اور پجاری کی عمر بیس سال سے زیادہ کی نہ تھی۔ پجارنوں کے جسموں کے اوپر والے دھڑ عریاں تھے اور ہر پجارن کے ہاتھ میں چاندی کی تھالی تھی جس میں پھول تھے اور لوبان سلگ رہا تھا۔ نوجوان مرد پجاریوں نے آدھے بدن پر زعفرانی لہنگا پہنا ہوا تھا اور گلے میں پھولوں کی مالائیں تھیں۔ وہ اپنی قطار میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑے تھے۔ اتنے میں مندر کے اندرونی دروازے میں سے شہنائیوں اور ڈھول تاشوں کے بجانے والوں کی ایک ٹولی نمودار ہوئی۔ ان کے پیچھے سر منڈے پجاریوں کے درمیان چار حبشی غلاموں نے ایک تخت اُٹھا رکھا تھا۔ تخت پر کرسی رکھی تھی جس پر ناگ دیوتا کا بڑا پروہت دیوا گردن اُوپر اُٹھائے ہاتھ میں آبنوس کا سیاہ سانپ کے تین پھل والا عصا تھامے بیٹھا تھا۔ گلے میں ہیرے جواہرات کی مالائیں تھیں، چہرے سے غرور اور

نخوت ٹپک رہی تھی جیسے وہ باقی تمام انسانوں کو کیڑے مکوڑے سمجھ رہا ہو۔

ڈھول تاشے بجانے والوں کی ٹولی قربان گاہ کی ایک جانب ہو کر بیٹھ گئی۔ پروہت دیوا کا تخت قربان گاہ کے پاس آ کر رکھ دیا گیا۔ چار بوڑھے پجاری آگے بڑھے، اُنہوں نے پروہت دیوا کے پاؤں کو باری باری بوسہ دیا اور قربان گاہ کی سنگ مرمر کی بڑی چوکی کے پاؤں کی طرف بیٹھ کر لوبان سلگایا اور بھجن کیرتن کرنے لگے۔ شہنائی کی طرز کا ایک باجا اُس شہر کے مذہبی سازندوں کی اپنی ایجاد تھا، اس وقت یہی ساز بجائے جا رہے تھے، ڈھول تاشے بج رہے تھے۔ ناگ دیوتا کے بت کے پاؤں کی دونوں جانب بیٹھی نیم عریاں دیوداسیاں آہستہ آہستہ چنگ بجا رہی تھیں۔ قربان گاہ کے چبوترے کے سائے میں کھڑی پجارنیں اور پجاری بھجن گانے والے بوڑھے پجاریوں کے ساتھ مل کر بھجن گا رہے تھے۔ ناگ دیوتا کے بت کے آگے رکھے ہوئے پتھر کے کنول کے پھول کی شکل کے پیالے میں آگ روشن کر دی گئی تھی۔ ایک پجاری پیالے کے پاس کھڑا اشلوک گاتے ہوئے تھوڑی تھوڑی دیر بعد آگ میں کوئی سفوف ڈالتا جاتا تھا جس سے آگ کے شعلوں کی زبانیں ایک دم اُوپر کو لپک کر واپس اپنی اصلی حالت میں آ جاتی تھیں۔

اس دوران ایک پجاری نے باہر سے آ کر پروہت دیوا کے قدموں کو بوسہ دیا اور بلند آواز میں بولا۔ ''مہاراج یوگ راج کی سواری آ رہی ہے۔''

یہ سن کر پروہت نے اپنا عصا والا ہاتھ ایک دم اُوپر اُٹھا دیا۔ ہاتھ کے اُوپر اُٹھتے ہی شہنائیوں، ڈھول تاشوں اور بھجن گانے والوں اور دیوداسیوں کے چنگ و رباب کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ مندر کی فضا میں خاموشی چھا گئی۔ دوسرے ہی لمحے ناگاپورم شہر کے راجہ یوگ راج کی شاہی سواری کا جلوس مندر کے صحن میں داخل ہوا۔ راجہ ایک اُونچی پالکی پر بیٹھا تھا جس کو غلاموں نے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا۔ اُس کے جسم پر ہیرے جواہرات چمک رہے تھے۔ سونے کا ایک عصا اُس نے اپنے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ آگے آگے شاہی فوج کا ایک دستہ چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے شاہی محل کی خوبصورت کنیزیں اور داسیاں رنگا رنگ کے لباس پہنے راجہ کی پالکی کے آگے پھول نچھاور کرتی چلی آ رہی تھیں۔ راجہ کی پالکی کے پیچھے راج دربار کے وزیر یعنی سنگ دل اور بد شکل راج گورو مارا کی پالکی چلی آتی تھی۔ راج گورو مارا کے ہاتھ میں چاندی کی موٹھ والا عصا تھا جس پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ مارا کے سیاہ فام بدن پر سونے کی تاروں والا لباس تھا۔ گلے میں ہیروں کی مالائیں تھیں۔ اس سج دھج میں وہ اور زیادہ بدصورت اور مکروہ صورت دکھائی دے رہا تھا۔ راج گورو مارا کی پالکی راجہ کی پالکی کے تخت کے قدموں کے پاس آ کر لگا دی گئی۔

پروہت دیوا اب اپنی پالکی سے اُترا۔ بڑی شان سے چلتا پہلے راجہ یوگ راج کے تخت

کے پاس گیا، جھک کر تعظیم بجالایا، پھر راجہ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور بلند آواز میں بولا۔

''مہاراج اجازت دیں تاکہ ناگ دیوتا کی قربانی کا شُون شروع کیا جائے۔''

راجہ نے ہاتھ اُوپر اُٹھا کر کہا۔

''اجازت ہے۔''

اس کے بعد پروہت دیوا راج گورو کی پالکی کے پاس آ گیا۔ اُس نے جھک کر راج گورو کو تعظیم پیش کی اور بلند آواز سے کہا۔

''راج گورو مارا کی اجازت ہو تو ناگ دیوتا کی قربانی کا شُون شروع کیا جائے۔''

راج گورو مارا نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور کہا۔

''اجازت ہے۔''

اس کے بعد پروہت دیوا اپنے تخت پر رکھی ہوئی پالکی پر آ کر بڑی شان سے بیٹھ گیا۔ اُس نے چاروں طرف نگاہ ڈالی اور اپنا سانپ کے پھن والا عصا فضا میں بلند کرتے ہوئے چیخ کر اعلان کیا۔

''ناگ دیوتا پر قربان کی جانے والی کنواری کنیا کو لایا جائے۔''

ڈھول تاشے اور شہنائیاں اچانک بول اُٹھیں۔ اور اسی شور میں قربان گاہ کی ایک جانب کا دروازہ کھلا اور چار سر منڈے نوجوان پجاری جن کے جسم روغن زیتون کی مالش سے چمک رہے تھے ایک پالکی اُٹھائے داخل ہوئے۔ پالکی پر غریب لکڑ ہارے کی خوبصورت کنواری لڑکی کو اس طرح سے بٹھایا گیا تھا کہ اس کے دونوں بازو ریشمی رسّی سے پالکی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ اُس کے جسم پر زعفرانی ساڑھی تھی۔ گلے میں کنول کے گلابی پھولوں کی مالا تھی۔ اُس کے بال کھلے تھے۔ وہ اپنے سر کو کبھی دائیں طرف کرتی، کبھی بائیں طرف کرتی جیسے نشے کی حالت میں ہو۔ پروہت دیوا، نے اُس غریب معصوم لڑکی کو رات نہ صرف سوم رس پلایا تھا بلکہ نشیلے زہر والے سانپ سے بھی ڈسوایا تھا۔ یہ انہی نشہ آور چیزوں کا اثر تھا کہ لڑکی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے اور کیا کچھ ہونے والا ہے۔ پالکی قربان گاہ کے آگے لا کر رکھ دی گئی۔ دو سر منڈے پجاری لڑکی کی رسیاں کھول کر اُسے سہارا دے کر چلاتے ہوئے مندر کے بڑے پروہت دیوا کے سامنے لائے۔ پروہت دیوا نے اپنا سانپ کے پھن والا عصا لڑکی کے سر کے ساتھ لگا کر پیچھے کر لیا اور حکم دیا۔

''ناگ دیوتا کی دُلہن کو اس کے پاس پہنچا دیا جائے۔''

اس حکم کو سنتے ہی مزید دو پجاری آگے بڑھے۔ اُنہوں نے لڑکی کو اُٹھا کر قربان گاہ کی سنگ مرمر کی لمبی سل پر بالکل سیدھا لٹا دیا۔ پھر اُس کے ہاتھ اور دونوں پیروں کو سل کے کونوں میں لگی ہوئی کنڈیوں کے ساتھ رسیوں سے جکڑ دیا۔ لڑکی اسی مدہوشی کے عالم میں تھی اور اپنا

سر ادھر اُدھر کر رہی تھی۔

چاروں سر منڈے پجاری لڑکی کو قربان گاہ کی سل پر جکڑنے کے بعد پیچھے ہٹ کر اپنی اپنی جگہوں پر جا کر کھڑے ہوئے۔ پروہت دیوا، نے ڈھول تاشوں والی منڈلی کی طرف اپنے عصا کا اشارہ کیا اور اپنی پالکی کی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی منڈلی میں سے ایک آدمی زور زور سے ڈھول پیٹنے لگا۔ راجہ، راج گورو، دیوداسیوں، سر منڈے پجاریوں، راجہ کی کنیزوں اور آگ میں ہرمل کے دانے ڈالنے والے پجاریوں سب کی نظریں مندر کے شمالی دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ ڈھول پیٹنے والے نے اپنے ہاتھ روک لئے اور وہ بھی اپنی منڈلی کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ مندر کے شمالی دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ راجہ اپنی پالکی کی سونے کی کرسی پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ اُس کی نگاہیں بھی شمالی دروازے پر لگی تھیں۔ اُس نے بایاں ہاتھ ایک طرف لے جا کر ہلکی سی چٹکی بجائی، نیچے بیٹھی ہوئی ایک حسین دیوداسی نے سونے کا پیالہ شراب سے بھر کر راجہ کو بڑی تعظیم کے ساتھ پیش کیا۔ راجہ نظریں شمالی دروازے پر جمائے آہستہ آہستہ شراب کی چسکیاں لینے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے اچانک دیوداسیوں نے چنگ و رباب کو چھیڑ دیا اور شہنائیاں گونج اُٹھیں۔ اس کے ساتھ ہی جنوبی دروازے پر گرا ہوا سرخ مخمل کا پردہ ایک طرف کو ہٹ گیا اور دروازے میں ایک حبشی غلام نمودار ہوا جس نے بڑا سا ٹوکرا اُٹھا رکھا تھا۔ اُس نے ٹوکرا لا کر ناگ دیوتا کے سامنے قالین پر رکھ دیا اور راجہ اور پروہت کو جھک کر پرنام کرتا اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ سب کی نظریں ٹوکرے پر لگی ہوئی تھیں جس کے اُوپر گیندے اور مولسری کے پھولوں کے ہار پڑے تھے۔ اچانک ٹوکرے کا ڈھکن اُوپر کو اُٹھا۔ پھولوں کے ہار ایک طرف گر پڑے اور پھر ٹوکرے کے اندر سے ایک جواں سال صحت مند خوبصورت جسم والی حسینہ شعلہ جوالا بنی اپنے سڈول بازوؤں کو سانپوں کی طرح لہراتی ٹوکرے سے باہر نکل آئی۔ اُس نے سونے کی تاروں سے بنا ہوا ایسا لباس پہن رکھا تھا جو لمبی جھالروں کی شکل میں تھا۔ جب وہ سانپ کی طرح اپنے جسم کو بل دے کر لہراتی ناگ دیوتا کے استھان کی طرف بڑھی تو اس کے سنہری لباس کی جھالریں اس کے خوبصورت سڈول جسم پر پھسل جاتی تھیں جن کے درمیان سے اُس کا جسم بار بار عریاں ہو جاتا تھا۔

یہ ناگ دیوتا کے مندر اور راج محل کی شاہی رقاصہ چمپا کلی تھی..... جس کی ایک جھلک دیکھنے کو ناگا پورم شہر کے لوگوں کو ایک سال تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ چمپا کلی راج محل کی حسین ترین رقاصہ تھی اور ظاہر ہے راجہ یوگ راج کی چہیتی تھی۔ راجہ یوگ راج نے اس کے حسن و ناز سے متاثر ہو کر اس کو راجکماری کا خطاب دے رکھا تھا۔ پروہت دیوا بھی شاہی رقاصہ چمپا کلی کی زلف کا اسیر تھا۔ یہی حال راج گورو مارا کا تھا۔ دونوں شاہی رقاصہ چمپا کلی کے

عاشق تھے اور اُسے اپنے اپنے شبستانِ ہوس کی زینت بنانا چاہتے تھے۔ مگر راجہ کی منظور نظر ہونے کی وجہ سے ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ چمپا کلی سے دست درازی کریں۔ شاہی رقاصہ چمپا کلی نے اپنے بالوں کا سر کے اُوپر اس طرح سے جوڑا بنا رکھا تھا کہ وہ سانپ کے پھن کی طرح اُوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ اُس کی نیلی جھیل ایسی بلوریں آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے رہ رہ کر بجلیاں چمک رہی ہوں۔ اُس نے سب سے پہلے ناگ دیوتا کے چرنوں میں جھک کر اُس کے پتھریلے جسم کو تین بار چوما، پھر واپس مُڑ کر دُور سے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر راجہ یوگ راج کو نمسکار کیا اور مور کی طرح دونوں بازو لہراتی، جسم کو قدم قدم چلاتی گردن کو مور کی گردن کی طرح آگے پیچھے کرتی قالین کے وسط میں آ گئی۔

ڈھولک اور ڈھول پر تھاپ پڑی، شہنائیاں بجنے لگیں۔ دیوداسیوں نے اپنے اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے چنگ و رباب کے سروں کی لے تیز کر دی اور شاہی رقاصہ چمپا کلی شعلہ سا بن کر محو رقص ہو گئی۔ اُس کا رقص، رقص تھا یا آسمان کی بجلی تھی جو کبھی یہاں لپکتی کبھی وہاں لہراتی، کبھی اِدھر گرتی کبھی اُدھر کوند جاتی۔ اُس کے رقص کی ہر جنبش دیکھنے والوں پر سحر طاری کر رہی تھی۔ وہ مور کی طرح ناچتی جسم پر لرزہ طاری کرتی، کبھی دونوں ہتھیلیوں کو پیالے کی شکل میں بنا کر ناگ دیوتا کی سمت یوں عاجزانہ آگے بڑھتی جیسے دیوتاؤں سے لذتِ وصل کی بھیک مانگ رہی ہو۔ پھر یکدم دونوں بازو جھٹک کر یوں پیچھے کو ہٹ جاتی اور خشمگیں نگاہوں سے بت کو دیکھتی جیسے دیوتاؤں کی ہوس ناک نظروں سے اپنے آپ کو بچا رہی ہو۔ اُس کے رقص میں حسن و جمال بھی تھا اور جنسی تشنگی کے شعلوں کی تپش بھی تھی۔ کبھی اُس کے چہرے پر شفقت و رحمدلی کی نرمی آ جاتی اور کبھی اُس کی نیلی آنکھیں ظلم و جبر کے عتاب سے غضبناک ہو جاتیں۔ ہر طرح کے بھید بھاؤ دکھانے کے بعد وہ دل میں اُتر جانے والی فتنہ گر مسکراہٹ کے ساتھ سب کی طرف مسکرا کر دیکھتی اور گردن کو آگے پیچھے لہراتی گول چکر میں گھوم جاتی۔

OOO

اسی طرح رقص کے دائرے بناتی، رقص کے دائروں کو توڑتی، ڈھولک شہنائیوں اور چنگ و رباب کی موسیقی پر تھرکتی وہ قربان گاہ سے اُتر کر سنگ مرمر کے اُس تختے کے سامنے آ کر تھرکنے لگی جہاں لکڑہارے کی معصوم بیٹی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قربانی کے لئے لٹایا ہوا تھا۔ شاہی رقاصہ چمپا کلی نے قربان کی جانے والی لڑکی کے گرد چار چکر پورے کئے تو ایک دیوداسی ہاتھوں میں چاندی کا کٹورہ لے کر اس کے پاس آ گئی۔ کٹورے میں صندل اور کیسر گھلا ہوا تھا۔ چمپا کلی رقص بھی کرتی جا رہی تھی اور کٹورے میں سے صندل اور کیسر کے چلو بھر بھر کر قربان کی جانے والی بدنصیب لڑکی کے جسم پر چھڑکتی بھی جاتی تھی۔ جب کٹورے کا صندل ختم ہو گیا اور قربان کی جانے والی لڑکی کا لباس بھیگ کر زعفرانی ہو گیا تو رقاصہ چمپا کلی رقص کرتی راجہ یوگ راج کے تخت کے پاس گئی اور راجہ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ راجہ کے ہاتھ میں اس وقت شراب سے بھرا ہوا سونے کا پیالہ تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ نیچے کر کے رقاصہ چمپا کلی کی ٹھوڑی کو سنبھالا دے کر اسے اُوپر اُٹھایا۔ چمپا کلی نے اپنی نیلی جھیل ایسی آنکھوں کو دو تین بار جھپک کر راجہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ راجہ یوگ راج کا دامن صبر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اسی وقت رقاصہ چمپا کلی کو اپنے سینے سے چمٹا لیتا۔ مگر چمپا کلی راجہ کی ہوس ناکیوں کو خوب جانتی تھی۔ اُس نے وہیں سے رقص کی ایک ہلکی سی جنبش کے ساتھ راجہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔

اس منظر کو دیکھ کر راجہ کے قدموں میں چاندی کی کرسی پر بیٹھے ہوئے راج گورو مارا کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ حسد کی آگ میں جل بھن کر راکھ ہو رہا تھا۔ جس حسینہ، جس شاہی رقاصہ کے جسم کی لذتوں سے وہ ہر لمحہ سرشار رہنا چاہتا تھا وہ راجہ پر اپنا حسن اور اپنی ادائیں نچھاور کر رہی تھی۔ لیکن مارا نے بھی دل میں عہد کر رکھا تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن چمپا کلی شاہی رقاصہ کو اپنے جال میں پھنسا کر دم لے گا۔

کچھ یہی حال ناگ مندر کے پروہت دیوا کا بھی تھا۔ وہ بھی شاہی رقاصہ چمپا کلی کا عاشق تھا اور اُسے اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ شہر کی کوئی حسین عورت اُس کی ہوس کا نشانہ بننے سے نہیں بچ سکی، مندر کی ہر دیوداسی نے اُس کی آغوش گرم کی ہے۔ اگر اس کے جال میں کوئی عورت ابھی تک نہیں پھنسی تو وہ صرف شاہی رقاصہ چمپا کلی ہی تھی۔ لیکن راج گورو مارا کی طرح

پروہت دیوا بھی مجبور تھا۔ چمپاکلی، راجہ کی منظور نظر تھی۔ اور راجہ کی منظور نظر رقاصہ یا دیوداسی پر دست درازی کرنا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا۔ چمپاکلی رقص کرتی ہوئی ایک بار پھر ناگ دیوتا کے استھان پر آ گئی۔ اُس نے آخری بار جھک کر ناگ دیوتا کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور پھر دونوں بازو کھول کر سر پیچھے کی طرف ڈھلکایا اور اُلٹے پاؤں رقص کرتی وسط میں آ گئی اور تین دائرے پورے کر کے مور سے ایک دم سانپ کے رقص پر آ گئی۔ وہ سانپ کی طرح جسم کو بل دیتی کنڈل مار کر بیٹھ گئی۔ اس وقت ساز بجانے والوں کی منڈلی میں صرف بین بجائی جا رہی تھی۔ بین کی لے پر چمپاکلی سانپ کی طرح قالین پر رینگ رینگ کر اُس بڑے ٹوکرے کی طرف بڑھنے لگی جس میں ڈال کر اُسے لایا گیا تھا۔ دونوں حبشی غلام ہاتھ باندھے سر جھکائے ادب سے ٹوکرے کی دونوں جانب کھڑے تھے۔ چمپاکلی نے سانپ ناچ ناچتے ٹوکرے کے پاس آ کر گردن کو اُوپر اُٹھا کر دونوں ہاتھوں کو پھن کی طرح بنایا، ناگ دیوتا کے بُت کی طرف منہ کر کے اپنے پھن کو تعظیم کے انداز میں ذرا سا جھکایا اور پھر سانپ کی طرح اپنے پورے بدن کو بل دیتی لچکاتی ٹوکرے کے اندر چلی گئی۔

جیسے ہی وہ ٹوکرے کے اندر گئی، حبشی غلاموں نے آگے بڑھ کر ٹوکرے پر ڈھکن چڑھایا اور اُسے اُٹھا کر اُلٹے پاؤں چلتے جس دروازے سے آئے تھے اُسی دروازے سے واپس چلے گئے۔ شاہی رقاصہ چمپاکلی کا رقص ختم ہوا تو پروہت دیوا اس تخت کی طرف بڑھا جس پر قربان کی جانے والی لڑکی سیدھی نیم مدہوشی کی حالت میں پڑی تھی۔ پروہت دیوا کے ہاتھ میں نشے کے زہر والا سانپ تھا۔ لڑکی کے سرہانے کی جانب کھڑے ہو کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا دیئے۔ اُس کے ایک ہاتھ میں عصا تھا اور دوسرے ہاتھ میں سانپ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ پروہت دیوا کا چہرہ ناگ دیوتا کے چھ منہ والے پھن کی طرف تھا۔ وہ بلند آواز میں بولا۔

''اے دیوتاؤں کے دیوتا ناگ دیوتا! ہم تیری قربانی کے لئے حاضر ہیں۔ ہمیں آ گیا دے کہ ہم تیری قربانی تیرے چرنوں میں پیش کریں۔''

پروہت دیوا نے اُونچی آواز میں منتروں کا جاپ کیا اور پھر راجہ یوگ راج کے تخت کے پاس جا کر جھک کر عرض کی۔

''مہاراج ادھیراج! آپ کا حکم ہو تو قربانی کا ھَوَن شروع کیا جائے۔''

راجہ نے سونے کے پیالے میں سے چلو بھر شراب اُوپر کو اُچھال دی اور کہا۔

''قربانی کا ھَوَن شروع ہو۔''

اسی وقت ڈھولکوں پر تھاپ پڑی، ساز بجنے لگے۔ پروہت قربان کی جانے والی لڑکی کے سرہانے کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ لڑکی پر نشے کی حالت ابھی تک طاری تھی۔ وہ آنکھیں کھولتی مگر نشے کی وجہ سے آنکھیں پوری نہیں کھلتی تھیں۔ پروہت دیوا سانپ کو لڑکی کی

گردن کے قریب لے گیا۔ سانپ نے لپک کر لڑکی کی گردن پر ڈس دیا۔ پروہت نے یہی عمل ایک بار پھر دہرایا اور لڑکی کی گردن پر دوسری جگہ بھی سانپ نے ڈس لیا۔ پروہت سیدھا ہو گیا۔ اُس نے ناگ دیوتا کے بت کی طرف دیکھ کر کوئی اشلوک پڑھا اور سانپ کو ناگ دیوتا کی طرف اُچھال دیا۔ سازوں کی آواز تیز ہو گئی۔ پروہت دیوا لڑکی کے گرد چکر لگاتا جاتا تھا اور اشلوک پڑھتا جاتا تھا۔ چھٹے چکر کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور ایک ہاتھ پھیلا دیا۔ ایک پجاری چاندی کا تھال لئے اُس کی طرف بڑھا۔ تھال میں ایک تیز دھار والا سخت پتھر سے بنا ہوا خنجر چمک رہا تھا۔ پروہت نے خنجر اُٹھا لیا۔ پجاری چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پروہت دیوا، نے جھک کر ہاتھ کے ایک جھٹکے سے اُس کے جسم کو بے لباس کر دیا۔ اب لڑکی بالکل عریاں حالت میں چت پڑی تھی۔ دو بار سانپ کے ڈسنے سے اُس کو اتنا نشہ چڑھ گیا تھا کہ اُسے کوئی ہوش نہ رہا تھا۔ اب اُس کا سر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر رہا تھا۔ پروہت دیوا، نے اُس طرف اشارہ کیا جدھر دو دیوداسیاں ہاتھوں میں سونے کے کٹورے لئے حکم کی منتظر کھڑی تھیں۔ اشارہ پاتے ہی دونوں دیوداسیاں تیز قدموں سے چل کر پروہت کے پاس آ گئیں۔ پروہت نے جھک کر لڑکی کی گردن پر خنجر رکھا اور ایک جھٹکے سے اُس کی شاہ رگ کاٹ دی...... شہ رگ کے کٹتے ہی خون کا فوارہ اُچھل کر پروہت کے لباس کو لالہ زار کر گیا۔ خون کو دیکھ کر وہاں پر موجود تمام دیوداسیوں، پجاریوں اور ساز بجانے والوں نے وحشیانہ نعرے بلند کئے۔ لڑکی کی کٹی ہوئی شہ رگ سے خون اُچھل اُچھل کر باہر نکل رہا تھا اور اُس کا جسم پھڑک رہا تھا۔ پروہت نے خون کا ایک پیالہ بھر کر اُسے ناگ دیوتا کے بُت پر اُچھال دیا۔ ناگ دیوتا کا بُت خون آلود ہو گیا۔ ڈھولک، شہنائیاں اور چنگ و رباب کی آوازیں اور تیز ہو گئیں۔ پروہت خون کا ایک پیالہ بھر کر راجہ کے پاس لے گیا۔ راجہ نے پیالے میں اپنی انگلی ڈبو دی پھر اس خون آلود انگلی سے اپنے ماتھے پر تلک لگا لیا۔

پروہت نے وہیں کھڑے کھڑے خون کے کٹورے میں سے ایک گھونٹ خون پیا۔ کیونکہ قربانی کی رسم میں ضروری تھا۔ اس کے بعد پروہت نے خنجر سے بدقسمت لڑکی کا پیٹ چاک کر دیا اور اُس کے سینے میں ہاتھ ڈال کر اُس کے دل کو کھینچ کر باہر نکال لیا۔ لڑکی کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔ مندر کی فضا ناگ دیوتا کی جے ہو کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ خون آلود دھڑکتا ہوا دل ناگ دیوتا کے کنڈل میں رکھ دیا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد دل نے دھڑکنا بند کر دیا۔ بدنصیب لڑکی بھی مر چکی تھی۔ ناگ دیوتا پر انسانی قربانی کی رسم پوری ہو گئی تھی اور یوں اس گناہ آلود شہر ناگاپورم کے گناہوں میں ایک اور دہشت ناک گناہ کا اضافہ ہو گیا تھا۔

ناگاپورم کے راجہ کا یہ دستور تھا کہ ناگ دیوتا کی قربانی کی رات اپنی من پسند رانی کے ساتھ بسر کرتا تھا۔ اس رات راجہ شاہی رقاصہ چمپاکلی کے حیا سوز رقص سے بہت متاثر ہوا تھا۔

چنانچہ قربانی کی رسم پوری کرنے کے بعد جب وہ اپنے محل میں واپس آیا تو اُس نے راج گورو مارا کو بلوایا۔ راج گورو مارا، راجہ کی خدمت میں اسی وقت حاضر ہو گیا۔

راجہ شاہی دیوان پر نیم دراز تھا۔ اُس کے ہاتھ میں سونے کا پیالہ تھا جس میں اُس کے محل کی خاص داسی سونے کی صراحی میں سے شراب اُنڈیل رہی تھی۔ راج گورو نے کورنش بجا لا کر کہا۔

''مہاراج ادھیراج نے غلام کو یاد فرمایا۔ سیوک حاضر ہو گیا۔''

راجہ نے شراب کا گھونٹ بھرا۔ اس کے ہونٹ شراب سے گیلے ہو گئے تھے۔ دیوداسی نے فوراً خوشبو میں بسے ہوئے ریشمی رُومال سے راجہ کے ہونٹوں کو صاف کیا اور فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ راجہ نے ہاتھ کی اُنگلی سے دیوداسی کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جب دیوداسی چلی گئی تو راجہ نے راج گورو مارا سے کہا۔

''راج گورو! قربانی کی اس پوتر رات کو شاہی رقاصہ چمپا کلی ہماری خواب گاہ کی زینت بنے گی۔''

یہ سن کر مارا کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ حسد کی آگ میں اُس کا سارا بدن جیسے جلنے لگا۔ مگر راجہ کے سامنے اُس کی مجال نہیں تھی کہ وہ راجہ کی خواہش پر کوئی اعتراض اُٹھاتا۔ اُس نے سر جھکا کر کہا۔

''جو حکم مہاراج ادھیراج!''

اتنا کہا اور سر جھکا کر راج گورو اُلٹے پاؤں واپس نکل گیا۔ اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ راجہ کے حکم کو ٹالنا اپنی موت کو بلانا ہے۔ وہ بیل پر سوار ہو کر سیدھا دوسرے محل کی طرف چل دیا جہاں ایک باغ کے اندر سنگ سرخ کی ایک حویلی میں شاہی رقاصہ چمپا کلی رہتی تھی۔ اس وقت وہ ناگ مندر میں رقص کی رسم نبھانے کے بعد لباس بدل کر اپنی خواب گاہ میں پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور ایک دیوداسی اُس کے قریب چوکی پر بیٹھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں رباب تھا جس کو وہ بڑے دھیمے سروں میں بجا رہی تھی تا کہ شاہی رقاصہ چمپا کلی موسیقی کی نرم اور خواب آور لہروں کے ساتھ نیند کی آغوش میں اُتر جائے، کہ ایک دیوداسی نے آ کر ادب سے کہا۔

''راجکماری جی! راج گورو جی آپ سے ملنے آئے ہیں۔''

چمپا کلی کو راج گورو مارا کی شکل ہی سے نفرت تھی۔ اُس نے دیوداسی کی طرف آنکھیں اُٹھا کر دیکھا اور ترش روئی سے پوچھا۔

''راج گورو اتنی رات گئے کیا کرنے آیا ہے؟ اُسے جا کر کہہ دو کہ راجکماری چمپا کلی آرام کر رہی ہے۔''

دیوداسی نے کہا۔

''راجکماری جی! راج گورو مہاراج ادھیراج کا کوئی خاص پیغام لے کر آئے ہیں۔''

چمپا کلی کو ناگاپورم کے راجہ سے بھی نفرت تھی۔ یہ عیاش اور بدکردار راجہ اُسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا مگر وہ اُس کی خاص منظور نظر شاہی رقاصہ تھی اور راجہ کے حکم کو ٹالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بیزاری کے ساتھ پلنگ پر سے اُٹھی اور سامنے دیوان پر آ کر بیٹھ گئی۔ جو دیوداسی رباب بجا رہی تھی اُس نے اُسے چلے جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد پیغام لانے والی دیوداسی سے کہا۔

''راج گورو سے کہو کہ اندر آ جائیں۔''

دیوداسی چلی گئی۔ چمپا کلی نے گلدان میں سجے ہوئے گلدستے میں سے کنول کا ایک گلابی پھول توڑ کر اپنی نازک اُنگلیوں میں تھام لیا اور اس کی نرم پنکھڑیوں کو اپنے سرخ ہونٹوں پر آہستہ آہستہ پھیرنے لگی۔ خواب گاہ کا پردہ ہٹا اور مکروہ صورت راج گورو مارا اندر داخل ہوا۔ چمپا کلی نے اُٹھ کر اُس کا خیر مقدم کیا اور بولی۔

''ہمارے راج گورو نے اس داسی کی حویلی میں آ کر اسے بڑی عزت بخشی ہے۔''

راج گورو مارا، چمپا کلی کے سامنے رکھی ہوئی ہاتھی دانت کی کرسی پر بیٹھ گیا اور چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

''راجکماری جی! یہ تو راج گورو کے سوبھاگ (خوش قسمتی) ہیں کہ اسے ایک بار پھر شاہی رقاصہ چمپا کلی کے درشنوں کا موقع مل گیا۔''

چمپا کلی نے کنول کے پھول کو اپنے ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''فرمائیے! کیسے آنا ہوا؟ اس ناچیز کو آپ نے کس لئے یاد فرمایا؟''

راج گورو بڑی ہوس ناک نگاہوں سے چمپا کلی کے جسم کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کی گناہ آلود نگاہوں کی چبھن کو چمپا کلی اپنے جسم پر محسوس کر رہی تھی اور اس انتظار میں تھی کہ یہ شخص اب اس کی خواب گاہ سے دفع ہوتا ہے۔ راج گورو مارا بولا۔

''چمپا کلی جی! ہم تو آپ کو ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس وقت آپ کو مہاراج نے یاد کیا ہے اور اپنی خوابگاہ میں بلایا ہے۔''

شاہی رقاصہ چمپا کلی فوراً سمجھ گئی کہ آج اس عیاش بوڑھے راجہ کے دل میں اس کے ساتھ عیاشی کرنے کی آگ بھڑک رہی ہے۔ چمپا کلی کو کسی حالت میں بھی مکروہ صورت راجہ کی خوابگاہ میں جانا گوارا نہیں تھا۔ لیکن یہ راجہ کا حکم تھا اور وہ راجہ کے حکم کو ہرگز ٹال نہیں سکتی تھی۔ دل پر پتھر رکھ کر بولی۔

''مہاراج سے کہیں کہ ان کی داسی ان کے حکم کی پالنا کرنے کے لئے حاضر ہے۔ میں

ابھی تیار ہو کر مہاراج کی خواب گاہ میں پہنچ رہی ہوں۔"

راج گورو نے اپنے دل میں کہا، کاش چمپا کلی آج کی رات اس کی خواب گاہ کی زینت بنتی۔ لیکن ایسا ہونا بالکل ناممکن تھا۔ ایک تو راج گورو، چمپا کلی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا، دوسرے اُسے معلوم تھا کہ چمپا کلی بھی اسے پسند نہیں کرتی۔ اگر چمپا کلی کی مرضی ہوتی تو وہ سات سمندر پار کر کے بھی اس کے پاس آسکتی تھی۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل اُلٹ تھا۔ راج گورو پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی تھی کہ اس جنم میں چمپا کلی سے اس کا ملاپ نہیں ہو سکے گا۔ راج گورو نے چمپا کلی سے آگے کوئی بات نہ کی اور خاموشی کے ساتھ اس کی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

شاہی رقاصہ چمپا کلی کو مجبوراً سولہ سنگھار کرنا پڑا اور وہ پالکی میں سوار ہو کر راجہ کے محل میں پہنچ گئی۔ دیوداسیوں نے اُس کا استقبال کیا اور اُسے لے کر راجہ کی خواب گاہ تک آئیں۔ یہاں سے وہ واپس چلی گئیں اور چمپا کلی راجہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ خواب گاہ میں شراب کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ عیاش راجہ دیوان پر نیم دراز تھا۔ شراب کا پیالہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ ایک کنیز اُس کی دائیں جانب اور ایک کنیز اُس کی بائیں جانب بیٹھی تھی۔ اور دونوں بڑے پیار سے راجہ کے جسم کو سہلا رہی تھیں۔ چمپا کلی، راجہ کے سامنے آتے ہی جھک گئی اور ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ راجہ نے دونوں کنیزوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ کنیزیں اپنے ریشمی لہنگے سنبھالتی خواب گاہ سے نکل گئیں۔ اب راجہ اور چمپا کلی خواب گاہ میں تنہا تھے۔ چمپا کلی اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اب اُسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ دل تو اُس کا یہ چاہتا تھا کہ جس خنجر سے ناگ دیوتا کے پروہت نے معصوم بے گناہ لڑکی کا پیٹ چاک کیا تھا اسی خنجر سے اس بڈھے اور سنگدل راجہ کا پیٹ چاک کر دے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گناہ کے محل سے فرار ہو جائے۔ لیکن وہ خواہش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ وہ اسی محل میں پروان چڑھی تھی۔ اس محل کے سوا اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ہڑپہ اور موہنجودڑو کے شہروں میں وہ گناہ کی دیوی کے طور پر مشہور تھی۔ اگر وہ اس بدی کے محل سے فرار ہو کر ہڑپہ اور موہنجودڑو میں سے کسی شہر کا رُخ کرتی ہے تو دونوں شہروں کے لوگ اُسے اپنے شہروں میں داخل ہوتے دیکھ کر وہیں قتل کر ڈالیں گے۔ تیسرا شہر اُسے بابل ہی نظر آتا تھا جو وہاں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر تھا اور چمپا کلی ان بیابان صحراؤں میں اکیلی اتنا لمبا سفر طے نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ چمپا کلی نے اپنے آپ سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور راجہ کے محل میں ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔

راجہ نے اشارے سے چمپا کلی کو اپنے پاس بلایا۔ چمپا کلی اپنے چہرے پر نقلی مسکراہٹ لا کر راجہ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ساری رات چمپا کلی نے ایک بے جان لاش بن کر راجہ کے ساتھ

گزاری۔ راجہ جب بھی شاہی رقاصہ چمپا کلی کو اپنی شاہی خواب گاہ میں شب بسری کے لئے بلاتا تھا تو چمپا کلی کی رات اسی طرح گزرتی تھی۔ چمپا کلی کو راجہ کے محل میں دنیا کی ہر آسائش میسر تھی۔ مگر محبت نام کی جس شے کو وہ ترستی تھی وہ راجہ کے محل میں نہیں تھی۔ شاہی رقاصہ کوئی بازاری عورت نہیں تھی۔ اس کا دامن گناہوں کے دھبوں سے داغدار تھا مگر چمپا کلی کے دل کا ایک گوشہ سچی اور پاک محبت کو ترستا تھا۔ اُس کی زندگی کی دلدل میں ایک سفید اور بے داغ پھول ضرور کھلا ہوا تھا اور کنول کا یہ پھول سچی محبت کی حسرتوں کا پھول تھا۔ چمپا کلی نے گناہوں کے طوفانوں میں بھی اس پھول کی رکھوالی کی تھی۔ ہوس زر اور ہوس بدن کی آندھیوں میں بھی چمپا کلی نے محبت کے اس جلتے چراغ کو بچائے رکھا تھا، جلائے رکھا تھا۔ چمپا کلی کی شخصیت متضاد طاقتوں کے تھپیڑوں کے درمیان ایسے گھری ہوئی تھی جیسے سمندر کی طوفانی موجوں کے درمیان کوئی چٹان کھڑی ہو۔ مخالف سمت سے طوفانی موجوں کے تھپیڑے آ آ کر اس چٹان سے ٹکراتے تھے اور واپس چلے جاتے تھے۔ اُس کی زندگی تضادات کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ گناہ کرتے ہوئے اُس کے دل میں نیک کام نہ کرنے کا پچھتاوا پیدا ہوتا اور اگر وہ کوئی نیک کام کرتی تو اُسے اپنے بے شمار گناہ یاد آنے لگتے اور اُسے کچوکے لگاتے۔

اُس کے دل میں راجہ کی خواب گاہ میں رات بسر کرتے ہوئے کئی بار خیال آتا کہ کیوں نہ وہ راجہ کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالے۔ لیکن عقیدے کے اعتبار سے چمپا کلی ایک عام کمزور عورت تھی۔ اُس کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا کہ راجہ، ناگ دیوتا کے مندر کا نگران اور اس کی نگہداشت کرنے والا ہے۔ اگر اُس نے راجہ کو ہلاک کر دیا تو اس پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہو گا۔ چنانچہ ہر دفعہ اُس کے دل میں راجہ کو قتل کر دینے کا خیال پیدا ہوتا اور وہ ڈر کر اس خیال کو دل سے نکال دیتی تھی۔ شاہی محل کے پائیں باغ میں چاندنی رات میں وہ محل کی کسی کنیز کو اپنے کسی محبوب سے محبت بھری باتیں کرتے دیکھتی تو چھپ کر اُن کی باتیں سنتی۔ اُس کے دل میں حسرت پیدا ہوتی کہ کاش اس کا بھی کوئی چاہنے والا ہو جو اس سے محض محبت کی خاطر پیار کرے۔ اس کے ساتھ محبت بھری باتیں کرے۔ لیکن چمپا کلی کو آج تک ایسا کوئی مرد نہیں ملا تھا جس نے اُس کے جسم سے نہیں، اُس کی رُوح سے پیار کیا ہو۔ جس کے پیار میں ہوس کی آلودگی شامل نہ ہو۔ چمپا کلی کی عمر بائیس برس کی ہو گئی تھی۔ جب سے اُس نے جوانی میں قدم رکھا تھا اُس سے جھوٹا اور نقلی پیار ہی کیا گیا تھا۔ پیار کے نام پر اُس کے ساتھ پیار کا ناٹک کھیلا گیا تھا۔

مردوں کے اس سلوک نے چمپا کلی کے دل میں مردوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی۔ وہ مردوں سے نفرت کرنے لگی تھی۔ اُس کے دل کو یقین ہو گیا تھا کہ دنیا میں کوئی مرد کسی عورت سے محض محبت کی خاطر اور محض محبت کے لئے پیار نہیں کرتا۔ وہ شاہی محل کی ایک

دیوداسی کی بیٹی تھی۔ اس کی پرورش ناگ مندر اور شاہی محل دونوں کے ماحول میں ہوئی تھی اور مندروں اور شاہی محل میں اُس نے جھوٹ، فریب، سازشوں اور ہوسناکیوں اور گھناؤنے گناہوں کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔ رات کو جب راجہ یوگ راج سوم رس کے نشے میں دُھت ہوکر بے خبر پڑا تھا تو اُس کی خواب گاہ کے شاہی بستر پر لیٹی چمپاکلی جاگ رہی تھی اور اپنی زندگی کے بارے میں انہی خیالوں میں بھٹک رہی تھی۔

راجہ یوگ راج کا ایک یہ بھی دستور تھا کہ قربانی والی رات کے اگلے دن وہ شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر واقع ایک غار میں ناگ مُنی کے درشنوں کو ضرور جاتا تھا۔ ناگ مُنی کی عمر سو سال کے قریب ہوگئی تھی۔ وہ ایک ٹیلے کے غار میں رہتا تھا۔ ٹیلے کے دامن میں ناگ مُنی کے چیلوں نے ایک آشرم بنایا ہوا تھا جہاں وہ رہتے تھے اور ناگ مُنی کی سیوا کرتے تھے۔

صبح صبح چمپاکلی، راجہ کی خواب گاہ سے اپنی شاہی حویلی میں واپس آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ سورج نکلنے کے بعد جب راجہ، ناگ مُنی کے درشنوں کو جائے گا تو وہ اسے بھی ضرور ساتھ لے جائے گا۔ کیونکہ ناگ مُنی کے درشنوں کے لئے ناگ دیوتا کے مندر میں رقص کرنے والی چمپاکلی کا ساتھ جانا ضروری ہوتا تھا۔ چمپاکلی کا ناگ مُنی کے درشنوں کو جانے کے لئے بالکل دل نہیں تھا لیکن وہ راجہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتی تھی۔ چنانچہ حویلی میں واپس آ کر اُس نے اشنان کیا، لباس تبدیل کیا۔ اُس کی داسی کنڈلا نے اُس کے بال بنائے، اُس کا ہلکا سا سنگھار کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد چمپاکلی، راجہ کے ہرکارے کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔

جب ناگاپورم شہر کے مشرق میں سورج طلوع ہوا تو راجہ کے آدمی پالکی لے کر اُسے لینے آ گئے۔ داسی کنڈلا نے آ کر خبر دی۔

''راجکماری جی! شاہی پالکی آ گئی ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔''

چمپاکلی نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ کہا اور خواب گاہ سے نکل کر حویلی کے صحن میں آ گئی جہاں راجہ کے ہرکارے پالکی رکھے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ چمپاکلی پالکی میں بیٹھ گئی۔ شاہی پالکی محل کی جانب چل پڑی۔ تھوڑی ہی دیر بعد شاہی محل سے راجہ، شاہی رتھ پر سوار ناگ مُنی کے درشن کرنے اُس کے غار والی گپھاہ کی سمت چل پڑا۔ چمپاکلی، راجہ کے رتھ میں اُس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ راجہ کے رتھ کے پیچھے ناگ مندر کے پروہت دیوا اور دوسرے پجاریوں کے رتھ تھے۔ یہ سب لوگ رسم کے مطابق قربانی والی رات کے دوسرے دن ناگ مُنی کے درشنوں کو جایا کرتے تھے۔ ناگ مُنی کو ناگ دیوتا کا ایک اوتار مانا جاتا تھا اور شہر کے لوگ ہر پونم کی رات کو ناگ مُنی کی گپھاہ کے باہر چڑھاوے چڑھانے جاتے تھے۔ ناگ مُنی کسی کے سامنے نہیں آتے تھے۔ مہینے میں صرف ایک بار پونم کی رات کو تھوڑی دیر کے لئے غار سے

باہر آ کر لوگوں کو درشن دیتے تھے اور پھر اپنی غار والی گپھاہ میں واپس چلے جاتے تھے۔ سال میں ایک بار قربانی کی رات کے اگلے دن جب راجہ یوگ راج، ناگ مُنی کے درشنوں کو جاتا تو وہاں ایک میلہ سا لگ جاتا تھا۔ قریب کے گاؤں کے سپیرے وہاں آ کر اپنے اپنے سانپوں کے کرتب دکھاتے تھے۔ اس روز بھی جب راجہ کی سواری ناگ مُنی کے ٹیلے پر پہنچی تو وہاں پہلے ہی سے میلے کا سماں تھا۔ ناگ مُنی کے چیلوں کے آشرم میں بڑی رونق تھی۔ قریبی گاؤں سے آئے ہوئے سپیرے، لوگوں کو سانپوں کا تماشہ دکھا رہے تھے۔ راجہ کے واسطے پہلے ہی سے شاہی خیمے لگا دیئے گئے تھے۔ راجہ اپنی منظورِ نظر شاہی رقاصہ چمپاکلی کے ساتھ اپنے شاہی خیمے میں چلا گیا۔ پروہت دیوا اپنے خیمے میں آرام کرنے چلا گیا اور پجاری دوسرے خیموں میں جا کر اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔

ناگ مُنی کے درشنوں کا وقت آدھی رات مقرر تھا۔ راجہ اور اُس کے عملے کے ارکان کے لئے طرح طرح کے پکوان تیار کئے جانے لگے۔ اس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور موسم بڑا خوشگوار ہو گیا تھا۔ ناگ مُنی کا ٹیلہ دریائے گھاگرا کے پہلو میں واقع تھا۔ یہاں زمین کافی سرسبز تھی اور کھیت اور کھجوروں کے باغ بھی تھے۔ کہیں کہیں ریتلے میدانوں کے ٹکڑے دکھائی دے جاتے تھے۔ سارا دن چمپاکلی نے راجہ کے خیمے میں بڑی بیزاری سے گزارا۔ جب سورج غروب ہونے والا تھا تو چمپاکلی عام لباس پہن کر اپنی داسی کنڈلا کے ہمراہ کھلی فضا میں تھوڑی دیر سیر کرنے کو نکل آئی۔ دونوں سیر کرتی کرتی کھجوروں کے ایک جھنڈ کے سائے میں آ گئیں۔ وہاں ایک باولی تھی جس کا پانی چشمے کی طرح اُبل رہا تھا۔

کنڈلا کہنے لگی۔ ''راجکماری جی! اس باولی کا پانی بڑا میٹھا ہے۔ میں آپ کے لئے پانی بھر لاتی ہوں۔''

کنڈلا، چاندی کا کٹورا لے کر پانی بھرنے باولی کی طرف گئی۔ چمپاکلی کھجور کے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئی۔ اچانک اُسے اپنے قریب ہی خشک پتوں کے درمیان سرسراہٹ سی سنائی دی۔ چمپاکلی نے گردن موڑ کر زمین پر بکھرے ہوئے سوکھے پتوں کی طرف جیسے ہی دیکھا، ایک کالا سانپ تیزی سے پتوں کے درمیان سے نکلا اور اُس نے لپک کر چمپاکلی کی پنڈلی پر ڈس دیا.... چمپاکلی کی چیخ نکل گئی۔ کنڈلا، کٹورا وہیں پھینک کر چمپاکلی کی طرف دوڑی۔ رقاصہ چمپاکلی کی حالت بگڑنے لگی تھی۔ سانپ کے زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ کنڈلا گھبرا گئی۔ اُس نے چیخ کر کہا۔

''کوئی بچائے.... رانی جی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔''

ابھی یہ جملہ کنڈلا داسی کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ ایک طرف سے ایک نوجوان دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے آتے ہی شاہی رقاصہ چمپاکلی کی پنڈلی پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا اپنا منہ لگایا اور

پوری قوت سے زہر چوسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ زہر چوس چوس کر باہر تھوکتا جاتا تھا۔ جب اس نوجوان نے چمپا کلی کے جسم میں گیا ہوا سانپ کا تقریباً سارا زہر چوس کر باہر تھوک دیا تو چمپا کلی کی حالت سنبھلنا شروع ہو گئی۔ اُس نے احسان مند نگاہوں سے اس نوجوان کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تم نے میری زندگی بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

نوجوان نے کہا۔ ''یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا ہے۔ اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔''

کنڈلا نے سہارا دے کر راجکماری چمپا کلی کو درخت کے ساتھ بٹھا دیا اور اسے کہا۔

''بھگوان نے آپ کو بچا لیا۔ آپ کی چیخ کی آواز سن کر میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔''

مگر چمپا کلی نے کنڈلا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت وہ اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی جس نے اس کی جان بچائی تھی۔ چمپا کلی ایسا خوبرو نوجوان زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ اُس کے گندمی چہرے پر مردانہ وجاہت تھی۔ سیاہ آنکھوں میں دل کو گداز کرنے والی چمک تھی۔ اُس کے سیاہ بال اُس کی گردن پر شام کی ہوا میں لہرا رہے تھے۔ گلے میں زمرد کی مالا تھی۔ وہ نوجوان بھی چمپا کلی کو ایک عجیب والہانہ پن سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ بھی چمپا کلی جیسی عورت کو زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہو۔

چمپا کلی نے نوجوان سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

نوجوان ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''میرا نام ناگ پال ہے۔ میں ناگ مُنی جی کے آشرم میں رہتا ہوں اور ان کی سیوا کرتا ہوں۔''

دونوں ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ سچی محبت کی پہلی نظروں میں یہی کیفیت ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہی ٹھٹھک جاتے ہیں، دونوں کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے ایک دوسرے کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہو، جیسے وہ اس سے پہلے بھی وقت کی سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں برس کی گردشوں میں کہیں کسی جگہ مل چکے ہوں۔ دو جسموں کی محبت میں ایک جسم دوسرے جسم کو دیکھتا ہے۔ رُوح کی محبت میں ایک رُوح دوسری رُوح کو دیکھتی ہے۔ جسم فانی ہے، رُوح غیر فانی ہے۔ جسم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور مٹی میں مل جاتے ہیں۔ رُوحیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو جدا ضرور ہو جاتی ہیں لیکن فنا نہیں ہوتیں۔ کیونکہ رُوح غیر فانی ہے۔ ان کی محبت عارضی مدت کے لئے ایک دوسرے سے الگ ہو سکتی ہے لیکن ختم کبھی نہیں ہوتی۔ پاکباز سچی محبت کا سفر غیر فانی روح کے ساتھ جاری و ساری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے جب سچی محبت کرنے

والے، پاک محبت کرنے والوں کی رُوحیں فانی جسم کے لباس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو وہ پہلی نظر میں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہیں، ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش کرتی ہیں، انہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں سال، لاکھوں سال، کروڑوں سال پہلے بھی کہیں مل چکی ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں برس کی جدائی رُوحوں کی محبتوں پر کوئی اثر نہیں ڈالتی، کوئی فرق نہیں ڈالتی۔ روحانی محبتوں کی دنیا میں وقت کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

کچھ ایسا ہی حال اس لمحے چمپا کلی اور ناگ پال کا تھا۔ دونوں پر کچھ اسی قسم کی کیفیت طاری تھی۔ ناگ پال نے پوچھا۔

''آپ کہاں رہتی ہیں؟''

چمپا کلی چونکہ اس وقت شاہی زرق برق لباس میں نہیں تھی بلکہ اُس نے ایک عام زعفرانی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی اس لئے ناگ پال اُس کی شاہی رقاصہ اور راجہ یوگ راج کی خاص منظورِ نظر ہونے کی حیثیت کو نہ پہچان سکا تھا۔ چمپا کلی خود بھی اپنی اصلی حیثیت کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے ناگ پال سے کہا۔

''میں...... '' وہ ایک لمحے کے لئے رُک گئی، پھر کہنے لگی۔ ''میں ناگا پورم شہر کے ایک سوداگر کی بیٹی ہوں اور اپنی نوکرانی کے ساتھ ناگ مُنی جی کے درشنوں کو آئی ہوں۔''

ناگ پال نے کسی قدر تعجب کے ساتھ کہا۔

''لیکن آپ کی نوکرانی نے تو آپ کو رانی جی کہا تھا۔ کیا آپ ناگا پورم کی کوئی رانی ہیں؟''

چمپا کلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا میں کسی راجہ کی رانی لگتی ہوں؟''

ناگ پال کے چہرے پر بھی شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی، کہنے لگا۔ ''ہاں..... آپ کے چہرے پر مہارانیوں جیسی سندرتا ہے۔''

چمپا کلی کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا، کہنے لگی۔

''کیا میں سچ مچ سندر ہوں؟ خوبصورت ہوں؟'' وہ مسکرا رہی تھی۔

ناگ پال بولا۔ ''پونم کے چاند کو کون سندر نہیں کہے گا؟''

چمپا کلی کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

''کیا تم شاعر ہو؟ تم شاعروں جیسی باتیں کرتے ہو۔''

ناگ پال کے چہرے پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ مسلسل چمپا کلی کو تکتا جا رہا تھا، کہنے لگا۔

''آپ کو دیکھ کر شاعروں جیسی باتیں کرنے لگا ہوں۔''

کنڈلا بڑے صبر کے ساتھ ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ اس پر بھی حیران ہوئی تھی

کہ راجکماری شاہی رقاصہ نے اس شخص پر اپنی شاہانہ حیثیت ظاہر کیوں نہیں کی؟ اُسے یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر کسی نے ان دونوں کو پیار محبت کی باتیں کرتے دیکھ لیا، سن لیا تو اس کی خبر راجہ کو ضرور ہو جائے گی۔ اور داسی کنڈلا، راجہ کی شکی طبیعت اور اُس کے سنگدلانہ مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ راجہ کو پتہ چل گیا تو وہ چمپاکلی کو تو شاید معاف کر دے لیکن اس غریب نوجوان کا سر ضرور قلم کروا دے گا۔ اور کنڈلا نہیں چاہتی تھی کہ ناگ پال جیسے شریف اور بہادر نوجوان کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک ہو جس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر چمپاکلی کی جان بچائی تھی۔ چنانچہ اُس نے چمپاکلی کے ذرا قریب ہو کر کہا۔

''رانی جی! دیر ہو رہی ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہئے۔''

داسی کنڈلا، چمپاکلی کی بڑی گہری اور راز دار نوکرانی تھی۔ وہ چمپاکلی کو کبھی راجکماری جی اور کبھی پیار سے صرف رانی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی۔ چمپاکلی، ناگ پال سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن اسے بھی اس لمحے یہ خیال آ گیا کہ اگر کسی نے اس حسین وشکیل نوجوان ناگ پال کو جس نے کہ اس کی جان بچائی ہے، اس سے باتیں کرتے دیکھ لیا اور راجہ کو اس کی خبر ہو گئی تو ناگ پال کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ راجہ کے جاسوس ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ ناگ پال کے زہر چوس کر تھوک دینے سے چمپاکلی پر سانپ کے زہر کا جو معمولی سا اثر ہوا تھا وہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ پھر بھی کنڈلا نے اُسے سہارا دے کر اُٹھایا۔

چمپاکلی بولی۔ ''اچھا ناگ پال! میں چلتی ہوں۔''

ناگ پال نے چونک کر چمپاکلی کی طرف دیکھا، اُسے ایسے لگا جیسے اگر یہ لڑکی اس کی نظروں سے دُور ہو گئی تو شاید وہ ایک بار پھر وقت کی لامتناہی گردشوں میں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں برسوں کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ چمپاکلی کو بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن دونوں ایک دوسرے کو روک نہیں رہے تھے، روک نہیں سکتے تھے۔ ناگ پال سے نہ رہا گیا، اُس نے پوچھا۔

''رانی جی! پھر کب ملاقات ہو گی؟''

چمپاکلی کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے۔

''یہ میری سہیلی کنڈلا آ کر تمہیں بتا دے گی۔''

ناگ پال نے خوش ہو کر کہا۔

''ناگ منی جی کے آشرم کے آخر میں جہاں آم کا گھنا پیڑ ہے وہاں میری جھونپڑی ہے۔''

چمپاکلی کی داسی اور سہیلی کنڈلا سرگوشی میں بولی۔

''اب چلیں رانی جی!''

چمپاکلی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر شرگیں نگاہوں سے ناگ پال کو پرنام کیا۔ ناگ پال نے

بھی اپنے دونوں ہاتھ احترام کے ساتھ جوڑ کر اپنے چہرے کے قریب کئے اور نمسکار کیا۔ کنڈلا چمپاکلی کو ساتھ لے کر جلدی سے وہاں سے چل دی۔ ناگ پال اسی جگہ کھڑے ہو کر اس وقت تک چمپاکلی کو جاتے دیکھتا رہا جب تک کہ چمپاکلی شام کے دُھندلکے میں اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

کنڈلا ایک مدت سے راجہ یوگ راج کے شاہی محلات کی فضاؤں میں چمپاکلی کی خدمت اور سیوا میں رہ رہی تھی۔ وہ شاہی محل کے سازشی ماحول اور راجہ کے شکی مزاج سے بخوبی واقف تھی۔ اُس کے دل میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ وہ چمپاکلی کے ساتھ شاہی خیمے کی طرف تیز قدموں سے چلی جا رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

''راجکماری جی! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟''

چمپاکلی، کنڈلا کے دل کی بات سمجھ گئی تھی۔ کنڈلا اُس کی رازدار تھی۔ اور اس کی داسی ہی نہیں اُس کی سہیلی بھی تھی۔ وہ کنڈلا سے اپنے دل کا راز نہیں چھپانا چاہتی تھی۔ کہنے لگی۔

''مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں رہا کنڈلا! میں اُس نوجوان سے محبت کرنے لگی ہوں۔ مجھے اُس سے پہلی نظر میں ہی محبت ہو گئی ہے۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟ کیسے ہو گیا ہے؟ مجھے کچھ نہیں پتہ۔ لگتا ہے جس محبت کی تلاش میں میری آتما صدیوں سے بھٹکتی پھر رہی تھی وہ مجھے ناگ پال کے روپ میں مل گئی ہے۔''

کنڈلا نے چمپاکلی کو تو کوئی جواب نہ دیا لیکن دل میں وہ ضرور ڈر گئی تھی۔ اُس نے کسی آنے والے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ جس وقت وہ دونوں راجہ کے شاہی خیمے میں پہنچیں تو شام ہو چکی تھی اور راجہ ناگ مندر کے بڑے پروہت دیوا کے ساتھ ناگ منی کے درشن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ وہ ناگ منی کی خدمت میں اس بار سونے کے ایک ہزار سکے پیش کرنا چاہتا تھا جبکہ پروہت کا خیال تھا کہ ناگ منی کو سونے چاندی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اُن کی خدمت میں اس کی بجائے لباس کے پچاس جوڑے اور دو غلام پیش کئے جائیں جو اُس کی سیوا کریں۔

چمپاکلی، کنڈلا کے ہمراہ شاہی خیمے کے اس حصے میں آ گئی جہاں اُس کے لئے خاص خواب گاہ بنائی گئی تھی۔ اس خواب گاہ کو قیمتی ریشمی پردوں اور دوسرے آرائشی لوازمات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ کسی کو چمپاکلی کے سیر پر جانے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ رات کا کھانا راجہ نے پروہت اور چمپاکلی کے ساتھ اپنے خیمہ خاص میں بیٹھ کر تناول کیا۔ ناگ منی کے درشنوں والی رات کو راجہ شراب و کباب سے پرہیز کرتا تھا۔ اس رات ناگ مندر کا پروہت بھی شراب و کباب اور دوسری عیاشیوں سے دُور رہتا تھا۔ یہ ناگ منی کا حکم تھا کہ کوئی شخص شراب پی کر اور بغیر اشنان لئے اُس کے درشنوں کو نہ آئے۔ شام ہوتے ہی آسمان پر پونم کا پورا چاند نکل آیا۔ ناگ منی

کے آشرم میں جگہ جگہ دیئے اور فانوس جگمگا رہے تھے۔ وہاں ہر طرف رونق اور روشنیاں تھیں۔

ناگ مُنی کے درشن کو جانے سے پہلے راجہ نے اشنان کیا اور شاہی لباس زیب تن کیا۔ چمپاکلی نے بھی نہا دھو کر نیا مگر سادہ لباس پہن لیا تھا۔ جب پورے چاند کی رات آدھی گزر رہی تھی تو راجہ کی سواری ناگ مُنی کے ٹیلے کی طرف روانہ ہوئی۔ اس وقت راجہ سونے کے تخت والی پالکی میں براجمان تھا۔ چمپاکلی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ پیچھے پیچھے ناگ مندر کے بڑے پروہت کی پالکی تھی۔ اس کے پیچھے پجاری اور پجارنیں ہاتھ باندھے بھجن گاتی دو قطاروں میں چلی آ رہی تھیں۔ آگے آگے شہنائیاں اور نفیریاں بجانے والوں کی ٹولی ساز بجاتی جا رہی تھی۔ غلاموں نے روشن مشعلیں اور کانسی کے روشن چراغوں کے بڑے بڑے فانوس کندھوں پر اُٹھا رکھے تھے۔ اس شاہی جلوس کے پیچھے عام لوگ مرد اور عورتیں ناگ مُنی کے درشنوں کے لئے پیدل چلی آ رہی تھیں۔

آسمان پر پونم کی رات کا پورا چاند اپنی روشن کرنیں چاروں طرف بکھیر رہا تھا۔ جب یہ جلوس ناگ مُنی کے ٹیلے پر پہنچا تو ناگ مُنی کا تخت غار سے نکال کر باہر بچھایا جا چکا تھا۔ تخت کے دونوں جانب جلتے دیوں کے جھاڑ روشن تھے۔ ناگ مُنی کے سیوک ہاتھ باندھے سر جھکائے تخت کے دونوں جانب ادب سے کھڑے تھے اور دھیمی آواز میں اشلوک گنگنا رہے تھے۔ تخت پر برف جیسے سفید بالوں والا ایک دُبلا پتلا بوڑھا آدمی آلتی پالتی مارے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے آنکھیں بند کئے بڑے سکون سے بیٹھا تھا۔ ناگ مُنی کی بھنویں بھی سفید ہو چکی تھیں۔ بوڑھے چہرے پر ایک سکون اور گہری خاموشی چھائی تھی۔ ناگ مُنی کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ پچاس برس سے انہوں نے مرن برت رکھا ہوا ہے۔ یعنی پچاس برس سے وہ چپ ہیں اور کبھی کسی سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ ایسا ناگ مُنی نے کیوں کیا تھا؟ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اُن کے بڈھے سیوک بھی جو گزشتہ بیس بیس، تیس تیس برسوں سے ناگ مُنی جی کی سیوا کر رہے تھے نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے خاموشی کیوں اختیار کر رکھی ہے۔ اُن سے بھی اتنے برسوں میں ناگ مُنی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اُن کی خوراک نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ دن میں صرف دو مرتبہ گائے کے دُودھ کے دو پیالے پیتے تھے۔ وہ دن رات غار کے اندر اپنے تخت پر آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے تھے۔ وہ سوتے کب تھے اور جاگتے کب تھے؟ اس بارے میں بھی کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ اُس کے سیوکوں یعنی خادموں کا کہنا تھا کہ ناگ مُنی جی رات کو کسی لمحے بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے ہیں۔ ان کا صرف ایک بوڑھا سیوک ایسا تھا جس کو رات کے وقت ناگ مُنی کے قریب رہنے کی اجازت تھی۔

سب سے پہلے راجہ یوگ راج ناگ مندر کے پروہت دیوا کے ہمراہ ناگ مُنی کے درشن کرنے آیا۔ دونوں نے جھک کر، ہاتھ باندھ کر بوڑھے ناگ مُنی کو نمسکار کیا اور اُس کے تخت

کے پایوں کو چوما۔ پھر راجہ نے ناگ مُنی کی خدمت میں لباس کے جوڑے اور دو غلام بطور بھوگ پیش کئے۔ ناگ مُنی بت کی طرح آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس نے کوئی حرکت نہ کی، نہ آنکھیں کھول کر دیکھا، نہ زبان سے کچھ بولا۔ ناگ مندر کے پروہت نے لوبان اور خشک صندل چاندی کی تھالی میں سلگا کر ناگ مُنی کے قدموں میں رکھ دیا اور ناگ دیوتا کی تعریف میں کچھ منتروں کا جاپ کیا۔ اس کے بعد راجہ اور پروہت دونوں اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے۔ اب شاہی رقاصہ چمپاکلی ہاتھوں میں چاندی کی تھالی لئے آگے آئی۔ تھالی میں ایک دیا روشن تھا، کچھ پھول رکھے تھے اور لوبان سلگ رہا تھا۔ چمپاکلی نے بڑے ادب سے تھالی ناگ مُنی کے قدموں میں رکھی، جھک کر تخت کو بوسہ دیا اور ہاتھ باندھ کر کچھ دیر کھڑی رہی، پھر آہستہ آہستہ اُلٹے قدموں واپس چلتی راجہ اور پروہت کے پاس آ گئی۔ اُس وقت ساز بجانے والوں کی شاہی منڈلی نے شہنائیاں اور نفیریاں بجا کر ناگ مُنی کے درشن پانے پر خوشی کا اظہار کیا۔ جب راجہ کی شاہی سواری ٹیلے سے اُتر کر اپنے محل کی طرف روانہ ہوئی تو شہر کے دوسرے لوگ ناگ مُنی کے درشن کرنے کے لئے آگے بڑھے۔

رات کا پچھلا پہر ہو چکا تھا جب راجہ کی سواری شاہی محل میں پہنچی۔ اس رات چمپاکلی اپنی حویلی والی خواب گاہ میں سوئی۔ راجہ نے اُسے اپنی خواب گاہ میں طلب نہ کیا۔ دوسرے دن چمپاکلی دوپہر تک سوئی رہی۔ دوپہر کے بعد اُٹھ کر اُس نے اشنان کیا، نیا لباس زیب تن کیا۔ کنڈلا اُس کا سنگھار کرنے لگی تو چمپاکلی نے کنڈلا سے کہا۔

''کنڈلا! تمہیں ناگ پال کیسا لگا؟''

کنڈلا نے چمپاکلی کی زلفوں کی مینڈھیاں کرتے ہوئے کہا۔

''راجکماری جی! سچ پوچھیں تو مجھے تو وہ اتنا اچھا نہیں لگا۔ ویسے بھی وہ آپ جیسی راجکماری کے لائق نہیں ہے۔''

چمپاکلی ہنسنے لگی۔ اُس نے تانبے کے صیقل شدہ اُس زمانے کے آئینے میں اپنے خوبصورت چہرے اور نیلی آنکھوں پر ایک نظر ڈالی اور بولی۔

''میں جانتی ہوں تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ تم نہیں چاہتیں کہ میں ناگ پال کے ساتھ پریم کی پینگیں بڑھاؤں۔ کیونکہ تم سمجھتی ہو کہ اس میں میرے لئے بڑا خطرہ چھپا ہوا ہے۔ یہی بات ہے نا کنڈلا؟''

کنڈلا بولی۔

''رانی جی! اگر آپ میرے دل کا حال سمجھ ہی گئی ہیں تو میرا ایک مشورہ مان لیں۔''

''کیسا مشورہ؟'' چمپاکلی نے اپنے رُخسار پر پھول کا غازہ چھڑکتے ہوئے پوچھا۔

کنڈلا نے کہا۔ ''اس آگ سے مت کھیلیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

چمپاکلی نے کنڈلا کی بات پر کئی توجہ نہ دی۔ وہ آئینے میں اپنے حسن کا جائزہ لیتی ہوئی کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ اُس وقت چمپاکلی کے کانوں میں ناگ پال کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جب اُس نے کہا تھا۔ ''رانی جی! پھر کب ملاقات ہوگی؟'' وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ناگ پال کو بھی اس سے محبت نہ ہوتی تو وہ پہلی ہی ملاقات میں بے اختیار ہو کر یہ نہ پوچھتا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ چمپاکلی آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر شرما گئی۔

کنڈلا نے چمپاکلی کے جوڑے میں کنول کے پھول سجائے تو چمپاکلی نے کنڈلا کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

''آپ پہلے سے زیادہ سندر لگ رہی ہیں۔''

کنڈلا کے اس جواب کو سن کر چمپاکلی کا چہرہ غرورِ حسن سے تمتمانے لگا، کہنے لگی۔ ''جب عورت کے دل میں سچی محبت کا دیا روشن ہو جاتا ہے تو وہ پہلے سے زیادہ سندر ہو جاتی ہے۔''

داسی کنڈلا خاموش رہی۔ چمپاکلی اُٹھ کر صندل کی لکڑی کے بنے ہوئے تخت پر بیٹھ گئی جس پر سرخ رنگ کے مخمل کا گدیلا بچھا تھا اور ایک وچتر وینا پڑی تھی۔ چمپاکلی نے وچتر وینا کے تاروں کو اپنی نازک اُنگلیوں سے چھیڑا تو ان تاروں میں سے درد و گداز والے سُر جاگ اُٹھے۔ چمپاکلی نے آنکھیں بند کر لیں اور محبت کے جذبوں میں ڈوب کر کچھ دیر وچتر وینا بجاتی رہی۔ کنڈلا قریب ہی چوکی پر بیٹھی کنول کے پھولوں کے ہار پروتی وچتر وینا کے دلگداز سُروں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

وچتر وینا کی موسیقی کا طلسم ایک دم ختم ہو گیا۔ چمپاکلی نے وچتر وینا ایک طرف رکھ دی اور کنول کا ایک پھول اُٹھا کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگایا اور کنڈلا سے کہنے لگی۔

''ناگ پال کی محبت نے مجھ پر جادو سا کر دیا ہے کنڈلا! لگتا ہے میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔''

کنڈلا کو محسوس ہوا کہ جس بات کا اُسے ڈر تھا وہ شروع ہو گئی تھی۔ وہ چمپاکلی کی رازدار بھی تھی اور اُس کی ایک عقل مند سہیلی بھی تھی اور اس کی خیر خواہ بھی تھی۔ ایک شہر کے راجہ کی منظورِ نظر رانی اور شاہی رقاصہ اگر شہر کے ایک غریب نوجوان سے محبت کرنا شروع کر دے تو اس محبت کے خونیں انجام سے کنڈلا بے خبر نہیں تھی۔ وہ چمپاکلی کو ناگ پال کی محبت میں ایک حد سے آگے گزرنے سے منع کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ بہت جلد اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ چمپاکلی جس راہ پر چل پڑی ہے وہ اس راہ سے واپس نہیں پلٹے گی۔ وہ چمپاکلی کے شعلہ صفت مزاج کی آشنا تھی۔ لیکن اس کے باوجود کنڈلا، چمپاکلی کو اس آگ سے بچانا چاہتی تھی جس آگ سے اُس نے کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ جب چمپاکلی نے ناگ پال کی محبت کے طلسم کا ذکر کیا تو اُس نے کہا۔

''راجکماری! محبت کا یہ طلسم ایک وہم بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جس طرح آپ محسوس کرنے لگی ہیں، ناگ پال اس طرح محسوس نہ کرتا ہو۔''

چمپاکلی نے کنول کے پھول کو چوم کر کہا۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو وہ مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش کا کبھی اظہار نہ کرتا۔ یاد نہیں اُس نے کہا تھا رانی جی! پھر کب ملاقات ہوگی؟''

کنڈلا نے کہا۔ ''رانی جی! ہر مرد جب پہلی بار کسی حسین عورت سے ملتا ہے تو ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔''

چمپاکلی نے کنول کا پھول اپنے ہونٹوں سے جدا کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

کنڈلا بولی۔ ''رانی جی! اس وقت میں آپ کی داسی ہی نہیں آپ کی سہیلی بھی ہوں جس کے دل میں آپ کا درد ہے، جو آپ کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد سمجھتی ہے۔ شاہی محل کے سارے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ میں صرف اتنا ہی کہوں گی کہ آپ بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا اُٹھایا ہوا غلط قدم آپ کی زندگی میں ایسی آگ بھڑکا دے کہ جسے سات سمندروں کا پانی بھی نہ بجھا سکے۔''

چمپاکلی بڑے غور سے کنڈلا کو دیکھ رہی تھی اور اُس کی باتیں سن رہی تھی۔ لیکن اس پر کنڈلا کی نصیحتوں کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس وقت چمپاکلی کے دل میں محبت کا ایک طوفان خیز سمندر موجزن تھا۔ یہ وہ محبت تھی جو اسے آج تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس محبت سے کیسے جدا ہو سکتی تھی؟ وہ مسکرانے لگی۔ اُس نے کنڈلا کا ہاتھ اپنے نازک ہاتھوں میں لے لیا اور اُسے محبت سے سہلاتے ہوئے بولی۔

''کنڈلا! تم میری پیاری سہیلی ہو، میرے دل کے راز ضرور جانتی ہو لیکن میرے دل کی گہرائی میں سلگنے والی آگ سے واقف نہیں ہو۔ مجھ سے ایک وعدہ کرو۔ کرو گی وعدہ؟''

کنڈلا جان گئی تھی کہ چمپاکلی کے دل پر اس کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ اُس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''کون سا وعدہ؟''

چمپاکلی بولی۔ ''وعدہ تم سے بعد میں لوں گی، پہلے میری بات اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سنو۔''

کنڈلا نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیا اور بولی۔

''رانی! آپ بولیں۔ میں نے ہاتھ دل پر رکھ لیا ہے۔''

چمپاکلی نے چہرہ آگے کر کے کنڈلا کا ماتھا چوم لیا اور بولی۔

''ناگ پال کو میں اپنے دل کے استھان کا دیوتا مان چکی ہوں۔ اب مجھے اُس سے ملے بغیر ایک پل چین نہیں آئے گا۔ یہ میں ہی جانتی ہوں کہ آج کی رات میں راجہ کی خواب گاہ میں کس طرح تڑپ تڑپ کر بسر کروں گی۔ لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ تم کل رات مجھے ناگ پال سے، میرے دیوتا سے ضرور ملاؤ گی۔''

کنڈلا نے ہاتھ اپنے دل سے نیچے کرلیا۔ یقین اُسے پہلے بھی تھا لیکن اب اُس کا یقین پختہ ہوگیا تھا کہ چمپا کلی کا اُٹھا ہوا قدم اب پیچھے نہیں ہٹے گا۔ ناگ پال کی محبت کا جو بھوت اس کے سر پر سوار ہوگیا ہے اب اسے شیش ناگ کے پجاریوں کے سارے منتر بھی نہیں اُتار سکیں گے۔ اب اُس نے دل میں یہی عہد کیا کہ ایسے جتن کئے جائیں کہ آگ اور خون کے اس کھیل میں چمپا کلی کو جتنا بچایا جا سکے، بچایا جائے۔ کنڈلا نے چاروں طرف سے مایوس ہوکر ایک سرد آہ بھری اور کہنے لگی۔

''لیکن رانی جی! آپ ناگ پال سے کہاں ملیں گی؟ اس محل میں تو مل نہیں سکتیں۔ آپ نے تو اُسے یہ بتایا ہے کہ آپ شہر کے ایک سوداگر کی بیٹی ہیں۔''

چمپا کلی بڑی رازداری سے بولی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اُسے شاہی محل میں تھوڑی ملوں گی؟''

''تو پھر کہاں ملیں گی؟ کیا آپ اُس کے آشرم میں جائیں گی؟'' کنڈلا نے پوچھا۔

چمپا کلی کچھ سوچ رہی تھی۔ اُس نے کنڈلا کی طرف نظریں اُٹھا کر کہا۔

''سنو! کل شام کو میں طبیعت ناساز ہونے کا بہانہ بنا کر اپنی حویلی میں ہی رہوں گی، راجہ کے محل میں نہیں جاؤں گی۔ جب رات کی خاموشی چھا جائے، شہر کے سارے لوگ سو جائیں تو تم شہر کے خفیہ دروازے سے نکل کر ناگ پال کے آشرم میں جانا اور اُسے ساتھ لے کر شمشان بھومی والے کالے برج میں لے آنا۔ میں پہلے سے وہاں موجود ہوں گی۔''

''اور اگر وہ نہ آیا تو؟'' کنڈلا نے شک کا اظہار کیا۔

چمپا کلی نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ جب تم اُسے یہ کہو گی کہ رانی شمشان بھومی کے کالے برج میں تمہارا انتظار کر رہی ہے تو وہ مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہو جائے گا۔ مجھے اپنی محبت پر پورا وشواش ہے۔''

دوسرے دن چمپا کلی ناسازی طبیعت کا بہانہ بنا کر اپنی حویلی میں ہی رہی۔ اُس نے راجہ کو کہلوا بھیجا کہ میں آج رات مہاراج کے محل میں ان کے درشن کو نہیں آ سکوں گی۔ مہاراج اس وقت رنگ رلیوں میں مصروف تھے اُنہوں نے سن کر نشے کی ترنگ میں کہا۔

''اُسے کہو راجہ کے پاس چمپا کلیوں کی کمی نہیں ہے۔ بے شک کل بھی نہ آئے۔''

لیکن چمپا کلی جانتی تھی کہ راجہ نے نشے کی ترنگ میں کہہ دیا ہے۔ کل جب ہوش آیا تو خود اس کی حویلی میں پہنچ جائے گا۔ چمپا کلی یونہی راجہ کی منظورِ نظر رانی نہیں تھی، وہ خود بھی جانتی تھی کہ اس نے راجہ پر کیا جادو کر رکھا ہے کہ وہ چمپا کلی کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ دوسری رانیاں چمپا کلی سے حسد کرتی تھیں مگر راجہ کے ڈر سے وہ اُسے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ خود راج گورو مارا کا بھی یہی حال تھا۔ وہ چمپا کلی پر فدا تھا اور اُسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن اُسے معلوم تھا کہ اگر یہ بات راجہ کے کانوں تک پہنچ گئی یا چمپا کلی پر دست درازی کی صورت میں اگر اس نے راجہ کے آگے شکایت کر دی تو راجہ، مارا کو زندہ نہیں چھوڑے گا اور اس کی لاش کے ٹکڑے بھیڑیوں کے آگے ڈلوا دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ چمپا کلی ابھی تک راج گورو کی [illegible]رانیوں سے بچی ہوئی تھی۔ چمپا کلی اس خطرناک حقیقت سے بھی اچھی طرح باخبر تھی کہ اگر راجہ کو اس کی اور ناگ پال کی محبت کی ذرا سی بھنک بھی پڑ گئی تو راجہ ان دونوں کو کھولتے ہوئے تیل یا کھولتے ہوئے لاوے میں ڈلوا دے گا۔ لیکن سچی محبت کرنے والے کسی سے نہیں ڈرتے۔ چمپا کلی بھی محبت کی انہی راہوں پر نکل پڑی تھی۔

جب سورج ناگا پورم شہر کے ٹیلوں کے پیچھے اپنی سنہری دھوپ کی کرنوں کو سمیٹ کر آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا اور ناگا پورم شہر کی فصیل کے دروازوں کے اوپر بڑی بڑی قد آور مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں اور شہر کے باغوں اور کھیتوں اور بازاروں میں شام کا اندھیرا اُترنا شروع ہو گیا تھا تو کنڈلا، چمپا کلی کا پیغام لے کر ناگ پال کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور سر کو بھی سیاہ چادر سے ڈھانپ لیا تھا تاکہ اگر کسی کی اس پر نگاہ پڑ جائے تو وہ اُسے پہچان نہ سکے۔ جانے سے پہلے کنڈلا نے چمپا کلی سے کہا۔

''راجکماری جی! جب تک میں ناگ پال سے آپ کے پیغام کا جواب لے کر واپس نہ آ جاؤں، آپ حویلی میں ہی رہیں۔ شمشان بھومی کے کالے برج کا رُخ نہ کریں۔''

چمپا کلی نے پوچھا۔ ''تم ایسا کس لئے کہہ رہی ہو؟ مجھے اپنی محبت پر پورا بھروسہ ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ناگ پال تک مجھ سے ملنے کا پیغام پہنچے اور وہ مجھے ملنے نہ آئے۔''

کنڈلا بولی۔ ''یہ بات نہیں ہے راجکماری جی! میں نے ایسا صرف اس لئے کہا ہے کہ ممکن ہے ناگ پال، آشرم میں نہ ہو، کسی دوسرے گاؤں گیا ہو۔''

یہ بات چمپا کلی کی سمجھ میں آ گئی۔ کہنے لگی۔

''ٹھیک ہے۔ میں حویلی میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی۔''

چمپا کلی نے کھڑکی کے باہر حویلی کے باغ میں اُگے ہوئے مولسری کے درختوں کو ایک نظر دیکھا جن پر شام کا اندھیرا چھانے لگا تھا اور بولی۔

''کنڈلا! اب تمہیں نکل جانا چاہئے۔ اور سنو! فصیل کے خفیہ دروازے سے باہر نکلو تو

چاروں طرف غور سے دیکھ لینا۔ کہیں کوئی تمہارا پیچھا نہ کر رہا ہو۔''

کنڈلا بولی۔ ''میں پوری طرح سے چوکس رہوں گی۔''

چمپاکلی نے اپنے جوڑے میں سے کنول کا پھول نکال کر کنڈلا کو دیا اور کہا۔

''یہ پھول ناگ پال کو دینا اور کہنا اسے رانی نے تمہارے لئے بھیجا ہے۔ لیکن خبردار! ناگ پال کو میری اصلی حیثیت کا علم نہ ہونے پائے۔ اُسے معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ میں شاہی محل کی رانی اور ناگ دیوتا کے مندر کی شاہی رقاصہ ہوں، راج نرتکی ہوں۔''

کنڈلا کہنے لگی۔ ''راجکماری جی! یہ راز زیادہ دیر تک چھپا نہیں رہ سکے گا۔''

چمپاکلی نے وچتر وینا کے تاروں پر انگلیاں پھیریں، ساز کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ وہ بولی۔

''جب تک یہ راز چھپ سکتا ہے، اسے چھپاؤں گی۔ اگر کھل گیا تو کھل جائے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

کنڈلا نے چمپاکلی کا دیا ہوا کنول کا پھول ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اُس نے چمپاکلی کو الوداع کہا اور حویلی کے پچھلے دروازے سے نکل کر حویلی کے بڑے اصطبل میں آ گئی۔ یہاں اُس نے ایک سیاہ رنگ کے بیل کو اپنے لئے چنا اور اس پر سوار ہو کر شام کے بڑھتے ہوئے دھندلکے میں درختوں کے اُس جھنڈ کی طرف چل دی جہاں سے ایک سرنگ نما خفیہ راستہ شہر کی فصیل کے نیچے سے باہر نکل جاتا تھا۔ اس خفیہ سرنگ کا صرف راجہ اور چمپاکلی کو علم تھا اور چمپاکلی نے کنڈلا کو بھی یہ خفیہ راستہ بتا رکھا تھا۔

کنڈلا اس خفیہ سرنگ سے نکل کر شہر کی فصیل کے باہر آ گئی اور اُس نے بیل کو ناگ منی کے ٹیلے کی طرف جاتے راستے پر ڈال دیا۔ یہ بیل خاص طور سے سواری کے لئے سدھائے ہوئے بیلوں میں سے ایک تھا۔ اُس زمانے میں سواری کے لئے بیلوں، سانڈوں، سانڈنیوں اور اونٹوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ جس وقت وہ ناگ منی کے ٹیلے کے قریب پہنچی تو اُسے دُور ہی سے ٹیلے کے دامن میں آشرم کی ٹمٹماتی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ ناگ پال نے کہا تھا کہ اُس کی کٹیا آشرم کے کونے میں جہاں آم کا ایک گھنا درخت ہے، وہاں پر ہے۔ کنڈلا نے بیل کا رُخ اُسی سمت کو کر دیا۔ جب وہ آشرم کی بستی کے آخری کونے میں پہنچ گئی تو اُس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے ایک چھوٹی سی جھونپڑی سب سے الگ تھلگ بنی ہوئی تھی۔ جھونپڑی کے باہر بانس سے بندھی ہوئی ایک مشعل روشن تھی۔ کنڈلا بیل سے اُتر پڑی۔ اُس نے بیل کو درخت کے نیچے کھڑا کیا اور جھونپڑی کو غور سے دیکھا۔ ناگ پال کی جھونپڑی یہی ہو سکتی تھی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اُسے ایک انسان سائے کی مانند جھاڑیوں میں سے نکل کر جھونپڑی کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ جب وہ مشعل کی روشنی میں آیا تو کنڈلا نے اُسے پہچان لیا۔ وہ ناگ پال ہی تھا۔ کنڈلا اُس کی طرف بڑھی۔ ناگ پال

جھونپڑی میں داخل ہونے لگا تو کنڈلا نے اُسے آہستہ سے آواز دی۔

''ناگ پال جی!''

ناگ پال کے قدم وہیں رُک گئے۔ اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو کنڈلا اُس کے قریب آ گئی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں چمپاکلی کا دیا ہوا کنول کا پھول تھا۔ ناگ پال نے کنڈلا کی طرف دیکھا۔ مشعل کی روشنی کنڈلا کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ناگ پال نے اُسے پہچان لیا۔ اس خیال سے کہ یہ عورت جو چمپاکلی کی سہیلی ہے ضرور اس کا کوئی محبت بھرا پیغام لے کر آئی ہو گی ناگ پال کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ مگر وہ خاموش رہا۔ کنڈلا نے ناگ پال کو پرنام کیا اور بولی۔

''ناگ پال جی! میں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ اس لئے آپ کو آواز دی تھی۔''

ناگ پال بولا۔ ''میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم رانی کی سہیلی ہو ناں؟''

''ہاں..... میں رانی کی سہیلی کنڈلا ہوں۔'' اور کنڈلا نے کنول کا پھول ناگ پال کی طرف بڑھا کر کہا۔ ''یہ کنول پھول رانی جی نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔''

ناگ پال نے پھول لے لیا۔ اُسے بڑی محبت سے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور بولا۔

''رانی جی کیسی ہیں؟''

کنڈلا نے کہا۔ ''رانی نے آپ کو بلایا ہے۔ وہ آپ سے ملنے کی خواہشمند ہیں۔''

ناگ پال کے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو گئی۔ اُس نے کہا۔

''میں خود رانی جی سے ملنے کو بے تاب ہوں۔ میں اُنہیں کہاں مل سکتا ہوں کنڈلا جی؟''

تب کنڈلا نے اُسے بتایا کہ وہ آج رات جب رات آدھی گزر جائے تو شمشان والے کالے برج میں پہنچ جائے۔ ناگ پال کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ کہنے لگا۔

''میں آدھی رات سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

کنڈلا بولی۔ ''لیکن کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔ تمہیں بڑی احتیاط برتنی ہو گی۔ کسی کو پتہ چل گیا تو تمہارے حق میں بھی اچھا نہ ہو گا۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''میں اس کا خیال رکھوں گا۔ رانی جی کو میرا نمسکار کہنا۔''

کنڈلا تیز قدم چل کر درخت کے نیچے کھڑے بیل کے پاس آئی، اُس پر بیٹھی اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ حویلی کے بائیں باغ میں چمپاکلی بے چینی سے ٹہلتے ہوئے کنڈلا کا انتظار کر رہی تھی۔ باغ میں چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ فضا مولسری اور جوہی کے پھولوں کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی۔ کنڈلا کو آتے دیکھ کر چمپاکلی اُس کی طرف بڑھی اور پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

کنڈلا نے بتایا کہ ناگ پال آدھی رات کے وقت شمشان کے کالے برج پر اُس کے

انتظار میں موجود ہوگا۔ چمپا کلی نے کنڈلا کا ماتھا چوم لیا اور بولی۔

''کنڈلا! تم میرے ساتھ جاؤ گی۔''

کنڈلا بولی۔ ''وہ تو مجھے ہر حال میں جانا ہی ہے۔ میں اکیلی آپ کو کیسے بھیج سکتی ہوں؟''

جب آدھی رات کا وقت ہوا تو چمپا کلی نے رانیوں والا قیمتی ریشمی لباس اُتار کر سیاہ رنگ کی سادہ ساڑھی زیب تن کی، کنڈلا کو ساتھ لے کر حویلی سے نکل کر اصطبل میں گئی۔ ایک بیل پر کنڈلا بیٹھی، دوسرے بیل پر چمپا کلی سوار ہوئی اور دونوں شہر کے خفیہ دروازے والی سرنگ کی طرف چل پڑیں۔ سرنگ جہاں شہر کی مشرقی دیوار میں سے باہر نکلتی تھی وہاں سے دائیں جانب کھیتوں میں سے ایک کچا راستہ شمشان بھومی والے کالے برج کو جاتا تھا۔ یہ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ چمپا کلی اور کنڈلا، بیل دوڑاتی چلی جا رہی تھیں۔ چاند آہستہ آہستہ مغربی اُفق کی طرف جھکنا شروع ہو گیا تھا۔ چاندنی کا دھندلا غبار آہستہ آہستہ مغربی اُفق کی جانب سمٹ رہا تھا۔

ناگ پال پہلے سے شمشان بھومی کے کالے برج پر موجود تھا۔ اُس کی بے تاب نگاہیں بار بار شہر کی فصیل کی طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ پھر اُسے چاندنی میں دو بیل سوار کالے برج کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ جلدی سے کالے برج کی اوٹ میں ہو گیا۔ بیل سوار کالے برج کے قریب آ کر بیلوں سے اُتر پڑے۔ ناگ پال نے مدھم چاندنی میں رانی یعنی چمپا کلی کو پہچان لیا۔ اُس کے ساتھ آنے والی کنڈلا کو بھی دیکھ لیا۔ اب اُس کو تابِ انتظار نہ رہی۔ وہ برج کی اوٹ سے نکل کر چمپا کلی کی طرف بڑھا۔ چمپا کلی نے ناگ پال کو اپنی طرف آتے دیکھا تو شرم و حیا سے سمٹ سی گئی۔ کنڈلا کہنے لگی۔

''میں وہ سامنے والے درخت کے پاس جاتی ہوں۔''

کنڈلا نے اپنے اور چمپا کلی کے بیل کی باگیں تھامیں اور انہیں لے کر شمشان بھومی کی دیوار کے باہر والے گھنے درخت کی طرف چل دی۔

ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ تھام کر اُسے بڑی محبت سے چوم لیا اور بولا۔

''دیوتا مجھ پر اتنے مہربان ہو سکتے ہیں یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

چمپا کلی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وہ کالے برج کے پاس آ گیا۔ چمپا کلی کے جذبات میں ایک ہیجان سا برپا تھا۔ محبت کی اس کیفیت سے وہ آج تک نا آشنا رہی تھی۔ دوسری جانب ناگ پال کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ دونوں کالے برج کی اوٹ میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو والہانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ چمپا کلی کی نظریں اپنے آپ جھک گئیں۔ ناگ پال نے چمپا کلی کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ وفورِ محبت سے ناگ پال سے بھی بات نہیں ہو رہی تھی۔ آخر چمپا کلی نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ناگ پال سے کہا۔

''تمہیں میرا پیغام مل گیا تھا نا؟''

''ہاں......'' ناگ پال بولا۔ ''تمہاری سہیلی کنڈلا کو دیکھ کر تو میرا دل دھڑک اُٹھا تھا۔ میرے دل نے مجھے کہا ناگ پال! رانی کی سہیلی تمہاری رانی کا پیغام لے کر آئی ہے...... اور پھر جب تمہاری سہیلی نے بتایا کہ تم مجھ سے ملنے آدھی رات کو یہاں آؤ گی تو میں آدھی رات ہونے سے پہلے ہی یہاں پہنچ گیا۔''

چمپا کلی کو اچانک خیال آ گیا کہ کسی نے ناگ پال کو یہاں آتے دیکھ نہ لیا ہو۔ اُس نے کہا۔ ''تمہیں یہاں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟''

ناگ پال بولا۔

''میں رات کے اندھیرے میں چلنے والی ہوا کا جھونکا بن کر تم سے ملنے آیا ہوں۔ ہوا تو دن کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی۔ اسے رات کے اندھیرے میں کون دیکھ سکتا ہے؟''

چمپا کلی سے آج تک کسی نے ایسی شاعرانہ باتیں نہیں کی تھیں۔ اُس نے کہا۔

''لگتا ہے تم شاعر بھی ہو ناگ پال!''

ناگ پال بولا۔ ''تمہاری محبت نے مجھے شاعر بنا دیا ہے رانی!''

چمپا کلی کے چہرے پر حیا آلود سرخی آ گئی۔ اُس نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ ناگ پال نے بڑی بے باکی سے چمپا کلی کی ٹھوڑی کو ہاتھ سے اُونچا کیا اور بولا۔

''تمہاری نیلی آنکھیں کیلاش پربت کی دو نیلی جھیلیں ہیں رانی! ان جھیلوں میں ہماری محبت کے کنول پھول کھل رہے ہیں۔ مجھے ان کنول پھولوں کا جی بھر کر نظارہ کرنے دو!''

چمپا کلی کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کا وجود لطیف ہو کر چاندنی کی کرنوں میں ڈھل گیا ہے اور چاندنی اسے اپنی بانہوں میں اُٹھائے چاند کی طرف لئے جا رہی ہے۔ محبت کی ایسی آسمانی باتیں آج تک کسی نے چمپا کلی سے نہیں کی تھیں۔ جس نے دیکھا تھا اُس کے جسم کے زاویوں کو ہی دیکھا تھا۔ جس نے اُس پر نگاہ ڈالی تھی ہوس آلود نگاہ ہی ڈالی تھی۔ اُس کے جسم میں چھپی ہوئی اُس کی رُوح کی لطافتوں اور پاکیزگی تک کسی کی نگاہ نہیں گئی تھی۔ آج پہلی بار محبت کی ایک نگاہ اُس کی رُوح کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی رُوح کی پاکیزہ لطافتوں کو چھو رہی تھی۔ خود بھی پاک ہو رہی تھی اور چمپا کلی کو بھی پاکیزہ کر رہی تھی۔ محبت سچی اور پاکیزہ ہو تو نگاہوں میں ایک نور سا آ جاتا ہے۔ نگاہیں چاند کی کرنوں سے بھی زیادہ پاکیزہ اور لطیف ہو جاتی ہیں۔ سارے حجاب دُور ہو جاتے ہیں، سب تکلفات بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جسم کی تمام ثقافتیں، تمام آلودگیاں محبت کی ٹھنڈی آگ میں جل کر ختم ہو جاتی ہیں اور محبت کرنیوالوں کی رُوحیں نورانی آنچل ہٹا کر ایک دوسرے کے دیدار سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ پھر محبت کرنے والوں کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ روزِ اوّل سے ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن مادی جسموں نے انہیں

ہزاروں سال سے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا۔ جب جسم درمیان سے غائب ہو گئے تو رُوحوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ناگ پال اور چمپا کلی...... دونوں کی ذہنی حالت ایک جیسی تھی۔ ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اُس نے کہا۔

''تم نے اپنی سہیلی کے ہاتھ کنول کا جو پھول بھیجا تھا وہ میری محبت کی نشانی تھی جو میں نے اپنے کسی پچھلے جنم میں تمہیں دی تھی۔ میں نے تمہاری محبت کی نشانی کو اپنے دل میں سجا لیا ہے۔''

ناگ پال کی باتیں چمپا کلی پر ایک طلسم طاری کر رہی تھیں۔ ناگ پال کی باتوں میں کوئی طلسم اور جادو نہیں تھا، اُس کی باتوں میں سچائی تھی اور سچائی کا اثر طلسم سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

ناگ پال نے چمپا کلی کی نیلی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''رانی! کیا تمہیں کچھ یاد نہیں آ رہا؟''

''کیا؟'' چمپا کلی نے ایسے جواب دیا جیسے وہ خواب میں بات کر رہی ہو۔

ناگ پال بولا۔ ''کیا تمہیں یاد نہیں آ رہا کہ ہم پہلی بار نہیں مل رہے بلکہ اس سے پہلے ہر جنم میں ایک دوسرے سے ملتے رہے ہیں، ایک دوسرے سے پیار کرتے رہے ہیں۔''

چمپا کلی کو بھی اب اپنے دل پر اختیار نہ رہا۔ وہ پہلی نظر میں ہی ناگ پال کو اپنا دل دے بیٹھی تھی۔ کہنے لگی۔ ''تمہیں پہلی بار دیکھ کر مجھے ایسا ہی احساس ہوا تھا۔ لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہماری محبت جنم جنم کی محبت ہے۔ اب تمہیں اتنا قریب دیکھ کر، تمہاری باتیں سن کر، تمہارے جسم کا پردہ ہٹا کر تمہاری رُوح کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر مجھے یقین آ گیا ہے کہ ہم دو محبت کرنے والے تھے جنہیں وقت کی گردش نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا اور وقت کی گردش نے ہی ہمیں ایک دوسرے سے دوبارہ ملا دیا ہے۔ اب میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ سنو! میرا نام رانی نہیں ہے اور میں ناگا پورم شہر کے کسی سوداگر کی بیٹی نہیں ہوں۔ میرا نام چمپا کلی ہے اور میں ناگ دیوتا کے مندر کی شاہی رقاصہ ہوں اور ناگا پورم کے راجہ مہاراج یوگ راج کی منظورِ نظر خاص رانی ہوں۔''

ناگ پال کی جگہ کوئی عام دنیا دار اور صرف جسم سے محبت کرنے والا نوجوان ہوتا تو یہ انکشاف اُس پر بجلی بن کر گرتا۔ لیکن ناگ پال کی محبت ان دنیاوی آلائشوں سے پاک تھی۔ اس انکشاف کا اُس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ اُس نے یہ سن کر کہا۔

''چمپا کلی! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم کسی راجہ کی رانی ہو اور میں ناگ مُنی کے آشرم میں رہنے والا ایک معمولی سپیرا ہوں اور ناگ مُنی جی کا سیوک ہوں اور اُن کی خدمت کرتا ہوں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق ہمارا ہر جنم ہمارے اچھے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہم ہر جنم میں الگ الگ رُوپ میں ایک دوسرے سے ملتے رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اگلے جنم میں ہم سپیرے اور سپیرن کے رُوپ میں ایک دوسرے سے ملیں اور اس سے بھی اگلے جنم میں، میں

کسی دیس کے راجہ کے رُوپ میں تم سے ملوں اور تم میری مہارانی کے رُوپ میں مجھ سے ملو۔''

چمپا کلی، ناگ پال کو ایسی محبت میں بے تاب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جس طرح پورے چاند کی رات چکوری اپنے محبوب چاند کی طرف دیکھتی ہے۔ چمپا کلی نے کہا۔

''ناگ پال! ہم اسی طرح ہر جنم میں ملتے رہیں گے نا؟ کہیں کسی جنم میں ایک دوسرے سے جدا تو نہیں ہو جائیں گے؟''

ناگ پال نے چمپا کلی کے نازک اور عطر کی خوشبو میں بسے ہوئے ہاتھ کو بوسہ دے کر کہا۔

''چمپا کلی! اگر ہماری محبت اسی طرح سچی رہی، اگر ہماری نگاہوں کی پاکیزگی کو ہوس کی آلائش نے آلودہ نہ کیا، اگر ہم جسم کے اندر رہنے والی، دل کے اندر دھڑکنے والی نور کی لہروں میں لپٹی ہوئی ایک دوسرے کی رُوحوں کو دیکھتے رہے تو ہم کسی جنم میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ ہم ہر جنم میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے اور ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے۔''

چمپا کلی کی رُوح پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس نے اپنا سر ناگ پال کے سینے سے لگایا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ناگ پال! تم محبت کے سب سے اُونچے استھان پر ہو۔ اس جنم میں شاید میں تمہارے لائق نہیں رہی۔ میری پاک محبت پر میرے جسم کی آلودگی نے اپنا سایہ ڈال دیا ہے۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''دل میں محبت کا درد ہو اور نگاہ پاک ہو اور انسان کو اپنے گناہوں کا احساس ہو جائے اور وہ سچے دل سے توبہ کر لے اور پھر کبھی گناہ کا خیال بھی دل میں نہ لائے تو اُس کی رُوح کنول کے پھول سے بھی زیادہ پاک اور زیادہ معطر ہو جاتی ہے۔ تم ایسا خیال دل میں کیوں لاتی ہو؟ اگر تمہاری رُوح گناہوں کے خیال سے پاک نہ ہوتی تو ہم کبھی ایک دوسرے سے نہ ملتے۔ اگر ملتے بھی تو ایک دوسرے کو نہ پہچانتے۔''

ناگ پال کی باتوں نے چمپا کلی کے ذہن کو روشن کر دیا تھا۔ یہ ایسی رُوحانی روشنی تھی جس میں وہ ہر جنم میں اپنی محبت کو ناگ پال کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے سے بار بار ملتے، بار بار جدا ہوتے اور اس جدائی اور ملاپ میں ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرتے دیکھ رہی تھی۔

یہاں ہم اپنے قارئین کے لئے ایک نکتے کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چین، ہندوستان اور وادئ دجلہ و فرات کی قدیم تہذیبوں کا شمار دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ ان قدیم ترین تہذیبوں کی تحقیق اور تدوین سے اور ان تہذیبوں کی گہرائیوں میں اُترنے سے اور ان تہذیبوں کی تاریخ اور ان کے آثارِ قدیمہ کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہزاروں برس پہلے بھی یہاں بسنے والوں میں آواگون کا عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ آریاؤں کی ہندوستان میں آمد سے پہلے یہاں موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ ان شہروں کی کھدائی سے جو سکے، مورتیاں، معبدوں کی ٹوٹی پھوٹی تختیاں اور دیواروں پر

بنائے گئے نقش و نگار ملے ہیں ان کے بارے میں مستند تحقیق کرنے والے مؤرخوں کا خیال ہے کہ ان شہروں کے رہنے والے کسی نہ کسی رُوپ میں آواگون کے قائل تھے۔ اور ہم جس غرق شدہ شہر ناگاپورم کے رہنے والوں کی یہ داستان بیان کر رہے ہیں وہ ان دونوں شہروں یعنی ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے درمیان کسی جگہ آباد تھا اور اس اعتبار سے اس شہر کے رہنے والوں پر ان دو بے حد متمدن اور تہذیب یافتہ شہروں کا اثر پڑنا ایک قدرتی بات تھی۔ چنانچہ ناگاپورم شہر کی معاشرت میں آواگون کے عقیدے کے اثرات سرایت کر چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہماری اس داستان کے دو کردار چمپاکلی اور ناگ پال جنم جنم کی گفتگو کر رہے تھے۔ اس وضاحت کے بعد ہم اپنی داستان وہیں سے دوبارہ شروع کرتے ہیں جہاں سے ہم نے اس کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔

ناگ پال اور چمپاکلی، چاندنی رات میں ناگاپورم شہر کے باہر شمشان بھومی والے کالے برج کے پاس بیٹھے ایک دوسرے سے سچی اور پاکیزہ محبت کی باتیں کر رہے تھے اور اُنہیں وقت کا احساس نہیں تھا کہ چاند جنوب کی طرف جھک گیا ہے اور رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا ہے۔ کنڈلا کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ رات کا پچھلا پہر شروع ہو گیا ہے اور تھوڑی دیر بعد آسمان پر صبح کا نور جھلکنے لگے گا۔ اس وقت شہر کے بت کدوں کی زندگی بیدار ہو جائے گی اور راجہ کے محل کی دیوداسیاں دریا پر اشنان کرنے نکل پڑیں گی۔ کنڈلا اس سے پہلے ہی چمپاکلی کو لے کر شاہی محل میں واپس پہنچ جانا چاہتی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر دونوں محبت کرنے والوں کے پاس گئی، دونوں محبت کے راز و نیاز میں گم تھے۔ کنڈلا نے جاتے ہی چمپاکلی سے مخاطب ہو کر کہا۔

''رانی جی! کوئی دم میں سویرا ہونے والا ہے۔ اب ہمیں جتنی جلدی ہو سکے گھر پہنچنا چاہئے۔''

چمپاکلی نے چونک کر کنڈلا کی طرف دیکھا اور ناگ پال کے سینے پر رکھا ہوا اپنا سر اُٹھا کر بولی۔ ''اب مجھے واپس جانا ہے۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''پھر کب ملاقات ہو گی چمپاکلی؟''

ناگ پال کی زبان سے چمپاکلی کا نام سن کر کنڈلا نے حیران ہو کر چمپاکلی کی طرف دیکھا۔ تو کیا چمپاکلی نے ناگ پال کو بتا دیا ہے کہ وہ شاہی رقاصہ ہے اور راجہ کی منظور نظر رانی ہے؟ کنڈلا نے سوچا۔ مگر یہ وقت چمپاکلی سے ایسے سوال کرنے کا نہیں تھا۔ اُس نے کہا۔

''رانی جی! بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب چلیں۔''

چمپاکلی کو بھی حالات کی نزاکت کا احساس تھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر ناگ پال کو پرنام کیا اور کنڈلا کے ساتھ اُس درخت کی طرف چل پڑی جہاں ان کے بیل بندھے ہوئے تھے۔

OOO

دونوں بیلوں پر سوار ہو کر اپنے محل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

راستے میں کنڈلا نے چمپاکلی سے پوچھا۔ ''ناگ پال نے آپ کو چمپاکلی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ کیا آپ نے اُسے بتا دیا ہے کہ آپ......''

چمپاکلی پر ابھی تک ناگ پال کی محبت میں ڈوبی ہوئی باتوں کا سرور چھایا ہوا تھا۔ اُس کو کنڈلا کا یہ سوال بے محل محسوس ہوا۔ اُس نے اُس کا جملہ بھی پورا نہ ہونے دیا اور سمجھ گئی کہ وہ کیا جاننا چاہتی ہے۔ چمپاکلی نے کہا۔

''ہاں...... میں نے اُسے بتا دیا ہے کہ میں ناگ دیوتا کے مندر کی شاہی رقاصہ ہوں اور راجہ یوگ راج کی منظور نظر رانی ہوں۔''

''وہ تو بڑا حیران ہوا ہو گا۔'' کنڈلا نے کہا۔

''نہیں۔'' چمپاکلی نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ''اُسے کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ کہنے لگا تم اگر غریب مچھیرن بھی ہوتی تو میری محبت میں کوئی فرق نہ پڑتا۔''

کنڈلا بولی۔ ''رانی جی! ایک ہی دن میں اُسے آپ سے اتنی محبت ہو گئی؟ یقین نہیں آتا۔''

چمپاکلی نے سخت لہجے میں کہا۔

''تمہیں کیسے یقین آئے گا؟ تم نے کبھی کسی سے اتنی محبت کی ہو تو تمہیں یقین آئے۔ تمہیں کیا پتہ کہ ہم ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں، کب سے محبت کرتے ہیں۔ ہم تو اُس وقت بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے جب ہم نے اس جنم میں ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں تھا۔ تم ہماری محبت کی گہرائیوں کو نہیں ماپ سکتیں۔ بہتر ہو گا کہ تم اس معاملے میں خاموشی اختیار کئے رہو۔''

کنڈلا سمجھ گئی کہ چمپاکلی پر ناگ پال نے جادو کر دیا ہے یا وہ اس کی محبت کو لے کر بہت زیادہ بلندیوں پر پرواز کرنے لگی ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ کنڈلا نے زندگی میں کبھی کسی سے محبت نہیں کی تھی اور ناگ پال اور چمپاکلی کی محبت کی بلندیوں تک اس کا تصور نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اُس نے خاموشی اختیار کی اور جب وہ شہر کی خفیہ سرنگ سے ہو کر اپنی شاہی حویلی میں پہنچ گئیں اور چمپاکلی اپنی خواب گاہ میں بستر پر دراز ہو گئی تو کنڈلا سے نہ رہا گیا۔ اس لئے کہ وہ چمپاکلی کی وفادار اور خیر خواہ تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی کسی غفلت یا نا سمجھی کی بناء پر چمپاکلی

کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ اُس نے چمپا کلی کے سر کے نیچے سنبل کے تکیوں کو درست کرتے ہوئے کہا۔

''میری بات آپ کو بری ضرور لگے گی لیکن میں کہے بغیر نہیں رہوں گی۔ آپ ناگ پال سے زیادہ نہ ملیں۔''

چمپا کلی بھی کنڈلا کو ڈانٹ دینے کے بعد دل میں کچھ ملال سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ کنڈلا کی دوستی کی دل سے قدر کرتی تھی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

''ٹھیک ہے کنڈلا! میں اُس سے زیادہ نہیں ملوں گی۔ لیکن ایک دن چھوڑ کر اُس سے ضرور ملا کروں گی۔ وہ مجھ سے کس قدر محبت کرتا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتیں کنڈلا! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہم پچھلے جنم کے بچھڑے ہوئے تھے جو اس جنم میں آن ملے ہیں۔ اب ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔''

کنڈلا کا دل آنے والے خطرات کو محسوس کر کے سہم سا گیا۔ چمپا کلی کی باتوں سے اُسے خواہ ان دونوں کی محبت کا اندازہ نہ ہو سکا ہو لیکن اُسے اتنا ضرور علم ہو گیا تھا کہ چمپا کلی عشق و محبت کے طوفانی دھارے پر بہہ نکلی ہے اور اب یہ طوفانی موج اسے کہیں بھی لے جا سکتی ہے۔ وہ چمپا کلی کے جذباتی مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ اُس نے دھیمی آواز میں شب بخیر کہا اور زیتون کے تیل سے روشن فانوس کی لو دھیمی کر کے خواب گاہ سے نکل گئی۔

کنڈلا کو جس بات کا دھڑکا لگا تھا، وہی بات ہوئی۔ دوسرے دن ابھی شام ہوئی ہی تھی کہ چمپا کلی نے اُسے کہا۔

''ناگ پال کے آشرم میں جاؤ اور اُسے کہو مجھے آج رات کل والی جگہ پر آ کر ملے۔''

کنڈلا نے رانی کو سمجھانے کی کوشش کی تو اُس نے کنڈلا کو سختی سے ڈانٹ دیا اور کہا کہ وہ اس معاملے میں آئندہ دخل انداز ہونے کی کوشش نہ کرے۔ کنڈلا خاموشی سے چمپا کلی کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہو گئی۔ سورج غروب ہوتے ہی وہ سیاہ چادر اوڑھ کر بیل پر سوار ہو کر ناگ مُنی کے ٹیلے والے آشرم میں گئی اور ناگ پال کو چمپا کلی کا پیغام دیا۔ ناگ پال بولا۔

''کنڈلا! رانی جی سے کہنا میں آدھی رات سے پہلے ہی کالے برج میں پہنچ جاؤں گا۔''

کنڈلا نے سوچا کہ چمپا کلی تو اس کی بات نہیں سنتی، ناگ پال کو موقع کی نزاکت کا احساس دلانا چاہئے۔ اور اب جبکہ چمپا کلی نے ناگ پال پر اپنی شاہی محل والی حیثیت ظاہر کر دی تھی تو معاملے کی سنگینی اور نزاکت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اُس نے ناگ پال سے کہا۔

''تمہیں تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ چمپا کلی شاہی رقاصہ ہونے کے علاوہ مہاراج یوگ راج کی چہیتی رانی بھی ہے۔ ذرا سوچو اگر راجہ کو تم دونوں کی چوری چھپے کی ملاقاتوں کا پتہ چل گیا تو اس کا انجام کس قدر بھیانک ہو گا۔''

ناگ پال بولا۔''چمپا کلی کے پیار میں اگر مجھے موت بھی آ جاتی ہے تو میں اسے خوشی سے گلے لگا لوں گا۔''

کنڈلا نے کہا۔

''لیکن تمہارے ساتھ چمپا کلی کو بھی سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ ذرا یہ بھی تو خیال کرو۔''

ناگ پال ایک پل کے لئے خاموش ہو گیا، پھر بولا۔

''شاید چمپا کلی بھی اس موت کو ہنسی خوشی قبول کر لے گی۔ کیونکہ محبت کی دیوی پر ایک ساتھ قربان ہونے کے بعد ہمارا اگلا جنم پتی اور پتنی کا ہو گا۔ ہمیں اگلے جنم میں ایک دوسرے کی تلاش کے لئے بھٹکنا نہیں پڑے گا۔''

کنڈلا کو یقین ہو گیا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی سمجھانا ناممکنات میں سے ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سمجھنے سمجھانے کی منزل سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اب وہ دو ہی کام کر سکتی تھی، ایک یہ کہ بھگوان سے ان دونوں کی حفاظت کے لئے دُعا کرے اور دوسرے یہ کہ ملاقات کے وقت ان دونوں کی سخت حفاظت کرے۔ کنڈلا نے یہ بھی سوچا کہ چمپا کلی کا شاہی حویلی سے نکل کر ناگ پال سے ملنے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح ناگ پال خود رات کو شاہی حویلی میں آ کر چمپا کلی سے تھوڑی دیر کے لئے مل لیا کرے۔ اس طرح اگر دونوں پکڑے بھی جاتے ہیں تو کنڈلا کہہ سکتی تھی کہ ناگ پال نے ناگ مُنی کے ٹیلے والے تہوار کے موقع پر رانی کو دیکھ لیا تھا اور اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ اور اب رات کو اس کو اغوا کر کے لے جانے کی نیت سے شاہی حویلی میں گھس آیا تھا۔ اس طرح سے کسی حد تک وہ چمپا کلی کا بچاؤ کر سکتی تھی۔ اس رات تو وہ چمپا کلی کو ساتھ لے کر ناگ پال سے ملانے شمشان والے برج پر لے گئی۔ لیکن اس کے بعد اُس نے چمپا کلی کو کسی نہ کسی طرح مجبور کر دیا کہ اُسے اگر ملنا ہو تو رات کے وقت ناگ پال سے اپنی شاہی حویلی میں کسی جگہ مل لیا کرے۔ دوسری ملاقات کے تین دن بعد چمپا کلی نے کنڈلا کو رات کے وقت خفیہ طور پر ناگ پال کے آشرم میں بھیجا کہ وہ اسے اپنے ساتھ شاہی حویلی میں لے کر آئے۔ اس طرح سے وہ شاہی حویلی کو دیکھ بھی لے گا اور پھر اپنے طور پر آدھی رات کو ملاقات کرنے آ جایا کرے گا۔

جب رات کا پہلا پہر گزر گیا اور شہر کی دکانیں بند ہو گئیں اور رات گئے تک گلیوں بازاروں میں جلنے والی مشعلوں کی روشنی میں گلیاں بازار سنسان ہو گئے اور شہر کے چاروں دروازے بند کر دیئے گئے تو کنڈلا سیاہ چادر اوڑھ کر بیل پر سوار ہو کر شاہی محل کے خفیہ دروازے والی سرنگ سے گزر کر ناگ پال کے آشرم میں پہنچ گئی۔ ناگ پال، کنڈلا کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ اُسے چمپا کلی نے گزشتہ ملاقات میں بتا دیا تھا کہ ہماری اگلی ملاقات شاہی حویلی میں ہو گی اور کنڈلا تین دن بعد رات کے وقت آ کر تمہیں اپنے ساتھ شاہی حویلی میں

لے آئے گی۔ ناگ پال اپنی سانڈنی پر سوار ہو گیا اور ان دونوں کی سواریاں رات کے اندھیرے میں شہر کی فصیل کی طرف دوڑنے لگیں۔ جب کنڈلا ویران جنگل میں اُس مقام پر پہنچی جہاں جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں سے خفیہ راستہ راجہ کے شاہی محل کے باغ میں جا نکلتا تھا تو وہ بیل سے اُتر پڑی۔ ناگ پال بھی سانڈنی سے اُتر گیا۔ کنڈلا نے اُسے جھاڑیوں کے جھنڈ کی نشانی بتاتے ہوئے کہا۔

''جھاڑیوں کی یہ نشانی یاد رکھنا۔ ان کے اندر سے ایک خفیہ سرنگ راجہ کے محل کے باغ میں جاتی ہے۔ اور رانی جی کی حویلی باغ کے شروع میں ہی ہے۔''

جھاڑیوں کا جھنڈ کافی گھنا تھا اور جھاڑیوں کے سرکنڈے پندرہ بیس فٹ تک اُونچے تھے۔ یہاں سے کنڈلا بیل کی باگ تھامے آگے ہو گئی۔ ناگ پال اپنی سانڈنی کی باگ پکڑے اُس کے پیچھے تھا۔ جھاڑیوں کے جھنڈ میں ایک جگہ سرنگ کا دہانہ تھا جس کا منہ جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کنڈلا نے وہاں سے جھاڑیوں کو الگ کیا اور وہ دونوں سرنگ میں داخل ہو گئے۔ سرنگ کے اندھیرے میں کچھ دُور تک چلنے کے بعد ایک جگہ سے باہر نکلے تو ناگ پال نے شاہی باغ کے اُونچے اُونچے درختوں کو دیکھا جن کے اُوپر آسمان کے مغربی اُفق پر آدھا چاند اپنی بجھی بجھی سی زرد روشنی بکھیر رہا تھا۔ کنڈلا بیل اور سانڈنی کو ایک درخت کے نیچے اندھیرے میں لے آئی اور بائیں جانب شاہی حویلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ رانی چمپاکلی کی شاہی حویلی ہے۔ لیکن ہم حویلی کے پچھلے دروازے سے اندر جائیں گے۔''

ناگ پال نے دیکھا کہ زرد چاندنی میں حویلی کے آگے کیاریوں میں پھولوں کی کیاریاں دُور تک چلی گئی تھیں۔ کنڈلا اُسے ساتھ لے کر حویلی کے عقب میں آ گئی۔ یہاں دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس کے اُوپر چنبیلی کی بیلوں نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ دروازے کی کنڈی اندر سے کھلی ہوئی تھی۔ کنڈلا اور ناگ پال اس دروازے میں سے حویلی میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک لمبے برآمدے میں سے ہوتے ہوئے جب ایک درازے پر پہنچے تو کنڈلا نے رُک کر ناگ پال سے کہا۔

''یہاں سے رانی جی کی خوابگاہ کو راستہ جاتا ہے۔ اندر چلے جاؤ! میں اسی جگہ تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی۔''

ناگ پال دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ آگے ایک غلام گردش تھی۔ غلام گردش میں زیتون کا ایک فانوس روشن تھا۔ جہاں یہ غلام گردش ختم ہوتی تھی وہاں ایک دروازہ تھا۔ ناگ پال نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے چمپاکلی کھڑی تھی۔ دونوں محبت کرنے والے رات کے پچھلے پہر تک راز و نیاز کی باتوں میں محو رہے۔ جب کنڈلا نے آ

کر چمپاکلی کو بتایا کہ کچھ ہی دیر بعد صبح کا گجر بجنے والا ہے تو اُس نے ناگ پال سے ایک رات چھوڑ کر آنے کا وعدہ لے کر اُسے رُخصت کیا۔ کنڈلا، ناگ پال کو چھوڑنے سرنگ کے دوسرے دہانے تک ساتھ آئی۔ ناگ پال سانڈنی پر سوار ہو کر جانے لگا تو کنڈلا نے کہا۔

''پرسوں رات جب آؤ تو اپنی سانڈنی کو اسی جگہ درخت کے پاس چھوڑ آنا۔ اسے اپنے ساتھ رانی کی حویلی تک نہ لانا۔''

ناگ پال کو رخصت کرنے کے بعد کنڈلا، چمپاکلی کی خواب گاہ میں واپس آئی۔ اُس نے چمپاکلی کو لباس تبدیل کرنے میں مدد دی اور دبی زبان میں کہنے لگی۔

''کیا ناگ پال پرسوں رات کو پھر آ رہا ہے؟''

''ہاں......!'' اتنا کہہ کر چمپاکلی اپنے ریشمی بستر پر دراز ہو گئی اور کنڈلا سے کہا۔ ''فانوس کی لو دھیمی کر دینا۔''

کنڈلا سمجھ گئی کہ چمپاکلی کو اُس کا ناگ پال کے بارے میں پوچھنا برا لگا ہے۔ اس نے معمول کے مطابق فانوس کی لو مدھم کی اور دروازے کا ریشمی پردہ گرا کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ ایک رات چھوڑ کر جب ناگ پال آدھی رات کے وقت چمپاکلی سے ملنے اُس کی حویلی کے باغیچے میں آیا تو وہاں کنڈلا غلام گردش کے ایک ستون کی اوٹ سے نکل کر اُس کے سامنے آ گئی اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چمپاکلی کی خوابگاہ کو جانے والے دروازے میں داخل ہو گئی۔ معمول کے مطابق جب رات کے پچھلے پہر ناگ پال اپنی محبوبہ چمپاکلی کو الوداع کہہ کر خواب گاہ کے عقبی دروازے سے باہر نکلا تو کنڈلا ناگ پال کو رخصت کرنے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس وقت شاہی محل کے باغیچے میں کوئی وہاں چھپ کر بیٹھا ناگ پال کو رانی کی خواب گاہ سے نکلتے تو نہیں دیکھ رہا؟ وہ ناگ پال کے ساتھ حویلی کے خفیہ دروازے تک گئی اور اُسے رخصت کرنے کے بعد واپس آ کر اُس نے ایک بار پھر شاہی حویلی کے باغ کا جائزہ لیا۔ رات کے پچھلے پہر ستاروں کی پھیکی پڑتی روشنی میں باغ خالی اور سنسان لگ رہا تھا۔ کنڈلا مطمئن ہو کر چمپاکلی کی خوابگاہ کی طرف چلی گئی۔ عین اُسی وقت راج گورو مارا کی ایک چہیتی دیوداسی پارو، اشنان کرنے کے واسطے جا رہی تھی اور اُس نے کنڈلا کے ساتھ ناگ پال کو چمپاکلی کی خوابگاہ والے دروازے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک اجنبی نوجوان کو رات کے پچھلے پہر چمپاکلی کی خوابگاہ سے نکلتے دیکھ کر وہیں ٹھٹک گئی تھی اور تلسی کے پیڑ والے چبوترے کی اوٹ میں چھپ کر ناگ پال کو کنڈلا کے ساتھ حویلی کے خفیہ دروازے کی طرف جاتے اور ناگ پال کو رخصت کرنے کے بعد وہاں سے واپس آتے دیکھتی رہی تھی۔ جب کنڈلا، چمپاکلی کی خواب گاہ میں چلی گئی اور اُس نے دروازہ بند کر دیا تو دیوداسی پارو، اشنان کرنے کی بجائے وہاں سے سیدھی راج گورو مارا کے محل میں آ گئی۔ راج گورو مارا کی چہیتی ہونے کی وجہ سے

اُسے راج گورو کے محل میں ہر وقت آنے جانے کی اجازت تھی۔ اُس وقت راج گورو مارا اپنے محل کی پوجا پاٹھ والے کمرے میں ناگ دیوتا کی مورتی کے سامنے بیٹھا منتروں کا جاپ کر رہا تھا۔ اُس کا سیاہ سانپ اُس کی کلائی کی بجائے اُس کے گلے میں تھا۔ دیوداسی پارو کمرے میں داخل ہونے کے بعد ایک طرف ہو کر ادب سے بیٹھ گئی اور مارا کے منتروں کے جاپ کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ راج گورو مارا نے گوشہ چشم سے پارو کو اندر آتے اور ایک طرف ادب سے بیٹھے دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی ضروری بات کرنے واپس آ گئی ہے ورنہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے پہلو سے الگ ہو کر اشنان کرنے گئی تھی۔ عام طور پر ایسی حالت میں وہ اشنان کے بغیر اس کے پاس نہیں آیا کرتی۔ عیار مارا نے اپنے منتروں کا جاپ بیچ میں ہی چھوڑ دیا اور پارو سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو پارو؟''

پارو نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''مہاراج! میں نے ابھی ابھی ایک عجیب چیز دیکھی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' راج گورو مارا کی بھنویں اُوپر کو چڑھ گئیں۔

پارو بولی۔ ''مہاراج! میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک اجنبی نوجوان کو رانی چمپا کلی کی خوابگاہ سے نکلتے دیکھا ہے۔ اُس کے ساتھ کنڈلا بھی تھی۔''

راج گورو مارا کی بچھوؤں جیسی سیاہ بھنویں اور زیادہ تن گئیں۔ اُس نے پارو کو اشارے سے بلا کر اپنے پاس چوکی پر بٹھا لیا اور بولا۔

''کون تھا وہ؟''

پارو کہنے لگی۔ ''مہاراج! میں نے اس نوجوان کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ سانولے رنگ کا خوبصورت نوجوان تھا۔ گلے میں کالے موتیوں کی مالا تھی۔ کنڈلا اُسے رانی چمپا کلی کی خواب گاہ سے ساتھ لے کر نکلی تھی اور پھر اُسے لے کر شاہی باغ کے خفیہ دروازے تک گئی اور اُسے وہاں سے نکال کر واپس آ گئی۔ میں چھپ کر اُسے دیکھتی رہی۔ اور اب آپ کو خبر کرنے آئی ہوں۔ مہاراج! مجھے دال میں کچھ کالا کالا لگتا ہے۔''

مکار راج گورو مارا کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی جیسے اُسے کوئی ایسی شے مل گئی ہو جس کی وہ تلاش میں تھا۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ لیکن عیار راج گورو مارا، پارو کو گواہ بنانا چاہتا تھا۔ کہنے لگا۔

''ہو سکتا ہے وہ کنڈلا کا کوئی رشتے دار ہو اور اُس سے ملنے آیا ہو۔''

پارو بولی۔ ''مہاراج! میں کنڈلا کو جانتی ہوں۔ اس شہر میں اس کا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو اسے آدھی رات کو کنڈلا سے چھپ کر ملنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' مارا نے چالاکی سے پوچھا۔ ''وہ نوجوان کون ہو سکتا ہے؟''

دیوداسی پارو نے کہا۔ ''مہاراج! میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ یہ نوجوان، رانی چمپا کلی کا کوئی عاشق تھا جو رات کو چھپ کر اُس سے ملنے آیا تھا۔''

عیار راج گورو مارا، پارو کے منہ سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ کہنے لگا۔

''اگر ایسی بات ہے تو پتہ کرو کہ وہ نوجوان کون ہے اور کس وقت رانی چمپا کلی سے چھپ کر ملنے آتا ہے۔ اگر تمہیں اس کا پتہ چل جائے تو فوراً مجھے آ کر خبر کرو۔''

''جو حکم مہاراج!'' دیوداسی پارو نے چوکی سے اُٹھتے ہوئے تعظیم بجا لاتے ہوئے کہا۔

راج گورو مارا بھی اُس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اُس کے ساتھ دروازے تک آیا اور پارو کی کمر میں بازو ڈال کر بولا۔

''لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ یہ راز صرف تمہارے اور میرے تک ہی رہنا چاہئے۔ کسی تیسرے شخص کو پتہ نہیں لگنا چاہئے۔''

دیوداسی پارو نے سر جھکا کر کہا۔

''جو حکم مہاراج! داسی کسی کے آگے زبان نہیں کھولے گی۔''

پارو چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد راج گورو مارا نے اپنے گلے میں سے کالے سانپ کو اُتار کر اپنی کلائی پر لپیٹا اور اُس کی سری اُوپر اُٹھا کر اپنی آنکھوں کے سامنے لا کر بولا۔

''ناگ داس! اب دیکھتا ہوں کہ چمپا کلی کیسے میری خواب گاہ میں نہیں آتی۔''

مارا، نے سانپ کا منہ چوم کر ایک قہقہہ لگایا اور چوکی پر بیٹھ کر ناگ دیوتا کی مورتی کے چرن چھو کر اُس کی توصیف کے منتروں کا جاپ کرنے لگا۔ اُس کی دلی مراد پوری ہونے کا وقت آن پہنچا تھا۔

دوسری طرف دیوداسی پارو نے اُسی دن سے رانی چمپا کلی کی حویلی کی جاسوسی شروع کر دی۔ وہ خاص طور پر کنڈلا کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنے لگی۔ کیونکہ یہ بات وہ جان گئی تھی کہ اجنبی نوجوان اگر چمپا کلی رانی سے چھپ کر رات کو ملنے آتا ہے تو کنڈلا ہی اُسے لاتی اور لے جاتی ہے۔ کنڈلا سے پارو کی شاہی محل میں آتے جاتے کسی جگہ اکثر ملاقات ہو جاتی تھی اور وہ آپس میں بات چیت کر لیا کرتی تھیں۔ پارو اب کنڈلا کو حویلی کے باغیچے میں پھول چنتے یا پھولوں کے ہار پروتے دیکھ کر خود اُس کے پاس چلی جاتی اور اُس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتی۔ اپنی باتوں سے پارو نے کنڈلا پر ایک لمحے کے لئے بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی جاسوسی کر رہی ہے۔

رات کے وقت پارو باغیچے میں کسی جگہ چھپ کر تھوڑی دیر بعد رانی چمپا کلی کی حویلی کا جائزہ لیتی رہتی۔ رات کے پچھلے پہر پارو خاص طور پر شاہی حویلی کے قریب کہیں چھپ کر

بیٹھ جاتی اور صبح کی روشنی ہونے تک اسی جگہ بیٹھی رانی چمپاکلی کی خوابگاہ کے دروازے پر نگاہ رکھتی۔ دو راتیں گزر گئیں اور وہ اجنبی نوجوان رات کو رانی چمپاکلی سے ملنے نہ آیا۔ پارو ایک ایک دن کی خبر راج گورو مارا کو پہنچا دیتی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ فتنہ گر مارا اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرتا اور غافل ہو کر بیٹھ جاتا۔ اُس نے اپنی ایک خاص جاسوس عورت چمپاکلی کی نگرانی کے لئے چھوڑ دی تھی جو رانی چمپاکلی سے دُور رہ کر اُس کی نقل و حرکت کی پوری نگرانی کرتی تھی۔

ادھر ناگ پال اور چمپاکلی کی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ انہوں نے اپنے طوفان خیز جذبات کو بے لگام کر دیا ہوا تھا اور ہر لحہ ایک دوسرے سے ملنے کو بے تاب رہتے تھے۔ مگر کنڈلا سمجھ داری سے کام لے رہی تھی اور دونوں محبت کرنے والوں کے بے لگام جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس رات کی ملاقات کے بعد تین چار دن گزر گئے اور ناگ پال، رانی چمپاکلی کی حویلی میں اُس سے ملنے نہ آیا۔ چوتھے دن چمپاکلی کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اُس نے کنڈلا کو بلا کر کہا۔

''کنڈلا! مجھ سے جتنا صبر ہو سکتا تھا میں نے کر لیا۔ اب مجھ سے ناگ پال کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔ شام کو ناگ پال کے آشرم میں جاؤ اور اُسے کہو کہ آج رات مجھ سے ملنے آئے۔''

کنڈلا نے ایک بار پھر چمپاکلی کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا۔

''رانی جی! ابھی کچھ وقت کے لئے رُک جائیں تو بہتر ہوگا۔''

''کیوں؟'' چمپاکلی نے جھنجھلا کر کہا۔ ''ایسی کون سی بات ہو گئی ہے اب؟''

کنڈلا نے چمپاکلی پر اثر ڈالنے کے لئے یونہی کہہ دیا۔

''مجھے ایسے لگ رہا ہے کہ ہماری حویلی کی نگرانی ہو رہی ہے۔''

''یہ تمہیں کیسے پتہ لگ گیا؟'' چمپاکلی نے ترش روئی سے پوچھا۔

کنڈلا کہنے لگی۔ ''بس...... میرا دل کہتا ہے کہ ایسا ہو رہا ہے۔ میری مانیں رانی! ابھی کچھ دن ناگ پال کو حویلی میں نہ بلائیں۔''

مگر چمپاکلی کے سینے میں محبت کا جو سیلاب جوش مار رہا تھا اس کے آگے کنڈلا کی باتوں کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی؟ کنڈلا آخر چمپاکلی کی خادمہ ہی تھی۔ چمپاکلی غصے میں آ گئی۔ کہنے لگی۔

''تم کون ہوتی ہو مجھے روکنے والی؟ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ آج رات ناگ پال کے پاس جا کر میرا پیغام دو کہ آدھی رات کے بعد مجھ سے ملنے آئے۔ بس...... اس کے بعد میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ تم اپنے اُپدیش کسی اور کو جا کر سنانا۔''

یہ کہہ کر چمپاکلی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کنڈلا اگر رانی چمپاکلی کی خیر خواہ نہ ہوتی تو وہ

اسے آگ کا کھیل کھیلنے سے کبھی نہ روکتی۔ اسے روکنے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن کنڈلا، چمپاکلی کی وفادار داسی اور اُس سے محبت کرنے والی سہیلی تھی۔ وہ اسے تباہی کے گڑھے میں گرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شاہی محل میں چمپاکلی کا سب سے بڑا دشمن راج گورو مارا موجود ہے اور وہ چمپاکلی کو اپنی ہوس کاریوں کا نشانہ بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ اگر کسی طرح اُس کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی کہ ایک نوجوان راتوں کو چھپ کر رانی چمپاکلی سے ملنے اُس کی حویلی میں آتا ہے تو وہ اپنے شیطانی حربوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایسی آگ بھڑک اُٹھے جس کے شعلے چمپاکلی کے ساتھ ناگ پال اور خود کنڈلا کو بھی جلا کر راکھ کر دیں۔

لیکن کنڈلا کو اپنی بے بسی کا بھی شدید احساس تھا۔ وہ اس حیثیت میں نہیں تھی کہ رانی چمپاکلی کے راستے کی دیوار بن کر کھڑی ہو جائے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ ناگ پال کو بلانے نہ گئی تو چمپاکلی خود اس سے ملنے چلی جائے گی اور یہ بہت زیادہ خطرناک بات ہوگی۔ چنانچہ وہ ... ہو کر شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی ناگ پال کو رات کے وقت حویلی میں آنے کا سندیسہ دینے حویلی سے نکل گئی۔ اتفاق سے اس وقت مارا کی جاسوس دیوداسی پارو نے کنڈلا کو حویلی سے نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن جب کنڈلا ناگ پال کو پیغام دے کر واپس آئی تو اس وقت دیوداسی پارو شاہی باغ میں مولسری کے درختوں کے نیچے رات کی پوجا کے واسطے مولسری کے پھول چن رہی تھی۔ باغ کی دیوار پر جلتی مشعلوں کی روشنی میں پارو نے کنڈلا کو بیل کے ساتھ شاہی اصطبل کی طرف جاتے دیکھا تو اُس کا ماتھا ٹھنکا۔ اُسے شک ہوا کہ کنڈلا بیل پر سوار ہو کر محل سے باہر یونہی نہیں گئی ہوگی۔

پارو اسی وقت راج گورو مارا کی خواب گاہ کی طرف چل پڑی۔ مولسری کے پھولوں کی ٹوکری اُس کے ہاتھ میں تھی۔ راج گورو مارا اس وقت پوجا کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا اور ایک ملازم اُس کی کمر کے گرد زعفرانی پٹکا باندھ رہا تھا۔ دیوداسی پارو خاموشی سے اندر آئی اور پھولوں کی ٹوکری میں سے پھول نکال نکال کر ناگ دیوتا کی سونے کی مورتی کے آگے رکھنے لگی۔ راج گورو مارا کے مکار دماغ نے اُسے بتا دیا تھا کہ پارو کسی خاص کام سے آئی ہے۔ اُس نے شاہی ملازم کو اسی وقت واپس جانے کا حکم دیا۔ نوکر چلا گیا تو راج گورو مارا، پارو کے پاس گیا اور بولا۔

''تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کوئی خاص خبر لے کر آئی ہو۔''

پارو نے سر جھکا کر کہا۔ ''مہاراج! آپ انتریامی ہیں۔ دلوں کا حال جان لیتے ہیں۔ داسی ایسی ہی خاص بات کرنے آئی ہے۔''

راج گورو مارا پارو کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے اپنے ساتھ شاہی دیوان خانے پر لے آیا اور اُسے اپنے پہلو میں بٹھا کر بولا۔

''اب بتاؤ...... وہ خاص خبر کیا ہے؟''

دیوداسی پارو نے کہا۔

''میں نے ابھی کنڈلا کو شاہی اصطبل میں بیل کو باندھتے دیکھا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ محل سے باہر کسی خاص کام سے گئی ہوئی تھی۔''

مارا کی بھنویں تن گئیں اور اُس کی بائیں آنکھ پھڑکنے لگی۔ اُس نے پارو سے پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے، کنڈلا کہاں گئی ہوگی؟''

پارو بولی۔ ''مہاراج! رات کے اندھیرے میں وہ کہاں جا سکتی ہے؟ آپ خود سوچیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ آج رات وہی اجنبی نوجوان رانی چمپا کلی سے ملنے آنے والا ہے۔ کنڈلا، چمپا کلی کا سندیسہ لے کر اُس نوجوان کے پاس گئی ہوگی۔''

مارا کی شخصیت کی ساری خباثت اور شیطانیت اُس کے چہرے پر جھلکنے لگی۔ اُس نے اپنے گلے سے قیمتی موتیوں کا ہار اُتار کر پارو کے گلے میں ڈال دیا اور بولا۔

''پارو! تم نے یہ خبر سنا کر میری آتما کو خوش کر دیا ہے۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ اب تمہارا یہ کام ہے کہ ابھی سے رانی چمپا کلی کی حویلی کی نگرانی شروع کر دو۔ اگر وہ نوجوان چمپا کلی سے ملنے آئے اور اُس کی خواب گاہ میں چلا جائے اور خواب گاہ کا دروازہ بند ہو جائے تو تم اسی وقت آ کر مجھے خبر کر دو۔ میں اسی کمرے میں تمہارا انتظار کروں گی۔ ساری رات اس کمرے میں رہوں گا۔''

پارو نے سر جھکا کر کہا۔ ''جو حکم مہاراج!''

دیوداسی پارو اسی لمحے راج گورو مارا کے کمرہ خاص سے نکلی اور شاہی باغ میں آ کر ایک ایسے اندھیرے کونے میں چنبیلی کے بیلوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئی جہاں سے اُسے رانی چمپا کلی کی حویلی کا دروازہ بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔

اس وقت رات کا پہلا پہر گزر رہا تھا۔ یہ چاندنی راتیں نہیں تھیں۔ چاندنی راتیں گزر گئی تھیں۔ یہ ایسی راتیں تھیں کہ شام ہوتے ہی اندھیرا چھا جاتا تھا۔ یہ اندھیری راتیں تھیں اور صرف اتنی جگہ پر روشنی ہوتی تھی جہاں شاہی باغ کی دیواروں پر مشعلیں روشن تھیں۔ اُس وقت رانی چمپا کلی اشنان سے فارغ ہونے کے بعد اپنی خواب گاہ میں ریشم کی دھانی رنگ کی قیمتی ساڑھی پہنے بیٹھی تھی اور کنڈلا اُس کا سنگھار کر رہی تھی۔ رانی چمپا کلی بڑی خوش تھی۔ وہ آج آدھی رات کے بعد اپنے محبوب سے ملنے والی تھی۔ مگر کنڈلا فکر مند تھی۔ اُس کے دل نے جیسے کسی آنے والے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ وہ چمپا کلی سے کہنا چاہتی تھی کہ رانی جی! آج ناگ

پال سے ملاقات نہ کریں۔ وہ آئے تو اُسے آتے ہی واپس بھیج دیں۔ لیکن نہ وہ ایسا کہہ سکتی تھی اور نہ رانی چمپا کلی نے اُس کے کہے پر عمل کرنا تھا۔

ادھر ناگ پال، رانی چمپا کلی کا پیغام ملنے کے بعد خوشی خوشی چمپا کلی سے ملنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جب رات آدھی گزرنے میں تھوڑی دیر رہ گئی تھی تو ناگ پال اپنی جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ باہر درخت کے پیچھے اُس کی سانڈنی بندھی ہوئی تھی۔ اُس نے سانڈنی کو کھولا، اُس پر سوار ہوا اور چمپا کلی سے ملنے اُس کی شاہی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ آشرم کی حدود سے باہر نکلتے ہی اُس نے سانڈنی کو ایڑ لگائی اور سانڈنی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے وہ کالا پورم شہر کی فصیل کے عقبی جنگل میں پہنچ گیا جہاں جھاڑیوں اور سرکنڈوں کے جھنڈ کے اندر سے شاہی محل کو خفیہ سرنگ جاتی تھی۔ اُس نے سانڈنی کو وہیں جنگل میں چھوڑ دیا اور خود جھاڑیوں کے نیچے سے ہو کر سرنگ میں داخل ہو گیا۔ احتیاط کے طور پر ناگ پال نے اب یہ اصول بنا لیا تھا کہ وہ اپنی سانڈنی کو سرنگ کے باہر کسی درخت کے ساتھ باندھنے کی بجائے اُسے کھلا چھوڑ دیتا تھا۔ یہ سانڈنی اُس کی وفادار اور پالتو سانڈنی تھی۔ وہ ناگ پال کی عدم موجودگی میں جنگل میں اِدھر اُدھر گھاس چرتی رہتی تھی۔ جب ناگ پال، چمپا کلی سے ملاقات کرنے کے بعد واپس آتا تھا تو آہستہ سے سیٹی بجاتا۔ سیٹی کی آواز سن کر سانڈنی اُس کے پاس دوڑتی ہوئی آ جاتی تھی۔

ناگ پال، سرنگ میں سے گزر کر شاہی باغ میں آ گیا۔

وہاں کنڈلا اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے اندھیرے میں ناگ پال کو دیکھا تو اُسے لے کر رانی چمپا کلی کی خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی وہ ناگ پال کو ساتھ لے خواب گاہ کے دروازے میں داخل ہوئی، شاہی باغ میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھی ہوئی دیوداسی پارو نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھی اور راج گورو مارا کے محل میں آ گئی۔ راج گورو مارا جاگ رہا تھا۔ پارو نے جاتے ہی ادب سے سر جھکا دیا اور بولی۔

''مہاراج! آپ کا شکار اس وقت پنجرے میں بند ہے۔ کنڈلا اجنبی نوجوان کو لے کر رانی چمپا کلی کی خواب گاہ میں چلی گئی ہے۔''

راج گورو مارا نے فاتحانہ انداز میں گردن اُوپر اُٹھا کر پوچھا۔

''کیا تم نے دونوں کو اپنی آنکھوں سے چمپا کلی کی خواب گاہ میں جاتے دیکھا ہے؟''

دیوداسی پارو بولی۔ ''مہاراج! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اُس رات والا اجنبی نوجوان خفیہ دروازے کی جانب سے شاہی باغ میں آیا۔ کنڈلا وہاں چھپ کر بیٹھی تھی، وہ سامنے آ گئی۔ اُس نے اجنبی نوجوان کو ساتھ لیا اور رانی چمپا کلی کی خواب گاہ والا دروازہ کھول اندر چلی گئی۔

راج گورو مارا نے اپنی کلائی سے لپٹے ہوئے سانپ کا منہ چوم کر حلق سے ایک ڈراؤنی آواز نکالی اور اُس کی ایک آنکھ تیزی سے پھڑکنے لگی۔ اُس نے دیوداسی پارو سے کہا۔

''تم جا سکتی ہو۔ تمہارا انعام تمہیں کل ملے گا۔ ابھی مجھے مہاراج یوگ راج جی کو جا کر یہ خوشخبری سنانی ہے کہ اُن کی چہیتی رانی چمپا کلی ایک غیر مرد کے ساتھ اپنی حویلی میں رنگ رلیاں منا رہی ہے۔''

یہ کہہ کر راج گورو مارا زخمی سانپ کیطرح پھنکارتا ہوا اپنے محل سے نکلا اور راجہ یوگ راج کے خاص محل کی طرف چل پڑا۔ راجہ کا محل وہیں شاہی باغ میں دوسرے محلات کے درمیان میں واقع تھا۔ رات کے وقت راجہ کے محل کے باہر سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ مگر راج گورو مارا کو راجہ کے محل میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ پھر بھی ایک پہرے دار نے جو راجہ کی خواب گاہ کے باہر پہرے پر کھڑا تھا راج گورو کو روک دیا اور بولا۔

''مہاراج اس وقت سو رہے ہیں۔''

راج گورو مارا نے سانپ والا ہاتھ اُوپر اُٹھا کر بڑی رُعب دار آواز میں کہا۔

''میں راجہ کا وزیر خاص راج گورو مارا ہوں۔ مجھے مہاراج کو ایک بڑی اہم خبر سنانی ہے۔ پیچھے ہٹ جاؤ!''

پہرے دار بیچارہ یہ سن کر ایک طرف ہو گیا اور مارا، راجہ یوگ راج کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ راجہ کی خواب گاہ میں سونے کے دو فانوس بڑی دھیمی روشنی دے رہے تھے۔ راجہ اس وقت اپنی دو رانیوں کے درمیان نیم دراز شراب کے جام لنڈھا رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی اُس نے قہر آلود نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا اور سامنے راج گورو مارا کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ لیکن اس وقت مارا کا آنا راجہ کو سخت ناگوار گزرا تھا۔ اُس نے اپنے شدید غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے مارا سے پوچھا۔

''کیا بات ہے راج گورو! اس وقت کیوں آئے ہو؟''

راج گورو مارا دو قدم چل کر راجہ کے شاہی پلنگ کے قریب آ گیا۔ دونوں رانیاں ایک طرف کو سمٹ گئی تھیں۔ راج گورو نے کہا۔

''مہاراج! بات ہی کچھ ایسی ہے کہ مجھے آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی خواب گاہ میں آنے کی گستاخی کرنی پڑی۔''

راجہ ابھی تک غصے کی حالت میں تھا۔ اُس نے کہا۔ ''اصل بات بیان کرو راج گورو!''

راج گورو مارا نے کہا۔ ''مہاراج! بات ایسی ہے کہ میں اکیلے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔''

راجہ نے رانیوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ دونوں رانیاں اپنی ریشمی ساڑھیاں اپنے جسموں پر سنبھالتی خواب گاہ سے نکل گئیں۔ جب خواب گاہ میں راجہ یوگ راج اور راج گورو

مارا اکیلے رہ گئے تو راجہ نے پوچھا۔

''اب بتاؤ... کیا بات ہے؟''

راج گورو مارا نے ہاتھ باندھ لئے اور بولا۔

''مہاراج! میرا منہ چھوٹا ہے مگر بات بڑی ہے۔ لیکن کہے بغیر میں رہ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں راج گدی اور مہاراج کے شاہی خاندان کی سینکڑوں برس کی کمائی ہوئی عزت اور بزرگوں کی نیک نامی کو بٹہ لگنے کا خطرہ ہے۔''

''راج گورو!'' راجہ نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''پہیلیاں نہ بجھاؤ۔ جو کہنا چاہتے ہو فوراً کہو۔''

راج گورو مارا نے کہا۔ ''مہاراج! جس رانی چمپا کلی کو آپ اپنی چہیتی رانی سمجھ بیٹھے ہیں، وہ اس وقت اپنی حویلی میں ایک غیر مرد کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے۔''

یہ سننا تھا کہ راجہ کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ آنکھوں سے شعلے سے برسنے لگے۔ سونے کا جام اُس کے ہاتھ سے اُچھل کر دُور جا گرا۔ راجہ نے غضب ناک ہو کر کہا۔

''راج گورو! تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ چمپا کلی صرف ہماری چہیتی رانی ہی نہیں بلکہ ہمیں اس کی محبت اور وفاداری پر پورا بھروسہ ہے۔ تمہیں ضرور ہمارے کسی دشمن نے غلط اطلاع دی ہے۔''

راج گورو بولا۔ ''مہاراج! میری اطلاع غلط نہیں ہے۔ جس نے ایک غیر مرد کو کنڈلا خادمہ کے ہمراہ چمپا کلی کی خواب گاہ میں داخل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اُس نے مجھے آکر یہ خبر دی ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں آیا تو بے شک میرے ساتھ چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔''

راجہ یوگ راج کے سینے میں آگ سی بھڑکنے لگی تھی۔ اُس کو چمپا کلی کی وفاداری پر اس قدر یقین تھا کہ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس کی چہیتی رانی اور شاہی رقاصہ کسی غیر مرد کے ساتھ رنگ رلیاں منا سکتی ہے۔ وہ اسی وقت شدید غصے کی حالت میں اُٹھا اور اپنا سونے کا بڑا گُرز اُٹھا کر بولا۔

''چلو راج گورو! تم نے رانی چمپا کلی پر جو الزام لگایا ہے ہمیں اس کا ثبوت دکھاؤ۔''

راج گورو مارا، راجہ یوگ راج کو لے کر شاہی خواب گاہ سے نکلا اور دونوں رانی چمپا کلی کی حویلی کی طرف چل پڑے۔

جس وقت راجہ گرز ہاتھ میں لئے غیض وغضب کے عالم میں راج گورو مارا کو ساتھ لے اپنے محل سے نکل کر چمپا کلی کی حویلی کی طرف روانہ ہوا تھا عین اُس وقت چمپا کلی کی خواب گاہ میں ناگ پال، چمپا کلی کے پاس بیٹھا رُوحانی محبت کے لطیف جذبات میں ڈوب کر

سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اُس کی طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اُس نے چونک کر خواب گاہ کے در و دیوار پر ایک نظر ڈالی اور ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا ہوا ناگ پال؟'' چمپا کلی نے حیران ہو کر پوچھا۔

ناگ پال بولا۔ ''مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ تم اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ جاؤ..... جلدی کرو۔''

اس سے پہلے کہ چمپا کلی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتی، ناگ پال خواب گاہ کے عقبی دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔ چمپا کلی نے ناگ پال سے جو چند ایک ملاقاتیں کی تھیں ان سے اُسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ناگ پال ایک روشن ضمیر انسان ہے۔ نہ اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہے اور نہ اس کی محبت میں کوئی کھوٹ ہے۔ اس لئے اگر وہ اچانک اُٹھ کر چلا گیا ہے تو ضرور اُس کے دل نے اُسے چلے جانے کو کہا ہو گا۔ لیکن اُس کے دل نے عین اس وقت ناگ پال کو چلے جانے کے لئے کیوں کہا جب دونوں محبت کرنے والے ایک دوسرے سے پیار محبت کی باتیں کر رہے تھے؟ یہ بات چمپا کلی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی یا شاید یہ بات چمپا کلی کی سمجھ اور فہم سے بالاتر تھی اور وہ اسے سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔

ناگ پال کے چلے جانے کے بعد چمپا کلی نے زیتون کے تیل والے فانوس کی لو دھیمی کی اور اپنے پلنگ پر لیٹ کر قیمتی پشمینے کی شال اپنے جسم کے اُوپر کر لی اور سنبل و ریحان کے خوشبودار تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسی لمحے خواب گاہ کے باہر اُونچی اُونچی انسانی آوازیں بلند ہوئیں اور اس سے پیشتر کہ چمپا کلی پلنگ پر سے اُٹھ کر کنڈلا کو آواز دے کر پوچھتی کہ باہر کون ہے، خوابگاہ کا دروازہ دھڑاک سے کھل گیا اور راجہ یوگ راج ہاتھ میں اپنا گرز لئے اندر آ گیا۔ اُس کے ساتھ راج گورو مارا بھی تھا اور کنڈلا ہاتھ باندھے سہمی ہوئی پیچھے کھڑی تھی۔ راجہ کو خواب گاہ میں اس حالت میں دیکھ کر رانی چمپا کلی جلدی سے اُٹھ بیٹھی اور ہاتھ باندھ کر بولی۔

''مہاراج! آپ؟''

راجہ یوگ راج نے آگے بڑھ کر خواب گاہ کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ راج گورو مارا بھی اس تلاشی میں شامل ہو گیا۔ انہوں نے پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھا۔ راج گورو مارا نے فانوس کی روشنی تیز کر دی تھی۔ راجہ دیواروں پر گرے ہوئے مخمل کے قیمتی پردوں کو ہٹا ہٹا کر دیکھ رہا تھا۔ جب دونوں خواب گاہ کی اچھی طرح سے تلاشی لے چکے تو راجہ نے راج گورو سے مخاطب ہو کر طیش کے عالم میں پوچھا۔

''کہاں ہے وہ غیر مرد جس کو دکھانے کے لئے تم مجھے یہاں لائے ہو؟''

راج گورو کے ہوش اُڑ چکے تھے۔ چہرے کا رنگ اور سیاہ پڑ گیا تھا۔ دیوداسی پارو نے

اُسے غلط اطلاع دی تھی اور اب اُسے اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ راجہ کے ہاتھ میں گرز تھا۔ اور راج گورو کا راجہ کی چہیتی رانی پر لگایا ہوا شرمناک الزام غلط ثابت ہو چکا تھا۔ لازمی تھا کہ راجہ ایک ہی وار سے مارا کی گردن توڑ دیتا، راج گورو فوراً راجہ کے قدموں پر گر پڑا اور راجہ کے قدموں کو بوسہ دے کر بولا۔

''مہاراج! آپ کے غلام کو کسی نے غلط اطلاع دی تھی۔ مجھ سے مہا پاپ ہو گیا ہے۔ میں نے رانی جی کی پوتر تا پر الزام لگایا ہے۔ دیوتا مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ میری گردن توڑ دیجئے۔ مجھ جیسے پاپی کی یہی سزا ہونی چاہئے۔''

راجہ یوگ راج نے اپنے پاؤں پیچھے کر لئے۔ اس وقت رانی چمپا کلی پر یہ حیرت انگیز راز کھلا کہ ناگ پال کی بیٹھے بیٹھے اچانک طبیعت کیوں گھبرا گئی تھی اور وہ ایک دم سے کیوں چلا گیا تھا اور جاتے ہوئے اُس نے چمپا کلی کو یہ کیوں کہا تھا کہ تم پلنگ پر آرام سے لیٹ جاؤ۔ چمپا کلی کے دل میں ناگ پال کی پوتر تا اور اُس کے رُوحانی کردار کی قدر و منزلت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اُس نے راجہ سے پوچھا۔

''مہاراج! یہ قصہ کیا ہے؟ کچھ مجھے بھی تو بتایئے۔'' یہ کہہ کر چمپا کلی پلنگ سے اُتر کر بڑے ادب کے ساتھ راجہ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ حالانکہ وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ محل میں موجود مارا کے کسی جاسوس نے ناگ پال کو چمپا کلی کی خواب گاہ میں داخل ہوتے دیکھ کر مارا کو اطلاع کر دی ہو گی اور مارا چونکہ اپنی ہوسنا کیوں میں ناکام ہو جانے کے بعد چمپا کلی کا دشمن بن چکا تھا اس لئے اُس نے یہ موقع غنیمت جانا اور چمپا کلی سے انتقام لینے کی خاطر راجہ کو ساتھ لے کر اُس کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔

غیر مرد کو رانی چمپا کلی کی خواب گاہ میں نہ پا کر راجہ کے دل میں چمپا کلی کی محبت اور بڑھ گئی اور اُسے اُس کی وفاداری پر یقین اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی راج گورو مارا کے خلاف راجہ کے دل میں نفرت اور غیض و غضب میں اضافہ ہو گیا تھا۔ راجہ نے چمپا کلی کی بات کا جواب دینے کی بجائے قدموں میں پڑے راج گورو کے سر پر گرز کو بلند کر دیا اور گرج کر کہا۔

''راج گورو! تم نے ہماری وفادار رانی کے دامن کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ لو..... اپنے کئے کی سزا بھگتو!''

اس کے ساتھ ہی راجہ نے گرز والا ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور چاہتا تھا کہ ایک ہی وار میں راج گورو کا بھیجہ پھاڑ دے کہ چمپا کلی نے آگے بڑھ کر راجہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

''مہاراج! راج گورو جی کا اس میں کوئی قصور نہیں لگتا۔ انہیں ضرور کسی نے ہمارے خلاف بہکایا ہو گا۔ انہیں معاف کر دیجئے۔''

راج گورو فوراً گھٹنوں کے بل ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا اور گڑگڑا کر بولا۔ ''مہاراج! مجھے آپ کی نظروں سے گرانے کے لئے کسی نے اپنے جال میں پھنسایا ہے۔ ورنہ میں رانی جی کی پاک دامنی پر، ان کی پوترتا پر کیسے شک کر سکتا ہوں؟ مجھے معاف کر دیجئے۔''

راجہ نے گرز ایک طرف پھینک دیا اور راج گورو سے کہا۔ ''کھڑے ہو جاؤ!''

راج گورو فوراً اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا اور ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ راجہ نے راج گورو سے کہا۔ ''تمہیں کس نے یہ جھوٹی اطلاع دی تھی کہ ہماری رانی چھپ کر کسی غیر مرد سے ملتی ہے؟ ہمیں اُس کا نام بتاؤ!''

راج گورو مارا، پارو کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ مگر اُسے معلوم تھا کہ بہت جلد راجہ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ اطلاع پارو نے دی تھی چنانچہ اُس نے کہا۔

''مہاراج! مجھے دیوداسی پارو نے یہ جھوٹی خبر دی تھی۔''

کنڈلا اس دوران خاموشی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل گئی تھی۔ وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ راج گورو مارا، راجہ کو لے کر آ گیا ہے اور اندر چمپا کلی، ناگ پال کے ساتھ بیٹھی محبت کی باتیں کر رہی ہے اور راجہ ان دونوں کے بھیجے پھاڑ دے گا۔ لیکن اندر آ کر جب کنڈلا نے دیکھا کہ ناگ پال خواب گاہ میں نہیں ہے اور چمپا کلی بڑے سکون کے ساتھ پلنگ پر لیٹی ہوئی ہے تو اُسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حیرانی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک یہ معمہ حل نہیں کر سکی تھی کہ ناگ پال اچانک کیسے غائب ہو گیا؟ لیکن ناگ پال کو وہاں نہ دیکھ کر جیسے کنڈلا کے مُردہ جسم میں پھر سے جان پڑ گئی تھی۔ راجہ نے دیوداسی پارو کا نام سنا تو وہیں سے آواز دی۔

''کوئی ہے؟''

اسی وقت باہر پہرہ دینے والوں میں سے دو سپاہی دوڑ کر اندر آ گئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ راجہ نے حکم دیا۔

''دیوداسی پارو کو ابھی اسی وقت شاہی محل کے قید خانے میں ڈال دو۔''

پہرے دار سپاہی، راجہ کا حکم سن کر فوراً چلے گئے۔ اس کے بعد راجہ نے خشمگیں نظروں سے راج گورو مارا کو دیکھا اور کہا۔

''جس ستی ساوتری عورت پر تم نے اتنا گھناؤنا الزام لگایا ہے اُسی نے تیری جان بچائی ہے۔ اگر رانی چمپا کلی ہمارا ہاتھ نہ پکڑتی تو اس وقت تمہاری لاش یہاں تڑپ رہی ہوتی۔ جاؤ... میری نظروں سے دُور ہو جاؤ!''

راج گورو مارا نے جھک کر راجہ کو نمسکار کیا اور اُلٹے پاؤں چمپا کلی کی خواب گاہ سے نکل گیا۔ اب خواب گاہ میں راجہ یوگ راج اور رانی چمپا کلی اکیلے تھے۔ راجہ نے چمپا کلی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اُس کا ماتھا چوم کر کہا۔

''چمپا کلی! میں بھی کتنا نادان ہوں کہ راج گورو کی باتوں میں آ گیا اور تمہیں دُکھ پہنچایا۔ مجھے معاف کر دینا رانی!''

راجہ ہاتھ جوڑنے لگا تو چمپا کلی نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُن کو بوسہ دیا اور کہنے لگی۔ ''مہاراج! آپ میرے لئے دیوتا سمان ہیں۔ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں تو آپ کی داسی ہوں۔ آپ کے سوا میں کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھوں تو ناگ دیوتا مجھے نرک میں ڈال دیں۔ آپ ہی میرے لئے سب کچھ ہیں۔''

راجہ نے چمپا کلی کے ماتھے کو چوم کر کہا۔

''چمپا کلی! تم مجھے اپنی رانیوں میں سب سے پیاری ہو۔ میں اگر کسی رانی سے محبت کرتا ہوں تو وہ صرف تم ہی ہو۔ اب تم آرام کرو اور جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔''

راجہ، چمپا کلی کا ہاتھ تھام کر اُسے پلنگ تک لے گیا۔ چمپا کلی نے راجہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر تین بار بوسہ دیا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ راجہ نے بڑی محبت سے پشمینے کی شال چمپا کلی کے جسم پر ڈال دی اور اُس کا ماتھا چوم کر فرش پر سے اپنا طلائی گرز اُٹھایا اور خواب گاہ سے نکل گیا۔ جب خواب گاہ کا دروازہ بند ہو گیا تو چمپا کلی نے آنکھیں بند کر کے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا، پھر آنکھیں کھول دیں اور سوچنے لگی کہ اگر ناگ پال آخری لمحے خواب گاہ سے نکل نہ جاتا تو کیا ہوتا؟ جو کچھ ہوتا اس کے تصور ہی سے چمپا کلی کانپ اُٹھی۔ اتنے میں خواب گاہ کے چھوٹے دروازے میں سے کنڈلا اندر آ گئی۔ اُسے دیکھ کر چمپا کلی اُٹھ بیٹھی۔ کنڈلا پلنگ پر چمپا کلی کے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

''یہ سب کچھ کیسے ہو گیا رانی جی؟ ناگ پال کیسے عین وقت پر یہاں سے چلا گیا تھا؟ کیا آپ نے بھاگ جانے کو کہا تھا؟''

چمپا کلی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''میں اُسے کیسے کہہ سکتی تھی؟ میں نے تو خود اُسے بلایا تھا۔''

''پھر وہ کیسے چلا گیا؟''

چمپا کلی نے سر حیرت سے ہلا کر کہا۔ ''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بس اچانک ناگ پال کو کچھ خطرہ سا محسوس ہوئی۔ کہنے لگا میں جا رہا ہوں۔ میں نے بہتیرا روکا مگر وہ نہ رُکا اور ایک دم خفیہ دروازے سے باہر نکل گیا۔''

کنڈلا نے ہاتھ جوڑ کر اُوپر نگاہ اُٹھائی اور بولی۔ ''ہے بھگوان! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے عین وقت پر ہم سب کی جان بچا لی۔ لیکن رانی جی! آپ نے راج گورو کی جان بچا کر [illegible] ہے۔''

چمپا کلی نے تعجب سے کہا۔ ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے راج گورو کی جان بچائی ہے؟

تم تو اس وقت یہاں نہیں تھیں۔"

کنڈلا بولی۔ "میں آپ کے کمرے سے ضرور چلی گئی تھی لیکن اس چھوٹے دروازے پر آ کر اس کی درز میں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مجھے پورا وشواس تھا کہ راجہ، راج گورو کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں اُسے قتل ہوتے دیکھنا چاہتی تھی لیکن افسوس کہ عین وقت پر آپ نے راجہ کا اُوپر اُٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کر اُسے بچا لیا۔ راج گورو سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھڑانے کا یہی تو وقت تھا۔ افسوس! آپ نے ایک سنہری موقع گنوا دیا۔"

چمپا کلی نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کنڈلا کو دیکھا اور کہا۔

"راج گورو اگر میری خواب گاہ میں قتل ہوتا تو اس میں میری بدنامی کا پہلو نکل سکتا تھا۔ لوگ یہی کہتے کہ راج گورو سچا تھا جس کی سچائی راجہ سے برداشت نہ ہو سکی اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔ راج گورو قتل ضرور کیا جائے گا مگر راجہ کے ہاتھوں یا میرے ہاتھوں نہیں، بلکہ کسی اور کے ہاتھوں۔"

کنڈلا بولی۔ "میں سمجھی نہیں رانی جی!"

چمپا کلی نے کہا۔ "وقت آنے پر تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گی۔"

کنڈلا کہنے لگی۔ "بھگوان نے آپ کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا ہے۔ اب آپ اپنے دل سے ناگ پال کا خیال ہمیشہ کے لئے نکال دیں۔ آپ کی بھلائی اسی میں ہے۔"

چمپا کلی نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ دیا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"کنڈلا! ناگ پال کا خیال میرے دل کی دھڑکن بن چکا ہے۔ میں نے اُس کا خیال دل سے نکال دیا تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔"

کنڈلا کو پہلے ہی شک تھا کہ چمپا کلی یہی جواب دے گی۔ چمپا کلی کو ناگ پال کی محبت کا جو مرض لگ گیا تھا کنڈلا کی نظروں میں اب وہ لا علاج ہو چکا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"تو پھر ناگ پال سے ملنا جلنا بند کر دیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" چمپا کلی نے کہا۔ "میرے دل سے اُس کی دھڑکن جدا ہو گئی تو میں پھر بھی زندہ نہیں بچوں گی۔ ہاں! میں اتنا وعدہ ضرور کرتی ہوں کہ آئندہ ناگ پال سے ملنے میں بے حد احتیاط سے کام لوں گی۔"

کنڈلا نے یہی غنیمت جانا اور گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

"یہ آگ دیوداسی پارو کی لگائی ہوئی ہے۔ بھگوان جانے کہاں چھپ کر اُس نے مجھے اور ناگ پال کو آپ کی خواب گاہ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔"

چمپا کلی نے کہا۔ "اُسے ضرور راج گورو مارا نے میری جاسوسی پر لگایا ہو گا۔"

"اب وہ تو زندہ نہیں بچے گی۔ اگر زندہ بچ بھی گئی تو ساری زندگی محل کے بندی خانے

میں پڑی سڑتی رہے گی۔ لیکن راج گورو مارا سے آپ کو ہوشیار رہنا ہو گا۔ سانپ زخمی ہونے کے بعد زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔"

چمپا کلی نے کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں اُس سے ایسا بدلہ لوں گی کہ جس کا اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا۔"

چمپا کلی نے پلنگ پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم جا کر آرام کرو...... مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

کنڈلا نے فانوس کی لو دھیمی کر دی اور خاموشی سے خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔ اس واقعے کے بعد راجہ یوگ راج کی نگاہوں میں چمپا کلی کی عزت اور وقار میں اضافہ ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ اُس کے دل میں رانی چمپا کلی کی محبت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ راجہ اب اُسے دربار میں تخت پر اپنے ساتھ بٹھاتا تھا۔ دوسری طرف راج گورو مارا بھی اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ وہ اب اس ٹوہ میں تھا کہ وہ اجنبی نوجوان کون تھا جو اُس رات چمپا کلی کو ملنے اُس کی خواب گاہ میں آیا تھا۔ راج گورو کو پورا یقین تھا کہ دیوداسی پارو کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ وہ اُسے غلط اطلاع دے بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے ضرور ایک غیر مرد کو کنڈلا کے ساتھ رانی چمپا کلی کی خواب گاہ میں جاتے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود راج گورو، دیوداسی پارو سے ایک بار مل کر اپنے یقین کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

دیوداسی پارو کو راجہ کے حکم سے شاہی محل کے قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اُسے کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن راج گورو آخر راج گورو تھا۔ اُس کے ہاتھ کافی دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس نے قید خانے کے خاص پہرے دار کو اُس کے عہدے میں ترقی کا لالچ دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ راج گورو سے پارو کی خفیہ ملاقات کرا دے گا۔ ملاقات کا وقت آدھی رات کے بعد مقرر ہوا۔ راج گورو قید خانے کے پہرے دار کی ہدایت کے مطابق بھیس بدل کر قید خانے پہنچ گیا۔ قید خانے کا پہرے دار راج گورو کو پارو کی کوٹھڑی میں لے گیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"مہاراج! جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لیجئے گا۔ اگر راجہ کو پتہ چل گیا تو میں سولی پر لٹکا دیا جاؤں گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔" راج گورو نے پہرے دار کی تسلی کر دی۔ وہ چلا گیا۔ دیوداسی پارو فرش پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ راج گورو کو دیکھ کر اُس کے دل میں اُمید کی کرن جاگ اُٹھی اور اُسے یقین ہو گیا کہ راج گورو جی اسے قید خانے سے نکلوا دیں گے۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج! میں بے قصور پکڑی گئی ہوں۔ مجھے مرنے سے بچا لیں۔ راجہ مجھے زندہ نہیں

چھوڑیں گے۔''

راج گورو نے پارو کو ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں بچانے کی خاطر ہی تمہارے پاس اتنا بڑا خطرہ مول لے کر آیا ہوں۔ تم مجھے سچ سچ بتاؤ کیا تم نے اُس رات کسی غیر مرد کو کنڈلا کے ساتھ رانی چمپا کلی کی خواب گاہ میں جاتے دیکھا تھا؟''

پارو بولی۔ ''مہاراج! مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نوجوان کو کنڈلا کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ اُسے لے کر رانی چمپا کلی کے کمرے میں چلی گئی تھی اور اُس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔''

''اُس نوجوان کا حلیہ کیا تھا؟'' راج گورو نے پوچھا۔

''درمیانے قد کا تھا۔ اندھیرے میں مجھے اُس کی شکل دکھائی نہیں دی تھی۔ دُور سے میں نے اُس کے بال ضرور دیکھے تھے جو اُس کی گردن تک آئے ہوئے تھے۔''

راج گورو سوچنے لگا۔ پارو بولی۔ ''مگر مہاراج! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟'' پھر خود ہی بولی۔ ''شاید رانی چمپا کلی کو کسی وجہ سے شک پڑ گیا ہو گا اسی لئے عین وقت پر اُس نے اجنبی نوجوان کو اپنے کمرے سے بھگا دیا۔''

راج گورو نے پوچھا۔ ''پارو! سوچ کر جواب دو۔ اگر وہ نوجوان تمہارے سامنے آ جائے تو کیا تم اُسے پہچان سکو گی؟''

پارو نے قدرے خاموشی کے بعد کہا۔ ''کیسے پہچان سکتی ہوں مہاراج! میں نے اُس کی شکل تو دیکھی ہی نہیں، صرف سر کے لمبے بال ہی دیکھے ہیں اور ایسے بال تو ناگا پورم میں ہر نوجوان کے ہوتے ہیں۔''

راج گورو بولا۔ ''ایک بار پھر پوری طرح سوچ کر بتاؤ! کیا تم نے واقعی اُس نوجوان کو دیکھا تھا؟''

دیوداسی پارو نے ناگ دیوتا کی قسم کھائی اور بولی۔

''میں ناگ دیوتا کی قسم کھا کر کہتی ہوں مہاراج! کہ میں نے اُس رات کنڈلا کے ساتھ ایک نوجوان کو رانی چمپا کلی کے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔''

راج گورو کو اب پورا یقین ہو گیا۔ کیونکہ کوئی بھی مرد یا عورت ناگ دیوتا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا تھا۔ جھوٹی قسم کھانے کی صورت میں اُس مرد یا عورت کی اذیت ناک موت یقینی ہوتی تھی۔ ناگ دیوتا کے سانپ جھوٹی قسم کھانے والی عورت یا مرد کو رات کے وقت آ کر ڈس دیتے تھے۔ یہ ایسے سانپ تھے کہ ان کے زہر سے اس مرد یا عورت کا جسم آہستہ آہستہ پگھل کر پانی بن کر بہہ جاتا تھا۔ راج گورو اس کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا۔ دیوداسی پارو نے رحم طلب

نگاہوں سے راج گورو کی طرف دیکھا اور ہاتھ باندھ کر بولی

''مہاراج! مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلیں۔ میں یہاں مر جاؤں گی۔''

راج گورو مارا کو پارو کی جان کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اُس سے جو کچھ پوچھنے آیا تھا وہ اُس نے پوچھ لیا تھا۔ اب اُسے دیوداسی پارو سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اُس کی طرف سے وہ زندہ رہے چاہے راجہ اُسے سولی پر لٹکا دے۔ راج گورو کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر اُوپر سے اُس نے پارو کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''گھبراؤ نہیں...... میں آج ہی راجہ سے بات کرتا ہوں اور اُسے تمہاری رہائی کے لئے ضرور راضی کر لوں گا۔'' یہ کہہ کر راج گورو کوٹھڑی سے چلا آیا۔

دیوداسی پارو کے ناگ دیوتا کی قسم اُٹھانے کے بعد کسی قسم کے شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ راج گورو مارا کو پکا یقین ہو گیا تھا کہ پارو سچ بول رہی ہے اور اُس نے کسی غیر مرد کو چمپا کلی کے کمرے میں رات کے وقت جاتے دیکھا ہے۔ اب شاہی محل میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھی جس سے اس اجنبی نوجوان کا سراغ مل سکتا تھا اور وہ عورت چمپا کلی کی خادمہ اور سہیلی کنڈلا تھا۔ لیکن کنڈلا سے اس نوجوان کا پتہ چلانا آسان نہیں تھا۔ اس کے لئے کسی منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ اور راج گورو کا مکار دماغ منصوبہ بندیوں میں دربار کے تمام سازشیوں سے بازی لے گیا ہوا تھا۔ راج گورو نے چمپا کلی کو معاف نہیں کیا تھا۔ وہ چمپا کلی کے اس احسان کو بھی بھول گیا تھا کہ اس نے اس کی جان بچائی تھی۔ راج گورو مار صرف احسان فراموش ہی نہیں تھا۔ وہ محسن کش بھی تھا۔ اُسے صرف یہی یاد رہ گیا تھا کہ اُسے چمپا کلی کی آنکھوں کے سامنے ذلیل اور رُسوا کیا گیا ہے، اُس کی ذلت اور رُسوائی ہوئی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ چمپا کلی نے اُس کی جان بچا کر اُسے اور زیادہ ذلیل کر دیا ہے۔ وہ ہر حالت میں چمپا کلی سے اس ذلت و رُسوائی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

اب اس کے خبیث اور فتنہ پرور دماغ کی ساری توانائیاں صرف اس نقطے پر مرکوز ہو گئی تھیں کہ کسی طرح اُس اجنبی نوجوان کا سراغ لگا کر اُسے پکڑ کر راجہ کے سامنے پیش کیا جائے اور اس سے یہ بات اُگلوالی جائے کہ وہ اس رات رانی چمپا کلی سے ملنے آیا تھا اور رانی چمپا کلی نے ہی اسے اپنی حویلی میں بلوایا تھا۔ اور یوں نہ صرف اپنے آپ کو سچا کر کے راجہ کی نظروں میں اپنے وقار کو بحال کیا جائے بلکہ چمپا کلی کو بھی ذلیل کیا جائے۔

اُس کا ہدف کنڈلا تھی۔ صرف کنڈلا ہی ایک ایسی عورت تھی جو اس نوجوان کے بارے میں جانتی تھی کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ راج گورو مارا نے کنڈلا سے یہ راز معلوم کرنے کا دل میں تہیہ کر لیا تھا۔ پیار سے، محبت سے، لالچ سے یا موت کے خوف سے، راج گورو ہر طریقے سے یہ راز کنڈلا سے اُگلوانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کے سازشی اور عیار دماغ نے

اس پر کام شروع کر دیا تھا۔ وہ کنڈلا سے براہِ راست کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ کنڈلا، رانی چمپا کلی کی خاص کنیز اور اُس کی رازدار سہیلی تھی۔ وہ اس حیثیت میں نہیں تھا کہ از خود کنڈلا کو اپنے محل میں بلا کر اُس سے پوچھ گچھ کرتا۔ جبکہ اس واقعے کے بعد رانی چمپا کلی، راجہ یوگ راج کی آنکھ کا تارا بن چکی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ اُس پر فدا ہو گیا تھا۔ چمپا کلی یہ بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ راج گورو مارا اُس کی سہیلی کو اپنے محل میں بلا کر اس سے پوچھ گچھ کرے۔ وہ راجہ کو بھی مجبور نہیں کر سکتا تھا کہ واقعے کی اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے رانی چمپا کلی کی سہیلی کنڈلا کو بلا کر اُس سے پوچھ گچھ کی جائے۔ کنڈلا سے یہ راز معلوم کرنے کے لئے راج گورو مارا کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی ذریعہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک راج گورو مارا کے عیار دماغ میں خیال آیا کہ اگر رانی چمپا کلی اس اجنبی نوجوان کو شاہی محل کی حویلی میں بلانے کا خطرہ مول لے سکتی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس نوجوان کی محبت میں بری طرح گرفتار ہے۔ اور اگر وہ اس نوجوان سے اتنی محبت کرتی ہے تو اُسے دوبارہ ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور اس نوجوان سے وہ کنڈلا کے ذریعے ہی مل سکتی ہے۔ کیونکہ کنڈلا رانی چمپا کلی کی رازدار سہیلی بھی ہے اور صرف وہی ایک ایسی عورت ہے جو رانی چمپا کلی کا پیغام لے کر اس نوجوان کے پاس جا سکتی ہے۔ اسی لمحے راج گورو مارا نے کنڈلا کی چوبیس گھنٹے نگرانی کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس کے پاس قابلِ اعتبار جاسوسوں کی کمی نہیں تھی۔ چنانچہ مارا نے اپنے ایک خاص جاسوس کو جس کا نام ناگی تھا، کنڈلا کی نگرانی پر لگا دیا اور اُسے حکم دیا کہ کنڈلا کی چوبیس گھنٹے نگرانی کی جائے اور وہ محل سے نکل کر جہاں جہاں جائے اُس کی پوری روداد آ کر دی جائے۔

اس واقعے کو گزرے چار دن ہو گئے تھے۔ چمپا کلی، ناگ پال سے ملنے کو پر تول رہی تھی اور اس دفعہ وہ خود ناگ پال سے ملنے ناگ مُنی کے آشرم جانے کا ارادہ باندھ رہی تھی۔ کنڈلا ابھی تک اُسے کسی نہ کسی بہانے وہاں جانے سے روکے ہوئے تھی۔ مگر کنڈلا خوب جانتی تھی کہ وہ زیادہ دن تک چمپا کلی کو ناگ پال سے ملنے سے نہ روک سکے گی۔ اُسے یہ بھی ڈر لگا ہوا تھا کہ ناگ پال، شاہی محل میں اس رات گزرنے والے سنگین واقعے سے بے خبر ہے۔ چنانچہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ چمپا کلی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود اس سے ملاقات کرنے شاہی محل میں آ جائے۔ اس طرح اس کا پکڑے جانا یقینی تھا۔ کیونکہ کنڈلا جانتی تھی کہ راج گورو نے شاہی محل کے خفیہ راستے اور شاہی حویلی کی نگرانی کرنے کے لئے اپنے خفیہ آدمی ضرور مقرر کر دیئے ہوں گے۔

کنڈلا نے بہتر یہی سمجھا کہ رانی چمپا کلی کو ان تمام حالات سے آگاہ کر دے۔ چنانچہ اُس

نے چمپا کلی کو یہ ساری باتیں بیان کر دیں اور کہا۔

''رانی جی! ان حالات میں آپ کا ناگ پال کو ملنے جانا یا ناگ پال کا یہاں محل میں آپ کو ملنے کے لئے آنا کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

چمپا کلی فکر مند ہو گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ کنڈلا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اب اگر اُس نے یا ناگ پال نے کوئی بھی قدم بغیر سوچے سمجھے اُٹھایا تو اس کے نتائج بڑے سنگین ہوں گے۔ راجہ کے دل میں چمپا کلی کا جو بے مثال اعتماد پیدا ہو گیا ہے نہ صرف یہ کہ وہ ختم ہو جائے گا بلکہ اس کی اور ناگ پال دونوں کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اُس کا دل پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اگر اسے ناگا پورم کا شاہی تخت اور شاہی محلات عزیز تھے تو وہ ناگ پال کو بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں بھی ناگ پال کی محبت سے مجبور ہوں اور اُس سے ملے بغیر، اُسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ مجھے تو کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔''

کنڈلا اسی انتظار میں تھی کہ رانی چمپا کلی خود سری اور اپنی من مانی کی عادت کو چھوڑ کر کب اُس کے مشورے کے مطابق کوئی قدم اُٹھانے کا ارادہ ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ جب اُس نے کنڈلا سے کہا کہ مجھے کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا تو کنڈلا نے کہا۔

''رانی جی! یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ آپ ناگ پال سے بے پناہ پیار کرتی ہیں اور اُس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان حالات میں آپ کا از خود ناگ پال سے ملنے کے لئے جانا یا ناگ پال کا چھپ کر آپ سے ملنے کے لئے یہاں آنا کسی بہت بڑی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ کیونکہ لازمی طور پر راج گورو مارا نے اپنی کمینہ خصلت سے مجبور ہو کر آپ سے اپنی رُسوائی اور ذلت کا بدلہ لینے کے لئے شاہی حویلی کے اردگرد اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہوں گے جو میری، آپ کی اور اس حویلی کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ!'' رانی چمپا کلی نے بے بسی سے پوچھا۔ کنڈلا خاموش رہی۔ چند لمحوں کے بعد بولی۔

''سب سے پہلے تو ناگ پال کو جا کر منع کرنا ہو گا کہ وہ شاہی محل کی طرف آنے کی غلطی نہ کرے۔ اور یہ کام سوائے میرے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔''

چمپا کلی نے بے چینی سے کہا۔ ''کیا میں بھی تمہارے ساتھ نہ چلی چلوں؟''

کنڈلا نے اپنا سر تھام لیا اور بولی۔

''رانی جی! کچھ عقل کریں۔ یہی بات تو میں آپ کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی ہوں اور آپ اب بھی ناگ پال کو ملنے کے لئے جانا چاہتی ہیں۔ آپ میرے ساتھ بالکل نہیں جائیں

گی۔ میں اکیلی ہی جاؤں گی اور مجھے بھی بھگوان جانے ناگ پال کے آشرم تک پہنچنے کے واسطے کتنے جتن کرنے پڑیں گے اور کون سا بھیس بدلنا پڑے گا۔''

چمپا کلی نے کنڈلا کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور بولی۔

''تم میری بڑی پیاری سہیلی ہو۔ میرے دل کا سارا حال جانتی ہو۔ ناگ پال سے ملنے پر ہم دونوں کی کسی جگہ خفیہ ملاقات کا بندوبست ضرور کرنا۔''

کنڈلا بے اختیار مسکرا دی۔ چمپا کلی نے کہا۔

''ایک مدت کے بعد میں نے تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی دیکھی ہے۔ میں اسے ایک اچھا شگون سمجھتی ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ میری ناگ پال سے ملاقات ضرور ہو گی اور بہت جلد ہو گی۔''

کنڈلا نے چمپا کلی کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہا۔

''میں اس ملاقات کی ضرور کوشش کروں گی۔ لیکن آپ کو بھی صبر سے کام لینا ہو گا۔''

چمپا کلی نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کوشش کروں گی۔''

کنڈلا کے پاس سوچ بچار کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں ناگ پال محبت میں بے تاب ہو کر خود ہی چمپا کلی سے ملنے شاہی محل میں نہ آ جائے۔ چنانچہ وہ جتنی جلدی ہو سکے ناگ پال کو منع کرنے کے واسطے اُس کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔ مگر پریشانی اس بات کی تھی کہ وہ شاہی محل سے ناگ مُنی کے آشرم جانے کے لئے کس وقت نکلے اور کس بھیس میں نکلے کہ شاہی محل کے آس پاس چوبیس گھنٹے منڈلانے والے راج گورو مارا کے جاسوسوں کو کانوں کان خبر نہ ہو..... کافی سوچ بچار کے بعد آخر ایک ترکیب کنڈلا کے ذہن میں آ گئی۔

شہر ناگا پورم کی چار دیواری سے باہر کچھ فاصلے پر دریا کے کنارے شاہی خاندان کی زمینیں تھیں جہاں شاہی خاندان کے واسطے کھیتوں میں اعلیٰ قسم کا گیہوں، سبزیاں، پھل اور ترکاریاں اُگائی جاتی تھیں۔ اس جگہ شاہی خاندان کو دودھ، گھی اور تازہ مکھن مہیا کرنے کے لئے اعلیٰ نسل کی گائیں بھی پالی جاتی تھیں۔ ان زمینوں سے ہر روز منہ اندھیرے چار چھکڑے تازہ دودھ، مکھن، گھی، پھل اور تازہ سبزیاں لے کر شاہی محل میں آتے تھے۔ ان چھکڑوں کے آگے سفید بیل جتے ہوئے ہوتے تھے اور ان چھکڑوں پر کاشتکاروں کے علاوہ ان کی تین چار عورتیں بھی ساتھ آتی تھیں۔ یہ عورتیں خود کھانے پینے کی اشیاء لے کر شاہی محل کی رانیوں کی حویلیوں میں جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نوجوان کسان لڑکی بھی تھی جس کا نام مرگنی تھا۔ مرگنی پھل، سبزیاں، دودھ اور مکھن لے کر رانی کی حویلی میں آتی تھی اور کنڈلا کی وہ دوست بن گئی تھی۔ ناگ پال سے ملاقات کرنے کی مہم میں مرگنی، کنڈلا کی مدد کر سکتی تھی۔

اگلے روز صبح صبح جب کھانے پینے کی چیزیں لے کر چھکڑے شاہی زمینوں سے محل میں

آئے تو ایک چھکڑا رانی چمپا کلی کی حویلی کو سامان دینے معمول کے مطابق حویلی کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ کنڈلا اُس کے انتظار میں تھی۔ کسان کی بیٹی مرگنی اپنی نگرانی میں دوسری عورتوں سے سامان حویلی کی رسوئی میں رکھوا رہی تھی تو کنڈلا نے موتیوں کا ایک ہار مرگنی کو دیا اور کہنے لگی۔

''میں بازار اپنے لئے ہار خریدنے گئی تھی۔ یہ مجھے پسند آ گیا۔ ایک ہار میں نے اپنے لئے خریدا، ایک تمہارے لئے خرید لیا۔ یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔''

مرگنی ہار دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔

''کنڈلا جی! یہ ہار تو بڑا خوبصورت ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ آپ کی اس محبت کا جواب دینے کے لئے تو میرے پاس کوئی شے بھی اتنی قیمتی نہیں ہے۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''تم دوپہر کو وقت نکال کر میرے پاس آنا۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

مرگنی بولی۔ ''میں ضرور آؤں گی کنڈلا جی! اگر میں آپ کے کسی کام آ سکوں تو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''تم دوپہر کو ضرور آنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''میں ضرور آؤں گی کنڈلا جی! ضرور آؤں گی۔''

کھانے پینے کی اشیاء حویلی کی رسوئی میں رکھوانے کے بعد مرگنی، کنڈلا کو پرنام کر کے چلی گئی۔ کنڈلا کی تسلی ہو گئی کہ اس کی مہم کا پہلا مرحلہ خیر و خوبی سے طے ہو گیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتی تھی؟ اس کے دل میں کیا منصوبہ تھا؟ اس بارے میں کنڈلا نے رانی چمپا کلی سے کوئی ذکر نہ کیا۔ وقت آنے پر ہی وہ چمپا کلی کو اس بارے میں کچھ بتانا چاہتی تھی۔

OOO

دوپہر کو مرگنی وعدے کے مطابق حویلی میں پہنچ گئی۔

کنڈلا اُسے رسوئی میں لے گئی۔ اُسے مٹھائی کھلائی اور باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں کنڈلا کہنے لگی۔

''مرگنی! میں ناگنی دیوی کی پجارن ہوں۔ پرسوں رات ناگنی دیوی جی میرے سپنے میں آئیں اور اُنہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے کنڈ پر جا کر اشنان کر کے گپت یکیہ کروں۔ تم جانتی ہو گی کہ ناگنی دیوی کا گپت یکیہ بڑی رازداری میں کیا جاتا ہے اور اس بات کی شرط ہے کہ پجاری پجارن جو ناگنی کنڈ پر گپت یکیہ کرنے جائے اُسے آتے جاتے میں کوئی نہ دیکھ سکے۔ اور اگر دیکھے بھی تو اُسے پہچان نہ سکے۔ اگر میں بھیس بدل کر بھی ناگنی کنڈ پر رسم ادا کرنے جاتی ہوں تو شہر کے دروازے میں سے گزرتے ہوئے پہرے دار مجھے پہچان لیں گے اور میرا گپت یکیہ بھرشٹ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں تمہاری طرح دیہاتی لڑکی کا حلیہ بنا کر تمہارے چھکڑے میں چھپ کر شہر کے دروازے میں سے نکلوں گی تاکہ مجھ پر کسی کی نظر ہی نہ پڑے۔ تم مجھے شہر کے باہر جا کر کسی بھی جگہ اُتار دینا۔ وہاں سے میں ناگنی دیوی کے کنڈ پر گپت یکیہ کرنے چلی جاؤں گی۔ اور یہ رسم پوری کرنے کے بعد واپس تمہارے پاس آ جاؤں گی اور تم دوپہر کے بعد جب شاہی محل کے لئے تازہ دودھ لے کر آتی ہو تو میں تمہارے چھکڑے میں چھپ کر بیٹھ جاؤں گی اور اپنی حویلی کے پاس آ کر چھکڑے سے اُتر جاؤں گی۔ کیا تم میرا یہ کام کر دو گی؟''

مرگنی کہنے لگی۔ ''کنڈلا جی! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟ آپ ناگنی دیوی جی کی خاص رسم ادا کرنے جا رہی ہیں اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کی اور کیا بات ہو گی کہ میں آپ کی مدد کے بہانے ناگنی دیوی کا اشیرواد حاصل کر سکوں گی۔ میں آپ کی ضرور مدد کروں گی۔ آپ بالکل تیار رہیے گا۔ میں صبح رسوئی کا سامان لے کر آؤں گی اور آپ کو اپنے چھکڑے میں اس طرح چھپا کر شہر سے باہر لے جاؤں گی کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔''

کنڈلا نے مرگنی کا شکریہ ادا کیا اور اُسے کچھ مٹھائی ٹوکری میں ڈال کر ساتھ بھی دے دی۔

دوسرے روز صبح صبح کنڈلا نے اُٹھ کر اشنان کیا اور اپنے بال دیہاتی عورتوں کی طرح بنائے۔ ایک پرانی ساڑھی نکال کر پہنی، کانوں میں اور گلے میں اُس زمانے کے غرباء کے رواج کے

مطابق سوت کے دھاگے اور آگ پر تپائی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے پھول پتیوں والے زیورات پہنے اور رسوئی میں آ کر مرگنی کا انتظار کرنے لگی۔

معمول کے مطابق ایک چھکڑا دودھ، پھل اور تازہ مکھن لے کر شاہی حویلی کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ اُس رات رانی چمپاکلی حویلی میں نہیں تھی۔ وہ راجہ کے محل میں گئی ہوئی تھی۔ مرگنی نے کنڈلا کو دیکھا تو ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔

''کنڈلا جی! آپ نے پورا دیہاتی عورتوں جیسا حلیہ بنایا ہے۔ پہلی نگاہ میں تو میں نے بھی آپ کو نہیں پہچانا تھا۔''

کنڈلا نے خوش ہو کر کہا۔ ''اس کا مطلب ہے میرا بھیس کامیاب ہے۔''

''اس لباس میں آپ کو تو کوئی بھی نہیں پہچان سکے گا۔'' مرگنی نے سامان کے ٹوکرے اُٹھا اُٹھا کر رسوئی کی دیوار کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ جب وہ سارا سامان رکھ چکی تو اُس نے کنڈلا سے کہا۔ ''میں نے چھکڑے میں خاص طور پر کچھ خالی ٹوکرے رکھ دیئے ہیں۔ آپ ان ٹوکروں میں چھپ کر بیٹھ جائیں۔ آپ کو کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔''

کنڈلا باہر آ گئی۔ باہر چھکڑا کھڑا تھا۔ اُس میں ایک طرف خالی ٹوکروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کنڈلا اُن کے درمیان چھپ کر بیٹھ گئی۔ مرگنی، چھکڑے کی گدی پر بیٹھی اور بیلوں کو ہانکتے ہوئے شہر کے دروازے کی طرف چل پڑی۔ وہ بڑے آرام سے چھکڑا لے کر شہر کے دروازے میں سے گزر گئی۔ جب چھکڑا شہر کی فصیل سے کافی دُور آگے نکل آیا تو اُس نے چھکڑے کو روکا اور خالی ٹوکروں کے پاس آ کر بولی۔

''کنڈلا جی! نکل آئیں۔ ہم شہر سے کافی دُور نکل آئے ہیں۔''

کنڈلا ٹوکروں کو ہٹا کر باہر آ گئی۔ اُس نے دیکھا کہ شہر کی فصیل بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ وہ چھکڑے سے اُتر آئی۔ اُس نے مرگنی سے کہا۔

''یہاں سے میں سیدھی ناگنی دیوی جی کے کنڈ پر جا کر یکیہ کروں گی۔ دوپہر تک واپس آ جاؤں گی۔''

مرگنی بولی۔ ''میں دوپہر کے وقت یہاں سے سامنے والے کھیتوں میں درختوں کا جو جھنڈ ہے وہاں آپ کا انتظار کروں گی۔ پھر میں آپ کو اسی چھکڑے میں محل واپس لے جاؤں گی۔''

مرگنی کو کھیتوں کے پاس چھوڑ کر کنڈلا سیدھی ناگ مُنی کے آشرم کی طرف روانہ ہو گئی۔ مسافت زیادہ نہیں تھی پھر بھی اُسے پیدل چلتے ہوئے کافی وقت لگ گیا۔ دُور سے اُسے ناگ منی کا ٹیلہ نظر آنے لگا۔ وہاں سے وہ بائیں جانب ہو گئی تاکہ سیدھے رُخ پر جانے کی بجائے پچھلی طرف سے ہو کر ناگ پال کی کٹیا پر پہنچے جو آشرم کے پچھواڑے کونے پر واقع تھی۔ ناگ پال اپنی کٹیا کے باہر درخت کی چھاؤں میں آلتی پالتی مارے اس طرح کمر سیدھی کئے

بیٹھا تھا جیسے گیان دھیان میں مشغول ہو۔ کنڈلا کے قدموں کی آہٹ پا کر ناگ پال نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر نامعلوم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

کنڈلا نے اُسے پرنام کیا اور اُس کے سامنے چوکی پر بیٹھ گئی۔ ناگ پال بولا۔

''رانی چمپا کلی کیسی ہیں؟''

کنڈلا نے اُس رات جو کچھ ہوا تھا وہ ساری کہانی سنا دی اور کہا۔ ''ناگ پال جی! اگر آپ عین وقت پر چلے نہ جاتے تو بھگوان جانے وہاں کیسا طوفان آ جاتا......''

ناگ پال حیران سا ہو کر کنڈلا کی باتیں سن رہا تھا، کہنے لگا۔

''ہم پر بھگوان نے بڑا کرم کیا ہے کنڈلا! ہماری محبت میں کھوٹ نہیں ہے۔ ہمارا پیار سچا ہے۔ اس واسطے بھگوان نے ہمیں بچا لیا۔''

کنڈلا نے پوچھا۔ ''کیا سچ مچ آپ کو پہلے سے پتہ چل گیا تھا کہ وہاں راج گورو، مہاراج یوگ راج کو لے کر آ رہا ہے؟''

ناگ پال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں...... میں کوئی رشی منی تو ہوں نہیں کہ مجھے ہونے والی بات کا پہلے سے پتہ چل جاتا۔ اتنا ضرور ہے کہ اس لمحے میری طبیعت اچانک گھبرا سی گئی تھی اور کوئی شے مجھے باہر کی طرف دھکیل رہی تھی اور میں چمپا کلی کو بھی چھوڑ کر وہاں سے نکل گیا۔'' پھر ناگ پال نے فکر مند ہو کر پوچھا۔ ''اب تمہاری رانی ٹھیک ہی ہیں ناں؟''

کنڈلا بولی۔ ''ابھی تک تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن راج گورو کو مہاراج کے سامنے بڑی ذلت اُٹھانی پڑی ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح رانی جی کو پھنسا کر اُن سے اپنی ذلت کا بدلہ لینے کی فکر میں ہے۔ میں یہی کہنے کے لئے آئی ہوں کہ اب تمہیں جذبات کو چھوڑ کر سمجھداری سے کام لینا ہو گا۔ میں نے رانی جی کو منع کر دیا ہے کہ وہ تمہیں حویلی میں نہ بلائیں اور تمہیں بھی چاہئے کہ ابھی شاہی محل کا رُخ نہ کرنا۔ راج گورو نے چاروں طرف اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ میں خود بھیس بدل کر، بڑا جتن کر کے یہاں آئی ہوں تاکہ راج گورو کے جاسوسوں کی نظروں سے بچ سکوں۔''

ناگ پال نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

''اُسی دن سے میرے من کو ایک بے چینی سی لگی ہے۔ میرا دل رانی سے ملنے کو اتنا بے چین پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں کوئی شے میرے اندر سے مجھے رانی کی حویلی میں جانے سے روکے ہوئے ہے۔ اب تمہاری زبانی سب کچھ سن کر معلوم ہوا کہ میرے اندر جو شے ہے وہ مجھے رانی چمپا کلی کی حویلی میں جانے سے کیوں روک رہی ہے۔ میری طرف سے تم کوئی چنتا نہ کرو۔ میں اپنے دل پر پتھر رکھ لوں گا اور ابھی شاہی محل نہیں جاؤں گا۔ تم رانی کو

اپنی طرف سے کہنا کہ وہ بھی کچھ وقت کے لئے صبر سے کام لے اور محبت میں بے چین ہو کر مجھ سے ملنے کے لئے نہ چل پڑے۔ جو محبت آدمی کی عزت کو بڑھانے کی بجائے گھٹا دے، اسے بدنام کر دے، آدمی کو ایسی محبت سے بچنا چاہئے۔''

کنڈلا، ناگ پال کی باتوں سے بڑی متاثر ہوئی۔ کہنے لگی۔

''تم نے جو کچھ کہا ہے میں اس کا ایک ایک لفظ واپس جا کر رانی جی کو سنا دوں گی۔ تم بھی کوئی چنتا نہ کرو۔ اگر رانی جی نے تمہارے پاس آنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تو میں انہیں آنے نہیں دوں گی۔''

ناگ پال کہنے لگا۔

''اسی میں ہم دونوں کی بھلائی اور ہماری نیک نامی ہے۔ آدمی کو جیون میں نیک نامی کمانی چاہئے، بدنامی نہیں۔ ویسے بھی میں کچھ دنوں کے لئے یہاں سے جا رہا ہوں۔ سات دن کے بعد واپس آؤں گا۔''

کنڈلا نے پوچھا۔ ''تم کہاں جا رہے ہو؟''

ناگ پال بولا۔ ''میں اپنے گورو دیو سکھ پال جی کے پاس جا رہا ہوں جو یہاں سے ایک دن ایک رات کی دُوری پر رہتے ہیں۔''

کنڈلا کو واپس جانے کی جلدی نہیں تھی۔ وہ ناگ پال سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے، کہاں رہتا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ وہ ایک شہر کے راجہ کی چہیتی رانی سے پریم کرتا تھا اور کنڈلا اس رانی کی خیر خواہ بھی تھی اور اُس کی سہیلی بھی تھی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ رانی اس نوجوان کی محبت میں اتنی آگے نکل چکی ہے وہ نوجوان کون ہے؟ اس کا خاندان کیسا ہے؟ کنڈلا جذباتی عورت نہیں تھی۔ وہ دنیا داروں کی طرح تھی اور لین دین اور تعلقات استوار کرنے میں اُسے دوسرے شخص کے سماجی رُتبے کا خاص خیال رہتا تھا۔ یہ سوچ کر اُس نے ناگ پال سے کہا۔

''ناگ پال جی! آپ نے مجھے اپنے بارے کبھی نہیں بتایا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ ناگ منی جی کے آشرم میں تو دُور دُور سے سپیرے ہی آ کر کچھ مدت ان کی خدمت کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔ کیا آپ بھی سپیرے ہیں؟''

ناگ پال بولا۔ ''کنڈلا! تم مجھے آپ کہہ کر اور کبھی تم کہہ کر بلاتی ہو۔ بہتر ہے کہ اب تم مجھے تم کہہ کر ہی مخاطب کیا کرو۔ یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔''

کنڈلا مسکرانے لگی۔ ناگ پال نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ یہ تو مجھے خود بھی پتہ نہیں ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میں اپنے گورو دیو سکھ پال جی کی کٹیا میں تھا۔ انہوں نے ہی مجھے پال پوس کر بڑا کیا۔''

کنڈلا نے پوچھا۔ ''لیکن آپ کو یہ تو پتہ ہوگا کہ آپ کے ماتا پتا کون تھے؟''

''نہیں.....'' ناگ پال نے جواب دیا۔ ''جب میں ذرا بڑا ہوا تو میرے گورو جی نے مجھے بتایا کہ وہ ہر منگل وار کی صبح کو ناگ ماتا کے مندر پوجا کرنے جایا کرتے تھے۔ ایک منگل وار کو وہ ناگ ماتا کی پوجا کے بعد ناگ ماتا کے مندر سے نکل رہے تھے کہ اُنہیں کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز کی طرف بڑھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ مندر کی سیڑھیوں کے پاس جھاڑیوں میں ایک دودھ پیتا بچہ پڑا رو رہا ہے اور ایک سانپ کنڈل مارے اس کے پاس بیٹھا ہے۔ سکھ پال جی کہتے ہیں کہ میں اس بچے کو اُٹھانے کے لئے بڑھا تو سانپ وہاں سے چلا گیا۔ وہ اس بچے کو اُٹھا کر اپنی کٹیا میں لے آئے۔ اور وہ بچہ میں تھا۔ میرے گورو دیو نے ہی مجھے پال پوس کر بڑا کیا۔ نہ اُنہیں پتہ چل سکا کہ میرے ماں باپ کون تھے اور نہ مجھے ہی پتہ ہے کہ میرے ماتا پتا کون تھے؟ میرے گورو دیو ناگ ماتا کے پجاری ہیں جو سپیروں کی دیوی جی ہیں۔ میرے گورو دیو خود سپیرے نہیں ہیں لیکن وہ سانپوں سے پیار کرتے ہیں۔ ہر منگل وار کو جب وہ ناگ ماتا کے مندر میں جاتے ہیں تو وہاں رہنے والے سارے سانپوں کو اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتے ہیں۔ کچھ سانپ تو دودھ پینے ان کی کٹیا میں بھی آ جاتے ہیں۔ میں سانپوں کا تماشہ دکھانے والا سپیرا نہیں ہوں۔ گورو جی نے مجھے سانپوں کا علم بھی سکھایا ہے اور سانپوں سے پیار کرنا بھی سکھایا ہے۔ جب میں ناگ ماتا کے مندر میں جاتا ہوں تو مندر کے سانپ دُور ہی سے میری بو سونگھ کر دوڑے دوڑے میرے پاس آ جاتے ہیں اور میری ٹانگوں سے لپٹنے لگتے ہیں۔ یاد رکھو! پریم، محبت، پیار میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ پیار سچا ہو تو انسان کا اس دنیا میں بھی بھلا ہوتا ہے اور اگلے جہان میں بھی بھلا ہوتا ہے۔''

ناگ پال کی باتیں سن کر کنڈلا کو احساس ہوا کہ رانی چمپاوتی، ناگ پال سے اتنا پیار کیوں کرنے لگی ہے۔ اس کی نگاہوں میں ناگ پال کی عزت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس کے بعد کنڈلا نے ناگ پال سے اجازت لی اور وہاں سے واپس چل پڑی۔

جب وہ درختوں کے اس جھنڈ میں پہنچی جہاں دیہاتی لڑکی مرگنی نے اُسے انتظار کرنے کے لئے کہا تھا تو وہاں مرگنی نہیں تھی۔ کنڈلا وہیں درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں مرگنی بھی آ گئی۔ کنڈلا نے کہا۔

''اب مجھے محل میں واپس جانا ہے۔''

مرگنی بولی۔ ''کنڈلا جی! آپ کو سورج غروب ہونے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے آدمی سارے چھکڑے لے کر دوسرے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ شام ہونے سے پہلے وہ آ جائیں گے۔ پھر جب ہم تازہ دُودھ اور ترکاری لے کر شاہی محل کو جائیں گے تو آپ کو میں اپنے چھکڑے میں چھپا دُوں گی۔''

نڈلا سورج غروب ہونے تک وہیں رہی۔ جب شام ہوگئی تو کھانے پینے کی چیزیں ے محل میں جانے کے لئے چھکڑے تیار ہونے لگے۔ مرگنی کسی بہانے اپنا چھکڑا کنڈلا کے پاس درختوں کے جھنڈ میں لے آئی۔ چھکڑے میں ایک طرف بہت سے خالی ٹوکرے نو یاں رکھی ہوئی تھیں۔ کنڈلا ان میں چھپ کر بیٹھ گئی اور سارے چھکڑے محل کی طرف چل ے۔ واپسی پر بھی جب کنڈلا کا چھکڑا شہر کے دروازے میں سے گزرا تو کسی پہرے دار کی نڈلا پر نظر نہ پڑی۔

مرگنی، کنڈلا کو شاہی محل کے باغ میں رانی چمپاکلی کی حویلی کے باہر اُتار کر چلی گئی۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور محل میں جھاڑ فانوس اور مشعلیں روشن ہوگئی تھیں۔ رانی چمپاکلی شاہی محل سے اپنی حویلی میں واپس آ گئی ہوئی تھی۔ اُس نے کنڈلا کو دیہاتی عورتوں والے لباس میں دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

''یہ تم نے کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں؟''

کنڈلا نے کہا۔

''پہلے میں اشنان کر کے کپڑے بدل لوں، پھر آپ کو ساری بات بتا دُوں گی۔''

اشنان کرنے کے بعد کنڈلا نے اپنے معمول کا لباس پہنا اور سیدھی چمپاکلی کے کمرے میں گئی۔ چمپاکلی بڑی بے چینی سے اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ جب کنڈلا اُس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تو چمپاکلی نے پوچھا۔ ''اب بتاؤ! یہ کیا قصہ ہے؟ تمہیں گاؤں کی عورتوں کا حلیہ بنانے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟''

جب کنڈلا نے اُسے بتایا کہ وہ ناگ پال سے ملنے گئی تھی اور گاؤں کی عورتوں جیسا حلیہ اس نے راج گورو مارا کے جاسوسوں کی نظروں سے بچنے کے لئے بنایا تھا تو چمپاکلی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔ اُس نے بڑے تعجب کے ساتھ کہا۔

''تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ تم ناگ پال سے ملنے جا رہی ہو۔ مجھے تم وہاں جانے سے منع کرتی تھیں اور خود اُس سے ملنے چلی گئیں؟''

کنڈلا نے کہا۔ ''آپ شاہی محل میں تھیں۔ آپ کو کیسے بتاتی؟ اور ناگ پال سے میرا ملنا ضروری تھا۔''

اس کے بعد کنڈلا نے ناگ پال سے ملاقات کی وجہ اور ملاقات کے دوران ناگ پال سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ چمپاکلی کو بیان کر دیں۔ چمپاکلی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُس نے کہا۔

''کاش! میں بھی بھیس بدل کر تمہارے ساتھ جاتی۔ ناگ پال کے درشن تو ہو جاتے۔ اب وہ اپنے گاؤں چلا جائے گا۔ سات دن کے بعد آئے گا۔ اچھا سنو کنڈلا.....'' چمپاکلی نے

کنڈلا کے قریب ہو کر بڑی راز داری کے ساتھ کہا۔

''تمہاری طرح بھیس بدل کر میں بھی تو ناگ پال سے ملنے جا سکتی ہوں۔ پھر تو مجھے بھی راج گورو مارا کے جاسوس نہیں دیکھ سکیں گے۔''

تب کنڈلا کو احساس ہوا کہ اُس نے اپنے بھیس بدل کر ناگ پال سے ملنے جانے کا واقعہ سنا کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ مگر وہ یہ غلطی کر بیٹھی تھی۔ اس کے باوجود کنڈلا کو یہ ہرگز گوارہ نہیں تھا کہ رانی چمپا کلی بھیس بدل کر ناگ پال کے پاس جانے کی کوشش کرے۔ یہ موت کے منہ میں سر دینے کے برابر بات تھی۔ اُس نے فوراً کہا۔

''میں تو ایک خادمہ ہوں، معمولی کنیز ہوں۔ مگر آپ اس ملک کی رانی ہیں۔ آپ کسی بھیس میں، کسی حلیے میں بھی ہوں گی، راج گورو کے شاہی جاسوس آپ کو فوراً پہچان لیں گے۔ میں آپ کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہیں جانے دُوں گی۔''

لیکن رانی چمپا کلی دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ دیہاتی عورتوں کا بھیس بدل کر کنڈلا کی طرح ناگ پال سے ملنے ضرور جائے گی۔ مگر اُس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے کنڈلا سے ہنس کر کہا۔

''میں تو مذاق میں ایسا کہہ رہی تھی۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے نہیں معلوم کہ شاہی جاسوس مجھے ہر بھیس میں پہچان لیں گے۔''

کنڈلا مطمئن ہو گئی۔ اُس نے کہا۔

''رانی جی! میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ جب ناگ پال گاؤں میں ایک ہفتہ گزار کر واپس آشرم آئے گا تو میں آپ دونوں کی کسی جگہ ملاقات کا ضرور بندوبست کر دُوں گی۔''

چمپا کلی جانتی تھی کہ کنڈلا محض اُسے ناگ پال کے پاس جانے سے روکنے کی خاطر ایسا وعدہ کر رہی ہے۔ اس کے وعدے میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ اُسے اب کنڈلا کے کسی وعدے سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا۔ انجان پنے میں کنڈلا نے ناگ پال سے ملنے کا ایک طریقہ بتا دیا تھا، چمپا کلی کو کنڈلا ہی کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ پال ایک ہفتے کے لئے اپنے گاؤں جا رہا ہے چنانچہ اُس نے ناگ پال سے دس دن بعد ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

○

کنڈلا جس روز ناگ پال سے مل کر آئی تھی اس کے دو دن بعد ناگ پال اپنے گورو جی سے ملاقات کرنے گاؤں چلا گیا۔ وہ اپنے گورو دیو سکھ پال کی ہدایت پر ہی ناگ مُنی کے آشرم میں آیا تھا۔ اس زمانے کے ناگ دیوتا کے بڑے بڑے پجاریوں اور دھوانوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے نوجوان چیلوں اور نوجوان پجاریوں کو چھ ماہ کے لئے ناگ مُنی کے آشرم میں اُن کی خدمت کے واسطے ضرور بھیجا کرتے تھے۔ گورو دیو سکھ پال نے بھی اسی دستور کی پیروی

میں ناگ پال کو چھ ماہ کے لئے ناگ مُنی کے آشرم میں بھیج رکھا تھا۔ ناگ پال کو ناگ مُنی کے آشرم میں آئے ہوئے تین ماہ گزر چکے تھے۔ تین ماہ گزر جانے کے بعد نوجوان پجاریوں کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ چار چھ روز کے لئے اپنے اپنے گاؤں جا سکتے تھے۔ چنانچہ اسی رعایت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناگ پال بھی اپنے مجازی پِتا گورو سکھ پال جی سے ملنے چل دیا۔

ایک قافلے کے ساتھ ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد ناگ پال اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کے باہر ایک خشک پہاڑی ٹیلے کے دامن میں ناگ ماتا کا مندر تھا۔ سکھ پال اسی مندر کا ایک بزرگ پجاری تھا اور ناگ ماتا کے مندر کے پاس ہی ایک تالاب کے کنارے اپنی کٹیا میں رہتا تھا۔ ناگ پال کو دیکھ کر سکھ پال بڑا خوش ہوا۔ ناگ پال نے جاتے ہی اپنے گورو دیو سکھ پال جی کے پاؤں کو بوسہ دیا اور ہاتھ جوڑ کر سر جھکائے کھڑا ہو گیا۔

گورو سکھ پال نے ناگ پال کو ہاتھ اُٹھا کر آشیر باد دی اور کہا۔ ''میں جانتا تھا ناگ مُنی جی کی تین ماہ سیوا کرنے کے بعد تم اپنے گاؤں ضرور آؤ گے۔ تمہیں اپنے قریب دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ کہو! تمہاری سیوا کی تپسیا کیسی جا رہی ہے؟''

ناگ پال بولا۔ ''گورو جی! آپ کی دیا سے سب ٹھیک ہے۔ میں صبح شام ناگ مُنی جی کے آشرم میں رہنے والے یاتریوں کی خدمت میں لگا رہتا ہوں۔''

''شاباش!'' گورو سکھ پال نے کہا۔ ''یاتریوں کی خدمت ہی ناگ مُنی جی کی سیوا ہے۔ تم لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔ تھکے ہوئے ہو۔ اپنی کٹیا میں جا کر آرام کرو۔ شام کو ناگ ماتا کے درشنوں کو جائیں گے۔ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔''

ناگ پال نے سر جھکا کر پرنام کیا اور اپنی کٹیا کی طرف چل دیا جو تالاب کے کنارے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ اُس کی کٹیا میں ہرن کی کھال کا بچھونا اسی طرح بچھا ہوا تھا جس طرح وہ اسے تین ماہ پہلے چھوڑ گیا تھا۔ ناگ پال بچھونے پر لیٹ گیا۔ تھکا ہوا تھا، لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی۔

جب بیدار ہوا تو دن ڈھل رہا تھا۔ اُس نے تالاب پر اشنان کیا، دوسرے کپڑے پہنے اور اپنے گورو دیو کے درشن کرنے اُن کی کٹیا کی طرف آ گیا۔ گورو دیو اپنی کٹیا کے باہر چوکی پر منکا مالا کا جاپ کر رہے تھے۔ ناگ پال نے جھک کر اُن کے پاؤں چھوئے اور خاموشی سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد گورو دیو سکھ پال نے آنکھیں کھول کر ناگ پال کو دیکھا اور بولے۔

''تمہیں بھی بھوک لگ رہی ہو گی۔ چلو! رسوئی میں جا کر تھوڑی پیٹ پوجا کرتے ہیں۔''

رسوئی قریب ہی ایک کٹیا میں تھی جہاں گورو جی کا ایک سیوک کھانا تیار کر رہا تھا۔ وہ

دونوں کٹیا کے باہر بیٹھ گئے۔ سیوک نے جلدی سے آ کر اُن کے ہاتھ دُھلائے اور کیلے کے پتے بچھا کر ان پر کھانا چن دیا۔ کھانا کیا تھا، اُبلے ہوئے چاول تھے اور دال تھی۔ گورو دیو اور ناگ پال خاموشی کے ساتھ کھانا کھانے لگے۔ ناگ پال کو گورو دیو نے یہ سکھشا بھی دی تھی کہ کھانا کھاتے وقت بات چیت نہیں کرنی چاہئے۔ کھانا کھانے کے بعد سیوک نے اُن کے ہاتھ دُھلائے، دو دو الائچیاں اور کوزہ مصری کی ایک ایک ڈلی دی جو انہوں نے اپنے منہ میں رکھ لی۔ گورو جی بولے۔

''چلو ناگ پال! ناگ ماتا کے درشن کرنے چلتے ہیں۔''

ناگ ماتا کا مندر زیادہ دُور نہیں تھا۔ تالاب سے تھوڑی ہی دُور ٹیلے کے دامن میں تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ ناگ ماتا کے مندر میں تیل کے چراغ روشن ہو گئے تھے۔ دروازے کے باہر مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ گورو دیو آگے آگے تھے، ناگ پال بڑے ادب سے ہاتھ باندھے اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ مندر میں اگر اور لوبان سلگ رہے تھے جن کی خوشبوئیں مندر کے باہر تک آ رہی تھیں۔ مندر میں ناگ ماتا کی مورتی کے آگے پجاری بھجن کیرتن کر رہے تھے۔ گورو دیو نے آگے بڑھ کر مورتی کو بوسہ دیا اور اُس کے پاؤں میں پھولوں کا ہار ارپن کیا۔ ان کے بعد ناگ پال نے بھی آگے بڑھ کر ناگ ماتا کے چرنوں کو بوسہ دیا اور پھولوں کا ہار چرنوں میں رکھا اور ہاتھ باندھ کر ایک طرف ہو گیا۔

دونوں گورو اور چیلا بھجن کیرتن والوں کی منڈلی میں سر جھکائے بیٹھے بھجن کیرتن سنتے رہے۔ اور اس کے بعد اُٹھ کر مندر کی دوسری طرف آ گئے جہاں ناگ ماتا کے سانپوں کو پجاری دُودھ پلاتے تھے۔ سکھ پال جی اور ناگ پال کی بو پا کر سانپ دُور سے رینگتے ہوئے تیزی سے اُن کی طرف آئے اور قریب آ کر اُن کے پاؤں سے لپٹنے لگے۔ گورو سکھ پال اور ناگ پال نے ایک ایک سانپ کو اُٹھا کر اُنہیں پیار کیا، پھر مٹی کی رکابیوں میں دودھ ڈال کر ان کے آگے رکھ دیا اور خود قریب ہی بیٹھ گئے۔ سانپ دودھ پینے لگے۔ جب سارے سانپوں نے جی بھر کر دودھ پی لیا تو وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے رینگتے ہوئے گورو دیو اور ناگ پال کے قریب آ کر اُن کے پاؤں چھو کر واپس چلے گئے۔

گورو دیو نے مسکرا کر ناگ پال کو دیکھا اور بولے۔

''سچے پیار کا اثر چرند پرند اور جانوروں پر بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا انسانوں پر ہوتا ہے۔ انسان کا پریم تو پھر بھی دھوکہ دے جاتا ہے مگر جانوروں کا پیار کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ چلو اب واپس چلتے ہیں۔''

گورو دیو اُٹھ کر مندر کی سیڑھیوں کی طرف چلنے لگے۔ ناگ پال اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔ مندر کی سیڑھیاں اُتر کر جب گورو دیو ایک طرف کو مڑنے لگے تو وہ ایک درخت کو دیکھ کر رُک

ئے۔ ناگ پال بھی رُک گیا۔ گورو دیو نے ناگ پال کو ایک درخت دکھاتے ہوئے کہا۔

''یہ وہ درخت ہے ناگ پال! جہاں میں نے پہلی بار تمہیں ایک دودھ پیتے بچے کے ...پ میں دیکھا تھا۔ تب یہ درخت ایک جھاڑی جتنا چھوٹا تھا۔ اب تمہاری طرح یہ بھی جوان ...لیا ہے۔ تم رو رہے تھے اور ایک سانپ پاس ہی کنڈلی مارے بیٹھا تمہاری حفاظت کر رہا تھا۔ ...ب میں نے تمہیں اپنی گود میں اُٹھایا تھا تو سانپ خاموشی سے ایک طرف کو چل دیا تھا۔''

ناگ پال بولا۔ ''ہاں گرو دیو جی! مجھے یاد ہے۔ میں جب ذرا بڑا ہوا تھا تو آپ نے مجھے ...ب کچھ بتا دیا تھا۔''

گورو دیو بولے۔ ''آؤ! اس جگہ کو پرنام کرتے ہیں۔''

گورو دیو اور ناگ پال درخت کے نیچے آ گئے۔ اُنہوں نے باری باری جھک کر درخت کی ...ظیم کی، پھر گورو دیو بولے۔ ''یہاں کچھ دیر بیٹھ جاتے ہیں۔''

...ورو دیو درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ناگ پال بھی اُن کے سامنے بڑے ادب سے بیٹھ گیا ...طرح کہ اُس زمانے میں چیلے اپنے گورو کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ گورو دیو نے اپنی ...فقت بھری نظریں اُٹھا کر ناگ پال کو دیکھا اور بولے۔

''ناگ پال! دنیا کی ہر شے جس کو ہم دیکھتے ہیں، جس کو ہم چھوتے ہیں اس کی ایک ...وح، ایک آتما بھی ہوتی ہے۔ وہ شے اس رُوح، اس آتما کا جسم ہوتا ہے، جس طرح کہ ...ماری ایک آتما ہے اور ہم اس آتما کا جسم ہیں۔ جسم پیدا ہوتا ہے، جنم لیتا ہے، بڑا ہوتا ہے، ...وان ہوتا ہے، جوانی کے عروج پر پہنچتا ہے، پھر بوڑھا ہو جاتا ہے اور پھر مٹ جاتا ہے۔ مگر آتما نہ جوان ہوتی ہے نہ بوڑھی ہوتی ہے اور نہ مرتی ہے۔ آتما ہمیشہ زندہ رہتی ہے اور ان ...ب سے اعلیٰ اور ارفع اور پرماتما کے پاس جانے کے واسطے جدوجہد کرتی رہتی ہے جس سے ...وہ بچھڑ کر مایا جال میں اُلجھ گئی تھی۔ انسانی جسم میں آتما اپنے پورے رُوپ میں ظاہر ہوئی ہے اور انسان ہی کے رُوپ میں آتما کو ترقی کی منزلیں طے کرنے کا بہترین موقع ملتا ہے۔ جانتے ...و انسان کی آتما کیسے ترقی کرتی ہے؟ جب انسان نیک عمل کرتا ہے، اپنے کردار کو بلند رکھتا ...ہے، اپنی آتما کو ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچا کر رکھتا ہے تو اُس کی آتما بلند سے ...باند منزلوں پر پہنچتی چلی جاتی ہے۔ لیکن جب انسان گناہ کرنے لگتا ہے، دوسروں سے نفرت ...رنے لگتا ہے، دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانے کی ترکیبیں سوچنے لگتا ہے، اپنے خیالوں کو ...ی خواہشات سے آلودہ کر لیتا ہے تو آتما کی ترقی رُک جاتی ہے۔ آتما اپنے اُونچے مقام ...ے جسم کے ساتھ ہی نیچے گرنے لگتی ہے اور بھگوان سے فریاد کرتی ہے کہ اے بھگوان! تو نے ...مجھے کس گناہگار انسان کے جسم میں قید کر دیا ہے۔ مجھ پر دیا کر اور مجھے اس گناہگار کے جسم کی ...ید سے آزاد کر دے۔ ناگ پال! یاد رکھو، جس گناہ گار انسان کو اس کی آتما بھی بد دعائیں

دینے لگے تو پھر اس انسان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ قدرت نے تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کو یہ فوقیت اور یہ اعزاز عطا کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے ارادے کی قوت سے کام لے کر گرتے گرتے بھی اپنے آپ کو سنبھال سکتا ہے اور گناہوں کی دلدل سے نکل کر واپس نیکی کے راستے پر آ سکتا ہے۔''

ناگ پال ادب سے گورو دیو کے سامنے بیٹھا بڑی توجہ سے اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ اُس کے گورو نے کہا۔

''سنسار میں انسان کے رُوپ میں آنے کے بعد ہر انسان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے دامن کو گناہوں سے پاک رکھ کر اپنی آتما کے ساتھ خود بھی انسانیت کی بہتر سے بہتر منزلیں طے کرتا چلا جائے۔ انسان دنیا کی مادی اشیاء سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن مادی چیزوں سے محبت کرتے ہوئے اپنی نگاہ محبت کی پاکیزہ روشنی پر رکھنی چاہئے، مادی شے کے فنا ہو جانے والے جسم پر نہیں۔ مادی شے تو ایک دن مٹ جائے گی کیونکہ اسے ایک نہ ایک دن مٹنا ہی ہے۔ لیکن محبت کی روشنی کبھی نہیں بجھتی۔ اس لئے کہ یہ آتما کی روشنی ہے اور آتما ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ان دنوں سنسار کی ایک مادی شے سے بہت محبت کرنے لگے ہو۔ محبت ضرور کرو، لیکن اپنی نگاہیں محبت کی حقیقی روشنی پر لگائے رکھو، اس مادی جسم پر نہیں جس کو ایک روز مٹ جانا ہے۔ اگر اپنی نگاہ آتما کی روشنی پر لگائے رکھو گے تو تمہاری محبت مادی شے کے ختم ہو جانے کے بعد بھی زندہ رہے گی اور ترقی کی منزلیں طے کرتی رہے گی۔ اگر اپنی نگاہ کا دائرہ صرف مادی شے تک ہی محدود رکھو گے تو اس مادی شے کے مٹ جانے کے ساتھ ہی تمہاری محبت بھی مر جائے گی اور یہ تمہاری آتما کا، تمہارے جسم کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔ ناگ پال! تم میری باتوں کو سمجھ رہے ہو ناں؟''

گورو دیو سکھ پال کی باتیں ناگ پال کے دل میں اُترتی جا رہی تھیں۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''گورو مہاراج! آپ کی باتیں میرے دل میں اُتر رہی ہیں۔ آپ میرے گورو دیو بھی ہیں اور میرے پتا سمان بھی ہیں۔ میں آپ کی بتائی ہوئی ایک ایک بات پر عمل کروں گا۔''

گورو سکھ پال نے اُٹھ کر ناگ پال کو گلے لگا لیا اور کہا۔

''میں جانتا ہوں تم ایسا ہی کرو گے۔ میں نے تمہیں یہی سکھشا دی ہے اور میری سکھشا ضائع نہیں جائے گی۔ بس مجھے تمہیں یہی کچھ کہنا تھا۔ آؤ! اب چلیں۔''

ناگ پال کو اس پر تعجب نہیں ہوا تھا کہ اُس کے گورو کو علم ہو گیا تھا کہ وہ کسی عورت سے محبت کرنے لگا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اُس کے گورو دیو کی نگاہوں میں اتنی شکتی ہے کہ وہ دوسرے کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دل کا حال معلوم کر لیتے ہیں۔ اپنی کٹیا کی طرف جاتے ہوئے گورو سکھ پال نے ناگ پال سے کہا۔

''ایک طاقت، ایک شکتی ہے جو تمہاری رکھوالی کر رہی ہے۔ جانتے ہو وہ کیا ہے؟ سنو! وہ ن آسمانی دیوتا کی شکتی نہیں ہے، وہ طاقت اور وہ شکتی تمہاری نیکی کی شکتی اور طاقت ہے۔ ب ی انسان کے اندر اس کی نیکی کی شکتی بیدار ہو جاتی ہے، جب ایک انسان نیکی کے ا تے پر چل پڑتا ہے، جب وہ اپنے دل کی تمام برائیوں، تمام برے خیالوں کو نکال دیتا ہے تو ا نوں کی تمام طاقتیں اُس کی حفاظت کرنے لگتی ہیں۔''

ورو سکھ پال اتنا کہہ کر رُک گئے۔ انہوں نے ناگ پال کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس ی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔

''یہ تمہاری نیکی کی شکتی ہی تھی جس نے تمہیں اُس رات عین اُس وقت کسی کی حویلی سے ا نکال دیا تھا جب تم پر ایک بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی تھی۔''

ناگ پال کے دل پر اچانک ایک رقت سی طاری ہو گئی۔ اُس نے جھک کر گورو دیو سکھ پا ے قدم چھو لئے۔ گورو دیو نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا۔

''میرا اشیر باد ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔''

○

گاؤں میں اپنے گورو دیو کی سات دن تک سیوا کرنے کے بعد آٹھویں دن ناگ پال، ناگ منی جی کے آشرم کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف رانی چمپا کلی ایک ایک دن گن کر ار رہی تھی۔ جب اُس کے حساب سے ناگ پال کو گاؤں گئے سات آٹھ دن ہو گئے تو اُس ے کنڈلا کو بتائے بغیر ناگ پال سے ملنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ ناگا پورم کے راجہ ؤ راج کے لئے اب چمپا کلی کے بغیر ایک دن بھی گزارنا مشکل ہو گیا تھا لیکن چمپا کلی کا راجہ ے پاس وقت گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔ اُس کی یہ حالت تھی کہ اُس کا جسم راجہ کے پاس ہوتا تھا لیکن دل ناگ پال کی یاد میں دھڑک رہا ہوتا تھا۔ دوسری طرف راج گورو مارا بھی اپنے سینے س چمپا کلی سے اپنی ذلت کا بدلہ چکانے کی آگ بھڑکائے بیٹھا تھا۔ اُس نے اپنے دو خاص ہ سوں کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی جو چوبیس گھنٹے رانی چمپا کلی کی حویلی کے علاوہ محل سے باہر جانے ا ے خفیہ راستہ کی بھی نگرانی کرتے تھے۔

کنڈلا اپنے طور پر مطمئن ہو گئی تھی کہ اُس نے ناگ پال کو بھی یہی سمجھا دیا ہے کہ وہ رانی ی حویلی کا رُخ نہ کرے اور اس طرف نہ آئے۔ رانی چمپا کلی کو بھی اُس نے اتنا ڈرا دیا تھا کہ ا ے خیال میں اب وہ بھی ناگ پال سے ملنے کا خیال دل میں نہیں لا سکتی تھی۔ لیکن دلوں ہ حال کنڈلا نہیں جانتی تھی۔ دلوں کا حال تو سوائے خدا کے دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔ رانی ہ پا کلی اندر ہی اندر ناگ پال سے ملنے کو پر تول رہی تھی۔ پہلے اُس نے سوچا کہ وہ گاؤں کی ن مرتی کی مدد حاصل کرے۔ پھر یہ سوچ کر یہ خیال دل سے نکال دیا کہ کہیں وہ کنڈلا سے

اس کا ذکر نہ کر دے۔ گاؤں کی لڑکی ہے، یہ حماقت کر سکتی ہے۔ چنانچہ چمپا کلی نے کسی کی مدد لئے بغیر اور کسی کو بتائے بغیر خود ہی بھیس بدل کر محل سے نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ سوال یہ تھا کہ کون سا حلیہ بنا کر شاہی محل سے باہر نکلے کہ اگر کوئی اُسے دیکھ بھی لے تو اُسے پہچان نہ سکے۔ اُس نے بہت سوچا، بہت غور کیا۔ کئی ترکیبیں اُس کے دماغ میں آئیں لیکن کوئی ترکیب اُسے محفوظ محسوس نہ ہوئی۔ دل ناگ پال سے ملاقات کرنے کو بے چین ہوا جا رہا تھا۔ آخر چمپا کلی نے تنگ آ کر رات کی تاریکی میں محل سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ کتنا خطرناک ہو سکتا تھا اس بارے میں اُس نے بالکل نہیں سوچا تھا۔ اُسے اتنا سوچنے کی فرصت کہاں تھی؟ ناگ پال کی محبت میں وہ بالکل اندھی ہو رہی تھی۔

چنانچہ جس رات اُس نے ناگ پال سے ملنے ناگ مُنی کے آشرم جانے کا فیصلہ کیا تھا اس کی صبح ہی کو اُس نے راجہ سے کہا کہ آج رات وہ اپنی حویلی میں آرام کرنا چاہتی ہے۔ راجہ کو اب ہمیشہ رانی چمپا کلی کی خوشی منظور ہوتی تھی۔ اُس نے کوئی اعتراض نہ کیا اور چمپا کلی کو حویلی میں جا کر آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ دن بھر چمپا کلی اپنی خواب گاہ میں آرام کرتی رہی۔ کنڈلا کو بھی اُس نے یہی بتایا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رات کو تھوڑا سا کھانا کھانے کے بعد اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''میں ساری رات آرام کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے کوئی پریشان نہ کرے۔''

کنڈلا کو ایک لمحے کے لئے بھی شک نہ ہوا کہ رانی چمپا کلی آج رات ناگ پال سے ملاقات کرنے کی خطرناک مہم پر جانے والی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ناگا پورم شہر پر رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا دی تھی۔ اس سیاہ چادر پر شاہی محل کے جھاڑ فانوسوں اور زیتون کے چراغوں کی روشنیاں ستاروں کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔ چمپا کلی اپنی شاہی خواب گاہ کے بستر پر سنجاب وسمور پر لیٹی جاگ رہی تھی۔ اُسے آج رات چوری چھپے اپنے محبوب سے ملنے جانا تھا۔ اُس کا دل کسی موہوم سے خطرے کا احساس کر کے ڈوبنے بھی لگتا تھا اور ناگ پال سے ملنے کی خوشی میں سرشار بھی ہو جاتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ گزرتی رات کا ایک ایک لمحہ گن رہی تھی۔ جب شاہی محل کی فصیل پر آدھی رات کا گجر بجا تو چمپا کلی بستر سے اُتر آئی۔ اُس نے دوسرے کمرے میں جا کر اپنا ریشمی ملبوس اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور اُس زمانے کی ناگ دھاری جوگنوں والا سیاہ لباس پہن لیا۔ یہ لباس ایک بڑی سیاہ چادر ہوتی تھی جس کو ناگ دیوتا کی ناگ دھاری جوگن عورتیں دھوتی کی طرح باندھ کر اس کے چوڑے پلو کو اپنے اوپر والے جسم پر لپیٹ لیتی تھیں۔ چمپا کلی نے اس مقصد کے لئے کافی بڑی سیاہ چادر پہلے سے نکال کر رکھ لی تھی۔ اپنے جسم کو سیاہ چادر سے ڈھانپنے کے بعد اُس نے سر کے بالوں کو بھی سیاہ رومال سے ڈھانپ لیا۔ ہاتھ میں کانسی کا چھوٹا سا ڈول پکڑ لیا اور دبے پاؤں چلتی خواب گاہ میں

واپس آئی۔ خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے لگی ہوئی کنڈی کو ہاتھ لگا کر دیکھا، کنڈی لگی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ خواب گاہ کے ایک خفیہ دروازے کا تختہ ہٹا کر نیچے سیڑھیاں اُتر گئی۔

یہ ایک خاص خفیہ دروازہ تھا جس کا علم چمپا کلی کے علاوہ راجہ یوگ راج اور کنڈلا کو ہی تھا۔ سیڑھیاں اُتر کر وہ ایک تنگ سرنگ میں سے ہوتی ہوئی ایک جگہ سے باہر نکل آئی۔ وہ شاہی محل کی چار دیواری سے باہر آ گئی تھی مگر ابھی شہر کی چار دیواری کے اندر ہی تھی۔ رات کے اندھیرے میں چمپا کلی فصیل کی دیوار کے ساتھ لگ کر چاروں طرف دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ جب وہ ان جھاڑیوں کے پاس پہنچی جن کے نیچے سے ایک سرنگ شہر کی فصیل کے باہر نکلتی تھی تو جھاڑیوں کے پاس بیٹھ گئی۔ گردن موڑ کر اُس نے شاہی محل کی طرف دیکھا۔ شاہی محل کی برجیوں اور چھتوں کی منڈیروں پر زیتون کے دیئے ٹمٹما رہے تھے۔ آس پاس کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جب اُسے ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو جھاڑیوں کے اندر سے ہو کر خفیہ سرنگ میں داخل ہو گئی۔ سرنگ میں سے گزر کر جب فصیل کے باہر سرنگ کے دہانے کو ڈھانپنے والی اُونچی جھاڑیوں میں آئی تو ٹھٹک کر رُک گئی۔ گردن جھاڑیوں سے باہر نکال کر اُس نے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ آسمان پر چاند کہیں نہیں تھا۔ ستارے نکلے ہوئے تھے۔ اندھیری رات میں ستاروں کی بے معلوم سی دُھندلی روشنی کا غبار سا پھیلا ہوا تھا۔ چمپا کلی کچھ دیر وہیں رُک کر اردگرد کی فضا کا جائزہ لیتی رہی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ خفیہ سرنگ کے باہر کوئی آدمی نہیں ہے تو وہ جھاڑیوں میں سے باہر آ گئی اور کانسی کا چھوٹا ڈول ہاتھ میں لئے وہ تیز تیز قدموں سے ایک طرف چل پڑی۔

اُس کا رُخ شہر کی شمال مغرب کی سمت تھا۔ ناگ مُنی کا ٹیلا اسی جانب واقع تھا۔ شہر کی فصیل سے پندرہ بیس منٹ کے پیدل راستے پر شاہی محل کے ملازموں اور خاصہ برداروں کا ایک بڑا اصطبل تھا جہاں ان لوگوں کے اُونٹ، بیل اور مال مویشی رات کو آرام کرتے تھے۔ چمپا کلی نے اس باڑے میں آ کر خاموشی سے ایک بیل کو کھولا، اُس کی گردن پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا تاکہ وہ اجنبی کو دیکھ کر بدک نہ جائے۔ وہ بیل کی باگ تھام کر اُسے باڑے سے باہر لے آئی اور پھر اس پر سوار ہو کر اُسے ناگ مُنی جی کے ٹیلے کی طرف جانے والی کچی سڑک پر ڈال دیا۔

جیسے ہی چمپا کلی، بیل پر سوار ہوئی اور اُسے ایڑ لگا کر دوڑانے لگی، عین اُسی وقت ایک سایہ اصطبل کی عقبی دیوار کی اوٹ سے باہر نکلا۔ یہ ایک پراسرار مرد تھا جس نے جوگیوں والا سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے اصطبل میں سے ایک بیل کو باہر نکالا، اُس پر بیٹھا اور اُسے ڈُلکی چال چلاتا چمپا کلی جس طرف گئی تھی، اُسی طرف چل پڑا۔

یہ پراسرار مرد راج گورو مارا کا خاص الخاص جاسوس کاجو تھا جو رات کے وقت سرنگ کے

خفیہ دروازے کی نگرانی پر مامور تھا۔ اُس نے ایک سیاہ پوش عورت کو خفیہ سرنگ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جاسوس کاجو رات کو نگرانی کرتے وقت جوگیوں والے لباس میں ہوتا تھا تاکہ اس پر کسی کو شک نہ پڑے ناگ دیوتا کے سیاہ پوش جوگی راتوں کو بھی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف آتے جاتے رہتے تھے۔ چمپا کلی جب خفیہ دروازے سے نکل کر محل کے شاہی ملازموں کے باڑے کی طرف چلی تھی تو کاجو بھی کچھ فاصلہ ڈال کر اُس کے تعاقب میں چل پڑا تھا۔ اُس نے ابھی تک چمپا کلی کو بالکل نہیں پہچانا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ رانی چمپا کلی کی خاص سہیلی اور خادمہ کنڈلا ہے۔ راج گورو مارا نے اپنے خاص راز دار جاسوس کاجو کو تمام حالات سے آگاہ کر رکھا تھا۔ کاجو یہی سمجھا کہ رانی چمپا کلی کی خادمہ کنڈلا، چمپا کلی کا کوئی پیغام لے کر اُس اجنبی نوجوان کے پاس جا رہی ہے جو بقول راج گورو مارا کے راتوں کو چھپ کر رانی چمپا کلی کی حویلی میں اُس سے ملنے آتا تھا۔ راج گورو مارا کی طرف سے جاسوس کاجو کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حالت میں اس اجنبی نوجوان کا سراغ لگائے اور معلوم کرے کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ اس سراغ رسانی کی کامیابی پر جاسوس کاجو کو راج گورو کی طرف سے بہت انعام واکرام ملنے کی توقع تھی۔ چنانچہ وہ سیاہ پوش عورت کو رات کے اندھیرے میں اپنی نگاہ میں رکھے اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اگرچہ رات تاریک تھی مگر ستارے چمک رہے تھے اور اُن کی ہلکی ہلکی روشنی میں جاسوس کاجو کو سیاہ پوش عورت جس کو وہ رانی کی خادمہ کنڈلا سمجھے ہوئے تھا اُسے بیل پر سوار دُور سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

شہر کی فصیل سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر چمپا کلی نے بیل کو ایڑ لگائی اور بیل کی رفتار تیز ہو گئی۔ جاسوس کاجو نے بھی اپنے بیل کو ایڑ لگائی اور اُس کی رفتار تیز کر دی۔ چمپا کلی اور جاسوس کاجو کے درمیان اتنا فاصلہ ضرور تھا کہ اگر چمپا کلی گردن موڑ کر پیچھے دیکھے تو اُسے اندھیرے میں اپنے پیچھے کوئی تعاقب کرتا دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ علاقہ ویران تھا اور کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور اُونچی اُونچی جنگلی جھاڑیاں تھیں جو کسی کسی وقت چمپا کلی کو جاسوس کاجو کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتی تھیں۔ لیکن جاسوس کاجو بڑا تجربہ کار جاسوس تھا۔ وہ چمپا کلی کو اپنی نگاہوں میں رکھے ہوئے تھا۔ جب وہ کسی ٹیلے کی اوٹ میں ہو جاتی تو جاسوس اپنے بیل کی رفتار بڑھا دیتا اور ٹیلے کی دوسری جانب سے ہو کر نکل آتا اور اپنے ہدف کا پیچھا شروع کر دیتا۔

اُسے رانی چمپا کلی کا پیچھا کرتے، جس کو وہ ابھی تک خادمہ کنڈلا سمجھ رہا تھا کافی وقت گزر گیا تھا۔ اب ایسا علاقہ شروع ہو گیا تھا جہاں کہیں کہیں کھیت آ جاتے تھے اور کہیں پھر سے ریتلا اور ویران علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ پھر دُور سے ایک ٹیلے کے دامن میں کچھ روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ جاسوس کاجو اس سارے علاقے سے واقف تھا۔ اُس نے پہچان لیا کہ یہ ناگ مُنی کے آشرم کی روشنیاں ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ چمپا کلی کی خادمہ کنڈلا

ناگ مُنی کے آشرم کی طرف جا رہی تھی۔ جاسوس کاجو نے اپنا تعاقب جاری رکھا۔ چمپا کلی نے بھی دُور سے ناگ مُنی کے آشرم کی ٹمٹماتی روشنیاں دیکھ لی تھیں۔ ان روشنیوں کو دیکھ کر چمپا کلی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ اُسے صرف ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناگ پال ابھی گاؤں سے واپس نہ آیا ہو۔ یہ سوچ کر اُس کا دل بیٹھ سا جاتا تھا۔ لیکن اُس کا دل اُسے یقین دلا رہا تھا کہ اس کا محبوب ناگ پال اپنی کٹیا میں ضرور موجود ہو گا۔ اُس نے سوچا ناگ پال اچانک اُسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران بھی ہو گا اور بے حد خوش بھی ہو گا۔ چمپا کلی، بیل کو اور تیز دوڑانے لگی۔

سیاہ پوش عورت کے بیل کو تیز دوڑتے دیکھ کر جاسوس کاجو بھی اپنے بیل کو اور تیز دوڑانے لگا۔ ناگ مُنی کے آشرم کی ٹمٹماتی روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں۔ چمپا کلی پہلی بار ناگ پال سے ملنے جا رہی تھی۔ اُس نے کنڈلا سے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا تھا کہ ناگ پال کی کٹیا آشرم کے کونے میں کس جگہ پر واقع ہے۔ جب ناگ مُنی کا ٹیلا اور قریب آ گیا تو اُس کے دامن میں آشرم کے جھونپڑوں کے باہر جلنے والے چراغوں کی ٹمٹماتی روشنیاں دُور دُور ہو گئیں۔ چمپا کلی نے اپنے بیل کو آشرم کے مشرق کی طرف والے جھونپڑوں کے رُخ پر ڈال دیا۔ ناگ پال کی کٹیا اسی جگہ ایک درخت کے پاس تھی۔ کنڈلا کی زبانی اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ پال کی کٹیا کے باہر ایک بانس کے ساتھ مٹی کا ایک چراغ لٹکتا رہتا ہے جو رات کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ چمپا کلی اب بیل سے اُتر پڑی۔ اُس نے بیل کی باگ تھام لی اور قدم قدم چلتی آشرم کی جھونپڑیوں کا جائزہ لینے لگی۔ آشرم میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ناگ مُنی کے عقیدت مند سپیرے جو دُور دُور سے ناگ مُنی کے درشن کرنے اور ان کی خدمت کرنے آئے ہوئے تھے گہری نیند سو رہے تھے کیونکہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ایک کٹیا چمپا کلی کو سب سے الگ نظر آئی۔ اُس کے باہر ایک بانس پر زیتون کا چراغ لٹک رہا تھا۔ یہی ناگ پال کی کٹیا کی نشانی تھی۔

چمپا کلی کا دل دھڑکنے لگا۔ اُس نے بیل کو درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ناگ پال کے جھونپڑے کی طرف بڑھی۔ جھونپڑے کا بانس کی شاخوں کا دروازہ بند تھا۔ وہ دروازے کے پاس آ کر رُک گئی۔ جاسوس کاجو بھی چمپا کلی کا تعاقب کرتا اُس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اُس نے بھی اپنا بیل پیچھے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا تھا اور دبے پاؤں چمپا کلی کا تعاقب کر رہا تھا۔ جب چمپا کلی، ناگ پال کی جھونپڑی کے دروازے پر رُک گئی تو جاسوس کاجو قریبی درخت کی اوٹ میں ہو گیا اور بڑے غور سے سیاہ پوش کی طرف دیکھنے لگا۔ چمپا کلی جس جگہ کھڑی تھی، بانس پر لٹکتا روشن چراغ اُس کے پیچھے دو قدموں کے فاصلے پر تھا۔ چمپا کلی جھونپڑی کے باہر کھڑی سوچ رہی تھی کہ وہ ناگ پال کو کیسے آواز

دے؟ وہ آواز دیتے ہوئے ڈرتی تھی کہ کہیں آس پاس کی جھونپڑی میں کوئی سپیرا اگر جاگ رہا ہو تو اس کی آواز نہ سن لے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ کوئی اُس کا پیچھا تو نہیں کر رہا تھا؟ چمپا کلی نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ جب اُس نے اپنا چہرہ پیچھے کیا تو چراغ کی پوری روشنی اُس کے چہرے پر پڑی۔ جاسوس کاجو نے قریب ہی درخت کی اوٹ میں سے سیاہ پوش عورت کے چہرے کو دیکھا تو اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اُس نے رانی چمپا کلی کو صاف پہچان لیا تھا.....

جاسوس کاجو کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس سیاہ پوش عورت کو وہ رانی کی نوکرانی کنڈلا سمجھ رہا تھا وہ کنڈلا کی بجائے خود رانی چمپا کلی تھی۔ اُسے حیرانی بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ اب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ رانی چمپا کلی اسی نوجوان سے ملنے آئی ہے جو کچھ روز پہلے رانی سے ملنے رات کے اندھیرے میں اُس کی حویلی میں جایا کرتا تھا۔ جاسوس کاجو کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُس نے اپنی جاسوسی کی مہم میں اتنی جلدی اور اتنی زبردست کامیابی حاصل کر لی ہے۔ وہ راج گورو مارا سے منہ مانگا انعام حاصل کر سکتا تھا۔ اب جاسوس کاجو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اجنبی نوجوان کون ہے جس سے رانی چھپ کر رات کے اندھیرے میں ملنے آئی ہے۔ راج گورو مارا، نے کاجو جاسوس کو یہی فرض سونپا تھا کہ وہ اُس اجنبی نوجوان کا پورا پورا پتہ چلائے کہ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ جاسوس کاجو کو یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اجنبی نوجوان ناگ مُنی جی کے آشرم کی ایک کٹیا میں رہتا ہے۔ اب صرف یہ پتہ لگانا باقی تھا کہ وہ کون ہے اور اُس کی شکل صورت اور حلیہ کیا ہے۔

رانی چمپا کلی سے آخر نہ رہا گیا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے اور کوئی جاسوس وغیرہ اس کا پیچھا نہیں کر رہا تو اُس نے جھونپڑے کے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر ناگ پال کو آواز دی۔ ناگ پال جتی ستی اور راتوں کو گیان دھیان اور تپسیا کرنے والا نوجوان تھا۔ وہ اس وقت جاگ رہا تھا۔ اُس نے کسی عورت کی آواز میں اپنا نام سنا تو فوراً پہچان گیا کہ یہ چمپا کلی ہے۔ جلدی سے اُٹھا اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔ اُس کے سامنے چمپا کلی کھڑی تھی۔ چمپا کلی نے بے اختیار ہو کر اپنا سر ناگ پال کے سینے سے لگا دیا۔ اس وقت پاس کے ساتھ لٹکتے روشن دیئے کی روشنی پوری طرح سے ناگ پال کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ درخت کی اوٹ میں چھپے ہوئے جاسوس کاجو کو ناگ پال کی شکل بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے ناگ پال کو تک رہا تھا اور اُس کی شکل کو اپنے دل میں بٹھا رہا تھا تاکہ وہ اسے دن کی روشنی میں بھی پہچان لے۔ چمپا کلی نے اُس نوجوان کا نام لے کر اُسے آواز دی تھی۔ جاسوس کاجو نے اس نوجوان کا نام ناگ پال بھی سن لیا تھا۔ اس سے بڑھ کر راج گورو مارا کے جاسوس کی اور کامیابی کیا ہو سکتی تھی؟

ناگ پال، چمپا کلی کے بالوں میں اپنی اُنگلیاں آہستہ آہستہ پھیر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

''رانی! میرے اچانک نکل آنے کے بعد شاہی محل میں جو طوفان اُٹھا تھا اس کے بارے میں کنڈلا نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ تمہیں ان حالات میں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

چمپا کلی کی آنکھیں بند تھیں۔ اُس کے کانوں میں ناگ پال کے دل کی دھڑکن کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ اُس نے محبت میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں کیا کرتی؟ مجھ سے تمہاری جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔''

ناگ پال نے دونوں جانب نگاہ ڈالی اور پھر چمپا کلی سے کہا۔

''اندر آ جاؤ!''

جھونپڑی کے اندر زمین پر ہرن کی کھال کا بستر بچھا ہوا تھا اور پتھر کی ایک چوکی پر دیا جل رہا تھا۔ وہ دونوں ہرن کی کھال کے بستر پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ چمپا کلی نے کہا۔

''میں دیوتاؤں سے دُعائیں مانگتی آ رہی تھی کہ تم گاؤں سے واپس آ چکے ہو۔ کنڈلا نے مجھے بتایا تھا کہ تم سات دنوں کے لئے اپنے گاؤں جا رہے ہو۔ میں نے یہ سات دن جس طرح گزارے ہیں میں ہی جانتی ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ میں سات صحراؤں، سات سمندروں کا سفر کر کے تمہارے پاس آئی ہوں۔''

ناگ پال خاموش مگر محبت بھری نظروں سے چمپا کلی کی نیلی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ چمپا کلی بولی۔ ''کیا تم نے سچ مچ عہد کر لیا تھا کہ اب مجھ سے نہیں ملو گے؟''

ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُسے بوسہ دیا اور بولا۔

''چمپا کلی! جس روز میں نے یہ طے کیا کہ میں تم سے کبھی نہیں ملوں گا، وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔''

چمپا کلی کو لذت اور سرور کی ایک پُرسکون لہر اپنے جسم کی رگ و پے میں اُترتی محسوس ہوئی۔ اُس کی نیلی آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں۔

''لیکن.....'' ناگ پال کہنے لگا۔ ''لیکن حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ ابھی کچھ وقت کے لئے ایک دوسرے سے نہ ملیں۔''

''نہیں ناگ پال!'' چمپا کلی نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ ''یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ تم مجھے حکم دو گے کہ میں کچھ وقت کے لئے تم سے دُور رہوں تو میں تمہارے حکم کی ضرور پالنا کروں گی اور تم سے نہیں ملوں گی۔ لیکن کبھی نہ بھولنا ناگ پال! کہ میرا حال اُس مچھلی جیسا ہو گا جس کو پانی سے باہر نکال کر زمین پر رکھ دیا جائے اور اُسے کہا جائے کہ تم کچھ دنوں کے لئے اپنے تالاب سے دُور رہو۔ تم ہی بتاؤ! وہ مچھلی کتنی دیر تک زندہ رہے گی؟''

ناگ پال بولا۔ ''رانی! مچھلی اور انسان میں بڑا فرق ہے۔ مچھلی ایسا نہیں کر سکتی۔ مگر تم انسان ہو۔ تم ایسا کر سکتی ہو۔ تم اپنے محبوب سے ملے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہو۔ اس کے لئے تمہیں اپنی صبر کرنے کی شکتی سے کام لینا ہوگا۔ میری طرف دیکھو! کیا میں تم سے ملے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں؟ ہرگز نہیں۔ لیکن میں پھر بھی زندہ ہوں اس لئے کہ میں صبر کی شکتی سے کام لے رہا ہوں۔ ان حالات میں اگر ہم ایک دوسرے سے ملتے رہے تو ہم ایک بہت بڑی مصیبت کو آواز دیں گے۔ مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے۔ میں تم پر، اپنی محبت پر ایک بار نہیں ہزار بار جان قربان کر سکتا ہوں لیکن تمہارے کردار پر بدنامی کا داغ لگتے اور تمہاری عزت کو رسوا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے تمہاری عزت اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے چمپا کلی!''

چمپا کلی کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موتی ڈھلک پڑے۔ زیتون کے چراغ کی روشنی میں ناگ پال نے ان موتیوں کو دیکھا تو بے اختیار اپنے ہونٹ آگے کر کے ان موتیوں کو چوم لیا۔ ایسا کرنے سے چمپا کلی کی آنکھوں سے ڈھلکتے ہوئے آنسو ناگ پال کے ہونٹوں پر آ کر چمکنے لگے۔ ناگ پال نے چمپا کلی کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا اور کہنے لگا۔ ''تمہیں ناگ داسیوں کا یہ کالا لباس بڑا خوبصورت لگتا ہے۔ اس لباس میں تم اور بھی سندر لگ رہی ہو۔''

چمپا کلی نے شکایت آمیز انداز میں کہا۔

''میری اس سندرتا کا مجھے کیا فائدہ کہ جب میں تمہیں نہیں مل سکتی؟ جب مجھے تم سے دُور رہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ تم بھی یہی کہتے ہو، کنڈلا بھی مجھے یہی کہتی ہے کہ ابھی ہمیں ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہئے۔''

ناگ پال بولا۔ ''کنڈلا تمہاری بڑی وفادار سہیلی ہے۔ وہ تمہاری سچی ہمدرد ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہہ رہی ہے۔''

''نہیں ناگ پال! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔'' یہ کہہ کر چمپا کلی نے اپنا سر ناگ پال کے سینے سے لگا دیا۔ ناگ پال نے بڑی محبت کے ساتھ اُسے اپنے سے الگ کیا اور بولا۔

''کیا میں تمہارے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں؟ نہیں رہ سکتا۔ لیکن دیکھو میں بھی تو زندہ ہوں۔ تمہیں بھی اسی طرح زندہ رہنا ہوگا۔ میرے بغیر صرف کچھ دنوں کے لئے۔ اس کے بعد ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ اور دوبارہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔''

چمپا کلی کی نیلی آنکھوں میں خوش آئند اُمیدوں کے چراغ سے روشن ہو گئے۔ اُس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر تبسم کی ایک لہر نمودار ہوئی۔ اُس نے ناگ پال کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو ناگ پال! کیا ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو جائیں گے؟''

''ہاں چمپا! میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اور ناگ پال نے چمپا کلی کا ماتھا چوم لیا۔

اس وقت راج گورو مارا کا جاسوس جھونپڑی کے دروازے سے لگا اُس کی درزوں میں سے اُن دونوں کو پیار محبت کی باتیں کرتے دیکھ بھی رہا تھا اور سن بھی رہا تھا۔ ناگ پال کہنے لگا۔

''رات کافی گزر گئی ہے۔ تمہیں اب واپس جانا چاہئے۔''

چمپا کلی نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور جیسے خواب میں بول رہی ہو کہا۔

''ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ تم سے جی بھر کر باتیں بھی نہیں کیں۔ ابھی تو آئی ہوں ابھی کیسے چلی جاؤں؟ کچھ دیر اور مجھ سے باتیں کرو ناگ! تمہاری باتیں مجھے زندہ رہنے کی شکتی دے رہی ہیں۔''

ناگ پال نے چمپا کلی کے دونوں نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور اُسے آہستہ سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا جلدی محل میں واپس جانا ضروری ہے چمپا کلی!''

چمپا کلی کا چہرہ اُداس ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ''ناگ پال! اگر تم مجھے یہاں آنے سے منع کرتے ہو تو کیا تم بھی مجھے ملنے نہیں آؤ گے؟''

ناگ پال نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''چمپا کلی! میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تمہاری اور میری محبت کی عزت اور تمہاری نیک نامی کا یہی تقاضہ ہے کہ میں اب تم سے ملنے تمہاری حویلی میں کبھی نہ جاؤں۔ اس لئے میں تم سے ملنے نہیں آؤں گا۔ اور تم بھی یہاں نہیں آؤ گی۔''

''کیا یہ جدائی ہمیشہ کی ہو گی؟'' چمپا کلی نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے پوچھا۔

ناگ پال بولا۔ ''اس بارے میں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن تم ہر وقت میرے دل میں رہو گی۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور ہمیشہ پیار کرتا رہوں گا۔ اب چلو! تمہیں صبح ہونے سے پہلے واپس پہنچ جانا چاہئے۔''

ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ تھاما اور اُسے لے کر جھونپڑی کے دروازے کی طرف بڑھا۔ جاسوس کا جو دروازے کے ساتھ لگا اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا اور دوڑ کر رات کے اندھیرے میں درخت کے پیچھے چھپ گیا۔

ناگ پال اور چمپا کلی جھونپڑی سے نکل کر جہاں چمپا کلی کا بیل کھڑا تھا اس طرف آ گئے۔ ناگ پال نے چمپا کلی کے ماتھے کو چوم لیا۔ چمپا کلی اُس کے سینے پر سر رکھ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ ناگ پال نے اُسے بیل پر سوار کرایا اور باگ اُس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

''جب ملنے کا وقت آیا تو ہم ضرور ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔''

چمپا کلی نے کوئی جواب نہ دیا اور بیل کو آگے بڑھا دیا۔ بیل آہستہ آہستہ چل پڑا۔ کچھ دُور جانے کے بعد چمپا کلی نے گردن موڑ کر ناگ پال کو دیکھا، الوداعی انداز میں آہستہ سے ہاتھ

ہلایا اور بیل کو ایڑ لگا دی۔ بیل کی رفتار تیز ہوگئی۔ ناگ پال جھونپڑی کے باہر کھڑا اُس وقت تک چمپا کلی کو دیکھتا رہا جب تک کہ رات کی تاریکی نے اُسے اپنے اندر نہیں چھپا لیا۔ اس کے بعد وہ سر جھکائے خاموشی سے جھونپڑی میں داخل ہوگیا اور جھونپڑی کا دروازہ بند ہوگیا۔

راج گورو کے جاسوس کاجو کو اب چمپا کلی کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے رانی چمپا کلی کا تعاقب کر کے جو مقصد حاصل کرنا تھا وہ مقصد اُسے حاصل ہوگیا تھا۔ لیکن ابھی اُسے دن کی روشنی ہونے تک وہیں ٹھہرنا تھا۔ اُس نے ناگ پال کا چہرہ اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔ اُس کی کٹیا بھی دیکھ لی تھی اور اُسے رانی چمپا کلی کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کرتے بھی دیکھ لیا تھا۔ اُسے ناگ پال کا نام بھی معلوم ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ناگ پال کی شکل صورت دن کی روشنی میں بھی ایک بار دیکھنا چاہتا تھا تاکہ راج گورو مارا کو اس کا حلیہ بتاتے وقت اُس سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ وہ بیل پر بیٹھ کر ناگ مُنی جی کے آشرم کی جھونپڑیوں سے نکل کر ایک تالاب کے پاس آ کر بیل سے اُتر گیا۔ بیل کو اُس نے چرنے اور پانی وغیرہ پینے کو کھلا چھوڑ دیا اور خود تالاب کنارے گھاس پر بیٹھ کر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ رات کا ابھی ایک پہر باقی تھا۔ جاسوس کاجو یہ سوچ کر لیٹ گیا کہ کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے۔ لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی۔

جب وہ جاگا تو دُھوپ اُس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ وہ جلدی سے اُٹھا۔ اُس نے دیکھا اُس کا بیل کچھ فاصلے پر گھاس چر رہا تھا۔ جاسوس کاجو نے تالاب پر منہ ہاتھ دھویا، بیل کو ایک درخت کی چھاؤں میں باندھا اور آشرم کی طرف چل پڑا۔ وہ ناگ دیوتا کے جوگیوں کے بھیس میں تھا۔ کسی کو اُس پر ذرا سا بھی شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ وہ کون ہے۔ ناگ دیوتا کے جوگی ایسی جگہوں پر اکثر پھرتے رہتے تھے۔

جاسوس کاجو سیدھا ناگ پال کی جھونپڑی پر آ گیا۔ جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔ جاسوس کاجو نے ناگ دیوتا کے جوگیوں کی طرح بھکشا لینے کے لئے مخصوص آواز لگائی۔ آواز سن کر ناگ پال جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ جاسوس کاجو نے اُسے دن کی روشنی میں غور سے دیکھا۔ یہ رات والا نوجوان ہی تھا، جاسوس کاجو اُسے کیسے نہیں پہچان سکتا تھا؟ جاسوس نے ہاتھ اُوپر اُٹھا کر گردن ایک طرف جھکا کر کہا۔

''بھکشا مل جائے ناگ مُنی جی کے لئے۔''

ناگ پال بولا۔ ''ٹھہر جاؤ جوگی بابا!''

ناگ پال جھونپڑی میں چلا گیا۔ باہر نکلا تو اُس کے ہاتھ میں مٹی کی تھالی تھی جس میں کچھ پھول اور دو چار امرود پڑے تھے۔ اُس نے جاسوس کی طرف تھالی بڑھا کر کہا۔

''اس وقت داس کے پاس یہی کچھ ہے بابا! اسے سویکار کرو۔''

جاسوس کاجو نے کہا۔ ''ناگ دیوتا تمہاری رکھشا کریں بابا۔'' اور پھول اور امرود جاسوس نے اپنے تھیلے میں ڈالے اور ناگ پال کے چہرے پر اپنی نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے ماتھے پر دیوتاؤں والی چمک ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

ناگ پال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''میرا نام ناگ پال ہے۔ میں یہاں ناگ مُنی جی کی سیوا کے لئے آیا ہوا ہوں۔''

جاسوس کاجو نے بڑی مکاری سے آگے بڑھ کر ناگ پال کا ماتھا چوم لیا اور بولا۔

''کیا موہنجودڑو سے آئے ہو یا ناگاپورم سے؟''

ناگ پال نے کہا۔ ''نہیں بابا! میں موہنجودڑو اور ناگاپورم سے نہیں آیا۔ ناگ ماتا کے مندروں والے گاؤں کا رہنے والا ہوں، وہیں سے آیا ہوں۔''

''اچھا بابا...... دیوتا تمہاری رکھشا کریں۔''

اور پھر عیار جاسوس مخصوص نعرہ بلند کرتا وہاں سے چلا گیا۔ بھولے بھالے ناگ پال کو ایک لمحے کے لئے بھی محسوس نہ ہوا کہ اُس نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ وہ اپنی جھونپڑی میں جا کر گیان دھیان اور تپسیا میں مصروف ہوگیا۔

آشرم کے پرانے تالاب کے پاس آ کر جاسوس کاجو بیل پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا ہوا ناگاپورم شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس کے پاس راج گورو مارا کو سنانے کے لئے اتنی بڑی خبر تھی کہ وہ اُڑ کر شاہی محل پہنچ جانا چاہتا تھا۔ وہ بیل کو اندھا دُھند بھگا رہا تھا۔ ابھی دن کا پہلا پہر ہی گزرا تھا کہ وہ شاہی محل پہنچ گیا۔ اس وقت راج گورو مارا اپنے محل میں موجود تھا۔ جاسوس کاجو نے جاتے ہی ہاتھ باندھ کر نمسکار کیا اور سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔

راج گورو مارا سمجھ گیا کہ اس کا خاص الخاص جاسوس کوئی بڑی اہم خبر لے کر آیا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ ''کیا خبر لائے ہو؟''

جاسوس بولا۔ ''مہاراج! ایسی خبر لایا ہوں جسے سن کر آپ کی آتما کو شانتی ملے گی۔''

راج گورو مارا اسی وقت جاسوس کاجو کو اپنی خواب گاہ میں لے آیا۔ اُسے سامنے بٹھایا اور کہا۔ ''اب بتاؤ! وہ کون سی خبر ہے جس کو سن کر میری آتما کو شانتی ملے گی؟''

''مہاراج!'' جاسوس کاجو نے کہا۔ ''بدھائی ہو۔ اُس اجنبی نوجوان کا سراغ مل گیا ہے جو رانی چمپا کلی کو چھپ کر ملنے آتا تھا اور جس کی آپ کو تلاش تھی۔''

''کیا سراغ ملا ہے؟'' راج گورو نے پوچھا۔

جاسوس کاجو بولا۔ ''مہاراج! کہنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ اُس اجنبی نوجوان کا صرف سراغ ہی نہیں ملا بلکہ میں خود اُس سے مل کر آیا ہوں۔''

''سچ کہہ رہے ہو؟'' راج گورو نے خوش ہو کر پوچھا۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں مہاراج!" جاسوس کاجو نے کہا۔ "میں ابھی ابھی اُسی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اُس کا نام ناگ پال ہے مہاراج! وہ ناگ ماتا کے گاؤں کا رہنے والا ہے اور ناگ مُنی جی کے آشرم میں اُن کی سیوا کرنے آیا ہوا ہے۔"

راج گورو مارا نے پوچھا۔

"تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ یہی وہ نوجوان ہے جو رانی چمپاکلی سے ملنے آیا کرتا تھا؟"

جاسوس کاجو نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ "مہاراج! اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ میں نے رانی چمپاکلی کو اپنی آنکھوں سے ناگ پال کے پاس محبت کی باتیں کرتے دیکھا ہے اور اپنے کانوں سے ان کی پیار محبت کی باتوں کو سنا ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا کاجو!" راج گورو نے کہا۔ "لیکن اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو تم نے واقعی مجھے ایک بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ ہمیں پوری بات سناؤ۔"

جاسوس کاجو نے تب راج گورو کو بتایا کہ کس طرح اُس نے رانی چمپاکلی کو آدھی رات کے بعد ناگ داسی کے بھیس میں شہر کے خفیہ دروازے سے باہر آتے دیکھا اور اس نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ پھر کس طرح رانی چمپاکلی نے جس کو وہ پہلے کنڈلا سمجھ رہا تھا ناگ مُنی کے آشرم میں ناگ پال کے جھونپڑی میں جا کر اُس سے ملاقات کی اور دیر تک دونوں محبت کرنے والے ایک دوسرے سے پیار محبت کی باتیں کرتے رہے اور وہ جھونپڑی کے دروازے کے ساتھ لگا اُنہیں دیکھتا اور اُن کی باتیں سنتا رہا۔ پھر کس طرح اُس نے دن کی روشنی میں ایک فقیر جوگی کی حیثیت سے ناگ پال سے ملاقات کی۔ اُس کی شکل صورت کی تصدیق کی، اس سے اس کا نام معلوم کیا جو ناگ پال ہی تھا اور اس سے اس کے گاؤں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

راج گورو مارا اپنی کلائی سے لپٹے ہوئے سانپ کے سر پر آہستہ آہستہ اُنگلی پھیرتے ہوئے بڑے غور سے جاسوس کاجو کی رُوداد سنتا رہا۔ راج گورو کو اپنی مہم کی کامیابی پر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ لیکن اُس کے دل میں ایک بات کھٹک رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے جاسوس کاجو نے اُسے خوش کرنے اور انعام واکرام کے لالچ میں یونہی کسی نوجوان کو پھنسا لیا ہو اور اُسے قتل کروا کر راج گورو کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ اور رانی چمپاکلی کا وہ اصل عاشق جو اُس سے چھپ کر ملنے آتا تھا ویسے کا ویسے زندہ ہو۔ ایسی صورت میں تو رانی چمپاکلی، راج گورو کے انتقام کی آگ سے محفوظ رہے گی۔ راج گورو مارا رانی چمپاکلی کے عاشق کو خفیہ طور پر بھی قتل نہیں کروانا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ رانی چمپاکلی کا عاشق اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا جائے، سولی پر لٹکایا جائے اور رانی چمپاکلی بے بسی کی حالت میں اپنے عاشق کو موت کے گھاٹ اُترتے دیکھتی رہے۔ اور اس کی جان بچانے کے لئے کچھ

نہ کر سکے۔ راج گورو مارا کے عیار دماغ نے ایسی ایک ترکیب سوچ رکھی تھی لیکن سب سے پہلے وہ اس بات کی تصدیق کر لینا چاہتا تھا کہ جس شخص کو وہ رانی چمپاکلی کی آنکھوں کے سامنے اذیت ناک موت کے حوالے کر رہا ہے وہ کوئی دوسرا شخص نہ ہو بلکہ اُس کا وہی عاشق ہو جو اُس کو ملنے حویلی میں آیا کرتا تھا اور جس کی وجہ سے راج گورو مارا کو انتہائی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چنانچہ اُس نے جاسوس کاجو سے کہا۔

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے کاجو!" پھر راج گورو مارا نے اپنے گلے میں سے موتیوں کا قیمتی ہار اُتار کر جاسوس کو دیا اور کہا۔ "یہ تمہارا انعام ہے۔ لیکن اصل انعام تمہیں اس وقت ملے گا جب رانی کا عاشق اور میرا دشمن سسک سسک کر میری اور رانی کی آنکھوں کے سامنے موت کے منہ میں جائے گا۔"

جاسوس کاجو بولا۔ "مہاراج! یہ کون سی مشکل بات ہے؟ آپ کا حکم ہو تو میں ناگ پال کو کل ہی اغواء کروا کر آپ کے محل کے تہہ خانے میں پہنچا دیتا ہوں۔"

راج گورو مارا کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ کہنے لگا۔

"یہ کام تو میں تمہارے بغیر بھی کروا سکتا ہوں۔ میرے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔"

جاسوس کاجو نے سر جھکا کر کہا۔ "مہاراج! پھر آپ حکم کریں آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کا یہ غلام جو آپ چاہتے ہیں وہی کرے گا۔"

راج گورو مارا بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ رانی چمپاکلی اور ناگ پال کو اکٹھے ایک جگہ بیٹھے باتیں کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھوں تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ ناگ پال ہی رانی کا عاشق ہے۔"

جاسوس کاجو سوچ میں پڑ گیا۔ کہنے لگا۔

"مہاراج! ایسا تو شاید مشکل ہی سے ہو سکے۔ کیونکہ رانی جی اب ناگ پال سے ملنے اُس کی کُٹیا میں نہیں جائیں گی۔ کیونکہ ناگ پال نے اُنہیں وہاں آنے سے منع کر دیا ہے اور ناگ پال خود بھی محل میں رانی جی سے ملنے نہیں آئے گا۔ میں نے اپنے کانوں سے اُسے کہتے سنا ہے کہ میں اب کبھی محل میں نہیں آؤں گا۔ پھر ان دونوں کی ملاقات کیسے ہو سکے گی؟"

راج گورو مارا کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"اگر ان دونوں کی ملاقات کا ابھی کوئی امکان نہیں ہے تو پھر کسی تیسرے شخص کی زبانی اس بات کی تصدیق ہو جانی چاہئے کہ یہی ناگ پال وہ نوجوان ہے جس سے رانی چمپاکلی پریم کرتی ہے۔ اور یہ تیسرا شخص وہ ہو جو ان دونوں کی محبت کا رازدار ہو۔"

جاسوس کاجو نے فوراً کہا۔ "مہاراج! ایسا شخص تو پھر کنڈلا ہی ہو سکتی ہے جو رانی جی کی رازدار بھی ہے اور ان دونوں کی محبت سے واقف بھی ہے۔"

راج گورو مارا پریشان سا ہو کر ٹہلنے لگا۔ وہ بار بار کلائی پر لپٹے ہوئے سانپ کی سری پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے بولا۔ ''اس کے لئے ضروری ہے کہ کنڈلا اور ناگ پال کی کسی جگہ ملاقات کرائی جائے۔ وہ دونوں رانی چمپا کلی کے بارے میں بات چیت کریں اور ان کی باتیں میں اپنے کانوں سے سن لوں۔''

جاسوس کاجو بولا۔ ''مہاراج! اگر ناگ پال کو اغوا کر کے لانا ہی ہے تو پھر کنڈلا کو اس سے ملانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میں ناگ پال کو اغوا کر کے آپ کی پرانی حویلی والے تہہ خانے میں پہنچا دیتا ہوں۔ آپ کسی طریقے سے رانی چمپا کلی تک یہ بات پہنچا دیں کہ ناگ پال کو اغواء کر کے ایک جگہ تہہ خانے میں بند کر رکھا ہے۔ رانی جی ناگ پال سے ملنے ضرور جائیں گی۔ آپ اسی وقت راجہ کو خبر کر دیں کہ رانی جی اپنے عاشق سے ملنے گئی ہے۔ راجہ جی فوراً وہاں پہنچ جائیں گے اور ہو سکتا ہے وہیں دونوں کو قتل کر ڈالیں اور راجہ کی نظروں میں آپ کی کھوئی ہوئی عزت اور وقار بحال ہو جائے گا۔''

راج گورو مارا مکروہ سی ہنسی ہنسا اور بولا۔ ''تم جاسوس بڑے تجربہ کار اور لائق ہو، مگر آدمی بے وقوف ہو۔ رانی چمپا کلی اتنی احمق نہیں ہے کہ وہ ناگ پال کے اغوا کا سن کر دوڑی دوڑی اُس سے ملنے پہنچ جائے۔ جس جال میں وہ ایک بار پھنستے پھنستے بچ گئی تھی اس جال میں وہ کبھی دوبارہ نہیں پھنسے گی۔ بلکہ اگر ناگ پال راجہ کے سامنے آ کر بھی یہ کہہ دے کہ وہ رانی چمپا کلی سے اور چمپا کلی اس سے پریم کرتی ہے تو رانی چمپا کلی ناگ پال کو پہچاننے سے بھی انکار کر دے گی اور راجہ سے کہے گی کہ یہ نوجوان یا تو کوئی ڈھونگی، فریبی اور چالباز شخص ہے یا پاگل ہے۔ اور مہاراج یوگ راج کو رانی کی بات تسلیم کرنی پڑے گی۔''

''پھر کیا، کیا جائے مہاراج! آپ ہی کچھ فرمائیں۔'' جاسوس کاجو نے کہا۔

راج گورو مارا دیوان پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ''رانی چمپا کلی اور ناگ پال دونوں کو رنگے ہاتھوں راجہ سے پکڑوانے کا موقع میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ کیونکہ اب ان دونوں کا ایک جگہ مل بیٹھنا ابھی ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں کچھ وقت لگ جائے۔ لیکن میں اُس وقت کا انتظار نہیں کر سکتا۔ میرے سینے میں رانی چمپا کلی سے اپنی ذلت کا بدلہ لینے کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور میں اسے جلد از جلد ٹھنڈا کرنا چاہتا ہوں۔ وہی ترکیب ان حالات میں درست ہے جس کا تم نے پہلے ذکر کیا تھا۔ تم کسی طریقے سے ناگ پال کو اغوا کر کے ہماری پرانی حویلی والے تہہ خانے میں پہنچا دو۔ وہاں کنڈلا سے ناگ پال کی خفیہ ملاقات کرائی جائے گی۔ ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے سے ملنے کے بعد رانی چمپا کلی کی بات ضرور کریں گے۔ ان کی باتیں میں سن لوں گا۔ مجھے یقین ہو جائے گا کہ ناگ پال ہی وہ نوجوان ہے جس سے رانی محبت کرتی ہے۔ اور وہ بھی رانی کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ اس کے بعد میرے دماغ میں رانی

چمپا کلی سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا جو خفیہ منصوبہ ہے اس پر عمل کرنا شروع کر دوں گا۔''

جاسوس کاجو بولا۔ ''مہاراج! اگر کنڈلا اور ناگ پال کی ملاقات کروانی ہی ہے تو وہاں راجہ کو کیوں نہ بلوا لیا جائے جو چھپ کر ان دونوں کو رانی چمپا کلی اور ناگ پال کی محبت کی باتیں کرتے اپنے کانوں سے سن لے؟''

عیار راج گورو مارا نے اپنی کلائی سے لپٹے ہوئے سانپ کی سری جاسوس کاجو کے چہرے کے آگے کر دی۔ جاسوس کاجو ڈر کر ایک دم پیچھے ہو گیا۔ راج گورو مارا کہنے لگا۔

''مجھے اس سے کیا فائدہ ہو گا؟ راجہ کو رانی چمپا کلی سے اس قدر محبت ہے کہ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ سارا ناٹک رانی چمپا کلی کو ذلیل کرنے کے لئے کھیلا جا رہا ہے۔ وہ اُلٹا ہم لوگوں کی گردنیں اُڑا دے گا۔ بات تو تب بنتی ہے کہ راجہ اپنی آنکھوں سے ناگ پال اور چمپا کلی کو ایک جگہ بیٹھے محبت کی باتیں کرتے دیکھ لے۔ اور ایسا ابھی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ تم فوراً ناگ پال کو اغوا کروا کر ہماری پرانی حویلی والے تہہ خانے میں بند کر دو اور اس کی کسی دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اس کے فوراً بعد مجھے آ کر خبر کر دو۔ پھر میں جانوں اور میرا کام۔ اور ہاں.....'' راج گورو کو اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''ایک ضروری بات تو میں کہنی بھول ہی گیا تھا۔''

''حکم مہاراج!'' جاسوس کاجو نے بڑے ادب سے کہا۔

راج گورو مارا بولا۔ ''ناگ پال کو اغوا کرنے سے پہلے اُسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

جاسوس کاجو نے عرض کی۔ ''مہاراج! آپ کہاں بھیس بدل کر میرے ساتھ ناگ منی جی کے آشرم میں جائیں گے۔ ایک دو دن کے اندر اندر میں اُسے اغواء کر کے حویلی میں پہنچا ہی دوں گا۔ آپ وہاں اُسے دیکھ لیجئے گا۔''

''ہاں..... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔'' راج گورو مارا نے اپنے سانپ کی سری چومتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے..... اب جتنی جلدی ہو سکے، ناگ پال کو اغوا کر کے پرانی حویلی کے تہہ خانے میں بند کر دو اور اسی وقت آ کر مجھے خبر کرو۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

جاسوس کاجو نے سر جھکا کر راج گورو کو نمسکار کیا اور چلا گیا۔

○○○

جاسوس کاجو نے ناگ پال کی کٹیا دیکھ لی تھی۔ اب اُسے وہاں سے اغوا کروانا اُس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ وہ ملک کے راج گورو کا خاص جاسوس تھا۔ اُس کے پاس وسیع تر وسائل تھے۔ اُس کا اپنا ایک جتھا تھا جس کا کام ہی راج گورو کے حکم سے ناپسندیدہ افراد کو اغوا کروانا یا انہیں قتل کروانا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے جتھے کے خاص آدمی منڈل کو اس کام پر مامور کر دیا۔ منڈل کو ناگ مُنی کے آشرم میں ساتھ لے جا کر اُس نے ناگ پال کا چہرہ اُسے دکھا دیا اور سمجھا دیا کہ یہ کام انتہائی رازداری سے ہونا چاہئے۔ کسی کو اس کی بھنک تک نہیں پڑنی چاہئے۔

ایک رات جبکہ ابھی رات کا پہلا پہر ہی گزرا تھا اور ناگ پال اپنی جھونپڑی میں ہرن کی کھال پر بیٹھا گیان دھیان میں مصروف تھا کہ باہر سے کسی نے آواز لگائی۔

''ناگ ماتا کے نام کا پرشاد لے لیں...... ناگ ماتا کے نام کا پرشاد لے لیں۔''

ناگ پال، ناگ ماتا کا بھی پجاری تھا۔ بچپن ہی سے وہ اپنے گورو دیو کے ساتھ ناگ ماتا کے مندر میں جا کر پوجا پاٹھ کرتا رہا تھا۔ اُسے ناگ ماتا سے بڑی عقیدت تھی۔ ناگ ماتا کے پرشاد کا سن کر وہ اُٹھ کر باہر آ گیا۔ دیکھا کہ باہر ایک سیاہ کپڑوں والا بوڑھا شخص ہاتھ میں بڑا سا تھال لئے کھڑا ہے۔ تھال میں ناگ ماتا کے نام کے حلوے کے دُونے رکھے ہوئے تھے۔ ناگ پال نے سیاہ پوش بوڑھے کے آگے دونوں ہاتھ کر دیئے۔ بوڑھے نے حلوے کا ایک دونا تھالی پر سے اُٹھایا اور ناگ پال کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔

''اس پرشاد کو رات کا دوسرا پہر شروع ہونے سے پہلے کھا لینا۔ یہ ناگ ماتا کا حکم ہے۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''میں ناگ ماتا کے حکم کی پالنا کروں گا مہاراج!''

''دیوتا تمہیں سکھی رکھیں بیٹا۔'' یہ کہہ کر سیاہ پوش بوڑھا آگے چل دیا۔

ناگ پال پرشاد کا حلوہ لئے جھونپڑی میں آ کر اپنے استھان پر بیٹھ گیا۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہونے والا تھا۔ اُس نے اُسی وقت ناگ ماتا جی کا پرشاد یعنی حلوہ کھانا شروع کر دیا۔ اُس نے دونے میں سے آدھا حلوہ کھایا اور باقی کا دوسرے دن کے لئے بچا کر ایک طرف رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ دوبارہ اپنے گیان دھیان میں مصروف ہو گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے منہ ہی منہ میں منتروں کا جاپ کر رہا تھا۔ جاپ کرتے کرتے اچانک اُسے ایک چکر سا آ گیا۔ اُس

نے آنکھیں کھول دیں۔ اُسے ایسے لگا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ لیکن سامنے پتھر کے چبوترے پر جلتے دیئے کی لو بالکل سیدھی کھڑی تھی۔ اس میں ذرا سی بھی لرزش نہیں تھی۔ ناگ پال نے کوئی خیال نہ کیا اور آنکھیں بند کر کے دوبارہ منتروں کا جاپ شروع کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد اُسے ایک بار پھر چکر آیا اور اس بار وہ اپنی آنکھیں بھی نہ کھول سکا اور اپنے استھان پر ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جو بوڑھا جوگی اُسے ناگ ماتا کے نام پر یہ حلوہ دے گیا تھا وہ ناگ پال کی جھونپڑی کے باہر ہی چند قدموں کے فاصلے پر اپنے تین آدمیوں کے ساتھ چھپ کر بیٹھا تھا۔ جب اُس بوڑھے جوگی کو جس کا نام منڈل تھا اور جس کو جاسوس کاجو نے ناگ پال کو اغوا کرنے پر مامور کیا تھا، محسوس ہوا کہ اگر ناگ پال نے حلوہ کھا لیا ہے تو وہ اس وقت تک بے ہوش ہو چکا ہو گا، اُس نے اپنے دو آدمیوں کو وہیں رُکنے کا اشارہ کیا اور خود ناگ پال کی جھونپڑی کی طرف چلا۔ جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔ منڈل نے بانس کے دروازے کی جھریوں میں سے اندر نگاہ ڈالی۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ ناگ پال اپنے استھان پر بے ہوش پڑا تھا۔ اس وقت رات گہری ہونے کی وجہ سے آس پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ منڈل نے واپس جا کر اپنے آدمیوں سے کہا۔

''وہ بے ہوش ہو چکا ہے...... اُسے اُٹھا کر لے چلو۔''

تینوں آدمی اسی وقت ناگ پال کی جھونپڑی میں گھس گئے اور اُسے اُٹھا کر اس جگہ لے آئے جہاں ان کے اُونٹ بندھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ناگ پال کو ایک اُونٹ پر ڈالا، دوسرے اُونٹ پر منڈل اور اُس کے ساتھی سوار ہو گئے اور یہ ٹولی رات کے اندھیرے میں راج گورو کی پرانی خاندانی اور ویران حویلی کی طرف روانہ ہو گئی۔ ابھی شاہی محل میں آدھی رات کا گجر بھی نہیں بجا تھا کہ منڈل کی منڈلی نے ناگ پال کو راج گورو مارا کی غیر آباد پرانی حویلی میں لا کر بند کر دیا۔

جاسوس کاجو نے ایک لمحے کو بھی دیر نہ کی اور سیدھا راج گورو مارا کو یہ خوشخبری سنانے اُس کے محل میں پہنچ گیا۔ راج گورو جاگ رہا تھا۔ جاسوس کاجو نے جھک کر پرنام کیا اور کہا۔

''مہاراج! ناگ پال اس وقت آپ کی حویلی میں بے ہوش پڑا ہے۔ چل کر اسے دیکھ لیجئے۔''

راج گورو اسی وقت محل کے خفیہ دروازے میں سے منڈل کو ساتھ لے کر سانڈنی پر سوار ہوا اور پرانی حویلی کی طرف چل دیا۔ ناگ پال ابھی تک حویلی کی ایک کوٹھڑی میں بے ہوش پڑا تھا۔ دیوار پر ایک مشعل روشن تھی۔ راج گورو جاسوس کاجو کے ہمراہ کوٹھڑی میں آ گیا۔ ناگ پال ایک چارپائی پر بے ہوش پڑا تھا۔ جاسوس کاجو نے دیوار پر سے مشعل اُتاری اور اسے ناگ پال کی چارپائی کے پاس لے آیا۔ راج گورو مارا نے جھک کر بڑے غور سے بے ہوش ناگ پال کو دیکھا اور پھر کاجو سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تمہیں یقین ہے یہی ناگ پال ہے؟''

جاسوس کاجو نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ ''مہاراج! مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہی ناگ پال ہے۔ اور یہی وہ نوجوان ہے جس سے رانی چمپا کلی جی پریم کرتی ہیں اور جو رات کو رانی جی سے ملنے ان کی حویلی میں آیا کرتا تھا۔''

راج گورو بولا۔ ''اس کی تصدیق تو چمپا کلی کی سہیلی کنڈلا ہی کر سکتی ہے کہ یہی رانی چمپا کلی کا پریمی ناگ پال ہے۔''

جاسوس کاجو نے بڑے ادب سے کہا۔ ''لیکن مہاراج! کنڈلا کو یہاں کون لائے گا؟''

راج گورو مارا کی بائیں آنکھ پھڑکنے لگی۔ اُس نے اپنے سانپ کو کلائی پر لپیٹتے ہوئے کہا۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم ناگ پال کا خیال رکھو۔ جب اسے ہوش آ جائے تو جو آدمی اس کی خدمت پر لگایا جائے وہ اس کے آگے گونگا بن جائے۔ یہ شخص لاکھ پوچھے کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ خدمت گار آگے سے کوئی جواب نہ دے۔ اس کو بڑی اچھی غذا کھانے پینے کو دی جائے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم بھی اس کے سامنے نہیں جاؤ گے، سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا مہاراج!'' جاسوس کاجو سر جھکا کر بولا۔

اس کے بعد راج گورو مارا حویلی سے نکل کر سانڈنی پر سوار ہوا اور رات کی تاریکی میں سانڈنی دوڑاتا محل کی چار دیواری کے خفیہ دروازے سے داخل ہو کر اپنے محل میں آ گیا۔ اُس کا چالاک ذہن اسی اُدھیڑ بن میں مصروف ہو گیا کہ چمپا کلی کی رازدار سہیلی کنڈلا کو کس طریقے سے پرانی حویلی میں لایا جائے؟ آخر اُس کے مکار دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ لیکن اس ترکیب کا تقاضہ تھا کہ ناگ پال کو ایک خاص وقت تک کے لئے پرانی حویلی سے نکال کر کسی دوسری جگہ پہنچا دیا جائے۔ دوسرے دن صبح صبح راج گورو نے جاسوس کاجو کو طلب کیا اور اُس سے پوچھا۔

''ناگ پال نے ہوش میں آنے کے بعد کوئی شور وغیرہ تو نہیں مچایا؟''

جاسوس کاجو کہنے لگا۔ ''مہاراج! ناگ پال تو اسے ناگ ماتا کی مرضی سمجھ کر چپ ہو گیا ہے۔ صبح جو آدمی اُس کے لئے پھل اور کھانا لے کر گیا ناگ پال نے اُس سے پوچھا کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ تم لوگ کون ہو؟ جب اُس آدمی نے آگے سے گونگوں کی طرح غوں غوں شروع کر دی تو ناگ پال نے ہاتھ باندھ کر چھت کی طرف دیکھا اور بڑی شانتی کے ساتھ کہا۔ ناگ ماتا! اگر یہ سب کچھ تیرا پرشاد کھانے سے اور تیری مرضی سے ہوا ہے تو میں اسے سویکار کرتا ہوں۔ جو تیری مرضی وہی میری مرضی ہے۔ تو مجھے جس حال میں رکھے گی میں اسی میں خوش رہوں گا۔ اس کے بعد ناگ پال نے بڑے سکون کے ساتھ کھانا کھایا اور چارپائی پر بیٹھ کر گیان دھیان میں مصروف ہو گیا میں دروازے کی اوٹ میں سے اُسے دیکھ رہا

تھا۔ میں نے اُس کی ساری باتیں اپنے کانوں سے سنی ہیں مہاراج!''

راج گورو بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ ''ناگ پال نے خود ہی ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔ بس ب ایسا کرو کہ آج رات کے اندھیرے میں اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر، اس کے منہ میں پڑا ٹھونس کر اور آنکھوں پر کپڑا باندھ کر ہماری پرانی حویلی سے ٹیلے والی باولی کی کوٹھڑی میں پہنچا دو اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔''

''جو حکم مہاراج!'' یہ کہہ کر جاسوس کاجو اجازت لے کر واپس چلا گیا۔

راج گورو مارا کے ذہن میں ایک منصوبہ موجود تھا۔ اُس نے اس منصوبے پر مزید غور کرنا وع کر دیا۔ کنڈلا کو ناگ پال سے ملوانا بہت ضروری تھا۔ صرف ان دونوں کے ملاپ سے ان گورو کو یہ ثبوت مل سکتا تھا کہ یہی وہ نوجوان ناگ پال ہے جس سے رانی چمپا کلی دیوانہ وار پیار کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ کنڈلا کو کسی طرح سے بھی یہ شک نہ رے کہ اُسے راج گورو کی سازش سے ملایا جا رہا تھا۔ عین اسی لمحے شیطان نے ایک اور یال راج گورو مارا کے دماغ میں ڈال دیا۔ راج گورو دیوان پر بیٹھا بیٹھا اُچھل پڑا۔

''بس...... ایسا ہی کروں گا۔''

اُس نے اُسی وقت جاسوس کاجو کو دوبارہ طلب کیا۔ جاسوس کاجو دوڑا دوڑا آن حاضر ہوا، نش بجا لایا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''حکم مہاراج......!''

راج گورو نے جاسوس کاجو کو ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر سارا منصوبہ سمجھا دیا اور کہا۔

''جو کچھ میں نے کہا ہے بالکل اسی طرح ہونا چاہئے۔ جس عورت کو تم کنڈلا کے پاس بھیجو جب وہ اپنا کام ختم کر چکے تو اُسے میرے حکم سے فوراً قید میں ڈال دینا اور جب تک میرا حکم نہ ملے اسے قید سے باہر مت نکالنا۔ اور جس وقت وہ عورت کنڈلا کو لے کر ٹیلے والی باولی کی طرف چل پڑے تم فوراً مجھے آ کر بتا دینا۔ جاؤ! اور اپنی عقل سے کام لے کر میرے بتائے ہوئے منصوبے پر کام شروع کر دو۔''

جاسوس کاجو کو راج گورو مارا کی جانب سے ہر قدم پر ایک نیا حکم نامہ مل رہا تھا۔ مگر اس کی مجال نہیں تھی کہ راج گورو کے کسی حکم پر اعتراض کر سکے۔ اُسے معلوم تھا کہ راج گورو کا دل ی جلاد سے بھی زیادہ خونخوار ہے۔ اور وہ نہ صرف فوراً اس کی گردن اُڑا دے گا بلکہ اس کے سے خاندان کو سولی پر لٹکا دے گا۔ لیکن جاسوس کاجو بھی دنیا داروں کی طرح نارمل اور یف آدمی نہیں تھا۔ اُس کی ساری زندگی مجرمانہ کام کرتے گزری تھی اور راج گورو کے حکم پر نے کئی انسانوں کو خفیہ طریقوں سے موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔ اُس کی شیطانی ٹولی میں تر سالہ بڈھی نائیکہ موجود تھی جس کو وہ موسی کہہ کر بلایا کرتا تھا۔ جو کام راج گورو نے ونپا تھا اس کے لئے بڈھی موسی کے سوا دوسرا کوئی موزوں نہیں تھا۔ جاسوس کاجو نے

بڈھی نائیکہ کو بلا کر ساری بات گوش گزار کر دی اور ساتھ ہی اُسے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے اس منصوبے کے راز کو کسی تیسرے شخص پر ظاہر کیا تو اس کی لاش کا بھی کسی کو پتہ نہیں چل سکے گا۔ بوڑھی نائیکہ کی ساری عمر ان لوگوں کی مجرمانہ سرگرمیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے گزری تھی۔ کہنے لگی۔

''کاجو! مجھے اپنی جان بڑی پیاری ہے۔ اور کیا مجھے معلوم نہیں کہ تم میرا کیا حشر کر سکتے ہو؟ مجھے یہ راز کسی تیسرے شخص کو بتا کر اس بڑھاپے میں اپنی لاش خراب نہیں کروانی۔ تم نچنت ہو کر بیٹھو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔''

''شاباش موسی!'' جاسوس کاجو بولا۔ ''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یہ کام آج ہی ہو جانا چاہئے۔''

بوڑھی نائیکہ کہنے لگی۔ ''میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ میں کنڈلا کی شکل سے واقف ہوں۔ وہ مجھے نہیں جانتی مگر میں نے اُسے ناگ جی کے مندر میں دیکھا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ ہر منگل کی شام کو ناگ جی کے مندر میں پوجا کی مالا چڑھانے آتی ہے۔ کل منگل کا دن ہے۔ سمجھ لو کہ کل شام کنڈلا ٹیلے والی باولی پر پہنچ جائے گی۔''

دوسرے دن کا سورج غروب ہو چکا تھا اور ناگاپورم شہر کے آسمان پر شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا کہ کنڈلا اپنے معمول کے مطابق پوجا کی مالا چاندی کی تھالی میں سجا کر ناگ جی کے مندر پر چڑھانے کے لئے چل پڑی۔ ناگ جی کا مندر شہر کی فصیل کے قریب ہی واقع تھا۔ یہ سرخ پتھروں سے بنا ہوا چھوٹا سا مندر تھا جس میں سیاہ پتھر سے تراشی ہوئی ناگ جی کی چھوٹی مورتی رکھی ہوئی تھی۔

کنڈلا جب پوجا کی مالا لے کر مندر میں داخل ہوئی تو بوڑھی نائیکہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔ اُس نے کنڈلا کو مندر میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا اور اب مندر کے باہر سنگ سرخ کی سیڑھیوں سے ہٹ کر ایک طرف مونگرہ کی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھی کنڈلا کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ کنڈلا جب ناگ جی کی مورتی پر پوجا کی مالا چڑھا کر مندر سے باہر آئی اور سیڑھیاں اُتر کر شاہی محل کی طرف جانے لگی تو بوڑھی نائیکہ جھاڑی میں سے نکل کر اُس کے سامنے آ گئی۔ کنڈلا ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ بوڑھی نائیکہ نے اپنی فطری عیاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! تمہارا نام کنڈلا ہے نا؟''

''ہاں...'' کنڈلا خود بخود بول پڑی۔ ''تم... تم کون ہو؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

بوڑھی نائیکہ نے آگے بڑھ کر کنڈلا کے ماتھے کو چوما اور بولی۔

''بیٹی! میں نے بھی تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ مجھے تمہارا جو حلیہ بتایا گیا تھا میں نے اسی

سے اندازہ لگایا ہے۔ اس طرف آ کر میری بات غور سے سنو!''

کنڈلا کو بوڑھی نائیکہ جھاڑیوں کے عقب میں لے جا کر کہنے لگی۔

''پہلے یہ بتاؤ! کہ تم ناگ پال کو جانتی ہو؟''

ناگ پال کا نام سن کر کنڈلا چونک پڑی مگر فوراً سنبھل گئی اور بولی۔

''میں کسی ناگ پال کو نہیں جانتی۔''

کنڈلا کو اچھی طرح معلوم تھا کہ محل میں راج گورو مارا نے چمپا کلی اور ناگ پال اور خود کنڈلا کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے اس لئے وہ بے حد محتاط ہو گئی تھی۔ بوڑھی نائیکہ نے اپنی چادر کی گرہ کھول کر اُس کے اندر سے چاندی کی ایک انگوٹھی نکال کر کنڈلا کو دکھائی اور کہا۔ ''مگر اس انگوٹھی کو تو تم ضرور پہچانتی ہو گی۔''

کنڈلا نے انگوٹھی کو فوراً پہچان لیا تھا۔ یہ ناگ پال کی انگوٹھی تھی جسے وہ ہر وقت پہنے رکھتا تھا۔ کنڈلا نے پوچھا۔ ''تمہیں یہ انگوٹھی کہاں سے ملی؟''

بوڑھی نائیکہ اپنا پوپلا منہ پھیلا کر ہنس دی۔ بولی۔

''مجھے کہیں سے ملی نہیں۔ یہ انگوٹھی مجھے ناگ پال نے دی ہے اور کہا ہے کہ یہ کنڈلا کو دکھاؤ گی تو اُسے یقین ہو جائے گا کہ میں نے خود تمہیں اس کے پاس بھیجا تھا۔ یہ بھی ناگ پال جی نے مجھے بتایا تھا کہ تم منگل کی شام کو ناگ جی کی مورتی پر پوجا کی مالا چڑھانے جاتی ہو۔''

کنڈلا کو یقین ہو گیا کہ ناگ پال ضرور کسی مشکل میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اُس نے نائیکہ سے کہا۔ ''وہ تمہیں کہاں ملا تھا؟ اصل بات کیا ہے؟ کھل کر بتاؤ!''

بوڑھی نائیکہ کہنے لگی۔ ''سنو! ناگ پال کو بردہ فروشوں کی ایک ٹولی کسی جگہ سے اغوا کر کے لے آئی ہے۔ یہ لوگ نوجوان خوبصورت لڑکوں اور نوجوان خوبصورت لڑکیوں کو اغوا کر کے ملک بابل میں غلاموں اور کنیزوں کی منڈی میں لے جا کر مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں، یہی ان کا دھندہ ہے۔ میں ان بردہ فروشوں کی پرانی ملازمہ ہوں۔ آج صبح منہ اندھیرے وہ ایک نوجوان کو اغوا کر کے لائے ہیں۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ یہ لوگ جس عورت یا نوجوان کو اغوا کر کے لاتے ہیں وہ رو رو کر ان سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان کے پاؤں پر گر کر گڑگڑا گڑگڑا کر کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو۔ ہمیں جانے دو۔ لیکن یہ نوجوان جس کو یہ لوگ آج صبح اغوا کر کے لائے ہیں اُن سے بالکل مختلف نوجوان نکلا۔ وہ نہ رویا نہ اُن لوگوں کے پاؤں پر گرا، نہ اُس نے کسی سے رحم کی بھیک مانگی بلکہ بڑے سکون کے ساتھ جس کوٹھڑی میں اُسے بند کیا گیا تھا بیٹھ گیا اور گیان دھیان میں مصروف ہو گیا۔ میں اُس سے بے حد متاثر ہوئی۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اس نوجوان کو میں ضرور بچا لوں گی اور اسے غلام کی حیثیت سے ملک بابل میں فروخت نہیں ہونے دوں گی اور اس کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ کروں گی۔

جب میں اس نوجوان کے لئے کھانا لے کر گئی تو میں نے اُس سے پوچھا وہ کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ اُس نے بتایا کہ اس کا نام ناگ پال ہے اور یہ لوگ اسے ناگ مُنی کے آشرم سے اغوا کر کے لائے ہیں۔ میں نے اُسے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اسے فرار کروانا چاہتی ہوں مگر میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔ اگر انہیں ذرا بھی شک پڑ گیا تو میری بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیں گے۔ تم مجھے بتاؤ کہ کیا شہر ناگاپورم میں تمہارا کوئی ایسا عزیز یا رشتے دار یا دوست ہے جو تمہیں یہاں سے نکال کر لے جائے؟ اس پر اُس نوجوان ناگ پال نے تمہارا نام لے کر کہا کہ ماتا جی! آپ کنڈلا سے جا کر ملیں۔ کنڈلا میری منہ بولی بہن ہے۔ اس کو میرا سارا حال بتاؤ۔ کنڈلا کا تعلق شاہی محل سے ہے۔ وہ شاہی فوجیوں کی مدد سے نہ صرف یہ کہ مجھے یہاں سے نکلوا لے گی بلکہ ان لوگوں کو بھی گرفتار کروا دے گی۔ پھر ناگ پال نے مجھے اپنی انگوٹھی اُتار کر دی اور کہا کنڈلا کو یہ انگوٹھی دکھا دینا۔ یہ انگوٹھی دیکھ کر اُسے یقین آ جائے گا کہ تمہیں میں نے ہی بھیجا ہے۔"

کنڈلا نے نائیکہ کی زبانی یہ تشویش ناک رُوداد سنی تو بولی۔

"ناگ پال کس جگہ پر قید ہے؟ میں سب سے پہلے اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

بوڑھی نائیکہ نے کہا۔ "بے شک مل لو۔ میری طرف سے ابھی چلی چلو میرے ساتھ۔"

کنڈلا بولی۔ "لیکن اگر بردہ فروشوں کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے بھی پکڑ لیں گے۔"

نائیکہ کہنے لگی۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ ناگ پال کو ان لوگوں نے جنگل میں ایک جگہ کوٹھڑی میں بند کیا ہوا ہے۔ اس وقت ان لوگوں میں سے وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ کوٹھڑی کو تالا لگا کر مجھے ناگ پال کی نگرانی کے لئے چھوڑ کر دوسرے دیہات میں دوسری لڑکیوں لڑکوں کی تلاش میں نکل گئے ہیں اور صبح ہونے سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔ تم اسی وقت میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"یہ جگہ یہاں سے کتنی دُور ہوگی؟" کنڈلا نے پوچھا۔

بوڑھی نائیکہ نے کہا۔ "زیادہ دُور نہیں ہے۔ ہم رات کا اندھیرا ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

بوڑھی نائیکہ کنڈلا کو ساتھ لے کر ٹیلے والی باولی کی طرف چل پڑی۔

جاسوس کاجو، ناگ جی کے مندر کے باہر ایک جگہ چھپ کر کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اُس نے نائیکہ کو دیکھا کہ وہ کنڈلا کو ساتھ لے کر چل پڑی ہے وہ اسی وقت اُونٹ پر سوار ہو کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل میں جا کر اُس نے راج گورو سے عرض کی۔

"مہاراج! نائیکہ، کنڈلا کو ناگ پال سے ملانے کے لئے ساتھ لے کر چل پڑی ہے۔ آپ تشریف لے چلئے۔"

راج گورو اسی لمحے کے انتظار میں تھا۔ وہ اسی وقت جاسوس کاجو کے ہمراہ لمبا سیاہ لبادہ اوڑھ کر ٹیلے والی باولی کی طرف چل پڑا۔ یہ دونوں پہلے پہنچ گئے۔ جاسوس کاجو اور راج گورو، ناگ پال کی کوٹھڑی کے باہر ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے وہ دیوار میں ایک خود بنائے گئے سوراخ میں سے ناگ پال کو کوٹھڑی میں بیٹھا دیکھ سکتے تھے۔ تھوڑی دیر میں بوڑھی نائیکہ بھی کنڈلا کو لے کر پہنچ گئی۔ ناگ پال، کنڈلا کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور پُر سکون نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ کنڈلا نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں ناگ پال؟"

ناگ پال کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا۔

"دیوی ماتاؤں کی یہی مرضی تھی کنڈلا! اور ایسا ہو گیا۔"

بوڑھی نائیکہ ایک طرف ہو کر خاموش کھڑی تھی۔ راج گورو مارا اور جاسوس کاجو کوٹھڑی کی دیوار کی درز میں سے اُنہیں دیکھ رہے تھے۔ کنڈلا کہنے لگی۔

"میں تمہیں ہرگز یہاں نہیں رہنے دُوں گی۔" پھر کنڈلا نے بوڑھی نائیکہ کی طرف دیکھا اور بولی۔ "اس وقت تو تمہارے کہنے کے مطابق بردہ فروشوں میں سے کوئی بھی یہاں نہیں ہے۔ ہم ناگ پال کو بڑی آسانی سے یہاں سے نکال کر لے جا سکتے ہیں۔"

بوڑھی نائیکہ بولی۔ "کیا تم میری نیکی کا مجھے یہ بدلا دینا چاہتی ہو کہ صبح ان لوگوں کو جب پتہ چلے کہ ناگ پال فرار ہو گیا ہے تو وہ میری بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کے آگے ڈال دیں؟ اگر تم یہ چاہتی ہو تو بے شک ناگ پال کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

تب ناگ پال کہنے لگا۔ "یہ عورت ہماری ہمدردی میں ایسا کہہ رہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے ہمدردی کرنے کے عوض اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس کی بجائے میں اسی جگہ قید میں رہنا زیادہ پسند کروں گا۔ ہاں اگر تم مجھے یہاں سے نکالنا چاہتی ہو تو رانی چمپاکلی کو جا کر سارا ماجرا بیان کرو۔ وہ شاہی محل کے فوجی بھیج کر نہ صرف مجھے یہاں سے نکال لے جائے گی بلکہ ان بردہ فروش ڈاکوؤں کو بھی صبح ان کے آنے پر گرفتار کر لے گی۔"

کنڈلا بولی۔ "میں ابھی رانی جی سے جا کر بات کرتی ہوں۔ رانی چمپاکلی ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائے گی اور وہ اپنی حویلی پر پہرہ دینے والے شاہی محل کے سپاہیوں کا دستہ بھیج کر تمہیں آزاد کرا دے گی اور صبح ان بردہ فروشوں کو بھی چھاپہ مار کر پکڑے گی۔ میں ابھی رانی جی سے جا کر ملتی ہوں۔"

یہ کہہ کر کنڈلا تیز قدموں سے چلتی کوٹھڑی سے باہر نکل گئی۔ نائیکہ پیچھے پیچھے اُس کے ساتھ تھی۔ دوسری طرف راج گورو مارا نے کنڈلا اور ناگ پال کی باتیں سن لی تھیں اور اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ ناگ پال ہی رانی چمپاکلی کا پریمی ہے۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ اُس نے سارا

نائک یہی ثبوت حاصل کرنے کے لئے رچایا تھا۔ اب وہ اپنی سازشی کمان کا تیر صحیح نشانے پر چلا سکتا تھا۔ جاسوس کاجو اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ اُس نے راج گورو سے پوچھا۔

''مہاراج! آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اپنے کانوں سے سن لیا۔ اب تو آپ کو میری باتوں کا یقین آ گیا ہوگا۔''

راج گورو نے کہا۔ ''کاجو! اب تم اس انعام کے صحیح حقدار ہو جس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا۔ اور انعام تمہیں ضرور ملے گا۔''

اس وقت کنڈلا وہاں سے شاہی حویلی کی طرف جا چکی تھی۔ راج گورو مارا نے جاسوس کاجو کو حکم دیا۔ ''اپنے آدمیوں سے کہو کہ ناگ پال کو جس طرح پرانی حویلی سے اُٹھا کر یہاں لائے تھے اسی طرح اسے اُٹھا کر واپس پرانی حویلی کی کوٹھڑی میں پہنچا دو اور اس جگہ پر ایسی تمام نشانیاں مٹا کر ختم کر دو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہاں کسی کو قید میں رکھا گیا تھا۔ رانی چمپاکلی خود تو یہاں نہیں آئے گی لیکن وہ ناگ پال کو ہماری طرف سے بنائے گئے فرضی ڈاکوؤں کی قید سے چھڑانے کے لئے اپنی حویلی کے سپاہیوں کو یہاں ضرور بھیج دے گی۔''

راج گورو مارا یہ حکم دے کر واپس شاہی محل کو چل دیا۔ جاسوس کاجو کی شیطانی ٹولی کے آدمی جو پہلے سے وہاں اِدھر اُدھر چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے، وہ سامنے آ گئے۔ بوڑھی نائیکہ ایک طرف خاموشی سے کھڑی تھی۔ جاسوس کاجو نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

''سب سے پہلے تو یہاں جو چارپائی اور کچھ برتن وغیرہ پڑے ہیں یہ اُٹھا کر غائب کر دو۔''

پھر اُس نے بوڑھی نائیکہ کی طرف اشارہ کیا اور حکم دیا۔ ''اور اس عورت کو گرفتار کر کے اپنے ڈیرے پر لے جا کر کوٹھڑی میں بند کر دو اور جب تک میں نہ کہوں اسے وہیں بند رکھو۔ اس دوران اسے کسی سے ملنے جلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔''

بوڑھی عورت نے سر پیٹ لیا اور بولی۔

''مجھے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے مہاراج؟ مجھ پر یہ ظلم نہ کرو۔''

لیکن جاسوس کاجو کے دو ہٹے کٹے آدمی بوڑھی عورت کو اُٹھا کر باہر لے گئے۔ باقی آدمی کوٹھڑی میں سے چارپائی اور برتن وغیرہ اُٹھانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹیلے کی باولی والی کوٹھڑی پہلے کی طرح ویران لگنے لگی تھی۔ جاسوس کاجو شاہی محل کی طرف اُونٹ پر سوار ہو کر جا رہا تھا اور اُس کے آدمی بوڑھی نائیکہ کو باندھ کر اُونٹ پر ڈالے اپنے پرانے ڈیرے کی طرف اُونٹ دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔

کنڈلا اتنی دیر میں اپنی شاہی حویلی میں پہنچ گئی تھی۔ اُس نے جاتے ہی رانی چمپاکلی کو سب کچھ بیان کر دیا۔ چمپاکلی نے جب سنا کہ ناگ پال کو ڈاکوؤں نے اغوا کر رکھا ہے تو دل پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کنڈلا بولی۔ ''رانی جی! یہ وقت اس طرح جی ہار کر بیٹھ جانے کا نہیں۔ آپ فو

حویلی کے سپاہیوں کا دستہ بھیج کر ناگ پال کو بردہ فروشوں کی قید سے آزاد کروائیں۔ ناگ پال نے بھی مجھے یہی پیغام دے کر بھیجا ہے۔''

رانی چمپاکلی کہنے لگی۔ ''کنڈلا! میرے ایسا کرنے سے سارے محل کو پتہ چل جائے گا کہ میں نے ناگ پال کو بچانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔''

''پھر کیا، کیا جائے؟ ناگ پال کو راتوں رات وہاں سے نہ نکالا تو بردہ فروش اُسے شہر بابل کی طرف لے جائیں گے۔ پھر شاید آپ ساری زندگی ناگ پال کی شکل کو ترستی رہیں گی۔'' کنڈلا نے کہا۔

چمپاکلی نے بے قرار ہو کر کہا۔ ''یہ کام تم کرو گی۔ اپنے خاص پہرے داروں کو خفیہ طور پر لے کر وہاں پہنچ جاؤ اور ناگ پال کو وہاں سے نکال کر اُس کے آشرم پہنچا دو۔ جاؤ... دیر نہ لگاؤ۔''

رانی چمپاکلی کی شاہی حویلی کے خاص پہرے دار سپاہی تھے جو رات کے وقت حویلی کے گرد گشت لگا کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ وہ بلموں، گرزوں اور پتھروں سے بنے تیز دھار خنجر نما آلات سے لیس ہوتے تھے۔ کنڈلا نے اسی وقت اُنہیں ساتھ لیا اور ٹیلے والی باولی کی طرف برق رفتاری سے روانہ ہو گئی۔ تیز رفتار سانڈنیاں چند ساعتوں میں وہاں پہنچ گئیں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ سپاہیوں نے مشعلیں روشن کر دیں اور کنڈلا انہیں اس کوٹھڑی میں لے گئی جہاں ناگ پال قید و بند میں پڑا تھا۔ مگر کوٹھڑی خالی تھی...... وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سپاہیوں کے دستے کے سردار نے کہا۔ ''دیوی جی! یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

کنڈلا خود حیرت زدہ تھی کہ تھوڑی دیر پہلے تو ناگ پال وہاں موجود تھا اب کہاں چلا گیا؟ اُس نے سپاہیوں کے ساتھ مل کر باولی کا چپہ چپہ چھان مارا مگر وہ جگہ تو ایسے ایک دم ویران ہو گئی تھی جیسے صدیوں سے وہاں کوئی انسان نہ آیا ہو۔ انتہائی مایوسی اور حیرت کے عالم میں کنڈلا حویلی میں واپس آ گئی۔ جب اُس نے سارے حالات سے چمپاکلی کو آگاہ کیا اور کہا کہ کوٹھڑی ویران پڑی ہے اور وہاں ناگ پال نہیں ہے تو چمپاکلی کے چہرے پر فکر و تردد کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ اُس نے کہا۔

''کنڈلا! یہ ہمارے خلاف ہمارے دشمنوں کی کوئی چال لگتی ہے اور ہمارا یہ دشمن راج گورو مارا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں بہت محتاط ہو کر رہنا ہوگا۔''

کنڈلا بولی۔ ''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے رانی جی! لیکن یہ چال میری سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن ناگ پال کو آشرم سے اغوا ضرور کیا گیا ہے۔ میں نے اُسے اپنے سامنے بیٹھے دیکھا ہے اور اُس سے باتیں کی ہیں۔''

چمپاکلی نے کہا۔

''ہمارا دشمن بڑا چالاک اور عیار ہے۔ اُس کی چال ہماری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہمیں

صرف چوکس ہو کر رہنا ہو گا۔ لگتا ہے دشمن نے ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ ناگ پال کی فکر ہے۔ اُسے ضرور اغوا کر لیا گیا ہے۔ اسے کیوں اغوا کیا گیا ہے اور اب وہ کہاں ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ بھگوان جانے ناگ پال کہاں ہو گا، کس حال میں ہو گا...'' اور رانی چمپاکلی کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

راج گورو مارا کے فتنہ خیز دماغ نے ناگ پال کا قصہ پاک کروانے اور رانی چمپاکلی سے اپنی ذلت و رسوائی کا انتقام لینے کے لئے جو جال پھیلایا تھا اس میں اُسے ناگ مندر کے بڑے پروہت دیوا کا تعاون بھی حاصل تھا۔ پروہت دیوا رانی چمپاکلی کو اپنی ہوس کا نشانہ نہیں بنا سکا تھا۔ اس ذلت آمیز ناکامی نے اُسے چمپاکلی کا دشمن بنا دیا تھا۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ رانی چمپاکلی کسی نوجوان سے محبت کرتی ہے جو اُسے ملنے حویلی میں آتا تھا۔ وہ انتقام اور حسد کی آگ میں اندر ہی اندر جل رہا تھا۔ مگر چمپاکلی، راجہ یوگ راج کی چہیتی رانی تھی۔ پروہت دیوا کا بس نہیں چلتا تھا۔ وہ رانی چمپاکلی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ لیکن وہ چمپاکلی سے بدلہ لینے کی تاک میں رہتا تھا۔ چنانچہ جب راج گورو مارا نے اُسے بتایا کہ اُس نے رانی چمپاکلی کے پریمی کو اپنے قابو میں کر لیا ہے اور یہ کہ اُس نے چمپاکلی سے بدلہ لینے اور اس کے پریمی کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی کیا سکیم تیار کیا ہے تو پروہت دیوا خوشی سے اُچھل پڑا۔ کہنے لگا۔

''مہاراج! آپ کو یقین ہے نا کہ یہ وہی نوجوان ہے جس سے رانی چمپاکلی بہت محبت کرتی ہے؟''

راج گورو نے کہا۔ ''تم یوں سمجھ لو کہ میں نے اس نوجوان کو جس کا نام ناگ پال ہے رانی چمپاکلی کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اس کے بعد تو شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی نا۔''

''بالکل نہیں مہاراج!'' پروہت دیوا بولا۔

راج گورو مارا نے پروہت دیوا کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

''ناگ ماتا کے بلیدان اُتسو کو صرف بیس دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس بار ناگ ماتا کو جس نوجوان کی قربانی پیش کی جائے گی وہ ناگ پال ہو گا۔''

پروہت دیوا کی چھوٹی چھوٹی سازشی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ کہنے لگا۔

''آپ نے ناگ پال کو کہاں رکھا ہوا ہے؟''

راج گورو مارا نے کہا۔ ''اس وقت وہ ہماری پرانی حویلی کے تہہ خانے میں بند ہے۔''

''مہاراج!'' پروہت دیوا بولا۔ ''ناگ پال کا ناگ ماتا کے مندر کے تہہ خانے میں لایا جانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ بلیدان کا دن بہت قریب ہے اور راجہ کے حکم سے آج کل میں مجھے کسی نوجوان کو لازمی طور پر راجہ کے سامنے پیش کرنا ہو گا تاکہ راجہ اُسے اپنا اشیر باد دے

کر ناگ ماتا کا اشیر باد حاصل کر سکے۔''

راج گورو مارا نے کہا۔ ''آج رات کو ہی ناگ پال کو ناگ ماتا کے مندر کے تہہ خانے میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس کی تم فکر نہ کرو۔''

چنانچہ راج گورو مارا نے جاسوس کاجو اور اُس کے آدمیوں کی مدد سے راتوں رات ناگ پال کو پرانی حویلی کے تہہ خانے سے نکال کر ناگ ماتا کے مندر کے تہہ خانے میں پہنچا دیا۔ اس وقت وہاں پروہت دیوا پہلے سے موجود تھا۔ وہ پہلی بار رانی چمپاکلی کے پریمی کو دیکھ رہا تھا۔ ناگ ماتا کو ہر دو سال کے بعد انسانی قربانی پیش کی جاتی تھی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ جب راج گورو نے ناگ پال کو اغوا کیا تو ناگ ماتا کے بلیدان کا تہوار بہت قریب تھا۔ ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان کا انتخاب ناگ مندر کا پروہت کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے پجاریوں کے ساتھ قربانی کے لئے کسی موزوں نوجوان کی تلاش میں نکل پڑتا تھا اور گاؤں گاؤں، آشرم آشرم پھر کر ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان کو تلاش کر کے اور خفیہ طور پر اغوا کر کے مندر کے تہہ خانے میں پہنچا دیا جاتا تھا۔

قربان کئے جانے والے شخص کا خوش شکل ہونا اور نوجوان ہونا بہت ضروری تھا۔ کسی بد شکل اور بوڑھے انسان کی قربانی ناگ ماتا قبول نہیں کرتی تھی۔ پروہت دیوا، نے ناگ پال کو دیکھا تو اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ ناگ پال ہر اعتبار سے ناگ ماتا کے بلیدان پر پورا اُترتا تھا۔ وہ نوجوان بھی تھا اور خوبصورت بھی تھا۔ اب وہ اُسے بڑے اعتماد کے ساتھ راجہ کے حضور پیش کر سکتا تھا تاکہ راجہ کی منظوری بھی حاصل کر لی جائے۔

جس رات کو ناگ مندر پر قربان کئے جانے والے نوجوان یعنی ناگ پال کو راجہ کے سامنے پیش کیا جانا تھا اس رات ناگ ماتا کے مندر میں بڑے دیپ جلا دیئے گئے تھے۔ ہر طرف دیوالی کا منظر تھا۔ ناگ ماتا کا مندر شہر کی چار دیواری کے باہر ایک ٹیلے کے دامن میں واقع تھا۔ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق ناگ ماتا، ناگ دیوتا کی چہیتی بیٹی تھی جس کو نوجوان اور خوش شکل لڑکوں کی قربانی کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ قدیم روایات کے مطابق ہر دو سال بعد ایک خوبصورت نوجوان کو ناگ ماتا پر قربان کیا جاتا تھا۔ راجہ یوگ راج کو سورج غروب ہونے کے بعد ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان کے درشن کرنے آنا تھا۔ پروہت دیوا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی راج گورو مارا کے محل میں پہنچ گیا۔ راج گورو مارا نے اس وقت پروہت دیوا کو دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

''اس وقت کیسے آنا ہوا پروہت دیوا؟''

پروہت بولا۔ ''مہاراج! ایک ضروری بات کرنے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے اچانک خیال آیا ہے کہ رانی چمپاکلی کو بلیدان کی رسم ادا ہونے سے پہلے ہی ضرور معلوم ہو جائے گا کہ جس

نوجوان کو اس دفعہ ناگ ماتا پر قربان کیا جا رہا ہے وہ اس کا پریمی ناگ پال ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رانی، راجہ سے کہہ کر ناگ پال کو قربان ہونے سے بچا لے۔ کیونکہ چمپا کلی یہ کبھی برداشت نہیں کرے گی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے پریمی کو موت کے منہ میں ڈال دیا جائے۔''

راج گورو مسکرا دیا۔ مسکرانے سے اُس کا چہرہ اور زیادہ مکروہ نظر آنے لگا۔ اُس نے اپنی کلائی والے سانپ کی سری پر اُنگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ ''پروہت دیوا! رانی چمپا کلی نے اگر راجہ کو یہ بتا دیا کہ جس نوجوان کو ناگ ماتا پر قربان کیا جا رہا ہے وہ اس کا پریمی ناگ پال ہے تو تمہارا کیا خیال ہے راجہ یوگ راج اُسے معاف کر دے گا؟ وہ تو رانی چمپا کلی کو بھی ناگ پال کے ساتھ ہی ناگ ماتا پر قربان کروا دے گا۔ رانی چمپا کلی سے ہمارا انتقام یہی تو ہے کہ وہ اپنے پریمی کو اپنی آنکھوں کے سامنے موت کے منہ میں اُترتے دیکھے گی اور اُسے بچانے کے لئے کچھ نہ کر سکے گی۔ رانی چمپا کلی کی یہی بے بسی تو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی سے تو ہمارے اندر سلگتی ہوئی انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوگی۔ بے فکر ہو کر جاؤ اور بلیدان کی تیاریاں کرو۔''

یہ بات پروہت دیوا کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ اسی لمحے ناگ ماتا کے مندر میں واپس آ گیا۔ جب سورج غروب ہو گیا تو راجہ یوگ راج، راج گورو مارا اور پجاریوں کے ساتھ ناگ ماتا کے مندر میں پہنچ گیا۔ پروہت دیوا اور ناگ ماتا مندر کی دیوداسیوں نے بھجن گا کر اور ناگ رقص کر کے راجہ کا خیر مقدم کیا۔ اس وقت ناگ پال مندر کے تہہ خانے میں موجود تھا۔ اُس کو کیسری رنگ کا ریشمی چولا پہنا دیا گیا تھا، گلے میں پھولوں کے ہار تھے اور پروہت دیوا، نے اپنے ہاتھوں سے بھجن کیرتن کرتے ہوئے اور ناگ ماتا کے منتروں کا جاپ کرتے ہوئے ناگ پال کے چہرے پر پانی میں گھلا ہوا کیسر چھڑک دیا تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ناگ ماتا نے اس نوجوان کو اپنی قربانی کے لئے قبول کر لیا ہے۔

پروہت راجہ اور راج گورو مارا کو خود لے کر نیچے تہہ خانے میں آ گیا۔ تہہ خانے میں تیل کے چراغ روشن تھے۔ درمیان میں صندل کے تخت پوش پر سرخ مخمل کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ناگ پال آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ناگ پال کے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی یا اضطراب کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ انتہائی سکون کی حالت میں بیٹھا تھا۔ پروہت دیوا، راجہ یوگ راج اور راج گورو مارا کو ناگ پال کے تخت کے قریب لاتے ہوئے ہاتھ باندھ کر بولا۔

''مہاراج! یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جسے اس بار ناگ ماتا نے اپنی قربانی کے لئے قبول کر لیا ہے۔''

راجہ یوگ راج نے دیکھا کہ نوجوان ناگ پال کے چہرے پر ناگ ماتا کی قبولیت کی نشانی کیسر چھڑکا ہوا تھا۔ راجہ نے اس سے پہلے ناگ پال کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناگ پال کی خوبصورتی اور اُس کے چہرے پر چھائے ہوئے سکون اور شانتی کی کیفیت سے بڑا متاثر ہوا۔

اُس نے پروہت دیوا سے کہا۔

''پروہت جی! اس بار ناگ ماتا جی کی آتما بلیدان سے بڑی خوش ہوگی اور ہماری کھیتیاں زیادہ اناج دیں گی اور ناگ ماتا کی دیا سے بانجھ عورتوں کی کوکھ بھی ہری ہوگی۔''

''سچ فرمایا مہاراج!'' پروہت دیوا، نے سر جھکا کر کہا۔ ''مہاراج! ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔''

راجہ یوگ راج نے ناگ پال کے سر کے اُوپر ہاتھ لے جا کر کہا۔ ''ناگ ماتا جی! میں اس نوجوان کو آپ پر بلیدان کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اسے سویکار کیجئے۔''

پجاریوں اور پروہت دیوا، نے ناگ ماتا کی جے کا نعرہ بلند کیا اور دیوداسیاں تھالیوں میں لوبان سلگائے بھجن کیرتن کرتی ہوئی ناگ پال کے تخت کے اردگرد رقص کرنے لگیں۔ راجہ یوگ راج، راج گورو کے ساتھ تہہ خانے سے واپس چل دیا۔ پروہت دیوا اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔ اُن کے جانے کے کچھ دیر بعد رقص کرنے والی دیوداسیاں بھی ناگ پال کے قدموں کو باری باری چوم کو تہہ خانے سے چلی گئیں۔ تہہ خانے میں صرف ناگ پال اور ایک ہٹا کٹا پہرے دار پجاری ہی رہ گیا جس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا گرز تھا اور جو ناگ پال کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُسے پروہت اور راجہ کی طرف سے حکم تھا کہ اگر قربان کیا جانے والا نوجوان بھاگنے کی کوشش کرے تو فوراً گرز کے وار سے اُس کی گردن کا منکا توڑ دیا جائے۔ اس کے باوجود ناگ پال کے دونوں پاؤں میں کسی دھات کی زنجیر پڑی ہوئی تھی جسے اُس کے کیسری چولے نے ڈھانپ رکھا تھا اور وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔

گرز بردار ہٹا کٹا سیاہ فام پجاری بڑا حیران تھا۔ اُس نے اس سے پہلے ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے ہر نوجوان کو روتے پیٹتے اور ماتھا زمین پر رگڑ رگڑ کر راجہ سے رحم کی بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ ایک بار ایک نوجوان نے تو زنجیر سمیت بھاگ نکلنے کی بھی کوشش کی تھی جس کی گردن اس وقت سیاہ فام پجاری نے گرز مار کر توڑ دی تھی۔ لیکن ایسا نوجوان اس سیاہ فام پجاری نے پہلی بار دیکھا تھا جو ایسی شانتی اور سکون کے ساتھ موت کے منہ میں جا رہا تھا جیسے ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جا رہا ہو۔ اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے ناگ پال سے پوچھا۔

''کیا تمہیں موت سے ڈر نہیں لگتا؟''

ناگ پال نے سیاہ فام پجاری کو کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تخت پر آنکھیں بند کئے کسی رشی منی کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ جب دوسری بار پجاری نے یہی سوال پوچھا تو ناگ پال نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا تمہیں موت سے ڈر لگتا ہے؟''

پجاری بولا۔ ''موت سے کسے ڈر نہیں لگتا؟ سب موت سے ڈرتے ہیں۔ اور جب موت سامنے نظر آ رہی ہو تو آدمی اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا۔ مگر تم ایسے اطمینان سے بیٹھے ہو

جیسے تمہیں کبھی نہیں مرنا۔''

ناگ پال نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جو موت سے ڈرتے ہیں وہ بے سمجھ ہوتے ہیں۔ انہوں نے موت کو کبھی دیکھا نہیں۔ جو موت کو دیکھ لیتے ہیں وہ موت سے ڈرنا چھوڑ دیتے ہیں۔''

سیاہ فام پجاری کہنے لگا۔ ''موت کو کوئی کیسے دیکھ سکتا ہے بھلا؟ وہ تو کسی کو بھی نظر نہیں آتی۔ وہ تو اچانک آ جاتی ہے اور آدمی کی جان نکال کر لے جاتی ہے۔''

ناگ پال کے لبوں پر ہلکی سی بے معلوم مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا۔

''آدمی جتنا زندگی سے پیار کرتا ہے اس سے آدھا بھی موت سے پیار کرے تو وہ اسے نظر آ جائے اور اس کی دوست بن جائے۔''

پجاری نے دائیں بائیں سر ہلا کر کہا۔ ''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔''

ناگ پال نے اُس کے جواب میں کچھ نہ کہا اور آنکھیں بند کئے تخت پوش پر خاموش بیٹھا رہا۔

راج گورو مارا، نے پروہت دیوا کے ساتھ مل کر ایسا انتظام کیا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور اُسے کہاں سے لایا گیا ہے؟ ناگ پال کا نام ہر ممکن طریقے سے خفیہ اور راز میں رکھا گیا تھا۔ اُس وقت تک جبکہ ناگ پال کی قربانی میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے سوائے راج گورو مارا، جاسوس کاجو اور پروہت دیوا کے کسی کو علم نہیں تھا کہ جس نوجوان کی ناگ ماتا کے نام پر قربانی دی جا رہی ہے اس کا نام ناگ پال ہے۔

کنڈلا اور رانی چمپا کلی یہی سمجھ رہی تھیں کہ ناگ پال کو یا تو واقعی اُن بردہ فروشوں نے اغوا کر لیا ہے جو خوش شکل نوجوان مرد اور عورتیں اغوا کر کے ملک بابل اور ملک روم میں لے جا کر غلاموں اور لونڈیوں کی منڈیوں میں انہیں نیلام کر دیتے ہیں اور یا پھر وہ ان کے دشمن راج گورو کی کسی خطرناک سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ رانی چمپا کلی، کنڈلا سے زیادہ بے چین اور بے قرار تھی۔ اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''تم ایک بار ناگ مُنی جی کے آشرم میں جا کر پتہ کرو۔ شاید ناگ پال وہاں پہنچ چکا ہو۔''

کنڈلا تیار ہو گئی۔ چنانچہ اگلے روز صبح صبح اُس نے بھیس بدلا، سانڈنی پر سوار ہوئی اور شہر کے خفیہ دروازے سے نکل کر ناگ مُنی کے آشرم کی طرف روانہ ہو گئی۔ راج گورو مارا کو اب رانی چمپا کلی اور کنڈلا کی نگرانی کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اب کوئی جاسوس ان کی نگرانی نہیں کر رہا تھا۔ لیکن کنڈلا جب شہر کی فصیل کے باہر آئی تو اُس نے ایک طرف چھپ کر یہ ضرور دیکھ لیا تھا کہ کہیں کوئی جاسوس اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا؟ مگر اُسے وہاں کوئی آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔

کنڈلا دوپہر تک ناگ مُنی کے آشرم میں پہنچ گئی۔ وہ سیدھی ناگ پال کی جھونپڑی پر گئی۔ اُس کی جھونپڑی خالی پڑی تھی۔ اُس نے اِدھر اُدھر اُسے تلاش کیا مگر ناگ پال کہیں دکھائی نہ دیا۔ کچھ فاصلے پر ایک دوسری جھونپڑی کے باہر ایک نوجوان سپیرا چوکی پر بیٹھا تھا۔ کنڈلا اُس کے پاس گئی۔ اُس نے پوچھا۔

''تمہیں پتہ ہے ناگ پال جو اس جھونپڑی میں رہتا تھا کہاں گیا ہے؟''

نوجوان بولا۔ ''وہ تو کئی روز سے غائب ہے۔ شاید واپس اپنے گاؤں چلا گیا ہے۔''

کنڈلا نا اُمیدی کے عالم میں واپس چل پڑی۔ اُس نے واپس آ کر چمپا کلی کو بتایا۔

''ناگ پال، ناگ مُنی کے آشرم میں نہیں ہے۔ وہاں کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا تو اُس نے بتایا کہ ناگ پال کئی روز سے غائب ہے۔''

رانی چمپا کلی دل تھام کر رہ گئی۔ آہ بھر کر بولی۔ ''کنڈلا! میرے دل کو عجیب بے چینی لگی ہے۔ لگتا ہے ناگ پال ضرور کسی مصیبت میں ہے۔''

کنڈلا نے رانی کو حوصلہ دلانے کے لئے کہا۔ ''آپ پریشان نہ ہوں رانی جی! دیوتا ناگ پال کی حفاظت کریں گے۔''

لیکن جب وقت آیا تو دیوتا بھی ناگ پال کی حفاظت نہ کر سکے......

ناگ ماتا کی بلیدان کی رسم بڑی سادگی سے ادا کی جاتی تھی۔ اس موقع پر اتنا بڑا جشن نہیں منایا جاتا تھا جتنا جشن ناگ دیوتا کی قربانی کے وقت منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر راجہ یوگ راج اپنی خاص رانی کے ساتھ بلیدان کی رسم ادا کرنے آتا تھا۔ اُس کے ساتھ راج گورو اور چند درباری ہوتے تھے۔ یہ رسم سورج غروب ہونے کے بعد ناگ ماتا کے مندر کے عقبی میدان میں ایک پانچ سو سالہ پرانے کنوئیں کے پاس منائی جاتی تھی۔ یہ ایک اندھا کنواں تھا۔ اس کا پانی ختم ہو چکا تھا۔ اس میں ایسے سانپ رہتے تھے جن کو خاص طور پر انسانی گوشت پر پالا گیا تھا۔ پیدا ہوتے ہی انہیں مُردہ انسانوں کا گوشت کھلایا جاتا تھا اور بڑے ہو کر بھی انہیں دودھ کی بجائے مُردہ انسانوں کا گوشت ڈالا جاتا تھا۔ یہ سانپ اتنی تیزی سے مُردہ انسان کی بوٹیاں نوچ کر کھا جاتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت اور خوف سے تکتے رہ جاتے تھے۔ یہ سانپ ناگ ماتا کے پتر کہلاتے تھے۔

ناگ ماتا کے بلیدان کی رسم مختلف طریقے سے ادا کی جاتی تھی۔

ناگ دیوتا کی قربانی کے موقع پر تو زندہ انسان کو ذبح کیا جاتا تھا اور اس کے خون سے ناگ دیوتا کی مورتی کو نہلایا جاتا تھا۔ لیکن ناگ ماتا کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ انسان کے خون سے اشنان کرنا پسند نہیں کرتی۔ وہ اپنے اُوپر قربان کئے جانے والے نوجوان کے زندہ جسم کو اپنے ناگ بیٹوں یعنی اندھے کنوئیں میں رہنے والے سینکڑوں آدم خور سانپوں کی

خوراک بنانا زیادہ پسند کرتی تھی۔ چنانچہ ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان کو سجا بنا کر آدم خور سانپوں کے کنوئیں میں پھینک دیا جاتا تھا جہاں سانپوں کو تین دن تک بھوکا رکھا جاتا تھا۔ زندہ انسان کے کنوئیں میں گرتے ہی سینکڑوں سانپ اپنے اپنے بلوں سے نکل کر اس بد نصیب شخص سے چمٹ جاتے تھے اور اُس کی تکا بوٹی کرنی شروع کر دیتے تھے۔

چنانچہ بلیدان کی رات کو سورج غروب ہونے کے کچھ ہی دیر بعد راجہ یوگ راج اپنی چہیتی رانی چمپا کلی، راج گورو اور تین چار بوڑھے درباریوں کے ہمراہ قربانی کی رسم میں شرکت کے لئے ناگ ماتا کے مندر میں پہنچ گیا۔ ناگ ماتا کے مندر کو سادگی سے سجایا گیا تھا۔ ناگ ماتا کی مورتی کے آگے پھولوں کے ہاروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ چاروں طرف اگر اور لوبان سلگ رہا تھا۔ ڈھول اور صرف ایک شہنائی کی آواز گونج رہی تھی۔ مورتی کے پاس ہی راجہ یوگ راج اور اُس کے درباریوں کے لئے خاص تخت بچھا ہوا تھا۔

پروہت دیوا، نے راجہ کے چرن چھو کر اُس کا اور رانی چمپا کلی کا سواگت کیا۔ چمپا کلی کا چہرہ ناگ پال کے خیال میں اُداس تھا۔ لیکن وہ راجہ یوگ راج کی خاطر خود کو خوش رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چمپا کلی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ جس نوجوان کو ناگ ماتا پر قربان کیا جا رہا ہے وہ ناگ پال ہی ہے۔ پروہت دیوا، نے بڑے احترام سے راجہ یوگ راج اور اُس کی چہیتی رانی چمپا کلی کو تخت پر بٹھایا۔ راج گورو دوسرے تخت پر راجہ کے پاس بیٹھ گیا۔ ناگ ماتا کی دیوداسیوں نے آ کر راجہ اور رانی کے آگے ہاتھ باندھ کر سروں کو جھکا کر تعظیم کی اور پھر ادب سے ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ پجاریوں نے ناگ ماتا کی شان میں بھجن کیرتن شروع کر دیا۔ عنبر ولوبان سلگ رہا تھا۔ شہنائی گونج رہی تھی۔ رانی چمپا کلی، راجہ کے پہلو میں خاموش بیٹھی تھی۔ وہ ناگ پال کے خیال میں گم تھی۔ سوچ رہی تھی وہ کہاں ہو گا؟ کس حال میں ہو گا؟ اتنے میں پروہت نے اشارہ کیا۔ چار پجاری اشارہ پاتے ہی اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک پالکی نمودار ہوئی۔ جسے چار پجاریوں نے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا۔ پالکی کی چھت نہیں تھی۔ پالکی میں ناگ پال بیٹھا تھا...... اُس کے اُوپر سیندوری رنگ کی چادر پڑی تھی جس میں اُس کا چہرہ چھپ گیا تھا۔ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ ناگ ماتا کے بلیدان کی رسم تھی کہ قربان کئے جانے والے نوجوان کو قربانی دینے تک دیکھنے والوں کی نگاہوں سے چھپایا جاتا ہے۔ اُس کے چہرے پر سے چادر اس وقت ہٹائی جاتی تھی جب اُسے آدم خور سانپوں کے اندھے کنوئیں میں ڈالا جاتا تھا۔

ناگ پال خاموش بیٹھا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کے اس انجام کو دیوی دیوتاؤں کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ اُسے اپنی موت کا ذرا سا بھی غم نہیں تھا۔ رانی چمپا کلی نے سیندوری چادر میں چھپے ہوئے قربان کئے جانے والے نوجوان پر ایک نگاہ ڈالی اور دوبارہ ناگ پال کی یاد میں کھو گئی۔

ڈھولک اور مردنگ بجنے لگے۔ شہنائیوں کی گونج میں دیوداسیوں نے ناگ ماتا کی مورتی کے آگے رقص شروع کر دیا۔ راج گورو مارا اور پروہت دیوا بڑی معنی خیز نگاہوں سے چادر میں چھپے ہوئے ناگ پال کو دیکھ رہے تھے اور اس لمحے کے انتظار میں تھے جب قربانی سے پہلے چادر کو ہٹا دیا جانا تھا اور چمپا کلی نے ناگ پال کو دیکھ کر ششدر ہو کر رہ جانا تھا۔ راج گورو مارا خاص طور پر چمپا کلی کی اس وقت کی ذہنی اذیت کو اس کے چہرے پر ظاہر ہوتے دیکھنا چاہتا تھا اور اپنے اندر بھڑکتے ہوئے انتقام کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ کچھ وقت تک قربانی سے پہلے کی رسومات جاری رہیں۔ اس کے بعد پروہت دیوا، نے اپنا عصا زمین پر تین بار آہستہ آہستہ بجا کر اعلان کیا۔

''ناگ ماتا کی قربانی کا وقت ہو گیا ہے......!''

اس کے ساتھ ہی چار پجاریوں نے ناگ پال کی پالکی اپنے کندھوں پر اُٹھائی اور اشلوک کے منتروں کا جاپ کرتے قربان گاہ یعنی اندھے کنوئیں کی طرف چل پڑے۔ پالکی کے پیچھے پیچھے راجہ یوگ راج اور رانی چمپا کلی چل رہی تھی۔ اُس کے پیچھے راج گورو مارا تھا۔ کالا سانپ اُس کی کلائی کے ساتھ لپٹا ہوا تھا جس کی سری کو وہ آہستہ آہستہ پیار کرتا جا رہا تھا۔ ناگ ماتا کے مندر کے عقب میں کچھ ہی فاصلے پر آدم خور سانپوں کا اندھا کنواں واقع تھا۔ آج اسے بھی سجایا ہوا تھا۔ اس کے چاروں طرف لکڑی کے ستون کھڑے کر کے ان کے ساتھ مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ کنوئیں کی ایک جانب راجہ اور رانی کے لئے تخت بچھا تھا۔ راجہ یوگ راج اپنی رانی چمپا کلی کے ساتھ تخت پر براجمان ہو گیا۔ سانپوں کا کنواں تخت سے تین چار قدموں کے فاصلے پر تھا۔ کنوئیں کے اردگرد بھی مٹی کے چراغ روشن تھے۔

ڈھول تاشوں اور شہنائیوں کی گونج میں پجاری ناگ پال کی پالکی اُٹھا کر لے آئے۔ پروہت دیوا اُن کے آگے آگے چل رہا تھا۔ پالکی راجہ اور رانی چمپا کلی کے تخت کے سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ ایک دیوداسی چاندی کا برتن لے کر راجہ کے پاس آ کر ادب سے کھڑی ہو گئی۔ قدیم زمانے سے یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ ناگ ماتا کی قربانی سے پہلے قربان کئے جانے والے شخص کے چہرے پر سے چادر ہٹا دی جاتی تھی اور راجہ چاندی کے برتن میں سے چندن کا چلو بھر کر قربان کئے جانے والے نوجوان کے چہرے پر چھڑکتا تھا۔ اس کے بغیر قربانی کی رسم پوری نہیں ہوتی تھی۔

پروہت نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

''مہاراج! ناگ ماتا کے بچھڑے پر چندن چھڑک کر قربانی کی آخری رسم ادا کیجئے۔''

قربان کئے جانے والے نوجوان کو ناگ ماتا کا بچھڑا کہا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پروہت، ناگ پال کی طرف بڑھا۔ راج گورو مارا کی مکار آنکھیں رانی چمپا کلی کے چہرے پر

جمی ہوئی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ ایک لمحے میں چمپاکلی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچنے والا ہے۔ وہ اس لمحے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ راجہ یوگ راج نے ناگ ماتا کے بچھڑے کے چہرے پر سے چادر ہٹانے کا اشارہ کیا۔

اور پروہت دیوا، نے ایک جھٹکے سے ناگ پال کے چہرے پر سے چادر ہٹا دی......

جیسے ہی رانی چمپاکلی کی نگاہ ناگ پال پر پڑی اُس کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ بے اختیار پکار اُٹھی۔

''ناگ پال......!''

اور اس کے ساتھ ہی چمپاکلی بے ہوش ہو کر تخت سے نیچے گر پڑی۔ وہاں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ایک دیوداسی نے جلدی سے آگے بڑھ کر رانی چمپاکلی کو اُٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیا۔

راجہ یوگ راج نے چمپاکلی کی زبان سے ناگ پال کا نام سنا تو وہ ایک لمحے کے لئے سکتے میں آ گیا۔ اُسے اس حقیقت کا علم ہو چکا تھا کہ اُس کی چہیتی رانی چمپاکلی پر جس نوجوان سے چھپ کر ملنے کا الزام لگایا گیا تھا اُس کا نام ناگ پال تھا۔ تو کیا یہ نوجوان ناگ پال ہے جس سے اس کی رانی چمپاکلی محبت کرتی تھی؟ اس کا مطلب ہے کہ راج گورو نے صحیح کہا تھا کہ رانی کو اس کی حویلی میں ایک نوجوان چھپ کر ملنے آتا ہے اور اس کا نام ناگ پال ہے۔ راجہ یوگ راج پر یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ اس کی چہیتی رانی واقعی ایک غیر مرد سے عشق کرتی تھی اور یہ ثبوت خود رانی چمپاکلی نے راجہ کو مہیا کر دیا تھا۔ راج گورو نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''رانی جی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ انہیں محل میں آرام کرنے کے لئے پہنچا دیا جائے۔''

چار دیوداسیاں رانی کو اپنی بانہوں پر اُٹھا کر محل کی طرف لے گئیں۔ پروہت نے راجہ کی خدمت میں عرض کی۔ ''مہاراج! قربانی کا وقت نکلا جا رہا ہے۔''

راجہ یوگ راج نے ناگ پال کی طرف دیکھا۔ راجہ کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں مگر ناگ پال کا چہرہ پرسکون تھا۔ اُس نے رانی چمپاکلی کو بے ہوش ہوتے دیکھ لیا تھا۔ مگر وہ اسے بھی دیوی دیوتاؤں اور خاص طور پر ناگ ماتا کی رضا سمجھ کر خاموش تھا۔ وہ خود ناگ ماتا کا پجاری تھا اور اس کے گورو دیوسکھ پال جی بھی ناگ ماتا کی پوجا کرتے تھے۔

پروہت دیوا، نے دیوداسی کو اشارہ کیا۔ دیوداسی چندن والا چاندی کا برتن لے کر راجہ کے پاس آ گئی۔ راجہ نے برتن میں سے چندن کا چلو بھرا اور ناگ پال کے چہرے پر چھڑک دیا اور نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

''قربانی کی رسم پوری کرو......!''

حکم پاتے ہی چاروں پجاری جو ناگ پال کی پالکی اُٹھا کر لائے تھے آگے بڑھے۔ اُنہوں نے پالکی اُٹھائی اور اندھے کنوئیں کے کنارے پر آ کر پالکی کو اُلٹ دیا اور ناگ پال کنوئیں میں گر پڑا...... کنوئیں کے اندر مردم خور سانپوں کو دو دن سے بھوکا رکھا گیا تھا۔ ناگ پال کے

کنوئیں میں گرتے ہی کنوئیں کے اندر سے سانپوں کی غضبناک پھنکاروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان آوازوں کو سنتے ہی پروہت دیوا، نے اپنا عصا اُوپر اُٹھا کر چلا کر کہا۔

''مہاراج بدھائی ہو...... ناگ ماتا جی نے بلیدان سوئیکار کر لیا ہے۔''

ڈھول تاشے زور زور سے بجنے لگے۔ شہنائیاں گونج اُٹھیں۔ دیوداسیاں خوشی سے ناچنے لگیں۔ کنوئیں کے گرد کھڑے بانسوں کی مشعلیں بجھا دی گئیں۔ پروہت دیوا، نے آگے بڑھ کر جھک کر کنوئیں میں نگاہ ڈالی۔ کنواں اتنا گہرا تھا کہ اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر سانپوں کی غضبناک پھنکاریں اور تیز ہو گئی تھیں جس کا مطلب تھا کہ بھوکے مردم خور سانپ، ناگ پال کی تکا بوٹی کر رہے تھے۔ پروہت دیوا، نے راجہ کے تخت کے سامنے آ کر اپنا سر تین بار جھکایا اور بولا۔

''مہاراج! بلیدان سوئیکار ہوا۔ ناگ ماتا جی آپ سے خوش ہو گئیں۔ آپ کا راج پاٹھ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گا۔ کھیتوں میں اناج زیادہ آئے گا۔ بانجھ عورتوں کی کوکھ ہری ہو گی۔ رمایا خوشحال ہو گی۔ بدھائی ہو! بدھائی ہو! بدھائی ہو!''

تین بار بلند آواز میں راجہ کو بدھائی دینے کے بعد پروہت دیوا، نے سر جھکا دیا۔ راجہ یوگ راج کے ذہن کو ابھی تک یہ خیال کچوکے لگا رہا تھا کہ رانی چمپاکلی ناگ پال سے محبت کرتی تھی اور اپنے عاشق کو قربان ہوتے دیکھ کر صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ اگرچہ راجہ نے اپنے رقیب ناگ پال سے نجات حاصل کر لی تھی اور اس سے راجہ کی محبت پر ڈاکہ ڈالنے کا بدلہ لے لیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال راجہ کے ذہن کو سانپ بن کر ڈس رہا تھا کہ رانی چمپاکلی اُس سے نہیں بلکہ ناگ پال سے محبت کرتی تھی اور آج بھی اسی سے محبت کرتی ہے۔ راجہ یوگ راج کا خون کھول رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اُسے اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ رانی چمپاکلی کی زبان سے ناگ پال کا نام سن کر وہاں پر موجود پجاریوں، دیوداسیوں، راج گورو اور پروہت دیوا کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ جس ناگ پال نام کے نوجوان کو ناگ ماتا پر قربان کیا گیا ہے رانی اُس سے پریم کرتی تھی۔ یہ راجہ یوگ راج کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ اس سے زیادہ راجہ کی بے عزتی اور کیا ہو سکتی تھی؟ راجہ اس بے عزتی اور ذلت کو زہر کا گھونٹ سمجھ کر پی گیا تھا۔ اس وقت راج گورو مارا اور پروہت دیوا دونوں نے بڑی عیاری سے کام لیا اور راجہ پر یہی ظاہر کیا کہ انہوں نے رانی جی کی زبان سے ناگ پال کا نام نہیں سنا۔ راجہ یوگ راج کی سواری محل کی طرف واپس جانے لگی تو پروہت دیوا اور راج گورو مارا، راجہ یوگ راج سے احتراماً ایک قدم پیچھے ہٹ کر ساتھ چلنے لگے۔ راج گورو مارا نے مزید عیاری سے کام لیتے ہوئے راجہ سے کہا۔

''مہاراج! رانی جی محض اس خیال سے ڈر کے مارے بے ہوش ہوئی ہیں کہ قربان کئے

جانے والے نوجوان کو بھوکے مردم خور سانپوں کے آگے ڈالا جا رہا ہے اور کوئی بات نہیں تھی۔ آپ فکر نہ کریں۔ شاہی وید رانی جی کی دیکھ بھال کر رہا ہوگا۔''

راج گورو نے یہ چال اس قدر اعتماد کے ساتھ چلی تھی کہ راجہ کو یقین سا ہونے لگا کہ رانی چمپاکلی کی زبان سے نکلا ہوا ناگ پال کا نام کسی دوسرے نے نہیں سنا۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ خیال کی ایک دوسری لہر نے راجہ کے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ راجہ سوچنے لگا۔ رانی چمپاکلی نے اُونچی آواز میں ناگ پال کا نام لیا تھا اور کسی نے نہیں تو کم از کم راج گورو نے یہ نام ضرور سن لیا ہوگا۔ اب وہ محض اُس کی (راجہ کی) دل جوئی کی خاطر ایسا کہہ رہا ہے۔ انہی پریشان خیالوں میں پیچ و تاب کھاتا راجہ یوگ راج محل میں آ گیا۔ وہ سیدھا رانی کے محل میں گیا۔ رانی چمپاکلی شاہی پلنگ پر ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ بوڑھا شاہی وید قریب ہی چوکی پر بیٹھا پیالے میں گلاب کا عرق ڈال کر اُسے کسی جڑی بوٹی کی شاخ سے آہستہ آہستہ پلا رہا تھا۔ کنڈلا رانی چمپاکلی کے پاس بیٹھی رانی کے ماتھے پر زعفران میں بھیگی ہوئی پٹی رکھ رہی تھی۔ راجہ کو دیکھ کر وید جی اُٹھ کھڑے ہوئے اور جھک کر بولے۔

''مہاراج! پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ مہارانی جی کے دل پر کسی شے کے خوف کا اثر ہوا ہے۔ بھگوان کی دیا سے مہارانی جی کو ابھی ہوش آ جائے گا۔''

راجہ یوگ راج کا دل اپنی چہیتی رانی کی طرف سے بجھ سا گیا تھا۔ وہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی رانی جس کو وہ اس قدر پیار کرتا ہے اور جو خود ہی اس کے پیار کا دم بھرتی ہے اس کی بجائے کسی دوسرے نوجوان سے محبت کرتی تھی۔ اس نے بے ہوش پڑی رانی کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور شاہی وید سے کہا۔

''رانی جی کے علاج میں کوئی کمی نہیں آنی چاہئے۔ رانی جی کو ہوش میں لے آئیں، ہم آپ کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دیں گے۔''

شاہی وید دل میں بڑا خوش ہوا، کہنے لگا۔ ''مہاراج! آپ چنتا نہ کریں۔ رانی جی کو ابھی ہوش آ جائے گا۔''

رانی چمپاکلی کو اسی وقت ہوش آ گیا تھا جب راجہ یوگ راج اُس کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ لیکن وہ جان بوجھ کر بے ہوش بن کر پڑی رہی تھی۔ وہ دہری کرب انگیز صورتِ حال سے دوچار تھی۔ ایک تو اُسے اپنے محبوب ناگ پال کی موت کا صدمہ تھا اور دوسرے وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ راجہ یوگ راج نے اُس کی زبان سے نکلا ہوا ناگ پال کا نام سن لیا ہے۔ اور اسے معلوم ہوگیا ہے کہ رانی چمپاکلی، ناگ پال سے پریم کرتی تھی اور راج گورو نے اس پر جھوٹا الزام نہیں لگایا تھا۔ چمپاکلی اتنی جلدی ہار ماننے والی عورت نہیں تھی۔ اور اُس کے ترکش میں مشکل سے مشکل نشانے پر لگنے والا تیر موجود تھا۔ لیکن ناگ پال کی موت کے

اچانک صدمے نے چمپاکلی کو نڈھال کر دیا تھا۔ اُس کے جسم اور ذہن کی تمام طاقتوں کو جیسے ماؤف کر دیا تھا۔ اُس کے دشمن راج گورو نے ایک پیچیدہ اور خطرناک چال چل کر جس طرح چمپاکلی کو شکست دی تھی، اس سے اپنی ذلتوں کا بدلہ لیا تھا اور ناگ پال کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا تھا چمپاکلی اب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ لیکن اُسے صدمہ اس بات کا تھا کہ راج گورو مارا کی چال چمپاکلی کی سمجھ میں اس وقت آئی جب بازی اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور ناگ پال اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکا تھا۔ راج گورو مارا سے وہ ناگ پال کے قتل کا بدلہ لئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ اس اذیت ناک ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی کہ راجہ کے سامنے کیا منہ لے کر جائے گی؟ چمپاکلی اس حقیقت سے بھی غافل نہیں تھی کہ اب راج گورو مارا کے تیر ستم کش کا دوسرا نشانہ وہ خود یعنی چمپاکلی ہے۔ اوّل تو بہت ممکن تھا کہ اس کے ہوش آنے کے بعد راجہ خود ہی اسے یعنی چمپاکلی کو قتل کروا دے۔ اگر اپنی محبت کی کمزوری کی وجہ سے راجہ یوگ راج ایسا نہ کر سکا تو ہوسکتا ہے راج گورو مارا، راجہ یوگ راج پر اثر ڈال کر راجہ کو قائل کر لے کہ چونکہ ناگ پال سے رانی جی کے پریم کا قصہ ساری رعایا اور شاہی دربار کو معلوم ہو چکا ہے اس لئے رعایا اور شاہی دربار پر اپنا وقار بحال کرنے کے لئے رانی چمپاکلی کو قتل کر دینا ضروری ہے۔ ناگ پال کی موت کے بعد رانی چمپاکلی کے دل سے موت کا خوف دباتا رہا تھا۔ لیکن وہ راج گورو مارا سے اپنے محبوب کے قتل کا بدلہ لئے بغیر مرنا نہیں چاہتی تھی۔

چمپاکلی اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی جب شاہی دربار کے وید جی نے چمپاکلی کی نبض دیکھ کر راجہ یوگ راج سے کہا۔ ''مہاراج! رانی جی کے دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی ہے۔ اب انہیں بہت جلد ہوش آ جائے گا۔ لیکن ان کا کچھ دیر کے لئے آرام کرنا بہت ضروری ہے۔''

راجہ یوگ راج خاموشی سے خواب گاہ سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شاہی وید نے رانی کے ماتھے پر زعفران میں بھگوئی ہوئی پٹیاں بدل بدل کر رکھتی ہوئی کنڈلا سے کہا۔

''اب ان کی ضرورت نہیں ہے کنڈلا! میں کچھ دیر کے لئے جا رہا ہوں۔ رانی جی کو ہوش آیا تو انہیں گلاب کے عرق کے چند قطرے پلا دینا۔''

اتنا کہہ کر شاہی وید بھی چلا گیا۔ رانی سب کچھ سن رہی تھی۔ اب رانی چمپاکلی اور اُس کی رازدار سہیلی کنڈلا خواب گاہ میں اکیلی تھیں۔ چمپاکلی نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر کنڈلا کو دیکھا اور آنسو بھر کر کہا۔

''ناگ پال مجھے چھوڑ گیا ہے کنڈلا!''

اور چمپاکلی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

○○○

کنڈلا، چمپا کلی کے پلنگ کے پاس چوکی پر بیٹھی تھی۔

کنڈلا کو اس دیوداسی نے جو چندن کا نقرئی برتن لئے قربانی کی آخری رسم ادا کرنے کے واسطے راجہ یوگ راج کے بالکل پاس کھڑی تھی اور جس نے بے ہوش ہونے سے پہلے رانی کی زبان سے ناگ پال کا نام نکلتے سن لیا تھا، کنڈلا کو بتا دیا تھا کہ رانی چمپا کلی قربان کئے جانے والے نوجوان کا نام زبان پر لا کر ایک دم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اور کنڈلا سمجھ گئی تھی کہ چمپا کلی اور ناگ پال، دو پریمیوں، دو محبت کرنے والوں کے دشمن اپنی خونی سازشوں میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ناگ پال کو اپنے جال میں پھنسا کر ایسی بے بسی کی حالت میں موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے کہ خود چمپا کلی بھی اسے نہیں بچا سکتی تھی۔ کنڈلا نے چمپا کلی کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''رانی جی! مجھے سب معلوم ہو گیا ہے۔ ناگ پال، راج گورو اور پروہت دیوا کی باہمی سازش کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ انہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ناگ پال کو آشرم سے اغوا کرنے کے بعد ناگ ماتا پر قربان کر دیا ہے۔ لیکن تمہیں اب بڑی سوجھ بوجھ اور حوصلے سے کام لینا ہوگا رانی جی! آپ کو اس آزمائش پر پورا اُترنا ہوگا۔''

''کنڈلا! مجھے اپنی موت کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ لیکن میں جب تک ایک ایک سے ناگ پال کی موت کا بدلہ نہیں لے لوں گی مجھے مر کر بھی چین نصیب نہیں ہو گا۔'' چمپا کلی نے کہا۔ اُس کی آواز میں اُس کے آہنی عزم کا اظہار تھا۔

اس کے بعد رانی چمپا کلی نے کنڈلا سے پوچھا۔ ''تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا تھا؟''

کنڈلا نے جواب دیا۔ ''دیوداسی رام جنی نے...... وہ چندن کا برتن لئے اس وقت مہاراج کے پاس کھڑی تھی جب پروہت دیوا، نے قربان کئے جانے والے شخص کے چہرے سے چادر ہٹائی تھی اور ناگ پال کو اپنے سامنے دیکھ کر تمہاری زبان سے بے اختیار ناگ پال کا نام نکلا تھا اور تم بے ہوش ہو کر گر پڑی تھیں۔''

رانی چمپا کلی کہنے لگی۔ ''تب تو مہاراج یوگ راج نے بھی میری زبان سے ناگ پال کا نام ضرور سن لیا ہو گا۔ وہ تو میرے بالکل پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ راجہ پر یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ راج گورو نے مجھ پر جھوٹا الزام نہیں لگایا تھا۔ ناگ پال مجھ سے چھپ کر

ملنے آتا تھا۔ ناگ پال میرا پریمی تھا اور میں اب بھی اُس سے پریم کرتی ہوں ورنہ اُسے موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر میری زبان پر اُس کا نام نہ آتا اور میں صدمے سے بے ہوش نہ ہوتی۔''

کنڈلا نے بڑی محبت سے رانی چمپا کلی کے ماتھے پر آئی ہوئی بالوں کی لٹ کو ایک طرف ہٹایا اور کہا۔ ''رانی جی! اب اس قسم کی باتوں سے اپنے دل کو اور زیادہ پریشان نہ کرو۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ اگر راجہ کو سب کچھ معلوم بھی ہو گیا ہے تو ہم بھی اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لیں گے۔''

کنڈلا نے ایک پیالی میں تھوڑا سا گلاب کا عرق ڈال کر رانی چمپا کلی کو دے کر کہا۔ ''وید جی نے کہا تھا رانی جی کو ہوش آنے کے بعد گلاب کا عرق ضرور پلانا۔ یہ پی لیجئے۔''

چمپا کلی آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گئی اور پیالی کنڈلا کے ہاتھ سے تھام کر گلاب کا عرق آہستہ آہستہ پینے لگی۔

شام کو وید جی نے آ کر رانی کی خیریت دریافت کی، اُس کی نبض دیکھی۔ اور خوش ہو کر کہا۔

''مہارانی جی کو دیوتاؤں نے پھر سے تندرست کر دیا ہے۔ بدھائی ہو! میں ابھی جا کر مہاراج کو خوشخبری دیتا ہوں۔''

وید جی چلے گئے۔ اُنہوں نے مہاراج یوگ راج کو جا کر خوشخبری دی کہ مہارانی جی بالکل تندرست ہو گئی ہیں۔ راجہ یوگ راج نے بظاہر خوشی کا اظہار کیا اور وید کو اپنے گلے سے قیمتی موتیوں کا ہار اُتار کر انعام کے طور پر دیا۔ لیکن رانی چمپا کلی کی زبان سے ناگ پال کا نام سن کر راجہ جس ذہنی کوفت میں مبتلا ہو چکا تھا اس میں ذرا سی بھی کمی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اُس کی ذہنی اذیت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ کسی وقت وہ فیصلہ کرتا کہ ابھی رانی کی خواب گاہ میں جائے اور اپنا طلائی گرز اُس کے سر پر مار کر اس کی کھوپڑی پھاڑ دے۔ پھر خیال آتا کہ اگر اس نے رانی چمپا کلی کو قتل کر دیا تو اس کے بعد درباریوں اور اس کی رعایا کو یقین ہو جائے گا کہ رانی چمپا کلی نے ضرور راجہ سے بے وفائی کی ہو گی۔ رانی ضرور ناگ پال سے عشق کرتی ہو گی۔ اب تک تو راجہ یہ سوچ کر اپنے آپ کو تھوڑا سا مطمئن کر لیتا تھا کہ ہو سکتا ہے ابھی تک رعایا اور اہل دربار کو معلوم ہی نہ ہو کہ رانی چمپا کلی کسی غیر مرد سے پریم کرتی ہے اور سوائے راجہ کے دوسرے کسی نے چمپا کلی کی زبان سے نکلتا ناگ پال کا نام نہ سنا ہو۔

اور جب شاہی وید نے آ کر راجہ کو یہ خبر دی کہ رانی چمپا کلی کو ہوش آ گیا ہے اور وہ پھر سے تندرست ہو گئی ہے تو راجہ نے بظاہر خوش ہو کر شاہی وید کو موتیوں کا ہار بطور انعام ضرور دیا تھا مگر رانی چمپا کلی کی خیریت معلوم کرنے اور اس سے ملنے محل کی شاہی خواب گاہ میں نہیں گیا تھا۔ راجہ یوگ راج کا رانی کی شکل تک دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

اس طرح ساری رات راجہ نے پریشانی کی حالت میں گزار دی۔

رانی چمپا کلی نے بھی کبھی جاگ کر کبھی سو کر رات گزاری۔ کنڈلا اگرچہ اُس کی خدمت گزاری کرتی رہی، لیکن چمپا کلی کو ساری رات یہی دھڑکا لگا رہا کہ کہیں مہاراج اچانک نہ آ جائیں اور اس سے یہ نہ پوچھیں کہ رانی چمپا کلی! ناگ ماتا پر قربان کئے جانے والے نوجوان کو دیکھ کر تمہاری زبان سے ناگ پال کا نام کیوں نکلا تھا؟ اور تم بے ہوش کس لئے ہوگئی تھیں؟ رانی چمپا کلی کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ چمپا کلی کے پاس اب راجہ کے کسی سوال کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ اُس نے راجہ کے اعتماد کو دھوکہ دیا تھا، اُس کے اعتماد کا خون کیا تھا، اُس سے بے وفائی کی تھی، اُسے سارے اہل دربار میں، ساری رعایا میں بدنام کیا تھا۔ راجہ کو حق پہنچتا تھا کہ وہ رانی سے جس قسم کا چاہے سلوک کرے۔

راج گورو مارا اپنی انتقامی ریشہ دوانیوں کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے راجہ یوگ راج کو رانی چمپا کلی کی طرف سے برگشتہ کر کے جو سنہری موقع اپنے لئے مہیا کیا تھا اس سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کا وقت آ گیا تھا۔ مارا نے بظاہر راجہ یوگ راج کو یہ تاثر دیا تھا کہ وہ رانی چمپا کلی اور ناگ پال کی پریم کہانی سے بے خبر ہے، ایسا اُس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ اس لمحے وقت کا یہی تقاضہ تھا۔ یہ راج گورو مارا کے انتقامی منصوبے کی پہلی چال تھی۔ اب بازی مارا کے ہاتھ میں تھی۔ رانی چمپا کلی پوری طرح سے اُس کے نشانے کی زد میں تھی۔ صرف ترکش میں سے تیر نکال کر کمان پر چڑھانے اور اسے چلانے کی دیر تھی۔

راج گورو دیکھ رہا تھا کہ رانی چمپا کلی کی زبان سے ناگ پال کا نام سننے کے بعد سے راجہ یوگ راج کا دن کا چین اور رات کا سکون حرام ہوگیا ہے۔ اگرچہ راجہ بظاہر شاہی دربار میں اہل دربار سے معمول کے مطابق بات چیت کرتا ہے مگر اس کے دل میں ایک طوفان بپا ہے۔ بلدیان والے واقعے کو دو دن گزر گئے تھے۔ اس دوران راجہ یوگ راج ایک بار بھی رانی چمپا کلی کی خیر و عافیت دریافت کرنے اُس کی خواب گاہ میں نہیں گیا تھا، یہ راج گورو مارا نے معلوم کر لیا تھا۔

چنانچہ شام کے وقت راج گورو مارا، راجہ کے محل میں گیا۔ راجہ اس وقت شاہی دیوان پر تکیوں کے سہارے نیم دراز گہری سوچ میں گم تھا۔ مارا، نے جاتے ہی جھک کر راجہ کو پرنام کیا اور بڑے ادب سے ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ راجہ نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا اور پوچھا۔

''راج گورو! کیسے آنا ہوا''

راج گورو مارا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ ''مہاراج! آپ ہمارے اور اپنی رعایا کے دیوتا سمان ہیں۔ آپ کی خوشیوں سے ہم سب کی خوشیاں جڑی ہوئی ہیں۔ ناگ دیوتا اور آکاش کے سارے دیوی دیوتا آپ کی حفاظت کریں آپ پریشان ہوں تو سارا دربار، سارے درباری اور تمام رعایا کے چہروں پر اُداسی چھا جاتی ہے۔''

راجہ نے بھنویں اُوپر اُٹھا کر کہا۔

''راج گورو! اس محبت کے لئے ہم آپ کے اور ساری رعایا کے دھنوادی ہیں۔ لیکن ہمیں کچھ نہیں ہوا۔ رانی چمپا کلی کے اچانک بے ہوش ہو جانے کی وجہ سے کچھ پریشان ضرور ہوئے تھے۔ لیکن اب رانی تندرست ہوگئی ہے اور ہماری پریشانی بھی دُور ہوگئی ہے۔''

راج گورو مارا ایک ایک قدم بڑا سوچ سمجھ کر اور بڑی احتیاط سے اپنے منصوبے کے مطابق اُٹھا رہا تھا۔ اُس نے تین بار جھک کر راجہ کی تعظیم کی اور بولا۔ ''مہاراج! مجھے ہمیشہ سے شاہی خاندان اور آپ کی عزت و وقار کا پاس رہا ہے۔ مہاراج یوگ راج اور مہاراج کے تاج و تخت کی عزت اور وقار کی خاطر آپ مجھے ہمیشہ اپنی جان تک قربان کرنے پر تیار پائیں گے۔ مہاراج! اگر مجھے آپ کے شاہی خاندان اور شاہی تخت و تاج کی عظمت اور نیک نامی کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی اپنے چھوٹے منہ سے اتنی بڑی بات کہنے کی جرأت نہ کرتا۔''

راجہ یوگ راج بھنویں اُوپر اُٹھاتے ہوئے بڑے غور سے راج گورو مارا کی بات سن رہا تھا۔ اُس نے مارا کی بات کاٹ کر کہا۔ ''راج گورو! ہم تمہارے ان جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ تم کیا کہنے کی کوشش کر رہے ہو؟''

اب راج گورو مارا نے کمان پر چڑھائے ہوئے تیر کا چلہ کھینچا اور تیر چلا دیا۔ اُس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''مہاراج! آپ کی عزت و حرمت پر میری جان بھی قربان...... لیکن عام رعایا میں جو چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں جس کی خبر شاہی جاسوسوں نے مجھے دی ہے، اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

راجہ یوگ راج کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ سمجھ گیا کہ لوگوں پر ناگ پال اور رانی چمپا کلی کی محبت کا راز کھل گیا ہے۔

عیار راج گورو بولا۔ ''مہاراج! جس مہارانی جی سے رعایا کے بچے بچے نے ہمیشہ پیار کیا ہے اور جسے ہمیشہ ادب اور عزت و وقار کی دیوی کے برابر سمجھا ہے، آج رعایا اُسی رانی جی کی پوِتّرتا پر شک کرنے لگی ہے۔''

''لیکن ایسا کیوں ہوا ہے؟'' راجہ نے بظاہر انجان بننے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

راج گورو بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا تھا۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر نظریں جھکا لیں اور عاجزی سے بولا۔ ''مہاراج! میری زبان کو زیب نہیں دیتا۔ لیکن کہے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ شاہی خاندان اور شاہی خاندان کے تاج و تخت کی عزت و ناموس مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔ مہاراج! لوگوں کا خیال ہے کہ جس نوجوان کو ناگ ماتا پر قربان کیا گیا ہے ہماری رانی جی اُس سے پریم کرتی تھیں......''

''خاموش راج گورو...... !'' راجہ اچانک پھٹ پڑا اور اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ راج

گورو بظاہر سہم کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ اُس کے ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور سر ادب سے جھکا ہوا تھا۔ راجہ یوگ راج کو پہلے ہی شک تھا کہ یہ خبر چھپی نہیں رہے گی اور رعایا تک ضرور پہنچ جائے گی۔ وہ آزردہ دلی کے ساتھ شکست خوردہ سا ہوکر دیوان پر بیٹھ گیا۔ راج گورو نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ راجہ نے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیا اور کہا۔

''راج گورو! ہم آگے کچھ نہیں سننا چاہتے...... کچھ نہیں سننا چاہتے۔'' اُس نے ہاتھ سے راج گورو کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ راج گورو اسی طرح ہاتھ باندھے، جھکے جھکے اُلٹے قدموں شاہی کمرے سے نکل گیا۔

اُسی شام رانی چمپا کلی کو راجہ کے حکم سے اُس کی حویلی میں پہنچا دیا گیا اور راجہ کا یہ فرمان بھی اس تک پہنچا دیا گیا کہ راجہ کے اگلے حکم تک رانی چمپا کلی حویلی سے باہر قدم نہیں نکالے گی۔ رانی چمپا کلی نے کنڈلا سے کہا۔

''کنڈلا! دشمنوں کا وار چل گیا ہے۔ میں مہاراج کو دوشی نہیں ٹھہراؤں گی۔ قصور مجھ سے ہوا ہے۔ دشمن نے جس ہتھیار سے مجھ پر وار کیا ہے وہ ہتھیار میں نے خود دشمن کے ہاتھ میں دیا تھا۔''

کنڈلا نے چمپا کلی کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''جی ہلکا نہ کرو رانی جی! ناگ پال سے آپ کا پریم پوتر تھا، آپ کی محبت سچی تھی۔ آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

چمپا کلی نے اپنا سر پلنگ کی پشت سے لگا دیا، آنکھیں بند کرلیں اور شکستہ سی آواز میں کہا۔

''کون کہہ سکتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟''

کنڈلا خاموشی سے اُٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

راجہ یوگ راج اگرچہ ایک انتہائی سنگدل اور درندہ صفت انسان تھا لیکن رانی چمپا کلی اُس کی سب سے بڑی کمزوری بن چکی تھی۔ وہ چمپا کلی کو دل سے چاہتا تھا۔ راج گورو مارا چمپا کلی سے ہر صورت اپنی ذلت کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور وہ اس تگ و دو میں لگا تھا کہ کسی طرح راجہ خود چمپا کلی کے قتل کا حکم صادر کردے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ چمپا کلی کی طرف سے راجہ کا پتھر دل بھی نرم ہو چکا ہے اور چمپا کلی کو حویلی میں صرف نظر بند ہی کیا گیا ہے۔ اُسے وہاں ہر قسم کی آسائش میسر ہے۔ یہ دیکھ کر راج گورو کا خون کھول رہا تھا۔ اُس نے راجہ کے کان بھرنے شروع کردیئے کہ رعایا میں راجہ کی طرف سے بد دلی پھیل رہی ہے۔ رعایا ایک ایسی بدکار عورت کو اپنی رانی اور ناگ دیوتا کے مندر کی شاہی رقاصہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے جو راج سنگھاسن پر بیٹھ کر اور ناگ دیوتا کے سامنے اس کے بلیدان کا مقدس رقص کرنے کے باوجود ایک معمولی سپیرے سے عشق کرتی رہی ہو۔ اور یہ کہ رعایا چاہتی ہے کہ ایسی بدکردار رانی کو قتل

کر کے وہاں کے رواج کے مطابق اس کی لاش کا ایک ٹکڑا ناگ دیوتا کے مندر کے دروازے پر اور دوسرا ٹکڑا راج محل کے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔

اگرچہ رعایا میں چمپا کلی کی طرف سے ایسی کوئی بد دلی نہیں تھی۔ رعایا جانتی تھی کہ رانی چمپا کلی کا تعلق شاہی خاندان سے نہیں ہے اور وہ راجہ یوگ راج کی رکھیل ہے۔ اس لئے رعایا نے رانی چمپا کلی کو ایک طوائف کا درجہ دے کر اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ لیکن راج گورو نے راجہ کے کانوں میں رعایا کی طرف سے جھوٹی سچی باتیں ڈال ڈال کر اُسے یقین دلا دیا تھا کہ رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے رانی چمپا کلی کو قتل کرنا راجہ کا فرض ہو گیا ہے۔ مگر راجہ اس پر آمادہ نہ تھا۔ جب راج گورو نے راجہ کو بہت زیادہ مجبور کرنا شروع کر دیا تو راجہ غصے سے بھڑک اُٹھا۔ اُس نے جذبات میں آکر صاف صاف کہہ دیا۔

''راج گورو! میرا ایک فیصلہ سن لو۔ میں چمپا کلی کو قتل نہیں کروں گا، رعایا چاہے میرے خلاف بغاوت ہی کیوں نہ کردے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اب اگر تم نے رانی چمپا کلی کے خلاف کوئی بات کی تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری گردن تمہارے دھڑ سے جدا کردوں گا۔''

راج گورو مارا اسی وقت راجہ کے پاؤں پر گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا۔ ''مہاراج! مجھے معاف کردیں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں تو آپ کو رعایا کے خیالات بتا رہا تھا۔ میں کہاں چاہتا ہوں کہ رانی جی کو جان سے مارا جائے۔ بھگوان آپ کو اور رانی جی کو سلامت رکھے۔ آپ رعایا کی فکر نہ کریں۔ میں رعایا کو سنبھال لوں گا۔''

راجہ کے دل سے ایک بوجھ سا اُتر گیا۔ وہ چمپا کلی کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن رعایا کی بغاوت سے بھی خوفزدہ تھا۔ اب جب راج گورو نے اُسے یقین دلا دیا کہ وہ رعایا کو سنبھال لے گا تو وہ مطمئن ہوگیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر راج گورو کو اُٹھایا، اُسے اپنے سینے سے لگایا اور کہا۔ ''راج گورو! ہمیں تم سے ایسی ہی اُمید تھی۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ رعایا کے دل سے یہ خیال اُتر جائے کہ رانی چمپا کلی نے ہم سے بے وفائی کی ہے۔ اور یہ کہ ایک معمولی سپیرے سے محبت کی پینگیں بڑھا کر اُس نے ناگ دیوتا کے تقدس اور راج سنگھاسن کی پوترتا کو دھبہ لگایا ہے۔''

راج گورو بولا۔ ''مہاراج! آپ اطمینان رکھیں۔ جیسا آپ نے کہا ہے ویسے ہی ہوگا۔ میں رعایا کے دلوں کو آپ کی اور رانی جی کی جانب سے شیشے کی طرح صاف کردوں گا۔ لیکن میں ایک عرض ضرور کروں گا۔''

''ہاں ہاں، کہو!'' راجہ نے دیوان پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

راج گورو بولا۔

''میری عرض صرف اتنی ہے کہ جب تک میں رعایا کے دل کو صاف نہیں کرلیتا آپ رانی

جی سے ملنے نہ تو خود ان کی حویلی میں جائیں اور نہ رانی جی کو اپنے محل میں بلائیں۔''

راجہ نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں وچن دیتے ہیں کہ رانی چمپا کلی اپنی حویلی میں نظر بندی کی حالت میں ہی رہے گی۔ نہ ہم اُس سے ملنے وہاں جائیں گے اور نہ رانی کو اپنے محل میں بلائیں گے۔''

راج گورو مارا نے آگے بڑھ کر راجہ یوگ راج کے شاہی چغے کو چوما، سر جھکا کر ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اور اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد راجہ یوگ راج دیوان پر دراز ہو گیا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ ماتھے پر رکھ کر اپنے دل میں کہا۔

''چمپا کلی! تم نے ایک سپیرے سے پریم کا ناٹک رچا کر ہمارے دل کا، ہماری محبت کا خون کر دیا ہے۔ لیکن ہم اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ اگر ہمیں تم سے محبت نہ ہوتی تو اب تک تمہاری لاش کی جلی ہوئی راکھ بھی کہیں نہ ملتی۔''

راجہ کا فیصلہ راج گورو کی بہت بڑی شکست تھی۔ لیکن راج گورو مارا نے آج تک کسی سے شکست نہیں کھائی تھی۔ وہ اب بھی اپنی شکست تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اُس کے سازشی ذہن میں اسی لمحے ایک اور منصوبہ پنپنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ بڑا خونی منصوبہ تھا...... ایک تیر سے دو شکار مارنے کا منصوبہ تھا۔ ان سازشوں میں اگرچہ ناگ مندر کا بڑا پروہت اُس کا برابر کا شریک ہوتا تھا لیکن راج گورو نے اپنے اس خونی منصوبے سے ناگ مندر کے پروہت دیوام کو بھی بے خبر رکھا تھا۔ اُس نے کیا سوچا ہے؟ وہ کیا کرنے والا ہے؟ اس کے بارے میں اُس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

شہر سے باہر ایک پرانے کھنڈر میں بھانی نام کی ایک بوڑھی سپیرن رہتی تھی جو جادو ٹونا بھی کرتی تھی۔ اس بوڑھی سپیرن بھانی نے ایسے ایسے زہریلے سانپ پال رکھے تھے جو پھنکار مار کر دس فٹ کے فاصلے سے آدمی کے جسم کو آگ لگا دیتے تھے۔ راج گورو کو اپنے دشمنوں کو خفیہ طور پر ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں کبھی کبھی بھانی سپیرن کی مدد کی ضرورت پڑ جایا کرتی تھی۔ اس کے عوض راج گورو، بھانی سپیرن کو انعام و اکرام سے نوازا کرتا تھا۔ یہ سپیرن راج گورو کی رازدار تھی اور اس کے راز کو اپنے سینے سے لگا کر رکھتی تھی۔

جب راجہ نے چمپا کلی کو قتل کروانے سے صاف انکار کر دیا تو راج گورو نے اپنے خونی منصوبے کے مطابق ایک رات سادھو کا بھیس بدلا اور رات کی تاریکی میں شاہی محل کے خفیہ دروازے سے نکل کر بھانی سپیرن کے کھنڈر میں پہنچ گیا۔ بوڑھی سپیرن دیا جلائے اپنے دو سانپوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ راج گورو کو سادھو کے بھیس میں دیکھ کر اُسے کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ راجہ کا وزیر راج گورو مارا اکثر بھیس بدل کر اس سے ملنے آتا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ راج گورو نے پھر کسی دشمن کو ٹھکانے لگانا ہے اس لئے وہ اس کے پاس رات کی تاریکی میں بھیس

بدل کر آیا ہے۔

راج گورو مارا اپنے کلائی والے سانپ کو شاہی محل میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ بھانی سپیرن نے اسے سانپ ساتھ لانے سے منع کر رکھا تھا۔ کیونکہ اُس کے سانپ کو دیکھ کر بوڑھی سپیرن کے سانپ مشتعل ہو جاتے تھے۔ راج گورو نے جاتے ہی بھانی سپیرن کو پرنام کیا۔ بوڑھی سپیرن نے بھی ہاتھ جوڑ کر راج گورو کو نمسکار کیا اور بولی۔

''بھانی سپیرن راج گورو جی کی داسی ہے۔ حکم کریں میں آپ کی کیا سیوا کر سکتی ہوں؟''

بھانی سپیرن نے اپنے سانپوں کو پٹاریوں میں بند کر دیا۔ راج گورو اس کے سامنے چوکی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ''بھانی ماتا! مجھے اس دفعہ اپنے ایک دشمن کو اس طریقے سے ٹھکانے لگانا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ اسے سانپ نے کاٹا ہے۔''

بوڑھی سپیرن سوچنے لگی، پھر بولی۔ ''راج گورو جی! میں تو آپ کے دشمن کو اپنے کسی سانپ سے ہی ڈسوا کر ٹھکانے لگا سکتی ہوں۔''

''نہیں بھانی ماتا!'' راج گورو نے سر ہلا کر کہا۔ ''اس دفعہ سانپ کے ڈسوانے سے کام نہیں چلے گا۔ کوئی دوسری ترکیب سوچو۔''

بوڑھی سپیرن کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئی، پھر راج گورو سے مخاطب ہو کر بولی۔

''راج گورو جی! میرے پاس ایک ایسے سانپ کے زہر کا سفوف ہے کہ جس کو اگر آپ اپنے دشمن کے پلنگ کے نیچے کسی جگہ چھپا کر رکھ دیں تو آپ کا دشمن دس دن کے اندر اندر بیمار رہ کر مر جائے گا اور کوئی وید، کوئی بڑے سے بڑا سپیرا بھی یہ معلوم نہ کر سکے گا کہ اس آدمی کی موت سانپ کے زہریلے سفوف کی گرمی کی وجہ سے ہوئی ہے۔''

راج گورو مارا خوش ہو کر بولا۔ ''بس...... مجھے ایسے ہی زہر کی ضرورت تھی کہ جسے دشمن کو کھلانا بھی نہ پڑے۔''

بوڑھی سپیرن نے ایک پٹاری میں سے ایک پوٹلی نکالی۔ اُس میں نسواری رنگ کے سفوف کی ایک چھوٹی سی پڑیا بندھی ہوئی تھی۔ سپیرن نے وہ پوٹلی کھول کر سفوف کی پڑیا راج گورو کو تھمائی اور کہا۔

''یہ پڑیا اپنے دشمن کے پلنگ کے نیچے چھپا دیں۔ آپ جو چاہتے ہیں وہ ہو جائے گا۔ آپ کا دشمن اچانک بیمار پڑے گا اور دس دنوں کے بعد اس کی موت واقع ہو جائے گی۔''

راج گورو نے پوٹلی لے کر اپنے تھیلے میں رکھ لی۔ بھانی سپیرن کو سونے کے چند سکے نکال دیئے اور کہا۔ ''باقی کا انعام تمہیں میرے دشمن کی موت کے بعد ملے گا۔''

بوڑھی سپیرن نے سونے کے سکے لے کر راج گورو کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ راج گورو کھنڈر سے نکل کر سانڈنی پر سوار ہوا اور سانڈنی کو برق رفتاری سے دوڑاتا محل کے خفیہ

دروازے سے واپس آ گیا۔

اُس دن رات کے وقت وہ کسی خاص کام کا بہانہ بنا کر راجہ کے محل میں آیا۔ اُسے معلوم تھا کہ راجہ یوگ راج اس وقت اپنی شاہی خواب گاہ میں ہوتا ہے۔ اُس نے پیغام بھجوایا کہ راج گورو ایک خاص بات کرنے کے واسطے راجہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ راجہ نے اُسے اندر بلا لیا۔

راج گورو شاہی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ راجہ اس وقت اپنے شاہی پلنگ کی بجائے سنہری دیوان پر نیم دراز تھا۔ راج گورو نے جاتے ہی راجہ کو جھک کر پرنام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ راجہ نے پوچھا۔ ''راج گورو! ایسا کون سا ضروری کام تھا کہ جس کے لئے تمہیں رات کے وقت آنا پڑ گیا؟''

راج گورو نے بڑے ادب سے عرض کی۔

''مہاراج! آپ کا سیوک راج سنگھاسن اور ملک کی حفاظت سے کبھی غافل نہیں رہا۔ راج گدی اور مہاراج کی راجدھانی کی حفاظت کو وہ اپنا پہلا فرض سمجھتا ہے۔''

راجہ بڑے غور سے راج گورو کو سن رہا تھا، کہنے لگا۔ ''راج گورو جی! ہم اصل بات سننا چاہتے ہیں جس کی خاطر آپ کو اس وقت ہمارے محل میں آنا پڑا۔''

راج گورو نے جھک کر بڑے ادب سے عرض کی۔ ''مہاراج! میرے جاسوسوں نے مجھے خبر دی ہے کہ موہنجوڈرو کا راجہ ہماری راجدھانی پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اُس نے اس مقصد کے لئے صحرائی فوج کے کچھ خاص دستے بھی تیار کر لئے ہیں۔''

راجہ نے یہ خبر سن کر کہا۔ ''اگر یہ خبر غلط نہیں ہے تو سینا پتی سے کہو کہ وہ دشمن کے کسی بھی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوج کو بھی تیار رہنے کا حکم دے۔''

راج گورو مارا ساری باتیں پہلے سے سوچ کر آیا تھا۔ اُس نے فوراً جواب دیا۔

''مہاراج! میں نے سینا پتی (وزیر جنگ) کو خبردار کر دیا ہے۔ اب اُسے آپ کا حکم بھی پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں ایسے موقع پر آپ کی طرف سے سینا پتی کے نام آپ کا حکم نامہ تحریری طور پر لکھنا بہت ضروری ہے۔''

تحریری حکم نامے کی بات اس لئے راج گورو نے کی تھی کہ اُسے معلوم تھا کہ راجہ یوگ راج اپنے ہر تحریری حکم پر اپنی خاص مہر لگاتا ہے اور یہ خاص مہر وہ اپنے خاص کمرے میں چھپا کر رکھتا تھا جہاں سوائے راجہ کے دوسرے کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں تھی اور یہ خاص کمرہ شاہی خواب گاہ سے ملا ہوا تھا اور اس کو جانے کا راستہ شاہی خواب گاہ کے چھوٹے دروازے میں سے ہو کر جاتا تھا۔ اور یہ چھوٹا دروازہ دیوار میں سرخ مخمل کے چھت سے لے کر فرش تک گرے ہوئے بھاری پردے کے پیچھے تھا۔

راجہ، راج گورو کی بات سن کر بولا۔ ''راج گورو! کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے لئے سینا پتی کے نام تحریری طور پر میرا حکم نامہ ضروری ہے؟''

راج گورو اسی مقصد کے لئے تو شاہی خواب گاہ میں آیا تھا۔ اُس نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔ ''مہاراج! ان معاملات کو آپ مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ میری ناچیز رائے میں اس موقع پر آپ کی طرف سے سیناپتی کے نام تحریری حکم نامہ پہنچنا اشد ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' راجہ یوگ راج بولا۔ ''تم یہیں بیٹھو۔ ہم ابھی حکم نامہ لکھ کر لاتے ہیں۔''

اتنا کہہ کر راجہ یوگ راج دیوان سے اُٹھ کر شاہی پلنگ کے سرہانے کی جانب گیا اور بھاری مخملیں پردے کو ہٹا کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جب ساتھ والے کمرے کا بھاری پردہ اپنی جگہ پر آ گیا تو راج گورو بڑی احتیاط سے قدم اُٹھاتا شاہی پلنگ کے سرہانے کی طرف آیا۔ زہریلے سفوف کی پڑیا اُس نے جیب سے نکال لی تھی۔ پلنگ کے پائے سونے کے تھے اور کافی وزنی تھے۔ سرہانے کی طرف بائیں جانب والے پائے میں ایک درز تھی۔ راج گورو نے جلدی سے زہریلے سفوف کی پڑیا اس درز میں اس طرح پھنسا دی کہ باہر سے نظر نہیں آتی تھی۔ پھر وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں راجہ یوگ راج ملحقہ کمرے سے نمودار ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں سینا پتی کے نام شاہی حکم نامہ تھا جس پر راجہ کی شاہی مُہر لگی ہوئی تھی۔ راجہ یوگ راج نے حکم نامہ راج گورو کو دے کر کہا۔ ''یہ شاہی حکم نامہ سینا پتی کو دے دیجئے اور ہماری طرف سے اُنہیں زبانی بھی کہیں کہ فوج کو تیاری کا حکم دے دیں اور شہر کے دروازوں پر چوکی پہرہ بڑھا دیں۔''

راج گورو نے حکم نامہ لے کر ادب سے سر جھکا کر تعظیم کی اور اُلٹے پاؤں شاہی خواب گاہ سے نکل گیا۔ صبح ہونے پر راج گورو نے پہلا کام یہ کیا کہ راجہ کا شاہی حکم نامہ سینا پتی کو جا کر دیا اور کہا۔

''ہمارے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ موہنجوڈرو کا راجہ ہماری راجدھانی پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یہ مہاراج کا شاہی حکم نامہ ہے۔ آپ فوج کو تیاری کی حالت میں رکھیں اور راجدھانی کے دروازوں پر پہرے داروں کے دستے بڑھا دیں اور اگلے حکم کا انتظار کریں۔''

سینا پتی نے حکم نامہ وصول کرنے کے بعد اسے پڑھا اور بولا۔

''راج گورو جی! موہنجوڈرو کے راجہ کو ہماری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ اگر اُس نے ہم پر چڑھائی کی تو ہم اُسے ایسا سبق سکھائیں گے کہ جسے وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔''

''ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' راج گورو نے سینا پتی کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب ... موت کا ناٹک ہے۔ اصل کام راجہ یوگ راج کے پلنگ کے نیچے زہریلے سفوف کی پڑیا ... چھپا کر رکھنا تھا اور یہ کام مکار راج گورو نے بڑی خوبی سے انجام دے دیا تھا۔ اب وہ

زہریلے سفوف کے اثرات کا انتظار کرنے لگا۔

راج گورو کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ بوڑھی سپیرن نے انتہائی خطرناک اور تیزی سے اثر کرنے والا زہر اُسے دیا تھا۔ تیسرے دن ہی اس کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ راج گورو ہر روز کسی نہ کسی بہانے راجہ سے ملاقات کرتا۔ تیسرے دن وہ راجہ سے ملاقات کے لئے گیا تو شاہی محافظوں نے اُسے بتایا کہ مہاراج کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ آرام فرما رہے ہیں۔ راج گورو دل میں خوش ہوا کہ تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا ہے۔ اُس نے شاہی محافظ سے کہا۔

''نصیب دشمناں مہاراج کی طبیعت کیوں ناساز ہے؟''

شاہی محافظ نے کہا۔ ''ہمیں تو اتنا ہی حکم دیا گیا ہے کہ مہاراج سے ملنے کوئی نہ آئے۔''

چوتھے دن راج گورو، راجہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ راجہ کی شکل دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ زہریلا سفوف اپنا کام بڑی خوبی سے کر رہا ہے۔ راجہ کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پیدا ہو گئے تھے اور تین شاہی وید راجہ کے پلنگ کے اردگرد بیٹھے تھے۔ راج گورو نے جھک کر پرنام کیا اور ادب سے راجہ کا حال دریافت کیا۔

''مہاراج! آپ کی طبیعت اچانک کیوں خراب ہو گئی؟''

راجہ نے کمزور آواز میں کہا۔ ''تھوڑا بخار ہو گیا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔''

شاہی وید نے راجہ کو چاندی کے کٹورے میں کوئی دوائی پلائی اور کہا۔

''اس دوائی سے آپ کا بخار اُتر جائے گا مہاراج! آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔''

راج گورو شاہی خواب گاہ میں ادب سے کھڑا چہرے کو مغموم بنانے کی کوشش میں لگا رہا۔ وہ ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے راجہ کی بیماری کا سب سے زیادہ فکر اور غم صرف اسی کو ہے۔

راجہ کی طبیعت ٹھیک ہونے کی بجائے روز بروز بگڑتی چلی گئی۔ دس دن گزر گئے تو شام کے وقت راج گورو یہ اُمید لے کر راجہ کی شاہی خواب گاہ میں گیا کہ راجہ کا کام تمام ہو چکا ہو گا۔ اُس نے دیکھا کہ راجہ بے حد کمزور ہو چکا تھا۔ راجہ کی چہیتی رانی چمپا کلی، راجہ کے سرہانے کی طرف چوکی پر سر جھکائے غم زدہ بیٹھی تھی۔ راجہ کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور اُس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ شاہی وید بار بار راجہ کے منہ میں سونے کے چمچ سے کوئی دوائی ڈال رہا تھا۔ تین دوسری رانیاں غم زدہ چہرے لئے پلنگ کی پائنتی کی طرف اُداس بیٹھی تھیں۔ راجہ نے راج گورو کی طرف دیکھا اور اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔

راج گورو سر جھکائے راجہ کے قریب ہو گیا۔ نقاہت کی وجہ سے راجہ سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ رانی چمپا کلی کے ہاتھ پر رکھا اور بے حد کمزور آواز میں راج گورو سے کہا۔

''راج گورو! رانی چمپا کلی کا خیال رکھنا۔''

چمپا کلی نے سر اُٹھا کر پہلے راج گورو کی طرف اور پھر راجہ کی طرف دیکھا۔ راج گورو نے

جھک کر کہا۔ ''مہاراج! ایسی باتیں نہ کریں۔ دیوتا آپ کی حفاظت کریں گے۔ آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔''

راجہ یوگ راج نے ایسے انداز میں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب میرے بچنے کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اُسی رات راجہ مر گیا...... سارے محل میں سوگ پڑ گیا۔ تمام چراغوں اور فانوسوں کی روشنی مدھم کر دی گئی۔ ناگ دیوتا اور ناگ ماتا کے مندروں میں بھجن کیرتن کا پاٹھ شروع ہو گیا۔ دوسرے روز راجہ کو شاہی شمشان بھومی میں نذر آتش کر دیا گیا۔ تین دن تک راجہ کی موت کا سوگ منایا گیا۔

چوتھے دن شاہی محل کی روایت کے مطابق راجہ کی موت کے بعد وزیر اعظم نے تخت پر قبضہ کر لیا کیونکہ راجہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہ راج گورو کی پہلی فتح تھی۔ میدان اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب رانی چمپا کلی کو اپنے قبضے میں کرنا اور اپنے ذلت آمیز انتقام کا نشانہ بنانا تھا۔ پانچویں روز رسم کے مطابق جشن تاج پوشی منایا گیا۔ راج گورو مارا نے جو اب ناگا پورم کا راجہ تھا اپنے نئے وزیر اعظم کے ہاتھ رانی چمپا کلی کو پیغام بھیجا کہ ہم چاہتے ہیں کہ جشن تاج پوشی کے موقع پر رانی چمپا کلی تخت پر ہمارے ساتھ بیٹھے۔ رانی چمپا کلی کو یہ پیغام ملا تو اُس نے جواب بھجوایا کہ میں اس عزت افزائی کے لئے مہاراج کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ وزیر اعظم نے یہ جواب راجہ مارا کو پہنچا دیا۔ راج گورو مارا اگرچہ اب ناگا پورم ملک یا شہر کا راجہ تھا۔ مگر ہم اسے راج گورو مارا ہی لکھیں گے۔ وزیر اعظم کے جانے کے بعد رانی چمپا کلی نے کنڈلا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''راج گورو جو چاہتا ہے میں سمجھ گئی ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں ہونے دُوں گی۔''

کنڈلا فکر مند ہو کر بولی۔ ''رانی جی! آپ نے سوچے بغیر ایسا کہہ دیا ہے۔ راج گورو اب راج گورو نہیں ہے۔ وہ ناگا پورم ملک کا راجہ ہے۔ آپ اس کے حکم کو ٹال نہیں سکیں گی۔''

رانی چمپا کلی خاموش ہو گئی۔ اُس کے چہرے پر رنج اور فکر کے اثرات نمایاں تھے۔ اُس نے غمزدہ آواز میں کہا۔

''کنڈلا! اگر میں راج گورو کے حکم کو نہ ٹال سکی تو میں اپنے آپ کو سانپ سے ڈسوا کر خود کشی کر لوں گی۔ میں جانتی ہوں راج گورو مجھے اپنی رانی نہیں بنانا چاہتا۔ وہ مجھ سے گن گن کر اپنی ذلتوں کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ وہ مجھے اپنے انتقام کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ میں کیسے گوارا کر سکتی ہوں؟ میری محبت، میری آتما، میرا جسم ناگ پال کی امانت ہے۔ میں اس امانت میں خیانت نہیں ہونے دُوں گی۔''

کنڈلا کہنے لگی۔

''رانی! اتنی جلدی اتنا خوفناک فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جذبات میں بہہ

جانے کی بجائے عقل مندی سے کام لینا چاہئے۔ کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔''

لیکن رانی چمپا کلی کو محسوس ہو چکا تھا کہ اُس کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں۔ صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے جو سیدھا راج گورو اور مہاراج مارا کی خواب گاہ کو جاتا ہے اور یہ چمپا کلی کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ ناگ پال کی موت کے بعد اُس نے دل ہی دل میں جوگ دھارن کر لیا تھا۔ اُس نے باقی ساری زندگی ناگ پال کی یاد میں بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا تاکہ اگلے جنم میں وہ ناگ پال کی پتنی بن سکے۔

تاج پوشی کا جشن بڑی دُھوم دھام سے منایا گیا۔ سارے شہر کو دُلہن کی طرح سجا دیا گیا۔ رات کو سارا شہر مشعلوں اور فانوسوں کی روشنی میں جگمگانے لگا۔ تاج پوشی کا سنگھاسن شاہی محل کے ایوانِ خاص میں سجایا گیا تھا۔ راج گورو مارا، راجہ کے شاہانہ لباس میں سونے کے تخت پر براجمان تھا۔ تخت پر اُس کے پہلو میں رانی چمپا کلی بیٹھی تھی۔ اُس کا دل غمگین تھا، ناگ پال کی یاد میں خون کے آنسو رو رہا تھا۔ لیکن چمپا کلی اپنے غم کو ہر ممکن طریقے سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ناگ مندر کے بڑے پروہت نے ڈھول تاشوں اور شہنائیوں اور بھجن کیرتن کی گونج میں راج گورو مارا کے سر پر راج گدی کا شاہی تاج پہنایا۔ سارا محل مہاراج کی جے کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ دیوداسیوں نے صندل اور زعفران مہمانوں پر چھڑکا اور راج گورو کے راجہ بننے کی خوشی میں ناگ دیوتا کا خاص ناگ رقص پیش کیا گیا۔ ہزاروں جانوروں کی قربانی دی گئی۔ جشن تاجپوشی کے موقع پر ہی راج گورو مارا نے اعلان کر دیا کہ پندرہ دن کے بعد وہ چمپا کلی کو اپنی رانی بنا لے گا۔

اس اعلان کو سننے کے بعد چمپا کلی پر جیسے آسمانی بجلی سی گر پڑی۔ اس وقت وہ مکار راج گورو مارا کے پہلو میں شاہی تخت پر بیٹھی تھی۔ راج گورو نے چمپا کلی سے اپنی شادی کا اعلان کرنے کے بعد رسم کے مطابق اپنے گلے میں سے موتیوں کی قیمتی مالا اُتار کر چمپا کلی کے گلے میں ڈال دی۔ چمپا کلی کو یوں لگا جیسے اُس کی گردن سے کوئی زہریلا سانپ لپٹ گیا ہو۔ لیکن اُس نے راج گورو سے اپنی نفرت اور اپنے دل کے غم کو اپنے چہرے پر نہ آنے دیا۔

بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر راج گورو اور چمپا کلی کو مبارکباد دی اور کہا۔

''اب ناگا پورم کی ہونے والی مہارانی جی، مہاراج کے گلے میں مالا ڈالیں گی۔''

ایک دیوداسی اسی لمحے سونے کے تھال میں قیمتی سرخ موتیوں کی مالا لئے چمپا کلی کے سامنے آ کر ادب سے سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔ کنڈلا دوسری دیوداسیوں اور شاہی محل کی کنیزوں کے درمیان کھڑی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ چمپا کلی کے چہرے کو تک رہی تھی۔ وہ دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں جذبات میں آ کر چمپا کلی، راج گورو کے گلے میں مالا ڈالنے سے انکار نہ کر دے۔ لیکن چمپا کلی نے بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ اُس نے سونے کے تھال

میں سے سرخ موتیوں کی مالا اُٹھائی اور چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے مالا راج گورو کے گلے میں ڈال دی۔ ہر طرف مہارانی کی جے ہو، مہارانی کی جے ہو کے نعرے گونج اُٹھے۔ دیوداسیاں ناگ رقص کرنے لگیں۔ شہنائیاں بجنے لگیں۔

دوسرے ہی دن شاہانہ اہتمام کے ساتھ چمپا کلی کو حویلی سے شاہی محل میں منتقل کر دیا گیا۔ شاہی محل کا ایک حصہ ہونے والی مہارانی چمپا کلی کے واسطے وقف کر دیا گیا۔ کنڈلا بھی چمپا کلی کے ساتھ شاہی محل میں آ گئی۔ راج گورو کو معلوم تھا کہ چمپا کلی نے دل سے اس شادی کو قبول نہیں کیا اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ شادی سے پہلے محل سے فرار ہونے کی کوشش کرے۔ چنانچہ راج گورو نے خفیہ طور پر چمپا کلی کی نگرانی شروع کروا دی۔ اپنے خاص جاسوس اس کام کے لئے لگا دیئے جن کا کام چمپا کلی کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا تھا۔ کنڈلا اور چمپا کلی اس سے بے خبر نہیں تھی۔ اس کو بھی کنڈلا کے ذریعے علم ہو گیا تھا کہ اُس کی چوبیس گھنٹے نگرانی کی جا رہی ہے۔ یہی غنیمت تھا کہ اس کی راز دار سہیلی اور خادمہ کنڈلا کو اس سے جدا نہیں کیا گیا تھا۔ چمپا کلی اُس سے اپنا دُکھ سکھ کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی تھی۔ راج گورو روزانہ دن میں ایک بار ہونے والی مہارانی چمپا کلی کی خیر خیریت دریافت کرنے آتا تھا۔ وہ بظاہر چمپا کلی کے ساتھ بڑی محبت کا اظہار کرتا اور کہتا۔

''مہارانی! تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک اس کا اظہار کر دینا۔ تم ناگا پورم کی مہارانی بننے والی ہو۔ میں دنیا کی قیمتی سے قیمتی شے لا کر تمہارے قدموں میں رکھ دوں گا۔''

چمپا کلی اپنے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لا کر کہتی۔ ''مہاراج! آپ کی مہربانی سے میرے پاس ہر شے موجود ہے۔ میں یہاں بڑی خوش ہوں۔''

راج گورو مارا، چمپا کلی کے چہرے کو تیز نظروں سے دیکھتا جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ چمپا کلی دل سے نہیں کہہ رہی۔ وہ اُوپر اُوپر سے ایسا کہہ رہی ہے۔ وہ اب بھی ناگ پال سے محبت کرتی ہے۔ لیکن راج گورو کو چمپا کلی کی محبت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو صرف اُسے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا، اس کی شخصیت کو چکنا چور کرنا چاہتا تھا، اُس سے اپنی ذلت اور رقابت کا ایسا انتقام لینا چاہتا تھا جس کا چمپا کلی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چمپا کلی کو ایک دم قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کے بدن پر چھری سے ہلکے ہلکے زخم لگا کر ان پر روزانہ نمک چھڑک کر اُسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ چمپا کلی روز مرے اور روز زندہ ہو جائے تاکہ اگلے روز وہ پھر مر سکے۔

شاہی محل کی رانی چمپا کلی والے حصے میں ایک بڑا خوبصورت باغیچہ تھا جس کے درمیان سنگ مرمر کا ایک حوض بنا ہوا تھا۔ شام کو چمپا کلی، کنڈلا کے ساتھ اس حوض کے کنارے بیٹھ جاتی اور اُس سے اپنے دل کی باتیں کرتی۔ جیسے جیسے شادی کا دن قریب آ رہا تھا چمپا کلی کے

دل کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک شام کو اسی طرح حوض کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے کنڈلا نے بڑی رازداری سے کہا۔

''رانی جی! مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ راجہ یوگ راج کو ایک سازش کے تحت ہلاک کیا گیا ہے۔''

چمپاکلی بولی۔ ''اگر راجہ کی بجائے راج گورو ہلاک ہو جاتا تو ہماری مشکلیں ختم ہو جاتیں۔ راجہ یوگ راج کے مرنے سے میری مصیبتوں میں کمی نہیں ہوئی بلکہ ایک بہت بڑی مصیبت مجھ پر آن پڑی ہے۔ راجہ کی زندگی میں تو مجھے حویلی میں اور شاہی محل میں ہر طرح کی آزادی تھی۔ مگر اس بدخصلت راج گورو نے تو میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں۔''

اسی دوران ناگ پنچمی کا تہوار آ گیا۔

اس تہوار کے موقع پر دُور و نزدیک کے چھوٹے شہروں اور دیہات سے سپیرے اور سپیرنیں ناگ دیوتا کے درشن کرنے ناگ مندر آتی تھیں۔ یہ تہوار چار دن تک ہوتا تھا اور ناگاپورم شہر میں بڑی رونق رہتی تھی اور سپیرے لوگوں کو اپنے سانپوں کے نئے نئے کرتب اور ناچ دکھاتے تھے۔ تہوار کے تین دنوں میں ایک دن عورتوں کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ اس روز ناگ مندر میں صرف عورتیں اور شاہی محل کی خواتین ناگ مندر کے سانپوں کو دودھ پلانے جاتی تھیں اور اولادِ نرینہ کے لئے منتیں مانگتی تھیں۔ کنڈلا نے اس موقع پر چمپاکلی سے کہا کہ وہ بھی عورتوں والے دن ناگ دیوتا کے مندر میں جا کر ناگ دیوتا کے آگے اس مصیبت سے مکتی پانے کے لئے منت مانے اور پرارتھنا کرے۔ چمپاکلی کا دل جیسے دیوتاؤں کی طرف سے بھی بجھ چکا تھا۔ اُس نے مایوسی کے انداز میں کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے اب ناگ دیوتا بھی میری مدد نہیں کر سکیں گے۔ تم چلی جانا۔ میرے لئے تم ہی پرارتھنا کرنا۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

اگلے روز ناگ پنچمی کا تہوار شروع ہو رہا تھا۔ شہر کے سارے دروازے ناگ دیوتا کے درشنوں کے لئے سپیروں اور سپیرنوں کے واسطے کھول دیئے گئے تھے۔ ناگ دیوتا کے مندر کو رنگ برنگی جھنڈیوں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ اس روز صبح ہی سے دُور دُور سے سپیروں اور سپیرنوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ناگ مندر کے عقبی کھلے میدان میں ان عقیدت مند سپیروں کے لئے خیمے لگا دیئے گئے تھے۔ ان سپیروں میں بوڑھے سپیرے بھی تھے، جوان سپیرے اور سپیرنیں بھی تھیں اور بوڑھی تجربہ کار سپیرنیں اور سپیرے بھی تھے۔

کنڈلا تہوار کے پہلے ہی دن دوپہر کے بعد ناگ دیوتا کے درشن کرنے اور پرارتھنا کرنے گئی۔ ناگ مندر میں مرد ہی مرد نظر آ رہے تھے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ ناگ مندر کے صحن اور برآمدوں میں جگہ جگہ سپیرے، سانپوں کو مٹی کی رکابیوں میں دُودھ پلاتے نظر آ رہے تھے۔ کنڈلا کو اس روز زیادہ ہجوم کی وجہ سے اندر جانے کا موقع نہ مل سکا۔ دوسرا دن عورتوں کے

لئے مخصوص تھا۔ دوسرے روز کنڈلا صبح ہی صبح ناگ دیوتا کے درشن کرنے چل دی۔ ابھی مندر میں زیادہ عورتیں نہیں آئی تھیں۔ کنڈلا سیدھی ناگ دیوتا کے استھان پر گئی اور دیوتا کی مورتی کے چرن چھو کر چمپاکلی کی مکتی کے لئے پرارتھنا کی۔ اس کے بعد مورتی کے چرنوں میں پیتل کا دیا روشن کیا اور مندر کے سانپوں کو دودھ پلانے مندر کے پچھلی طرف آ گئی۔ صبح کا سہانا سماں تھا۔ آسمان پر کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ بارشوں کا موسم شروع ہونے والا تھا مگر ابھی پہلی بارش نہیں ہوئی تھی۔ مندر کے عقب کا یہ میدان کافی وسیع تھا۔ جگہ جگہ سپیروں اور سپیرنوں نے جو دُور دُور سے آئی تھیں اپنے خیموں اور جھونپڑیوں کے باہر سانپوں کو دودھ پلا رہی تھیں۔ ہر جھونپڑی کے باہر مٹی اور کانسی کی رکابیاں قطار میں رکھی ہوئی تھیں۔ ہر قسم، ہر نوع کے چھوٹے بڑے سانپ بڑے مزے سے دُودھ پی رہے تھے۔ دُودھ ختم ہو جاتا تھا تو سپیرن یا سپیرا کٹوری میں سے ان رکابیوں میں اور دودھ ڈال دیتا تھا۔

کنڈلا، دودھ کا کٹورا اپنے ساتھ لائی تھی۔ ایک جگہ وہ بھی ایک رکابی میں دودھ ڈال کر سانپ کو پلانے لگی۔ اس کے بعد وہ دوسری جھونپڑی کی طرف چلی گئی۔ وہاں دس بارہ سانپ دودھ پی رہے تھے۔ جس رکابی کا دودھ ختم ہو جاتا کنڈلا اس میں دودھ ڈال دیتی۔ اسی طرح وہ ایک جھونپڑی کے پاس آئی جو کیکر کے درخت کے سائے میں تھے۔ یہاں کوئی سپیرا یا سپیرن دکھائی تو نہ دیتی تھی مگر مٹی کی چھ سات رکابیاں دودھ سے بھری رکھی تھیں اور سانپ دودھ پی رہے تھے۔ کنڈلا وہاں کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی کہ کس رکابی کا دودھ ختم ہو تو وہ اس میں نیا دودھ ڈالے۔ کچھ دیر کے بعد رکابیاں خالی ہو گئیں اور سانپ منہ اُٹھا کر کنڈلا کی طرف تکنے لگے۔ کنڈلا نے آگے بڑھ کر اپنی کٹوری کا دودھ رکابیوں میں ڈال دیا۔ اتنے میں ایک نسواری رنگ کا سانپ جھونپڑی کے پیچھے سے رینگتا ہوا آیا اور کنڈلا سے چند قدموں کے فاصلے پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور کنڈلا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں کوئی خالی رکابی نہیں تھی۔ کنڈلا نے دودھ کی کٹوری جس میں تھوڑا دودھ باقی تھا سانپ کے آگے رکھ دی اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''ناگ مہاراج! اسی کٹوری میں دودھ پی لیجئے۔''

مگر سانپ نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی اور کنڈلا کی طرف مسلسل دیکھتا رہا اور اپنی پتلی دوشاخہ زبان بار بار منہ سے نکال کر لہراتا رہا۔ کنڈلا نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''ناگ دیوتا! کٹوری والا دودھ آپ کے لئے ہے۔ اسے پی کر میری آتما کی مکتی کے لئے پرارتھنا کیجئے۔''

مگر سانپ پھر بھی اپنی جگہ پر کنڈلی مارے خاموش بیٹھا کنڈلا کے چہرے کو تکتا رہا۔ چند لمحوں بعد سانپ کے منہ سے ہلکی سی پھنکار کی آواز نکلی اور وہ جھونپڑی کی پچھلی جانب رینگنے لگا۔ تھوڑی دُور رینگنے کے بعد سانپ نے رُک کر گردن گھما کر کنڈلا کی طرف دیکھا اور منہ سے

ہلکی سی پھنکار کی آواز نکالی۔ کنڈلا کچھ نہ سمجھ سکی۔ ایک قدم رینگ کر سانپ پھر رُک گیا اور گردن موڑ کر کنڈلا کو دیکھا اور منہ سے ہلکی سی پھنکار کی آواز نکالی اور آگے چل دیا۔ کنڈلا کو ایک دم خیال آیا کہ شاید سانپ اسے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہہ رہا ہے۔ وہ بلا سوچے سمجھے سانپ کے پیچھے چل پڑی۔ دودھ کی کٹوری اُس نے اُٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لی تھی۔

جھونپڑی کے پیچھے ایک اور درخت کھڑا تھا جس کی چھاؤں میں ایک سپیرا ہرن کی کھال زمین پر بچھائے آلتی پالتی مارے بت کی طرح بیٹھا تھا۔ اُس کا سر منڈا ہوا تھا۔ اُس کی پیٹھ کنڈلا کی طرف تھی۔ کانوں میں چاندی کی بالیاں تھیں۔ کنڈلا یہ سوچ کر کہ یہ کوئی جوگی سپیرا ہے جو گیان دھیان میں مصروف ہے، واپس جانے کے لئے مڑی تو سپیرے کی آواز آئی۔

''کنڈلا......! یہی تمہارا نام ہے نا؟''

کنڈلا کے اُٹھے ہوئے قدم وہیں رُک گئے۔ وہ سپیرے کے سامنے آ گئی اور کہنے لگی۔

''ہاں مہاراج! یہی میرا نام ہے۔''

سپیرے کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگا۔ ''میرے سامنے بیٹھ جاؤ!''

کنڈلا سپیرے کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی۔ سپیرا ادھیڑ عمر کا تھا۔ گلے میں نسواری منکوں کی مالائیں تھیں۔ وہ آنکھیں بند کئے جیسے سادھی لگائے بیٹھا تھا۔ وہ سانپ جو کنڈلا کے خیال کے مطابق اُسے اپنے پیچھے پیچھے چلا کر اس سپیرے کے پاس لایا تھا وہ بھی ایک طرف کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ کنڈلا نے ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''مہاراج! آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟''

سپیرے نے آنکھیں کھول کر کنڈلا پر نظریں جما دیں۔ ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر آ گئی۔ کہنے لگا۔

''ہمیں اور بھی بہت کچھ معلوم ہے جو تم نہیں جانتیں۔ سنو! ہم نے تمہیں ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے۔ اس کام میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ یہ سانپ جو تمہیں میرے پاس لایا ہے تمہیں ایک اور جگہ لے جائے گا۔ وہاں تمہیں وہ شے ملے گی جس کے ملنے کی تمہیں کوئی اُمید نہیں ہے۔ جاؤ! اس سانپ کے پیچھے پیچھے چلتی جاؤ۔ یہ تمہیں اُس جگہ پہنچا دے گا۔''

سپیرے کی زبان سے جیسے ہی یہ جملے نکلے، کنڈل مار کر بیٹھا ہوا سانپ ایک طرف کو رینگنے لگا۔ کنڈلا، سپیرے کی ہدایت کے مطابق سانپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ وہ یہی سمجھے ہوئے تھی کہ یہ سپیرا کوئی پہنچا ہوا جوگی بھی ہے اور شاید اسے کسی خفیہ خزانے سے مالا مال کرنا چاہتا ہے اسی لئے اُس نے سانپ کو ساتھ بھیجا ہے۔ کیونکہ سانپ خفیہ خزانوں کی رکھوالی کیا کرتے ہیں۔ سانپ رینگتے رینگتے سپیروں کی جھونپڑیوں سے نکل کر ایک ویران جگہ پر آ گیا جہاں چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے اور زمین پر سوکھی گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ سانپ

ایک ٹیلے کے پیچھے آ کر رُک گیا اور اُس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ کنڈلا اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ جب وہ سانپ کے قریب آ گئی تو سانپ ٹیلے کی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ کنڈلا وہیں ٹھہر گئی۔ وہ جھاڑیوں میں گھستے ہوئے گھبرا رہی تھی کہ نہ جانے جھاڑیوں کے اندر کیا ہو؟ اتنے میں سانپ جھاڑیوں سے نکل کر کنڈلا کے سامنے آ گیا اور ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا اور بار بار جھاڑیوں کی طرف منہ کر کے اپنی زبان نکالنے اور پھنکارنے لگا۔ کنڈلا سمجھ گئی کہ سانپ اُسے جھاڑیوں میں جانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ کنڈلا ہچکچائی۔ سانپ بار بار پھنکار رہا تھا۔ آخری بار سانپ جھاڑیوں کے پاس رینگ کر گیا، گردن موڑ کر کنڈلا کی طرف دیکھا اور اس کے بعد خاموشی سے واپس چلا گیا۔ کنڈلا اکیلی رہ گئی۔ سوچنے لگی جھاڑیوں کے اندر ضرور کوئی خزانہ چھپا ہوا ہے۔ سپیرے نے بھی اُسے تاکید کی تھی کہ سانپ اُسے جہاں لے جائے گا وہاں اُسے ایسی شے ملے گی جس کے ملنے کی اسے توقع ہی نہیں ہے۔

یہ سوچ کر کنڈلا جھاڑیوں کے پاس گئی۔ بڑی گنجان جھاڑیاں تھیں۔ اُس نے شاخوں کو اِدھر اُدھر ہٹایا تو دیکھا کہ اندر ایک سرنگ نما راستہ بنا ہوا تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ قدم اُٹھاتی چلنے لگی۔ یہ سرنگ نما راستہ اُسے ٹیلے کی ایک غار کے دہانے پر لے گیا۔ کنڈلا ٹھٹک کر رُک گئی۔ اُس نے غار کے اندر سر ڈال کر دیکھا، اُسے ایک طرف ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دی۔ کنڈلا یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھی کہ جوگی سپیرا اُسے کیا دینا چاہتا ہے؟ وہ غار میں داخل ہو گئی۔ شروع میں غار کی گولائی تنگ تھی۔ چند قدم آگے جا کر غار کشادہ ہو گئی اور اُس کی چھت بھی اُونچی ہو گئی۔ کنڈلا اس روشنی کے پیچھے جا رہی تھی جو اُسے غار کے دہانے میں دکھائی دی تھی۔ غار ایک طرف کو مڑی تو آگے ایک چھوٹا سا دالان تھا۔ دالان کی سامنے والی دیوار کے آگے زمین پر ایک جوگی چوکڑی مارے بیٹھا تھا۔ اُس کا سر منڈا ہوا تھا، جسم پر کیسری رنگ کا لبادہ تھا، اُوپر طاق میں ایک دیا روشن تھا جس کی روشنی اس جوگی کے سر پر پڑ رہی تھی اور اس کی شکل صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔

کنڈلا سوچنے لگی کہ یہ کون جوگی ہے جس کے پاس سپیرے نے اسے خاص طور پر بھیجا ہے اور جو کھلے میدان میں کسی جھونپڑی میں رہنے کی بجائے اس اندھیرے غار میں چھپ کر بیٹھا ہے؟ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اُسے جوگی کی آواز سنائی دی۔

''کنڈلا......! میرے پاس آ جاؤ۔''

کنڈلا کے جسم میں حیرت اور دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ آواز کنڈلا کی سنی ہوئی تھی۔ لیکن یہ آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکی تھی۔ اس آواز کا دوبارہ سنائی دینا ناممکنات میں سے تھا...... کنڈلا پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ وہ واپس جانے ہی لگی تھی کہ جوگی کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"کنڈلا! ڈرو نہیں۔ میں نے تمہیں خود بلایا ہے۔ یہ دیوتاؤں کی مرضی ہے کہ تم مجھے ملو، میں تمہیں ملوں۔"

اب کنڈلا نے آواز کو پہچان لیا تھا۔ لیکن خوف کے مارے اُس کا جسم سرد پڑنے لگا تھا۔ اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "ناگ پال ...... یہ تم ہو؟"

"ہاں کنڈلا!" جوگی نے کہا۔ "میں ناگ پال ہوں۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ میری آتما نہیں ہے، میں خود اپنے گوشت پوست کے جسم کے ساتھ موجود ہوں۔"

ایک سیکنڈ میں کنڈلا کا ڈر خوف دُور ہو گیا۔ وہ تیز قدموں سے چل کر جوگی کے سامنے آ گئی۔ اب اُسے ناگ پال کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ناگ پال نے چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھ لی تھی۔ اُس کی بھنوئیں بھی غائب تھیں۔ لیکن کنڈلا ناگ پال کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اُس کے سامنے بیٹھ گئی اور بولی۔

"ناگ پال! جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں مجھے اس کا یقین نہیں آ رہا۔ کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی؟"

ناگ پال نے گہری پُرسکون آواز میں کہا۔ "یہ سپنا نہیں ہے کنڈلا! یہ حقیقت ہے۔ میں ناگ پال ہی ہوں۔ لیکن مجھے چمپاکلی کے شہر میں آنے کے واسطے یہ حلیہ بنانا پڑا ہے۔"

"لیکن ناگ پال!" کنڈلا نے حیرت سے کہا۔ "تمہیں تو سانپوں کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا جو آدم خور سانپوں سے بھرا ہوا تھا اور جہاں سے کسی انسان کا زندہ بچ کر نکلنا ناممکن ہے۔"

ناگ پال بولا۔ "تم نے ٹھیک کہا۔ مجھے آدم خور سانپوں کے کنوئیں میں پھینکا گیا تھا۔ لیکن دیوتاؤں نے مجھے بچا لیا۔ تمہیں یاد ہو گا، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مجھے اپنے ماتا پتا اور اپنے خاندان قبیلے وغیرہ کا کچھ علم نہیں ہے۔ میرے گرو دیو سکھ پال جی نے مجھے ناگ ماتا کے مندر کے باہر سے اُس وقت اُٹھایا تھا جب میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ گرو دیو نے مجھے بتایا تھا کہ میں ناگ ماتا کے مندر کے باہر سیڑھیوں کے پاس پڑا رو رہا تھا اور ایک سانپ کنڈل مارے میرے پاس بیٹھا تھا۔ گرو دیو نے جب مجھے اُٹھایا تو سانپ وہاں سے چلا گیا تھا۔ کنڈلا! اصل میں وہ ناگ میری حفاظت کر رہا تھا۔ جب اُس نے مجھے گرو دیو کے محفوظ ہاتھوں میں جاتے دیکھا تو وہاں سے چلا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ میرا اُس ناگ کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ اور وہ میری حفاظت کیوں کر رہا تھا؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ اُس سانپ کے ذریعے میری حفاظت کا انتظام کیا گیا تھا۔ گرو دیو نے ایک مرتبہ مجھے بتایا تھا کہ آدمی جتنی زندگی لے کر آتا ہے اس دنیا میں اس میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ۔ آدمی کی زندگی باقی ہو تو کوئی اسے مار نہیں سکتا۔ زندگی دینے والا خود ہی اس کی حفاظت کرتا ہے۔ کنوئیں میں بھی میری اُسی مالک نے حفاظت کی

تھی۔ جب مجھے کنوئیں میں گرایا گیا تو آدم خور سانپ غیض و غضب میں پھنکارتے ہوئے میری طرف بڑھے تھے۔ لیکن جوں ہی وہ میرے قریب آتے تھے اُن کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا تھا، جیسے وہ میرے بدن کی بو کو پہچانتے ہوں۔ وہ میرے قدموں سے لپٹ جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان گنت سانپ میرے پورے جسم کے ساتھ لپٹ گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے جسم کے ساتھ لپٹ کر خوشی کا اظہار کر رہے ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ آسمان کی طرف منہ اُٹھا اُٹھا کر پھنکارنے لگے، جیسے وہ بھگوان سے پرارتھنا کر رہے ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں چند لمحوں میں دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو صحرا میں ایک چھوٹے سے پیڑ کے سائے میں پڑا ہوا تھا۔ یہ ہے میری کنوئیں میں گرنے کی ساری کتھا۔ اس طرح مجھے میرے مالک نے بچا لیا۔ ورنہ میں اس وقت زندہ حالت میں تمہارے سامنے نہ بیٹھا ہوتا۔"

"ناگ پال!" کنڈلا نے تشویش کے لہجے میں کہا۔ "تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟ ظالم راج گورو تمہارے خون کا پیاسا ہے۔ اگر اُسے پتہ چل گیا تو تمہیں اسی وقت قتل کر دے گا۔"

ناگ پال بولا۔

"میں نے اسی لئے اپنا حلیہ بدل لیا تھا اور ناگ پنچمی کے تہوار کا انتظار کر رہا تھا تاکہ دوسرے سپیروں کے ساتھ میں بھی شہر میں داخل ہو جاؤں۔ یہ بتاؤ چمپاکلی کیسی ہے؟"

کنڈلا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "جب چمپاکلی کی آنکھوں کے سامنے تمہیں سانپوں کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تو رانی چمپاکلی اس صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد تو اُس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ راج گورو نے راجہ کو بھی خفیہ طور پر ہلاک کروا دیا اور راج گدی پر خود راجہ بن کر بیٹھ گیا۔"

ناگ پال نے اُداس آواز میں کہا۔ "میں نے یہ سب کچھ سن لیا تھا۔"

کنڈلا نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ نہیں سنا ہو گا شاید کہ راج گورو نے رانی چمپاکلی کے ساتھ اپنی شادی کا اعلان کر دیا ہے اور چند روز بعد رانی چمپاکلی اُس کی دُلہن بننے والی ہے۔"

ناگ پال کے چہرے پر غم اور اضطراب کی ایک لہر سی آئی اور گزر گئی۔ اُس کا چہرہ اپنی معمول حالت پر واپس آ گیا۔ اُس نے پوچھا۔

"کیا چمپاکلی اس بیاہ پر راضی ہو گئی ہے؟"

کنڈلا نے کہا۔ "تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ رانی چمپاکلی راج گورو سے بیاہ کرنے پر راضی ہو گئی؟ اُسے تو راج گورو کی شکل سے نفرت ہے۔ وہ آج بھی تمہاری محبت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ مگر بے بس ہے۔ پنجرے میں بند پنچھی کی طرح ہے۔ تمہاری یاد میں تڑپتی ہے، پھڑپھڑاتی ہے، مگر پنجرے سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔"

ناگ پال ایک پل کے لئے خاموش رہا، پھر اُس نے آنکھیں کھول کر کنڈلا کو دیکھا اور بولا۔ ''میں چمپاکلی کو بند پنجرے سے نکالنے کے لئے ہی آیا ہوں۔ میں نے تمہیں بھی اسی لئے یہاں بلایا ہے۔ میری طرف سے چمپاکلی کو جا کر پیغام دو کہ میں زندہ ہوں۔ دیوتاؤں نے مجھے آدم خور سانپوں سے بچا لیا ہے۔ اس سے پوچھو کہ کیا وہ مہارانی بن کر راج سنگھاسن پر بیٹھنا چاہتی ہے؟ چمپاکلی کے جواب آنے پر میں کوئی دوسرا فیصلہ کر سکوں گا...... اب جاؤ! میں تمہیں اسی غار میں بیٹھا ملوں گا۔''

کنڈلا، ناگ پال کے مزاج سے واقف تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ اتنی ہی بات کرتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ فالتو ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتا۔ وہ کہنے لگی۔

''ٹھیک ہے...... میں رانی جی سے تمہارے سوال کا جواب لے کر رات کو آؤں گی۔''

ناگ پال خاموش رہا۔ کنڈلا اُٹھ کر واپس چل پڑی۔ شاہی محل میں جا کر اُس نے رانی چمپاکلی کو یہ خوشخبری سنائی کہ ناگ پال زندہ ہے اور وہ اُس سے مل کر آ رہی ہے تو چمپاکلی کی خوشی سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب وہ ذرا سنبھلی تو اُس نے پوچھا۔

''کنڈلا! تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟''

کنڈلا بولی۔ ''رانی جی! میں ایسا ظالمانہ مذاق تم سے کیسے کر سکتی ہوں؟ یقین کرو ناگ پال زندہ ہے اور میں نے اُس کے پاس بیٹھ کر اُس سے باتیں کی ہیں۔''

پھر کنڈلا نے چمپاکلی کو سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح وہ سانپوں کو دودھ پلانے ناگ مندر گئی اور پھر کیسے ناگ پال سے ملاقات ہوئی۔ چمپاکلی پر اب بھی مسرت انگیز حیرت طاری تھی۔ اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''تم نے ناگ پال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے نا؟ وہ کہیں ناگ پال کی آتما تو نہیں تھی؟''

کنڈلا کہنے لگی۔ ''رانی جی! میں زندہ انسان اور اس کی آتما کے فرق کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ میں نے ناگ پال کو چھو کر تو نہیں دیکھا مگر میں تمہیں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ وہ ناگ پال ہی ہے۔''

تب کنڈلا نے ناگ پال کے کنوئیں سے زندہ بچ نکلنے کے بارے میں ناگ پال کی بتائی ہوئی ساری کہانی بھی چمپاکلی کے گوش گزار کر دی۔

''کیا اُسے معلوم ہے کہ راج گورو کے ساتھ میری شادی ہونے والی ہے؟'' چمپاکلی نے پوچھا۔

کنڈلا نے کہا۔ ''نہیں...... اُسے اس کا علم نہیں تھا لیکن میں نے اُسے بتا دیا ہے۔''

''پھر...... یہ خبر سن کر ناگ پال نے کیا کہا؟'' چمپاکلی نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

کنڈلا بولی۔ ''وہ چپ ہو گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ کیا چمپاکلی اس شادی سے خوش

ہے؟ جب میں نے اُسے کہا کہ وہ کیسے خوش ہو سکتی ہے؟ وہ تو آج بھی تم سے پیار کرتی ہے، اُسے تو راج گورو نے اپنی خونی سازش کے جال میں پھنسایا ہے۔ وہ تو پنجرے میں بند پنچھی کی مانند ہے۔ تڑپتی ہے، پھڑ پھڑاتی ہے مگر باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔ یہ سن کر ناگ پال پر بڑا اثر ہوا۔ میری طرف دیکھ کر بولا۔ میں چمپاکلی کو اس بند پنجرے سے نکالنے کے لئے ہی آیا ہوں۔ اُسے جا کر میری طرف سے پوچھو کہ کیا وہ مہارانی بن کر راج سنگھاسن پر بیٹھنا پسند کرتی ہے؟''

چمپاکلی نے کہا۔ ''ناگ پال کو ایسا نہیں سوچنا چاہئے تھا۔ اُسے مجھ سے یہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

کنڈلا نے چمپاکلی کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''رانی جی! تم ناگ پال سے محبت ضرور کرتی ہو۔ لیکن اُس کے مزاج کو ابھی تک نہیں سمجھ سکی ہو۔ وہ تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہے کہ تم اس بیاہ سے خوش نہیں ہو۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ تم راج گورو سے شادی کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

چمپاکلی کو اب یقین ہو گیا تھا کہ ناگ پال زندہ ہے اور وہ سانپوں کے کنوئیں سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''تمہیں میرا جواب لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ناگ پال سے ملوں گی اور اُسے کہوں گی کہ اگر مجھے راج سنگھاسن پر مہارانی بن کر بیٹھنے کی خواہش ہوتی تو اس کی یاد میں جل بن مچھلی کی طرح دن رات نہ تڑپتی۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''لیکن رانی جی! تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ اور پھر راج گورو کے جاسوس دن رات تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ اگر اُنہیں پتہ چل گیا کہ ناگ پال زندہ ہے اور تم ناگ پال سے ملنے جا رہی ہو تو ناگ پال کو اسی وقت پکڑ لیا جائے گا اور اس بار راج گورو خود اپنے ہاتھ سے ناگ پال کی گردن اُڑا دے گا۔''

یہ سن کر چمپاکلی ڈر گئی، کہنے لگی۔ ''پھر میں کیا کروں؟ ناگ پال سے کیسے ملوں؟ میں اُسے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اُس کے سینے پر سر رکھ کر اُس سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس نے میری محبت پر شک کیوں کیا؟''

کنڈلا کہنے لگی۔

''رانی جی! یہ وقت اس قسم کی جذباتی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ ناگ پال یونہی بھیس بدل کر یہاں نہیں آیا۔ وہ تمہیں اس جہنم سے نکالنے کے لئے اپنی جان پر کھیل کر یہاں آیا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ کسی نے اسے پہچان لیا تو اس کی موت یقینی ہے۔ لیکن تمہاری محبت اسے یہاں کھینچ لائی ہے۔''

چمپا کلی سمجھ گئی کہ کنڈلا جو کچھ کہہ رہی ہے اسی میں اس کی اور ناگ پال کی بھلائی ہے۔ اُس نے کنڈلا سے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ناگ پال سے جا کر کہہ دو کہ میں راج گورو کی دُلہن بننے سے پہلے ہی خودکشی کر لوں گی۔ میرے بیاہ میں، میری موت میں صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو مجھے یہاں سے نکال کر لے جائے۔''

''بس......'' کنڈلا بولی۔ ''میں یہی بات تمہاری زبان سے سننا چاہتی تھی۔ میں تمہارا یہ فیصلہ ایک ایک لفظ کے ساتھ ناگ پال کو سنا دُوں گی۔''

''تم کس وقت جاؤ گی؟'' چمپا کلی نے پوچھا۔

کنڈلا نے جواب دیا۔

''میں نے سوچا تھا کہ رات کو تمہارا جواب لے کر جاؤں گی۔ لیکن تب مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ راج گورو کے شاہی جاسوس ہم دونوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اب میں رات ہونے کا انتظار نہیں کروں گی، دن کی روشنی میں جاؤں گی۔ ناگ پنچھمی کا موقع ہے۔ ناگ مندر میں سپیرے یاتریوں کی بڑی گہما گہمی ہے۔ اگر دن کے وقت بھی کسی نے میرا پیچھا کیا تو وہ مجھے ناگ دیوتا کے مندر میں سانپوں کو دودھ پلاتے دیکھ کر یہی سمجھے گا کہ میں ناگ دیوتا کی پوجا کی رسم ادا کرنے آئی ہوں اور ممکن ہے وہ واپس چلا جائے۔''

چمپا کلی نے کہا۔

''پھر بھی تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ خاص طور پر اُس وقت تمہیں بے حد چوکنا ہو کر رہنا ہو گا جب تم ناگ پال سے ملاقات کے لئے ٹیلے کی غار کی طرف جاؤ گی۔''

کنڈلا کہنے لگی۔

''تم فکر نہ کرو رانی جی! جب تک مجھے یقین نہیں ہو جائے گا کہ کوئی جاسوس میرا پیچھا نہیں کر رہا، کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا میں ناگ پال والے ٹیلے کا رُخ نہیں کروں گی۔''

ناگ دیوتا کے مندر میں ناگ پنچمی کی تقریبات کا سلسلہ جاری تھا۔ ناگ مندر کے عقب میں میلہ لگا تھا۔ ناگ دیوتا کے پجاری پھل، کھانے پینے کی چیزیں، مٹھائیاں اور سانپوں کے لئے کٹوریوں میں دودھ بھر کر لا رہے تھے۔ پھل اور مٹھائیاں وہ سپیروں کو کھلاتے اور دودھ ان کے سانپوں کو پلاتے۔ کنڈلا نے بھی ایک کٹوری دودھ کی بھری اور محل سے نکل پڑی۔ جب وہ محل کے بڑے دروازے سے ذرا آگے گئی تو ایک جگہ راج گورو کے دو جاسوس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے کنڈلا کو دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا۔

''یہ پھر ناگ مندر کیا لینے جا رہی ہے؟''

دوسرا بولا۔ ''بھائی اس کے ہاتھ میں دودھ کی کٹوری ہے۔ ناگ جی کے سانپوں کو دودھ

پلانے جا رہی ہے۔ اور کہاں جائے گی؟''

پہلا بولا۔ ''لیکن یہ پہلے بھی تو ناگ جی کے سانپوں کی سیوا کرنے گئی تھی۔''

دوسرا کہنے لگا۔ ''ناگ پنچمی پر عورتیں دن میں دو بار ناگ دیوتا کے سانپوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ اس واسطے یہ دوسری بار جا رہی ہے۔''

پہلا بولا۔ ''ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''بیکار میں اپنے آپ کو تھکانے سے کیا فائدہ؟ آرام سے بیٹھے رہو۔ اور پھر ہمیں رانی جی کی نگرانی کے لئے کہا گیا ہے۔ یہ تو اس کی نوکرانی ہے۔''

''ہاں...... یہ تو تم نے ٹھیک کہا بھائی۔'' پہلا بولا اور دونوں جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

یہ کنڈلا کی خوش قسمتی تھی کہ راج گورو کے دونوں جاسوسوں کو اُس پر شک نہیں پڑا تھا۔ ورنہ اگر وہ اُس کا پیچھا کرنا شروع کر دیتے تو کنڈلا سمیت ناگ پال اور رانی چمپا کلی تینوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی تھیں۔ اس کے باوجود کنڈلا اپنی طرف سے بڑی احتیاط سے کام لے رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے راستے سے ہو کر اس دفعہ ناگ دیوتا کے مندر پہنچی۔ سب سے پہلے اُس نے سانپوں کو دودھ پلایا، پھر میدان میں اِدھر اُدھر پھرتی سپیروں کے چرن چھوتی اور سانپوں کے رقص دیکھتی رہی۔ جب اپنی طرف سے اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو وہ لوگوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے اُس ٹیلے کی طرف چل پڑی جس کے غار میں ناگ پال بیٹھا تھا۔

سرنگ کے اندر جانے سے پہلے کنڈلا ایک طرف چھپ گئی۔ اس یقین کے بعد کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے وہ جھاڑیوں میں گھس گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ناگ پال کے سامنے بیٹھی تھی۔ اُس نے ناگ پال کو رانی چمپا کلی کا جوابی پیغام بھی دے دیا اور کہا کہ چمپا کلی کو یہ جان کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ ناگ پال زندہ ہے۔ لیکن اُسے اس بات سے دُکھ بھی ہوا ہے کہ ناگ پال نے اس کی محبت کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ناگ پال ایک پُرسکون خاموشی سے کنڈلا کی بات سنتا رہا، پھر بولا۔

''کنڈلا! میں نے چمپا کلی کی محبت پر شک نہیں کیا۔ مجھے یہ شک ہو سکتا ہے کہ سورج مشرق سے نہیں مغرب سے طلوع ہوتا ہے مگر یہ شک کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں چمپا کلی سے پیار نہیں کرتا۔ میں نے اگر چمپا کلی سے یہ پوچھا تھا کہ کیا وہ مہارانی بن کر راج گدی پر بیٹھنا پسند کرتی ہے تو صرف اس لئے پوچھا تھا کہ میں چمپا کلی کے ایک بنیادی انسانی حق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ چمپا کلی نے میرے سوالوں کا کیا جواب دیا ہے؟''

کنڈلا نے کہا۔ ''رانی جی نے کہا ہے کہ وہ مہارانی بن کر ناگا پورم کے راج سنگھاسن پر

بیٹھنے کی بجائے اپنے آپ کو کسی زہریلے سانپ سے ڈسوا کر مر جانا بہتر سمجھے گی۔ اور رانی جی نے یہ بھی پیغام دیا ہے کہ ناگ پال سے کہو مجھے اس جہنم سے نکال کر لے جائے نہیں تو میں موت کو گلے لگا لوں گی اور وہ ساری زندگی میری شکل دیکھنے کو ترستا رہے گا۔''

ناگ پال پر چمپا کلی کی محبت کا جذبہ غالب آ گیا۔ اُس نے کہا۔

''بس کنڈلا! اس سے آگے کچھ نہیں سنوں گا۔ اب تم میری بات غور سے سنو! اس وقت تم ہی ایک ایسی عورت ہو جو ہماری مدد کر سکتی ہے۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ میں چمپا کلی کو نکال کر لے جانے کے لئے شاہی محل کا رُخ نہیں کر سکتا۔ شاہی محل کی ایک ایک اینٹ میری جان کی دشمن بن چکی ہے۔ میں پہچان لیا جاؤں گا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم کسی طریقے سے چمپا کلی کو وہاں سے نکال کر شہر کی چار دیواری سے باہر پہنچا دو؟ میں وہاں تیز رفتار اُونٹ لے کر چمپا کلی کے انتظار میں موجود رہوں گا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر ایسے ملک میں چلا جاؤں گا جہاں ناگا پورم کا کوئی فوجی، کوئی شہری نہیں پہنچ سکے گا۔ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟''

کنڈلا سوچ میں ڈوب گئی، پھر بولی۔

''اس کا جواب میں رانی جی سے مشورہ کرنے کے بعد ہی تمہیں دے سکتی ہوں۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''لیکن یہ مت بھولنا کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ راج گورو کے ساتھ چمپا کلی کا بیاہ ہونے میں دو تین دن ہی باقی رہ گئے ہیں۔''

کنڈلا بولی۔ ''اس کا مجھے احساس ہے۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ کل صبح صبح تمہارے پاس اس سوال کا جواب لے کر آ جاؤں گی۔''

ناگ پال اس وقت چمپا کلی سے اپنی محبت کے نشے میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ اُس کا ایک انسانی پہلو تھا جس میں انسانی فطرت کی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی موجود تھیں۔ اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''چمپا کلی کو میرا محبت بھرا نمسکار کہنا اور کہنا کہ ناگ پال کی چمپا کلی سے محبت جنم جنم کا پیار ہے، جنم جنم کا ساتھ ہے۔ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوگا۔''

کنڈلا کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اُس نے اگلے روز صبح صبح آنے کا وعدہ کیا اور ناگ پال سے رُخصت ہوگئی۔

OOO

شاہی محل میں آ کر جب کنڈلا نے وہ ساری باتیں چمپا کلی کو سنا دیں جو اس کے اور ناگ پال کے درمیان ہوئی تھیں تو دونوں سوچ میں پڑ گئیں۔ دونوں ایک ہی مسئلے پر غور کر رہی تھیں کہ شاہی محل سے کس طرح نکلا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ چمپا کلی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اُسے کبھی اس قسم کے حالات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ کنڈلا کا ذہن اگرچہ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن اُس کی سوچ بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہی تھی۔

چمپا کلی پریشان ہو کر بولی۔

''کنڈلا! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں شاہی محل سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکوں اور شادی کا دن آ جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔ میری ایک بات یاد رکھنا..... میری لاش کے کریا کرم کے بعد میری تھوڑی سی راکھ ناگ پال کو جا کر ضرور دے دینا اور کہنا کہ یہ اس بدنصیب عورت کی راکھ ہے جو ناگ پال سے محبت کرتی تھی اور جس کی زبان پر مرتے وقت ناگ پال کا نام تھا۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''ایسی باتیں نہ کرو رانی جی! ہم یہاں سے نکلنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔''

''کیسے کنڈلا..... کیسے؟'' رانی چمپا کلی نے نا اُمیدی سے کہا۔ ''میری موت میں اور راج گورو کی شادی میں صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ اب تو میری نگرانی اور بھی سخت کر دی جائے گی۔''

چمپا کلی آہ بھر کر خاموش ہوگئی اور اُس نے اپنا سر شاہی پلنگ کی پشت سے لگا دیا۔ کنڈلا پر بھی مایوسی سی چھا گئی۔ اُسے بھی فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

اچانک کنڈلا کا چہرہ کھل گیا۔ اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔ اُسے وہ مرگنی دیہاتی لڑکی یاد آ گئی جو اپنے مردوں اور عورتوں کے ساتھ دیہات سے تازہ سبزیاں اور دودھ، مکھن لے کر دن میں دو بار شاہی محل میں آیا کرتی تھی اور جس کے چھکڑے میں چھپ کر ایک بار کنڈلا، ناگ پال سے ملنے ناگ مُنی کے آشرم میں گئی تھی۔ وہ چمپا کلی کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ چمپا کلی نے کہا۔

''شاید تمہیں میری بے بسی پر ہنسی آ رہی ہے کنڈلا!''

کنڈلا نے سر ہلا کر کہا۔ ''ایسی بات نہیں ہے رانی جی! میری مسکراہٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے۔ اور یہ ایک ایسی ترکیب ہے کہ جس کے ناکام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

چمپا کلی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

''جلدی بتاؤ کنڈلا...... کون سی ترکیب ہے وہ؟''

کنڈلا بولی۔ ''رانی جی! آپ کو یاد ہے میں ایک بار محل سے نکل کر چوری چھپے ناگ پال سے ملنے اُس کے آشرم ناگ مُنی کے ٹیلے پر گئی تھی۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب راج گورو نے تم پر یہ الزام لگایا تھا کہ ایک اجنبی نوجوان رات کے وقت تم سے ملنے حویلی میں آتا ہے۔ یہ الزام جھوٹا نہیں تھا۔ اُن دنوں ناگ پال تم سے ملنے رات کے وقت شاہی حویلی میں آیا کرتا تھا۔ اور پھر راج گورو، مہاراج کو لے کر حویلی میں پہنچ گیا تھا مگر ناگ پال اس سے تھوڑی دیر پہلے چلا گیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد راج گورو نے میری اور تمہاری نگرانی شروع کر دی تھی۔ تب میں چھپ کر ایک دن ناگ پال کے پاس گئی تھی تاکہ اسے خبردار کر دوں کہ اب وہ حویلی کا رُخ نہ کرے، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔''

پھر کنڈلا نے چمپا کلی کو ساری ترکیب بتائی اور کہا۔ ''ہم اُس دیہاتی لڑکی مرگنی کے چھکڑے میں چھپ کر شاہی محل سے فرار ہو سکتے ہیں۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو گی۔''

چمپا کلی نے کہا۔ ''یہ لڑکی مرگنی کسی کو بتا تو نہیں دے گی؟''

کنڈلا نے کہا۔ ''میں اُسے یہ تھوڑی بتاؤں گی کہ تم بھی میرے ساتھ ہو۔ میں اُسے کہوں گی کہ میری ایک سہیلی بھی میرے ساتھ ناگنی دیوی کی گپت پوجا کو جا رہی ہے اور میں نے اسے بتا دیا تھا کہ یہ ایک ایسی پوجا ہوتی ہے جو عورتیں کوئی منت مان کر چھپ کر کرتی ہیں اور کسی مرد کو اس کا علم نہیں ہونے دیتیں۔ مرگنی، دیوی دیوتاؤں سے بڑا ڈرتی ہے۔ وہ ہم دونوں کو محل سے باہر نکالنے پر راضی ہو جائے گی۔''

''ہم اُسے منہ مانگا انعام دیں گے۔'' چمپا کلی نے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' کنڈلا بولی۔ ''اس طرح اُسے شک پڑ جائے گا کہ میرے ساتھ ضرور شاہی خاندان کی کوئی خاص عورت جا رہی ہے۔ رانی جی! اس کی تم فکر نہ کرو۔ آج شام کو مرگنی محل کے لئے تازہ دودھ، پھل اور سبزیاں لے کر آئے گی تو میں اُس سے بات طے کر لوں گی اور کل شام ہم اُس کے چھکڑے میں چھپ کر محل سے فرار ہو جائیں گی۔''

''لیکن تمہیں ناگ پال کو بھی تو جا کر بتانا ہو گا کہ ہم کل شام کے وقت یہاں سے نکل رہی ہیں۔'' چمپا کلی کی اس بات کے جواب میں کنڈلا نے کہا۔

''میں شام کو مرگنی سے بات کرنے کے بعد کل صبح منہ اندھیرے ناگ مندر جا کر ناگ

پال کو بتا دوں گی کہ کس وقت اور کہاں اُسے ہمارا انتظار کرنا چاہئے۔''

شام کو دیہاتی لڑکی شاہی محل کی رسد یعنی تازہ سبزیاں، دودھ اور مکھن لے کر آئی تو کنڈلا اُسے ایک طرف لے گئی اور اُسے ساری بات بیان کی کہ کل رات کو وہ اور اُس کی ایک سہیلی نے ناگنی دیوی کے مندر میں جا کر گپت پوجا کرنی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایک منت مانی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کنڈلا نے اپنا موتیوں کا قیمتی ہار اُتار کر مرگنی کو دیا اور کہنے لگی۔

''یہ میں تمہیں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔ اسے رکھ لو۔''

قیمتی موتیوں کا ہار دیکھ کر مرگنی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ کہنے لگی۔ ''کنڈلا جی! اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں تو آپ کی خادمہ ہوں۔ جو کام کہیں گی، خوشی سے کروں گی۔''

کنڈلا کہنے لگی۔ ''وہ میں جانتی ہوں۔ لیکن اس دفعہ میرے ساتھ محل کی میری ایک سہیلی بھی ہو گی جس نے یہ منت مانی ہے کہ وہ ناگنی دیوی کی پوجا سے پہلے کسی کو اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔ اس لئے اُس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپایا ہوا ہو گا۔''

دیہاتی لڑکی مرگنی بولی۔ ''کنڈلا جی! آپ کل کس وقت پوجا کے لئے جائیں گی؟ صبح کو یا شام کو؟ کیونکہ آپ کو تو معلوم ہے کہ ہم یا تو صبح سامان لے کر آتے ہیں یا شام کو۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''ہم کل شام کو جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' مرگنی بولی۔ ''میں اپنے چھکڑے میں آپ دونوں سہیلیوں کے چھپنے کا انتظام کر کے آؤں گی۔ آپ تیار رہیں۔''

''ہم تیار ہوں گی۔'' کنڈلا نے کہا۔ لیکن مرگنی! مجھے اُمید ہے تم اس بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرو گی۔''

مرگنی نے کہا۔ ''کنڈلا جی! میں دیوی دیوتاؤں کے شراپ سے بہت ڈرتی ہوں۔ میں کیوں کسی کو بتانے لگی؟''

کنڈلا نے مرگنی کو بتایا کہ وہ کل شام شاہی محل کے پیچھے جو باغیچہ ہے وہاں اپنا چھکڑا لے آ جائے۔ اور پھر واپس چمپا کلی کو جا کر ساری تفصیل بیان کر دی۔

کنڈلا اگلے دن منہ اندھیرے ناگ پال سے ملاقات کرنے محل سے نکل پڑی۔ جاسوسوں کو یہ یقین دلانے کے لئے وہ صبح صبح ناگ دیوتا کی ناگ پنچمی کی پوجا کے لئے ناگ مندر جا رہی ہے، اُس نے سر پر چاندی کا ایک تھال اُٹھا رکھا تھا جس میں ایک دیا روشن تھا اور پھولوں کے ہار رکھے ہوئے تھے۔ وہ محل سے نکل کر سیدھی ناگ مندر کی طرف جا رہی تھی۔ ابھی منہ اندھیرے کا وقت تھا۔ مندر کی دیواروں پر چراغ ابھی تک روشن تھے۔ کنڈلا نے ناگ مندر میں جا کر ناگ دیوتا کی مورتی پر سب سے پہلے پھولوں کے ہار چڑھائے اور تھوڑی دیر وہیں بیٹھی رہی، پھر مندر کے پچھلے دروازے سے نکل کر ناگ پال والے ٹیلے پر پہنچ

گئی۔ ناگ پال غار کے دالان میں چوکی پر بیٹھا پوجا پاٹھ میں مصروف تھا۔ کنڈلا کو دیکھ کر اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کنڈلا چوکی پر بیٹھ گئی۔ ناگ پال نے پوجا ختم کی اور کنڈلا کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

''کنڈلا! کیا خبر لائی ہو؟ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ کوئی اچھی خبر لائی ہو۔''

کنڈلا نے ناگ پال کو اپنے منصوبے کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا اور کہا۔

''میں اور رانی چمپا کلی آج سورج غروب ہونے کے بعد شہر کی فصیل سے ایک میل کے فاصلے پر کچے ٹیلے کے پیچھے جو درختوں کے جھنڈ ہیں وہاں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں گی۔''

ناگ پال یہ سن کر بولا۔ ''میں تم لوگوں کے آنے سے پہلے وہاں پر موجود ہوں گا۔''

کنڈلا نے ناگ پال کو ایک بار پھر فصیل شہر سے شمال مغرب کی طرف کچے ٹیلے والے درختوں کے جھنڈ میں پہنچ جانے کی تاکید کی، نمسکار کیا اور واپس محل کی طرف روانہ ہو گئی۔

مرگنی سبزیوں، ترکاریوں کے چھکڑے لے کر اپنے مردوں اور عورتوں کے ساتھ سورج غروب ہوتے ہی شاہی محل میں پہنچ جاتی تھی۔ اس سے پہلے ہی کنڈلا اور چمپا کلی نے تیاری شروع کر دی تھی۔ کنڈلا نے سادہ لباس پہن لیا تھا۔ چمپا کلی نے سیاہ رنگ کی ایک چادر نکال کر الگ رکھ لی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ مرگنی کے چھکڑے کا انتظار کر رہی تھی۔ کنڈلا کے کان بھی چھکڑے کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ چمپا کلی کہنے لگی۔

''اگر مرگنی آج نہ آئی تو...... ناگ پال تو میرا انتظار کر کے چلا جائے گا۔''

کنڈلا بولی۔ ''مرگنی ضرور آئے گی رانی جی!''

سورج شاہی محل کی اُونچی برجیوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا کہ دُور سے چھکڑوں کے شاہی محل کے گیٹ میں داخل ہونے کی آواز آئی۔ کنڈلا نے اس آواز کو سنتے ہی چمپا کلی سے کہا۔

''جلدی سے چادر اوڑھ کر اپنا سر منہ ڈھانپ لو۔ مرگنی اپنا چھکڑا لے کر تھوڑی دیر میں محل کے پیچھے آ جائے گی۔''

مرگنی نے شاہی محل کے زنان خانے والے باورچی خانے میں سبزیاں، ترکاریاں اور تازہ دودھ مکھن کی رسد شاہی باورچن کے حوالے کی اور خالی چھکڑا لے کر شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں محل کے عقبی دروازے کی دیوار کے پاس آ کر رُک گئی۔ کنڈلا نے محل کے جھروکے میں سے چھکڑے کو آتے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے چمپا کلی کو اشارہ کیا اور دونوں محل کی پچھلی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ گئیں۔ کنڈلا نے آگے بڑھ کر مرگنی سے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے نا؟''

دیہاتی لڑکی مرگنی نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ ''میں نے چھکڑے میں دو بڑے ٹوکرے اُلٹے کر کے رکھ دیئے ہیں، ان میں چھپ جائیں۔ آپ کی سہیلی کہاں ہے؟''

چمپا کلی سیاہ چادر سے منہ، سر ڈھانپے ذرا پیچھے محل کی دیوار کے پاس کھڑی تھی۔ کنڈلا نے چمپا کلی کو اشارہ کیا، چمپا کلی چھکڑے کی طرف بڑھی۔ کنڈلا نے آہستہ سے چمپا کلی سے کہا۔

''کونے والے بڑے ٹوکرے میں چھپ جاؤ۔''

چمپا کلی جلدی سے چھکڑے پر چڑھ گئی۔ کئی ٹوکریوں کے درمیان کونے میں دو بڑے ٹوکرے اوندھے پڑے تھے۔ چمپا کلی کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک ٹوکرے کو ایک جانب سے اُٹھایا اور اُس کے اندر گھس کر ٹوکرا اپنے اُوپر کر لیا۔ کنڈلا بھی اسی طرح دوسرے ٹوکرے میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ مرگنی چھکڑے کی گدی پر بیٹھی اور بیلوں کو ہانکتے ہوئے شاہی محل کے دروازے کی طرف چل پڑی۔

چمپا کلی کا دل گھبرا رہا تھا۔ اُسے بار بار خیال آ رہا تھا کہ اگر شاہی محل کے دروازے پر بیٹھے شاہی جاسوسوں میں سے کسی کو شک پڑ گیا اور انہوں نے ٹوکروں کی تلاشی لینی شروع کر دی تو ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔ ظالم راج گورو مارا نہ صرف اُسے بلکہ کنڈلا اور مرگنی کو بھی اسی لمحے موت کے گھاٹ اُتار دے گا۔ لیکن قدرت اس وقت چمپا کلی کا ساتھ دے رہی تھی۔ خالی چھکڑا کنڈلا اور چمپا کلی کو ٹوکروں میں چھپائے خیریت کے ساتھ محل کے شاہی گیٹ سے گزر گیا۔ چھکڑا محل کے دروازے سے چند قدم آگے گیا تھا کہ گیٹ کے پاس بیٹھے شاہی جاسوس نے مرگنی کو آواز دی۔

''مرگنی! چھکڑا روکو......!''

یہ آواز کنڈلا اور چمپا کلی نے بھی سن لی۔ آواز سنتے ہی چمپا کلی کا جسم خوف کے مارے برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرے ٹوکرے میں چھپی ہوئی کنڈلا کا بھی رنگ فق ہو گیا۔ مرگنی بھی پریشان ہو گئی۔ لیکن شاہی جاسوس کا حکم تھا، اُس نے چھکڑے کو وہیں روک دیا۔ شاہی جاسوس چھکڑے کے پاس آ گیا۔ محل کے دروازے کے اُوپر لگی ہوئی مشعلوں کی روشنی چھکڑے پر پڑ رہی تھی اور اس میں بھرا ہوا خالی ٹوکروں کا انبار صاف نظر آ رہا تھا۔ مگر جن بڑے ٹوکروں میں چمپا کلی اور کنڈلا چھپی ہوئی تھیں وہ چھکڑے کے آخر میں دوسرے چھوٹے ٹوکروں کے درمیان کچھ چھپے ہوئے اور کچھ نظر آ رہے تھے۔ مگر ان کے اندر چھپی ہوئی چمپا کلی اور کنڈلا دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جاسوس نے مرگنی کے قریب آ کر رازداری سے پوچھا۔

''ان ٹوکروں میں کیا لے جا رہی ہو؟''

مرگنی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''مہاراج! کچھ بھی نہیں لے جا رہی۔ ان میں سبزیاں ترکاریاں لے کر آئی تھی۔ وہ شاہی باورچی خانے میں پہنچا کر گاؤں واپس جا رہی ہوں۔ سارے ٹوکرے خالی ہیں۔''

جاسوس نے آگے بڑھ کر تین چار ٹوکروں کو ادھر اُدھر ہٹا کر دیکھا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

پھر وہ کونے والے اُلٹے پڑے بڑے بڑے ٹوکروں کی طرف بڑھا۔ ان کے اندر چمپا کلی اور کنڈلا چھپی ہوئی تھیں۔ مرگنی نے شاہی جاسوس کو بڑے ٹوکروں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا تو اُس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے سانٹے کی نوک زور سے ایک بیل کے جسم میں چبھو دی۔ بیل بدکا اور چھکڑا ایک دم پیچھے کو ہٹ گیا۔ شاہی جاسوس کا ہاتھ اُٹھنے کا اُٹھا رہ گیا اور وہ بھی جلدی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مرگنی نے بڑی مشکل سے ہنس کر کہا۔

''شما کیجئے مہاراج! بیل ڈر کر بدک گیا تھا۔''

شاہی جاسوس مرگنی کے پاس آ گیا۔ ایک نگاہ دائیں بائیں ڈالی اور پھر مرگنی سے کہا۔

''کل کس وقت آؤ گی؟''

مرگنی بولی۔ ''مہاراج! اسی وقت آتی ہوں۔ حکم کیجئے۔''

شاہی جاسوس بولا۔ ''میرے لئے تازہ مکھن کا بڑا کٹورا بھر کر الگ لے کر آنا۔ وید جی نے مجھے تازہ مکھن کھانے کو کہا ہے۔''

مرگنی کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگی۔ ''ایک چھوڑ کر مکھن کے دو ٹوکرے بھر کر لے آؤں گی مہاراج! ہم تو آپ کے سیوک ہیں۔''

شاہی جاسوس نے مرگنی کے گال پر ہلکی سی چٹکی بھری اور کہا۔ ''بھولنا نہیں۔''

مرگنی نے فوراً کہا۔ ''کیسے بھول سکتی ہوں مہاراج؟'' اور پھر اُس نے بیلوں کو آگے بڑھا دیا۔ ٹوکرے کے اندر چھپی ہوئی چمپا کلی اور کنڈلا دونوں کو محسوس ہو گیا تھا کہ چھکڑے کو شاہی جاسوس نے ہی روکا ہے۔ خوف کے مارے دونوں کا خون خشک ہو گیا تھا۔ ٹوکرے کے اندر سے اُنہیں باہر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شاہی جاسوس کی اتنی آواز اُنہوں نے سن لی تھی کہ ان ٹوکروں میں کیا لے جا رہی ہو؟ اور ان دونوں کا خون خشک کرنے کے لئے یہ جملہ ہی کافی تھا۔ لیکن جب شاہی جاسوس مرگنی کے ساتھ تازہ مکھن لانے کی باتیں کرنے لگا اور چھکڑا آگے بڑھ گیا تو دونوں کی جان میں جان آئی۔

چھکڑا شہر کی فصیل کے دروازے میں سے بغیر کسی پوچھ گچھ کے گزر گیا۔ مرگنی بیلوں کو تیز چلانے لگی۔ جب چھکڑا شہر کی فصیل سے کافی دُور آ گیا تو مرگنی نے بیلوں کو روکا اور کنڈلا سے کہا۔ ''کنڈلا جی! دیوتاؤں کو ہم پر رحم آ گیا تھا۔ ورنہ آج آپ کے ساتھ راجہ کے آدمیوں نے مجھے بھی مار ڈالنا تھا۔ ٹوکروں سے باہر نکل آئیں۔''

کنڈلا اور چمپا کلی ٹوکروں سے نکل آئیں۔ چمپا کلی اسی طرح کالی چادر سے منہ سر چھپائے ٹوکرے کے پاس ہی سمٹ کر بیٹھ رہی۔ اُسے دُور سے شہر کی فصیل پر اور شاہی محل کی برجیوں پر جھلملاتے چراغ نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں رُکنا نہیں چاہتی تھیں۔ کنڈلا مرگنی سے باتیں کرنے لگی۔ چمپا کلی نے بے چین ہو کر کنڈلا سے کہا۔

''دیر ہو رہی ہے۔ جلدی سے چلو۔''

کنڈلا فوراً مرگنی سے بولی۔

''یہاں سے نکل چلو مرگنی! ناگنی دیوی کی پوجا کا وقت ہو رہا ہے۔''

مرگنی نے بیلوں کو ہلکا سا سانٹا مارا اور بیل جلدی جلدی چلنے لگے۔ شام کا اندھیرا رات کے پہلے اندھیروں میں گھل مل رہا تھا۔ آسمان پر تارے نمودار ہونے لگے تھے۔ جب چھکڑا شہر کی فصیل سے کافی دُور نکل آیا اور کنڈلا کو درختوں کا وہ جھنڈ نظر آنا شروع ہو گیا جہاں اُس نے ناگ پال کو انتظار کرنے کے لئے کہا تھا تو کنڈلا نے چھکڑا رُکوا لیا۔ چمپا کلی کے ساتھ وہ بھی چھکڑے سے اُتر آئی۔ چمپا کلی کالی چادر میں لپٹی ذرا دُور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ کنڈلا نے مرگنی سے کہا۔

''بس..... ہم یہیں اُتریں گی۔ ناگنی دیوی کے مندر کو ہم یہاں سے پیدل ہی جائیں گی۔ تم چھکڑا لے کر واپس چلی جاؤ۔''

مرگنی نے کنڈلا کو پرنام کیا اور چھکڑے کو موڑ کر دوسری طرف چل دی۔ چمپا کلی نے چہرے سے چادر ہٹائی اور گہرا سانس لے کر بولی۔

''کنڈلا! یقین نہیں آ رہا کہ ہم زندہ حالت میں شاہی محل سے نکل کر آ گئی ہیں۔''

کنڈلا بولی۔ ''رانی جی! دیوتاؤں نے ہم پر بڑا رحم کیا۔ ورنہ ہم محل کے دروازے پر ہی پکڑے گئے تھے۔''

چمپا کلی، کنڈلا کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف چل رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''وہ راج گورو کا جاسوس تھا۔ جب اُس نے کہا کہ چھکڑے میں کیا لے کر جا رہی ہو تو میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔''

کنڈلا بولی۔ ''ناگ دیوتا نے ہمیں بچا لیا۔''

چمپا کلی کہنے لگی۔ ''ناگ پال آ گیا ہو گا نا؟''

''وہ ضرور آیا ہو گا۔'' کنڈلا نے کہا۔ ''وہ تو بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔''

ناگ پال درختوں کے جھنڈ کے نیچے موجود تھا۔ وہ جھنڈ کے کنارے ایک درخت کے پاس کھڑا تھا اور اُس کی نگاہیں دُور بہت دُور شہر کی فصیل کے اندر شاہی محل کے سب سے اونچے برج پر جلتی مشعلوں کی ٹمٹماتی روشنیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے سامنے میدان میں اُگی ہوئی جھاڑیاں رات کے اندھیرے میں ڈوب چکی تھیں۔ اس اندھیرے میں اُسے دو انسانی سائے دکھائی دیئے۔ یہ سائے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ناگ پال کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کنڈلا اور اس کی محبوبہ چمپا کلی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ سائے قریب آتے جا رہے تھے۔ ناگ پال آگے بڑھا، پھر اُس نے ستاروں کی پھیکی روشنی

میں چمپا کلی کو دیکھا۔ اُس نے کالی چادر لی ہوئی تھی۔ سیاہ چادر میں اُس کا چہرہ چاند کی طرح
دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کے ساتھ کنڈلا کو بھی اُس نے دیکھ لیا۔ ناگ پال نے آگے بڑھ کر
چمپا کلی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے چوما اور بولا۔
"آج تمہارا چاند جیسا چہرہ دیکھ کر مجھے یقین آ گیا کہ چاند اندھیری راتوں کو روشن کرنے
کے واسطے دھرتی پر بھی اُتر سکتا ہے۔"
ناگ پال کا سر منڈا ہوا تھا۔ اُس کی بھنوئیں بھی غائب تھیں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ
چمپا کلی اپنے محبوب ناگ پال کو نہ پہچان لیتی۔ اُس نے اپنا سر ناگ پال کے سینے سے لگا دیا۔
آنکھیں بند کر لیں اور کہا۔
"آج تمہیں دیکھ کر مجھے بھی یقین ہو گیا ہے کہ سچی محبت کبھی نہیں مرتی۔ وہ مر کر بھی زندہ
ہو جاتی ہے۔"
کنڈلا دونوں محبت کرنے والوں کو خاموش کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ناگ پال نے چمپا کلی کے
بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔
"محبت ...... سچی محبت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ یہ تمہاری محبت ہی تھی جس نے مجھے موت کے
منہ سے بھی نکال لیا۔ اگر مجھے تم سے سچا پیار نہ ہوتا تو اس وقت تک کنوئیں کے سانپ میرا
گوشت کھا چکے ہوتے اور کنوئیں میں میرا ڈھانچہ پڑا ہوتا۔"
چمپا کلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی۔
"جب میں نے تمہیں ناگ دیوتا کے سانپوں کے کنوئیں میں گرتے دیکھا تو میں صدمے
سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میرے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں
کہاں ہوں، تم کہاں ہو۔"
چمپا کلی نے ناگ پال کے سینے سے سر اُٹھایا اور تاروں کی دھندلی روشنی میں ناگ پال کے
پُرسکون چہرے کی طرف دیکھا اور بولی۔
"تمہیں موت کے کنوئیں سے زندہ نکال کر ناگ دیوتا نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اس کا
بدلہ اگر میں ساری زندگی ناگ دیوتا کے چرنوں میں سر رکھ کر پڑی رہوں تب بھی نہیں چکا سکتی۔"
ناگ پال نے چمپا کلی کے ماتھے پر بوسہ دیا۔
"چمپا کلی! یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پھر کسی وقت سناؤں گا۔"
کنڈلا کہنے لگی۔ "ہم لوگوں کا یہاں زیادہ دیر رُکنا مناسب نہیں۔ محل میں اگر رانی جی کے
فرار کا پتہ چل گیا تو راج گورو کے سپاہی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"
ناگ پال بولا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو کنڈلا! ہمیں یہاں سے آگے چل دینا چاہئے۔"
چمپا کلی، ناگ پال سے الگ ہو گئی۔ اُس نے کنڈلا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کنڈلا! ہم آگے کہاں جائیں گے؟"
اس سوال کا جواب ناگ پال نے دیتے ہوئے کہا۔ "کنڈلا اس بارے میں کچھ نہیں
جانتی۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"
چمپا کلی نے کہا۔
"کنڈلا بھی ہمارے ساتھ ہی جائے گی ناگ پال! یہ اب محل میں واپس نہیں جا سکتی۔"
ناگ پال بولا۔ "میں جانتا ہوں چمپا کلی! کنڈلا ہمارے ساتھ رہے گی۔"
"مگر ہم کہاں جائیں گے؟" چمپا کلی نے ناگ پال سے پوچھا۔ ناگ پال ان دونوں کو
لے کر ایک طرف کو چل پڑا تھا، کہنے لگا۔
"میں نے ایک جگہ سوچ رکھی ہے۔"
چمپا کلی کہنے لگی۔ "ہم ناگ مُنی کے آشرم والی تمہاری جھونپڑی میں نہیں جائیں گے۔ وہ
جگہ راج گورو نے دیکھ رکھی ہے۔ وہ سپاہیوں کو لے کر وہاں پہنچ سکتا ہے۔"
ناگ پال بولا۔ "ہم ناگ مُنی جی کے آشرم میں نہیں جا رہے۔"
"پھر ہم کہاں جائیں گے؟" چمپا کلی نے پریشان ہو کر پوچھا۔
ناگ پال نے جواب دیا۔ "ہم یہاں سے اتنی دُور چلے جائیں گے کہ جہاں راجہ کی فوج
کا کوئی سپاہی بھی نہیں پہنچ سکے گا۔"
ناگ پال اپنے ساتھ دو اُونٹ لے کر آیا ہوا تھا جو اُس نے وہاں سے کچھ دُور ایک ٹیلے
کے دامن میں باندھے ہوئے تھے۔ وہ اسی طرح باتیں کرتے اُونٹوں کے پاس آ گئے۔ چمپا کلی
سے نہ رہا گیا۔ اُسے پورا اندازہ تھا کہ وہ راج گورو جیسے ظالم دشمن کو ذلت آمیز شکست دے
کر، اُس کو ساری راجدھانی میں، سارے شاہی محل میں بدنام کر کے شاہی محل سے فرار ہوئی
ہے۔ اور راج گورو اپنی اس ذلت اور بے عزتی کا بھرپور بدلہ لے گا۔ ایک ملک کا راجہ جس
عورت سے تین دن بعد شادی کرنے والا ہو اور جس کے ساتھ شادی کا اعلان وہ اپنے جشن
تاج پوشی کے موقع پر کر چکا ہو، اُس عورت کا عین وقت پر اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو جانا
کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک طرح سے چمپا کلی راج گورو کے شاہی تاج کو اپنے پاؤں تلے
روند کر فرار ہوئی تھی اس لئے چمپا کلی پوری تسلی کرنا چاہتی تھی کہ وہ اور ناگ پال راج گورو کے
انتقام کی زد سے دُور نکل جائیں گے۔
ناگ پال نے چمپا کلی کو ایک اُونٹ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ دوسرے اُونٹ پر کنڈلا بیٹھ گئی
اور انہوں نے اُونٹوں کو مہمیز لگائی۔ اُونٹ ایک طرف کو چل پڑے۔ ناگ پال کا اُونٹ آگے
آگے تھا۔ چمپا کلی نے ناگ پال سے ایک بار پھر پوچھا۔
"آخر جہاں ہم جا رہے ہیں اس جگہ کا کوئی نام تو ہوگا۔ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں؟"

ناگ پال کہنے لگا۔ ''میں تمہیں لے کر اپنے گورو دیو سکھ پال کے پاس اپنے گاؤں جا رہا ہوں۔ شاہی محل میں میرے گاؤں کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ اگر ان میں سے کسی نے ناگ مُنی جی کے آشرم میں بھی جا کر کسی سے میرے گاؤں کے بارے میں پوچھا تو انہیں کوئی میرے گاؤں کا پتہ نہیں بتا سکے گا کیونکہ میں نے آشرم میں کسی کو نہیں بتایا کہ میں کس گاؤں سے آیا ہوں۔''

ناگ پال کا جواب سن کر چمپا کلی مطمئن ہو گئی۔ اُس نے پوچھا۔

''ہم کس وقت تمہارے گاؤں پہنچیں گے؟''

ناگ پال بولا۔ ''یہاں سے میرا گاؤں ایک رات ایک دن کے سفر پر ہے۔ ہم کل سورج غروب ہونے کے بعد اپنے گاؤں میں ہوں گے۔''

اور اس کے ساتھ ہی ناگ پال نے اپنے اُونٹ کو ایڑ لگائی۔ اُونٹ کی رفتار تیز ہو گئی۔ ناگ پال کے اُونٹ کو تیز دوڑتے دیکھ کر کنڈلا نے بھی اپنے اُونٹ کی رفتار تیز کر دی۔

آدھی رات تک دونوں اُونٹ سفر کرتے رہے۔ راستے میں ایک ریتلا میدان آیا۔ سوکھے درختوں اور سوکھی جھاڑیوں کا ایک جنگل آیا۔ وہ خشک، بنجر ٹیلوں کے درمیان سے بھی گزرے۔ آدھی رات کے بعد مشرق کی جانب آٹھویں نویں تاریخوں کا چاند نکل آیا۔ اُس کی ملائم ہلکی ہلکی روشنی سارے علاقے میں پھیل گئی۔ ایک بہت بڑی جھیل کے پاس جا کر وہ اُونٹوں سے اُتر پڑے۔ جھیل ایک خشک پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع تھی۔ جھیل کے ساکن پانی میں چاند کا عکس پڑ رہا تھا۔ اُنہوں نے اُونٹوں کو پانی پینے اور چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ چمپا کلی اور ناگ پال جھیل کے کنارے گھاس پر بیٹھ گئے۔ کنڈلا بھی اُن کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ چمپا کلی نے جھیل میں نظر آتے چاند کے عکس کو دیکھ کر کہا۔

''دیکھو ناگ پال! جھیل میں چاند کا عکس کتنا سندر لگ رہا ہے۔''

ناگ پال بھی جھیل میں جھلکنے والے چاند کو دیکھ رہا تھا، کہنے لگا۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے ایک چاند آسمان پر ہے جو آسمان کا چاند ہے۔ ایک چاند جھیل کے اندر ہے جو زمین کا چاند ہے۔ زمین کا چاند جھیل کے اندر آسمان کے چاند سے زیادہ خوبصورت لگ رہا ہے۔''

کنڈلا نے دونوں کی محبت بھری باتیں سنیں تو اُٹھ کر بولی۔

''تم دونوں باتیں کرو۔ میں اُدھر جا کر تھوڑا آرام کر لیتی ہوں۔''

ناگ پال نے فوراً کہا۔ ''نہیں کنڈلا! تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم جو باتیں کر رہے ہیں وہ تمہارے سامنے بھی کر سکتے ہیں۔ تم ہمارے پاس ہی رہو۔''

چمپا کلی نے بھی کنڈلا کو اپنے پاس رہنے پر اصرار کیا اور کنڈلا خاموشی سے وہیں بیٹھی رہی۔ چمپا کلی، ناگ پال سے کہنے لگی۔ ''راج گورو کو صبح ہونے سے پہلے میرے اور کنڈلا کے فرار

ہونے کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ کیوں کنڈلا؟''

کنڈلا نے کہا۔ ''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ظالم اور مکار راج گورو یہ تسلی کرنے کے لئے کہ تم اپنے محل کی خواب گاہ میں ہی ہو آدھی رات کو بھی اُٹھ کر تمہاری خواب گاہ میں آ سکتا ہے۔''

چمپا کلی سہم گئی۔ کہنے لگی۔ ''اگر ایسا ہو گیا تو ظالم راج گورو فوج لے کر ہماری تلاش میں نکل پڑا ہو گا۔'' اُس نے ناگ پال کا بازو تھام لیا اور بولی۔

''ناگ پال! یہاں سے نکل چلو۔ تم راج گورو مارا کو نہیں جانتے۔ وہ فوج کے ساتھ یہاں پہنچ جائے گا۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''تم خوامخواہ گھبرا رہی ہو۔ چمپا کلی! فرض کرو اگر راج گورو، سپاہیوں کو لے کر ہماری تلاش میں نکل بھی چکا ہو گا تو اُسے کیسے پتہ چلے گا کہ ہم فرار ہو کر اس طرف گئے ہیں۔ اور اگر فرض کر لیا اُسے پتہ چل بھی گیا تو اُسے یہاں تک پہنچتے پہنچتے صبح ہو جائے گی۔ بس تھوڑا اور آرام کر کے یہاں سے آگے چل پڑیں گے۔''

تب کنڈلا نے ناگ پال سے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

ناگ پال نے اُسے بتایا کہ وہ گورو دیو اور ناگ ماتا کے مندر والے اپنے گاؤں جا رہا ہے۔ اس پر کنڈلا نے چونک کر کہا۔

''یہ غلطی مت کرنا...... تمہارے گاؤں میں تو ہم پکڑے جائیں گے۔''

ناگ پال اور چمپا کلی حیران ہو کر کنڈلا کی طرف تکنے لگے۔

''کیسے پکڑے جائیں گے؟'' ناگ پال نے پوچھا۔

کنڈلا بولی۔

''اس لئے کہ راج گورو کو معلوم ہے کہ تمہارا گاؤں ناگ ماتا کے مندر کے پاس ہے۔''

''اُسے کہاں سے معلوم ہو گیا؟'' ناگ پال نے پوچھا۔

کنڈلا کہنے لگی۔ ''جب راج گورو اپنے خاص جاسوس کے ساتھ تمہاری شکل دیکھنے کی غرض ے ناگ منی کے آشرم گیا تھا تو اُس نے تمہارے چہرے کو بھی اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا اور وہاں کسی ذریعے سے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ تم کس گاؤں کے رہنے والے ہو۔ اس لئے ے خیال میں ہمارا تمہارے گاؤں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ وہاں ہم پکڑے جائیں گے۔ کیونکہ ان گورو کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ چمپا کلی شاہی محل سے فرار ہو گئی ہے تو وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ ب سے پہلے اپنے پریمی ناگ پال کے گاؤں ہی گئی ہو گی۔''

ناگ پال بولا۔ ''مگر راج گورو کو میرے گاؤں کا خیال ہی کیوں آئے گا؟ اُسے تو معلوم ا میں مر چکا ہوں۔ پھر اُسے چمپا کلی کی تلاش میں میرے گاؤں کا رُخ کرنے کی کیا ت ہو گی؟''

کنڈلا کہنے لگی۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہیں معلوم نہیں ہم ناگاپورم کے دیوتاؤں کے جس دھرم کی پالنا کر رہے ہیں ان کے شاستروں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ان دھرم شاستروں کو ماننے والی کوئی عورت کسی مرد سے پریم کرتی ہو اور اس عورت کا پریمی مر جائے مگر اس عورت کے سامنے اس کا انتم سنسکار نہ ہو سکے یعنی اسے اپنے پریمی کی لاش نہ مل سکے تو اس عورت کا فرض ہے کہ وہ سات دنوں کے اندر اندر اپنے مرے ہوئے پریمی کے شہر یا گاؤں میں جائے اور وہاں کسی مندر میں پجاریوں کو کھانا کھلائے اور ان سے اپنے پریمی کے لئے پرارتھنا کرائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو اس کے پریمی کی آتما اگلے جنم تک بھٹکتی رہے گی۔''

چمپاکلی نے کنڈلا کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ناگ پال! میں شاستروں کی اس شرط کو بھول گئی تھی۔ راج گورو اپنے سپاہی لے کر سب سے پہلے تمہارے گاؤں ہی آئے گا۔ کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے تمہارا کریا کرم نہیں کروا سکی اور مجھے تمہاری لاش نہیں ملی اور میں تمہاری آتما کی شانتی کے لئے پجاریوں سے پرارتھنا کروانے کے لئے تمہارے گاؤں ضرور جاؤں گی۔''

کنڈلا نے چمپاکلی کی بات کو پورا کرتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ اسے تو یہی معلوم ہے کہ تم مر چکے ہو اور چمپاکلی کو بھی یہی معلوم ہے کہ ناگ پال مر چکا ہے اور اس کی لاش کا ڈھانچہ سانپوں کے کنوئیں میں پڑا ہے۔ جس کا کریا کرم نہیں ہو سکا۔''

چمپاکلی نے مضطرب ہو کر کہا۔ ''میں تو یہی کہتی ہوں کہ ہمیں یہیں سے کسی دوسری طرف نکل جانا چاہئے۔ تمہارے گاؤں جانا بڑی خطرناک بات ہوگی۔''

ناگ پال اُن کی باتوں کو بڑے غور سے سن رہا تھا، کہنے لگا۔

''میرا اپنے گاؤں جا کر اپنے گورو دیو سے اشیرواد لینا بہت ضروری ہے۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو یقین کرو ہم تینوں اس سے بھی بڑی کسی بھاری مصیبت میں پھنس جائیں گے۔'' ناگ پال نے کہا۔ ایک لمحہ کے توقف کے بعد وہ بولا۔ ''اور پھر ہمارے سامنے ابھی ایک دن کا سفر پڑا ہے۔ ہم کل شام کو گاؤں پہنچیں گے۔ اگر راج گورو کے سپاہی اس وقت محل سے نکل بھی چکے ہوں گے تو وہ ہم لوگوں کے پہنچنے کے ایک دن بعد گاؤں تک پہنچ سکیں گے۔ اتنی دیر میں ہم اپنے گورو دیو کا اشیرواد لے کر وہاں سے کسی اور طرف نکل چکے ہوں گے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے گاؤں میں ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹھہروں گا۔ ہم کل شام کو واپس پہنچیں گے۔ میں گورو دیو کو سارا ماجرا بیان کر کے ان کا اشیرواد لوں گا۔ ناگ ماتا کے مندر میں پھول چڑھاؤں گا اور تم دونوں کو ساتھ لے کر وہاں سے کسی دوسری طرف نکل پڑوں گا۔ میرا خیال ہے اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہئے۔''

کنڈلا بولی۔

''تو پھر ہمیں یہاں بیٹھ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں سے چل پڑنا چاہئے۔''

چمپاکلی نے کنڈلا کی تجویز کی تائید کی۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، اپنے اپنے اُونٹوں پر سوار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر بعد اُن کے اُونٹ، ناگ پال کے گاؤں کی جانب تیز رفتاری سے دوڑتے جا رہے تھے۔

دوسرے دن شام ہونے سے ذرا پہلے یہ لوگ ناگ پال کے گاؤں میں پہنچ گئے۔ ناگ پال سیدھا اپنے گورو دیو سکھ پال کے آشرم میں گیا۔ اس وقت گورو دیو شام کی پوجا کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جھونپڑی کے باہر وہ ہرن کی کھال پر بیٹھے اپنے سامنے رکھی ہوئی کانسی کی تھالی میں ناگ ماتا کی مورتی کے سامنے لوبان سلگا رہے تھے۔ اُنہوں نے اُونٹوں کو اپنی طرف آتے دُور ہی سے دیکھ لیا۔ اُن کے چہرے پر اُونٹوں کو دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی جیسے انہوں نے اپنے گیان سے معلوم کر لیا ہو کہ یہ اُونٹ سوار کون ہیں۔ ناگ پال اور چمپاکلی اُونٹوں کو بٹھا کر، اُن سے اتر کر گورو دیو کی طرف آئے۔ کنڈلا اُن کے پیچھے تھی۔ گورو دیو سکھ پال اپنی جگہ پر سکون کے ساتھ بیٹھے رہے۔ ناگ پال نے آتے ہی جھک کر گورو کے چرنوں کو بوسہ دیا اور پیچھے ہٹ کر چمپاکلی کو اشارہ کیا۔ چمپاکلی نے بھی گورو دیو کے چرن چھوئے اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ ناگ پال بولا۔

''گورو جی! یہ ناگاپورم کی رانی چمپاکلی ہے۔ میں اسے شاہی محل سے نکال کر اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اشیرواد دیجئے۔''

گورو جی آنکھیں اُٹھا کر کچھ دیر تک ان دونوں کو تکتے رہے، پھر بولے۔ ''تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی ناگ پال! دیوتاؤں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

ناگ پال نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

''گورو جی! آپ انتریامی ہیں۔ ہمارے لئے دیوتا سمان ہیں۔''

گورو دیو نے انہیں ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ناگ پال اور چمپاکلی، گورو دیو کے سامنے ایک طرف ہو کر ادب سے بیٹھ گئے۔ گورو دیو نے تھالی میں رکھا لوبان سلگا کر ناگ ماتا کی مورتی کے آگے ماتھا ٹیکا، کچھ اشلوک پڑھے، پھر ناگ پال اور چمپاکلی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''راجہ کے سپاہی تمہاری تلاش میں محل سے نکل چکے ہیں۔ وہ صبح ہونے تک یہاں پہنچ جائیں گے۔''

یہ سن کر چمپاکلی سہم گئی۔ ناگ پال نے کہا۔ ''مہاراج! میں رانی چمپاکلی سے اس کی مرضی کے مطابق شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں بیاہ کے بندھن میں باندھ کر اپنا اشیرواد دیں اور حکم دیں کہ اس ملک کو چھوڑ کر کون سے نگر میں جائیں کہ جہاں ہم پتی پتنی اپنے دھرم شاستروں پر عمل کرتے ہوئے سکھ چین کی زندگی بسر کر سکیں؟''

چمپاکلی کے دل میں گورو دیو کی بڑی قدر و منزلت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ ناگ پال کے گورو جی سچے گیانی دھیانی ہیں۔ تب ہی انہیں بغیر سنے سارا حال معلوم ہو گیا تھا۔ وہ بڑی عقیدت مند نظروں سے گورو جی کو دیکھ رہی تھی۔ جب ناگ پال نے چمپاکلی سے اپنی شادی کے بارے میں کہا تو گورو دیو مسکرائے۔ کہنے لگے۔

''شادی ایک پوتر بندھن ہے۔ میں جانتا ہوں تم دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا پریم ابھی تک پوتر ہے، پاک ہے، کنول کے پھول کی طرح نرمل ہے۔ لیکن میں رانی چمپاکلی کی زبانی سننا چاہتا ہوں کہ وہ بھی بیاہ پر راضی ہے؟''

پھر اُنہوں نے چمپاکلی سے پوچھا۔

''چمپاکلی! کیا تم بھی ناگ پال سے بیاہ کرنے پر راضی ہو؟''

چمپاکلی نے شرم سے نگاہیں نیچی کر لیں اور بولی۔ ''ہاں مہاراج! میں بھی ناگ پال سے شادی کرنے پر راضی ہوں۔''

گورو دیو نے کہا۔ ''دونوں میرے سامنے آ کر بیٹھ جاؤ!''

ناگ پال اور چمپاکلی اپنی جگہ سے اُٹھے اور گورو دیو کے سامنے آ کر ادب سے بیٹھ گئے۔ مورتی والی تھالی جس میں لوبان سلگ رہا تھا اُن کے اور گورو دیو کے درمیان پڑی تھی۔ گورو دیو نے ناگ پال اور چمپاکلی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور پہلے ناگ پال سے کہا۔

''کہو کہ تم چمپاکلی کو اپنی پتنی کی حیثیت سے قبول کرتے ہو اور اس کے جیون مرن میں اس کا ساتھ دو گے۔''

ناگ پال نے گورو دیو کے جملے کو پورا دہرایا۔ اس کے بعد گورو دیو نے چمپاکلی سے کہا۔

''کہو کہ تم ناگ پال کو اپنے پتی کی حیثیت سے قبول کرتی ہو اور اس کے جیون مرن میں اس کا ساتھ دو گی۔''

چمپاکلی نے بھی گورو دیو کے اس جملے کو پورے کا پورا دہرایا۔ اس کے بعد گورو دیو نے تھالی میں رکھی پیالی میں اُنگلی ڈبو کر پہلے ناگ پال کے ماتھے پر چندن کا ٹیکا لگایا، اس کے بعد چمپاکلی کے ماتھے پر چندن کا ٹیکا لگایا اور دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

''بدھائی ہو...... آج سے تم دونوں پتی پتنی ہو۔''

کنڈلا نے آگے بڑھ کر چمپاکلی کا ماتھا چوما اور کہا۔ ''رانی جی! شادی مبارک ہو۔''

اس کے بعد ناگ پال کو اُس نے شادی کی مبارک دی۔ ناگ پال اور چمپاکلی نے جھک کر گورو دیو کے چرن چھوئے ان کی اشیرواد لی۔ گورو دیو نے ناگ پال سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ناگ پال! تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔ تمہارے دشمن راج گورو کے سپاہی اس گاؤں کی طرف مارا مار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں میرے

جھونپڑے میں جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو۔ اس وقت رات کا پہلا پہر جا رہا ہے۔ رات کے دوسرے پہر کے گزرنے پر میں تمہیں جھونپڑی سے بلوا لوں گا اس وقت تم تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر گاؤں سے نکل جاؤ گے۔ تمہارے دشمن سپاہی دن کے وقت یہاں پہنچیں گے۔ اس وقت تک تمہیں اتنی دُور نکل جانا چاہئے کہ راج گورو کے سپاہی تم تک نہ پہنچ سکیں۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''گورو دیو! آپ جیسا کہتے ہیں ہم ویسے ہی کریں گے۔ لیکن ہماری منزل ہمیں ضرور بتا دیں۔ آپ ہمیں کس ملک کی طرف جانے کا حکم دے رہے ہیں؟''

گورو دیو کہنے لگے۔ ''یہ میں تمہیں جانے سے پہلے بتا دوں گا۔ اب تم دونوں میری جھونپڑی میں جا کر آرام کرو۔''

ناگ پال اور چمپاکلی نے گورو دیو کے چرن چھوئے اور اُن کے جھونپڑے میں چلے گئے۔

گورو دیو نے کنڈلا سے کہا۔

''کنڈلا! تم ساتھ والی جھونپڑی میں جا کر آرام کرو۔''

کنڈلا نے پرنام کیا اور ساتھ والی جھونپڑی میں چلی گئی۔

آدھی رات سے ذرا پہلے گورو دیو نے کنڈلا اور پھر ناگ پال اور چمپاکلی کو جگا دیا اور کہا۔

''میں نے اتنی دیر میں تمہارے لئے تھوڑا سا بھوجن تیار کر رکھا ہے۔ منہ ہاتھ دھو کر بھوجن کر لو۔''

ناگ پال، کنڈلا اور چمپاکلی نے منہ ہاتھ دھویا۔ اور گورو دیو کے سامنے بیٹھ کر سبزی ترکاریوں کا بھوجن کرنے لگے۔ گورو دیو نے ناگ پال کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''ناگ پال! تمہارے یہاں سے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ تمہارے لئے صرف موہنجوداڑو ہی ایک ایسا شہر ہے جہاں راج گورو مارا کے سپاہی داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان دونوں شہروں کی ایک دوسرے سے دشمنی ہے۔ موہنجوداڑو میں تم دونوں امن چین کی زندگی بسر کر سکتے ہو۔''

ناگ پال نے عرض کی۔

''مہاراج! موہنجوداڑو میں تو ہم بھی گئے تو پکڑے جائیں گے۔ کیونکہ موہنجوداڑو میں ناگاپورم کا کوئی عام شہری بھی داخل نہیں ہو سکتا، ہم وہاں کیسے جائیں گے؟''

گورو دیو نے کہا۔ ''موہنجوداڑو میں بیل کی پوجا ہوتی ہے۔ بیل کو وہ لوگ طاقت کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہاں دوسرے جانوروں کی پوجا کرنے والے قبیلے بھی آباد ہیں۔ موہنجوداڑو شہر کے باہر ایک ٹیلے کے دامن میں ایک قبیلہ آباد ہے۔ اُس قبیلے کے لوگ ہماری طرح دراوڑ قوم کے لوگ ہیں۔ یہ پرتھی دیوی کی پوجا کرتے ہیں جو دھرتی کی دیوی ہے۔ اس قبیلے کے لوگوں کا موہنجوداڑو کے لوگوں سے میل جول ہے۔ اس قبیلے کو دراوڑی قبیلہ کہا جاتا ہے۔ اس قبیلے کے گاؤں میں پرتھی دیوی کا مندر ہے۔ اس مندر کا بڑا پجاری میرا دوست ہے۔ تم لوگ اُس کے

پاس جانا۔ اُس پجاری کا نام ناتھن ہے۔"

گورو دیو نے اپنی پوٹلی میں سے تانبے کی ایک چھوٹی سی مہر نکال کر دی جس پر بیل کی اُبھری ہوئی تصویر بنی ہوئی تھی۔ گورو دیو نے وہ مہر ناگ پال کے حوالے کی اور کہا۔

"یہ مہر ناتھن کو جا کر دکھانا اور کہنا کہ میرے گورو دیو سکھ پال نے تمہارے لئے دی ہے۔ وہ تمہاری ہر طرح سے مدد کرے گا۔ اور تمہیں کسی نہ کسی تدبیر سے موہنجودڑو میں آباد کروا دے گا اور تم وہاں سکھ چین کی زندگی بسر کر سکو گے۔ کیونکہ صرف یہی ایک شہر ہے جہاں تمہارا دشمن راج گورو اور اس کے سپاہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب دیر نہ کرو۔ رات گزرتی جا رہی ہے۔ پو پھٹتے ہی راج گورو کے سپاہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

جب ناگ پال، چمپا کلی اور کنڈلا، گورو دیو کے چرن چھو کر جانے لگے تو گورو دیو نے کہا۔

"سورج نکلے گا تو تم لوگوں کو بائیں جانب ایک سیاہ رنگ کی پہاڑی دکھائی دے گی۔ اس پہاڑی کے دامن میں ایک سرائے ہے جہاں سے موہنجودڑو شہر کو قافلے جاتے ہیں۔ تم لوگ کسی قافلے میں شامل ہو جانا۔ اب جاؤ! دیوتا تمہاری رکھوالی کریں۔"

گورو دیو سے رخصت ہو کر ناگ پال، چمپا کلی اور کنڈلا موہنجودڑو شہر کی سمت روانہ ہو گئے۔ جیسا کہ گورو دیو نے اُنہیں بتایا تھا جب صبح کی نیلی نیلی دُھندلی روشنی ہوئی تو اُنہیں اپنی بائیں جانب دُور ایک سیاہ پہاڑی نظر آئی۔ ناگ پال نے چمپا کلی کو وہ پہاڑی دکھاتے ہوئے کہا۔

"چمپا کلی! یہی وہ پہاڑی ہے جہاں سے ہمیں موہنجودڑو کے لئے قافلہ ملے گا۔"

سیاہ پہاڑی کے دامن میں ایک پرانے زمانے کی سرائے تھی جس کے صحن میں مسافر آرام کر رہے تھے۔ ایک طرف کچھ بیل اور اُونٹ بندھے ہوئے تھے۔ ناگ پال، چمپا کلی اور کنڈلا سرائے میں آ کر ایک طرف آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ ناگ پال نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ موہنجودڑو کو جانے والا قافلہ کچھ دیر میں آنے والا ہے۔ اُنہوں نے سرائے میں ہی کچھ کھا پی لیا۔ اتنے میں موہنجودڑو والا قافلہ سرائے میں پہنچ گیا۔ پندرہ بیس اُونٹ اور چھ سات بیلوں پر مسافر سوار تھے۔ یہ لوگ سرائے میں اُتر گئے۔ معلوم ہوا کہ قافلہ نئے مسافروں کو لے کر دوسرے پہر کے وقت موہنجودڑو کی طرف روانہ ہو گا۔ یہ وقت ان لوگوں نے سرائے میں ہی گزارا۔ دن کے دوسرے پہر جب یہ قافلہ اپنی منزل موہنجودڑو کی جانب روانہ ہوا تو اس میں ناگ پال، چمپا کلی اور کنڈلا بھی الگ الگ اُونٹوں پر سوار تھے۔ نصف دن اور ایک رات کے سفر کے بعد قافلہ موہنجودڑو پہنچ گیا۔ موہنجودڑو شہر کی فصیل کے باہر ایک طرف بہت بڑی سرائے تھی۔ قافلہ یہیں آ کر رُکا تھا۔ یہاں شہر میں داخل ہونے والوں کی پڑتال کی جاتی تھی تا کہ دشمن ناگا پورم شہر کا کوئی شخص موہنجودڑو شہر میں داخل نہ ہو سکے۔

ناگ پال نے چمپا کلی اور کنڈلا کو ساتھ لیا اور دراوڑی قبیلے کی تلاش میں چل پڑے۔ تینوں

اُونٹوں پر سوار تھے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں اُنہیں اس قبیلے کی آبادی مل گئی۔ اس قبیلے کی مٹی کی دیواروں والے مکان دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ آبادی کے درمیان میں مندر کی اُوپر کو اُٹھی ہوئی بُرجی تھی۔ ناگ پال نے چمپا کلی سے کہا۔

"یہی دراوڑی قبیلے کا وہ مندر ہے جہاں پرتھی دیوی کی مورتی پوجا ہوتی ہے اور جس کے بڑے پجاری ناتھن سے ہمیں ملنا ہے۔"

چمپا کلی کہنے لگی۔ "وہ ہمیں موہنجودڑو پہنچا دے گا ناں؟"

"وہ گورو دیو کا دوست ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

پرتھی دیوی کا مندر قبیلے کی آبادی کے وسط میں تھا۔ ناگ پال مندر کے بڑے پجاری کو جا کر ملا اور اُسے گورو دیو کی مہر دی۔ پجاری ناتھن نے یہ مہر دیکھ کر اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور بولا۔ "گورو دیو میرے دیوتا ہیں۔ ان کا حکم سر آنکھوں پر۔ بتاؤ! میں تم لوگوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

ناگ پال نے ساری بات اُسے سمجھا دی اور کہا۔

"بس ہمیں کسی طرح موہنجودڑو شہر کے اندر پہنچا دیں اور ایسا انتظام کر دیں کہ وہاں کسی کو بالکل خبر نہ ہو کہ ہم ناگا پورم شہر کے رہنے والے ہیں اور موہنجودڑو میں پناہ لینے آئے ہیں۔"

ناتھن سوچنے لگا، پھر بولا۔

"ابھی تم لوگ یہاں آرام کرو۔ میں ایک دو دن میں کوئی تدبیر سوچ کر بتاؤں گا۔"

ناگ پال نے ناتھن پجاری کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس کی پتنی ناگا پورم شہر کی رانی ہے اور وہ اسے بھگا کر لے آیا ہے۔ اُس نے اتنا ضرور بتا دیا تھا کہ ہم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے اور میری پتنی کے قبیلے والے ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور وہ ہماری تلاش میں وہاں آ سکتے ہیں۔ اس پر پجاری ناتھن بولا۔

"ہم دراوڑ قبیلے کے لوگ ہیں۔ جس کو ہم پناہ دیتے ہیں وہ ہمارا مہمان بن جاتا ہے اور ہماری عزت آبرو میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہم اس کی حفاظت اپنی جان دے کر بھی کرتے ہیں۔"

ناگ پال اور چمپا کلی مطمئن ہو گئے۔ پھر بھی کنڈلا نے اُس کے واپس جانے کے بعد کہا۔

"مجھے ڈر ہے راج گورو کے سپاہی یہاں آ گئے تو بڑی جنگ ہو گی۔ ناتھن پجاری اور اس کے ساتھی ہم پر جان ضرور قربان کر دیں گے مگر ہمیں راج گورو کے سپاہیوں سے بچا نہیں سکیں گے۔"

چمپا کلی کہنے لگی۔

"کنڈلا ٹھیک کہہ رہی ہے ناگ پال! ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا درست نہیں۔"

ناگ پال کو موقع کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ جیسا چمپا کلی اور کنڈلا کہہ رہی ہیں اور جس خدشے کا اظہار کر رہی ہیں وہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت ناتھن پجاری کے پاس پہنچ گیا اور اُسے موقع کی نزاکت اور سنگینی کے بارے میں بتایا۔

پجاری ناتھن بھی سمجھ گیا کہ خون خرابہ ہو سکتا ہے جس سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا۔

''مجھے آج کے دن کی مہلت دو۔ میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لوں گا۔ میں شام کو ملوں گا۔''

ناگ پال اور چمپا کلی کو ہر حالت میں شام تک انتظار کرنا تھا۔ پجاری ناتھن وعدے کے مطابق شام کو اُن کے پاس آ گیا۔ کہنے لگا۔

''میں تمہارے گورو دیو اور اپنے دوست سکھ پال کا کہا نہیں ٹال سکتا۔ کافی سوچ بچار کے بعد ایک تدبیر میرے ذہن میں آ گئی ہے۔ غور سے سنو......''

ناگ پال اور چمپا کلی کے ساتھ کنڈلا بھی وہاں موجود تھی۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ پجاری ناتھن کہنے لگا۔

''جیسا کہ تم لوگ جانتے ہو موہنجوداڑو کی حکومت اور وہاں کے لوگوں سے ہمارا لین دین بھی ہے اور ان سے ہمارے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ ہمارا ایک پرتھی دیوی کا مندر موہنجوداڑو شہر میں بھی ہے۔ اس مندر کی پوجا پاٹھ کا کام میرا چھوٹا بھائی اور اُس کی پتنی چلاتے ہیں۔ میں تمہارے لئے یہی کر سکتا ہوں کہ ان دونوں کو واپس بلا لوں اور ان کی جگہ پرتھی دیوی کے مندر کے پجاری کی حیثیت سے تم دونوں کو وہاں بھیج دُوں۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''ہمارے ساتھ ہماری ایک ساتھی کنڈلا بھی ہے۔''

پجاری ناتھن بولا۔ ''مجھے معلوم ہے۔ کنڈلا بھی تمہارے ساتھ ہی موہنجوداڑو جائے گی۔ لیکن پرتھی دیوی کے پجاری اور پجارن کی حیثیت سے تم دونوں کو اپنے سر منڈوانے پڑیں گے۔ تمہارا سر تو پہلے ہی منڈا ہوا ہے۔ لیکن تمہیں اپنی پتنی کا سر بھی منڈوانا ہوگا۔''

چمپا کلی یہ سن کر آزردہ ہو گئی۔ وہ اپنے خوبصورت بالوں سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مجبور تھی۔ ناگ پال نے کہا۔

''کیا کنڈلا کو بھی اپنا سر منڈوانا پڑے گا؟''

پجاری ناتھن بولا۔ ''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں ہو گی۔ دوسری سب سے ضروری بات اور شرط یہ ہے کہ تم تینوں کو کسی کے آگے کبھی بھی یہ ظاہر نہیں کرنا ہو گا کہ تم ناگا پورم شہر کے رہنے والے ہو۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ تمہارا تعلق موہنجوداڑو شہر کے دشمن شہر ناگا پورم سے ہے تو تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔ اور ہمارے دراوڑی قبیلے کے موہنجوداڑو کے ساتھ جو خوشگوار تعلقات برسوں سے چلے آ رہے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے دشمنی میں بدل جائیں گے۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''ناتھن جی! میں آپ کو اپنے گورو جی کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ

کسی کو بتانا تو بڑی دُور کی بات ہے ہماری زبان سے کبھی بھی ناگا پورم شہر کا نام نہیں نکلے گا۔ ہم پرتھی دیوی کے پجاری اور پجارن کی حیثیت سے امن اور سکھ کی زندگی بسر کریں گے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہم دونوں کی زندگی کا اب ایک یہی مقصد بن گیا ہے۔''

ناتھن پجاری مطمئن ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''میں تمہاری بات پر یقین کرتا ہوں۔ میرا آدمی تھوڑی دیر میں آئے گا اور وہ تمہاری پتنی کے سر کے بال مونڈ دے گا۔ اس کے بعد میری پتنی تمہاری پتنی کو اور تمہاری لڑکی کنڈلا کو پرتھی دیوی کی پجارنوں کا خاص لباس پہنا دے گی۔ تمہارے پہننے کے لئے پجاری کا خاص لباس میں تمہیں دے دُوں گا۔ اس کے بعد صبح منہ اندھیرے جب موہنجوداڑو شہر کے اُوپر سورج طلوع ہونے کا نقارہ بجے گا اور شہر کا دروازہ کھل جائے گا تو میں خود تم تینوں کو اپنے ساتھ لے کر موہنجوداڑو شہر میں داخل ہوں گا اور تمہیں اپنے پرتھی دیوی کے مندر میں پہنچا دُوں گا۔''

اپنے خوبصورت بال منڈواتے ہوئے چمپا کلی کا دل رو رہا تھا مگر وہ مجبور تھی۔ اُس کے سر کے سارے بال مونڈ دیئے گئے۔ اس کے بعد پجاری ناتھن کی پتنی نے چمپا کلی کے سر پر زرد رُومال باندھا اور اُسے لمبا زرد لبادہ پہنا دیا اور کہنے لگی۔

''چمپا کلی جی! اب تم ہماری دیوی پرتھی دیوی کے مندر کی پوری پجارن بن گئی ہو۔''

دوسری طرف ناگ پال نے بھی ناتھن سے زرد رنگ کا لبادہ لے کر پہن لیا۔ ناگپال اور چمپا کلی کے ماتھوں پر لال رنگ کے تلک لگائے گئے جو پرتھی دیوی کے پجاریوں کی علامت تھے۔ کنڈلا اپنے پہلے والے لباس میں ہی رہی۔ دن نکلتے ہی جب موہنجوداڑو شہر کی فصیل کے اُوپر صبح کا گجر بجا اور شہر کا بڑا دروازہ کھل گیا تو پجاری ناتھن نے ناگ پال، چمپا کلی اور کنڈلا کو ساتھ لیا اور پیدل ہی شہر کے بڑے دروازے کی طرف چل پڑا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اس کی شعاعوں میں موہنجوداڑو شہر کی دیو قامت فصیل کے اُوپر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے مورچوں کی مٹی، گارے کی برجیاں چمک رہی تھیں۔ جس دروازے کی طرف ناگ پال، کنڈلا اور چمپا کلی، پجاری ناتھن کے ساتھ بڑھ رہے تھے وہ شہر کا سب سے بڑا دروازہ تھا۔ یہ بہت بڑا اور بلند دروازہ تھا جو آبنوس کی لکڑی کا تھا اور جس کے دونوں کیواڑوں پر تانبے کی میخیں اُبھری ہوئی تھیں۔ دونوں کیواڑ کھلے تھے۔ دروازے کے اُوپر سرخ پتھروں کی ایک کشادہ بارہ دری بنی ہوئی تھی جہاں پہرے دار نیزے پکڑے، گرز اُٹھائے چاق و چوبند ہو کر کھڑے تھے۔

ناتھن پجاری آگے آگے تھا۔ اُس کے پیچھے ناگ پال اور چمپا کلی اور پیچھے کنڈلا چلی آ رہی تھی۔ ناگ پال کا سر بھی منڈا ہوا تھا۔ سر پر زرد رُومال بندھا تھا اور زرد لبادہ صبح کی ہوا میں لہرا رہا تھا۔ اُس کے پہلو میں چمپا کلی تھی جس کے منڈے ہوئے سر پر زرد رومال بندھا تھا اور

جسم زرد لبادے میں چھپا ہوا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں زرد اور سرخ پھولوں کے گلدستے تھے۔ موہنجوداڑو شہر کے بڑے دروازے کی کشادہ ڈیوڑھی میں داخل ہونے کے بعد وہ رُک گئے۔ ڈیوڑھی کی دونوں جانب دراز قد کشادہ سینوں والے چار سپاہی ہاتھوں میں نیزے پکڑے کھڑے تھے۔ ناتھن پجاری نے اُنہیں جھک کر پرنام کیا۔ سپاہیوں کا سردار جس کے سر پر بڑی سی پگڑی بندھی تھی، آگے بڑھا۔ وہ پجاری ناتھن کو جانتا تھا۔ اُس نے پوچھا۔ ''پجاری جی! یہ کون لوگ ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں؟ میں نے اُنہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

پجاری ناتھن نے کہا۔

''مہاراج! یہ میرا بھانجا کیشو ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کی پتنی اُروشی ہے۔ یہ عورت ان کی نوکرانی ہے۔ آج سے میرا بھانجا کیشو اور اور اس کی پتنی اروشی ہمارے موہنجوداڑو والے پرتھی دیوی کے مندر کے پجاری اور پجارن ہیں۔ میں انہیں اپنے مندر میں لے جا رہا ہوں۔''

پہرے دار سپاہیوں کے سردار نے گہری نظروں سے ناگ پال، چمپا کلی اور کنڈلا کا جائزہ لیا اور اُنہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ ناگ پال اور چمپا کلی کو اس سے پہلے موہنجوداڑو شہر میں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس شہر کی سڑکیں ناگا پورم شہر کے مقابلے میں زیادہ صاف، کشادہ اور ہموار تھیں اور پختہ اینٹوں کو جوڑ کر بڑی ترتیب سے بنائی گئی تھیں۔ سڑکوں کی دونوں جانب پیدل چلنے کے لئے فٹ پاتھ بنے ہوئے تھے اور ان پر سایہ دار درخت کھڑے تھے۔ لوگوں کے چہروں سے خوش حالی ٹپکتی تھی۔ اُن کے لباس صاف ستھرے تھے۔ کئی جگہوں پر ناگ پال اور چمپا کلی نے سیرگاہیں بنی ہوئی دیکھیں جہاں بچے کھیل رہے تھے۔ دُکانیں ہر قسم کی اشیاء سے بھری ہوئی تھیں۔ لوگ بڑے ذوق و شوق سے خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ رہائشی مکانات دو سے چار چار منزلہ اُونچے تھے۔ مکانوں کی کھڑکیوں پر نیلا اور قرمزی رنگ کیا ہوا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے مکان کے آگے چھوٹا سا باغیچہ بنا تھا جہاں پھولدار کیاریاں بہار دکھا رہی تھیں۔ مکانوں کے درمیان جو گلیاں تھیں وہ ناگا پورم شہر کی گلیوں کی طرح بینگی ٹیڑھی نہیں تھیں۔ بلکہ ایک سیدھ میں چلی جاتی تھیں اور ان کے فرش پکی اینٹوں کے بڑے صاف ستھرے تھے۔ شہر کی کسی سڑک، کسی گلی میں کوڑا کرکٹ بکھرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ گھروں کے گندے پانی کے نکاس کے لئے گلیوں کے درمیان میں نالیاں بنی ہوئی تھیں جو اُوپر سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ باغوں اور سیرگاہوں میں کنوئیں بنے ہوئے تھے جن کے اُوپر لکڑی کی چھتریوں کے چھجے جھکے ہوئے تھے تاکہ کنوئیں میں درختوں کی شاخیں وغیرہ نہ گریں۔ کئی جگہوں پر اُنہیں پختہ کناروں والے تالاب بھی نظر آئے جن میں بچے نہا رہے تھے۔ ایک جگہ اُونچی چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ پجاری ناتھن نے اُنہیں بتایا کہ یہ حمام عورتوں کے نہانے کے لئے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ مردوں کے نہانے کے لئے الگ حمام بنائے گئے ہیں۔ دو تین

جگہوں پر اُنہوں نے سبزیوں ترکاریوں اور قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے چھکڑے دیکھے جن کے آگے بیل جتے ہوئے تھے۔ ناتھن نے بتایا کہ ان چھکڑوں پر شہر میں روزانہ تازہ سبزیاں اور پھل لائے جاتے ہیں۔ ایک چوراہے میں نیلے رنگ کے بیل کا ایک بہت بڑا مجسمہ نصب تھا جس پر عورتیں اور مرد پھولوں کے ہار چڑھا رہے تھے۔ بعض جگہوں پر دوسرے فرقے کے لوگوں کے جانوروں کے بت بھی نصب تھے۔ شہر کے وسط میں نیلے چوکور مینار والا بہت بڑا مندر تھا۔ ناتھن نے کہا۔

''یہ بیل دیوتا کا سب سے بڑا مندر ہے۔ یہاں صبح شام بیل دیوتا کی پوجا ہوتی ہے۔''

صبح کا وقت تھا۔ بیل دیوتا کے مندر میں سے بھجن گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جگہ جگہ نیزہ بردار سپاہی کھڑے شہر کے امن و سکون کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ بعض جگہوں پر اُنہوں نے سانڈنی سوار سپاہیوں کے دستے بھی دیکھے جو شہر کا نظم و نسق برقرار رکھنے کے واسطے سڑکوں پر گشت کر رہے تھے۔ شہر کے دکھشن کی جانب موہنجوداڑو کے راجہ کے شاہی محلات تھے جن کی بارہ دریاں، میناروں کی برجیاں اور کلس صبح کی روپہلی دُھوپ میں چمک رہے تھے۔ وہ ایک چھتے ہوئے کنوئیں کے قریب سے گزرے جس کی گدی پر ایک آدمی بیٹھا کنوئیں کے ٹھنڈے پانی سے لوگوں کی پیاس بجھا رہا تھا۔ ایک بازار میں صرف پھلوں اور سبزیوں کی ہی دکانیں تھیں۔ پھل اور سبزیوں کے ڈھیر دُکانوں کے باہر تک لگے تھے۔ ایک دُکان پر ایک آدمی کٹے ہوئے سرخ تربوز بیچ رہا تھا اور اپنی زبان میں آواز لگا کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رہا تھا۔ پجاری ناتھن نے تربوز خرید کر خود بھی کھایا اور ناگ پال اور چمپا کلی کو بھی کھلایا۔ تربوز ٹھنڈا اور شہد کی طرح میٹھا تھا۔ ناگ پال نے پجاری ناتھن سے کہا۔

''یہ شہر تو ہمارے ناگا پورم شہر کے مقابلے میں سورگ کا نمونہ لگتا ہے۔''

پجاری ناتھن نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی اور سرگوشی میں بولا۔

''یہاں ناگا پورم شہر کا نام نہ لینا۔ یہاں کے لوگ ناگا پورم شہر کو گناہوں کی بستی کہتے ہیں۔ وہ اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔''

موہنجوداڑو شہر کے تین چار کشادہ بازاروں اور باغوں میں سے گزرنے کے بعد پرتھی دیوی کا مندر آ گیا جو ایک چھوٹے سے باغیچے میں بنا ہوا تھا۔ یہ مندر پختہ گول اینٹوں کا بنا ہوا تھا اس پر نیلا اور قرمزی رنگ کیا گیا تھا۔ پجاری ناتھن کہنے لگا۔

''یہ ہماری پرتھی دیوی کا مندر ہے۔ اس شہر میں ہمارے قبیلے کی عورتیں، مرد اور بچے اس مندر میں آ کر پرتھی دیوی کی پوجا کرتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔''

پجاری ناتھن نے پہلے پجاری اور اُس کی پجارن پتنی کو ایک دن پیشتر ہی واپس بلوا لیا ہوا تھا اب پرتھی دیوی کے مندر میں ناگ پال اور چمپا کلی کو نئے پجاری اور پجارن کی ذمہ داری

سونپ دی گئی۔ پجاری ناتھن نے مندر کے دوسرے چھوٹے پجاریوں اور دیوداسیوں کو ناگ پال کا نام کیشو اور چمپاکلی کا نام اُروشی ہی بتایا اور ناگ پال اور چمپاکلی کو بھی تاکید کرتے ہوئے کہا۔

''اب تم بھی اپنے اصلی نام ناگ پال اور چمپاکلی بھول جاؤ اور اپنے نئے نام ہی یاد رکھنا۔''

کنڈلا کے بارے میں پجاری نے کہا۔ ''کنڈلا کو بھی آج سے داسی کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس کا اصل نام کنڈلا بھی کسی کی زبان پر نہیں آئے گا۔ تم لوگوں کو ان باتوں کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ اگر تم سے ذرا بھی بھول چوک ہوگئی تو یہ سمجھ لینا کہ یہاں کے لوگ تمہارے ساتھ مجھے بھی قتل کر ڈالیں گے۔ کسی طرح سے بھی ان پر یہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ تم تینوں ناگاپورم شہر کے رہنے والے ہو اور یہاں دوسرے نام رکھ کر رہ رہے ہو۔''

ناگ پال نے ناتھن پجاری کو یقین دلاتے ہوئے کہا کہ وہ بے فکر رہے، ان کی زبان پر ناگاپورم شہر کا نام کبھی نہیں آئے گا۔

OOO

ناگ پال اور چمپاکلی نے موہنجودڑو شہر کے پرتھی دیوی کے مندر میں کیشو اور اروشی کے نام سے پجاری اور پجارن بن کر رہنا شروع کر دیا۔ وہ بڑے خوش تھے کہ وہ راج گورو مارا اور پروہت دیوا جیسے اپنے بدترین دشمنوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئے ہیں۔ اور موہنجودڑو جیسے خوبصورت اور امن و امان والے شہر میں باقی زندگی سکھ چین سے گزاریں گے۔ صبح و شام مندر میں پوجا کرنے والے لوگ بھی ان سے بہت خوش تھے اور انہیں پیار سے کیشو داتا اور اروشی میا کہہ کر بلاتے تھے۔ وہاں کوئی بھی ان کے اصل نام اور حسب نسب سے واقف نہیں تھا۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ دونوں ان کے دشمن شہر ناگاپورم کے رہنے والے ہیں اور اروشی میا حقیقت میں ناگ دیوتا کے مندر کی شاہی رقاصہ اور ناگاپورم شہر کی رانی ہے۔

کنڈلا کو سب لوگ داسی کہہ کر پکارتے تھے۔ کنڈلا بھی اپنا اصلی نام تقریباً بھول گئی تھی۔ ناگ پال اور چمپاکلی اپنے سروں پر ہر وقت زرد رُومال باندھے رکھتے اور زرد لبادہ پہنے رکھتے تھے۔ اُن کے سروں پر جیسے ہی بال اُگتے وہ انہیں تراش دیتے۔ کیونکہ پرتھی دیوی کے پجاری اور پجارن سروں پر بال نہیں رکھ سکتے تھے۔ مندر کے پیچھے وہ دو کوٹھڑیوں والے ایک صاف ستھرے مکان میں رہتے تھے جس کے چھوٹے سے باغیچے میں ایک کنواں بھی تھا جس کے ٹھنڈے اور شفاف پانی سے وہ روزانہ غسل کرتے۔ کنڈلا اُن کے لئے کھانا پکاتی اور گھر کو صاف ستھرا رکھتی۔ کیونکہ موہنجودڑو کے لوگ اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھتے تھے۔ وہ خود بھی صاف ستھرا رہتے تھے اور دن میں دو مرتبہ نہاتے تھے۔ ان کے کپڑے اگرچہ سادہ ہوتے تھے مگر گندے کبھی نہیں ہوتے تھے۔

دوسری طرف ناگاپورم کے راجہ راج گورو مارا کے سینے میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ اتنی آسانی سے بجھنے والی نہیں تھی۔ اُس کی ہونے والی دلہن چمپاکلی کے فرار نے اُس کے ماتھے پر ذلت اور بدنامی کا جو ایک اور داغ لگا دیا تھا اور اس کے شاہی وقار کو جس بری طرح سے اپنے پاؤں تلے روندا تھا اس نے راج گورو کی آتش انتقام کو اور بھڑکا دیا تھا۔ وہ تلملا رہا تھا، اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ اُس نے رانی چمپاکلی اور کنڈلا کے فرار کی خبر ملتے ہی ناگ دیوتا کے مندر کے بڑے پروہت دیوا کو شاہی خواب گاہ میں طلب کیا اور اُسے رانی چمپاکلی کے فرار کی خبر سے آگاہ کیا اور کہا۔

"چمپاکلی میرے منہ پر بدنامی کے نہ مٹنے والے کلنک کا ٹیکہ لگا کر اور راجدھانی کے بچے بچے کے آگے مجھے ذلیل و رسوا کر کے محل سے جس طرح فرار ہوگئی ہے اس نے میرے شاہی وقار کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے۔ ابھی تک تو یہ خبر شاہی محل کے صرف چند ایک اشخاص تک ہی محدود ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اس خبر کو ہم زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکیں گے۔ بہت جلد میری بدنامی اور ذلت رسوائی کی یہ خبر راجدھانی کے بچے بچے کی زبان پر ہوگی۔ میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم میرے رازدار ہو۔ ایک بات بالکل واضح ہے کہ ناگ پال مر چکا ہے اور چمپاکلی، ناگ پال کے ساتھ فرار نہیں ہوئی۔ وہ صرف اس لئے فرار ہوئی ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے، مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی اور ناگ پال سے اب بھی محبت کرتی ہے۔ میں نے اپنے سپاہیوں کے خاص دستے اُس کی تلاش کے لئے چاروں طرف دوڑا دیئے ہیں۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ چمپاکلی کو اپنے پریمی کی لاش نہیں ملی۔ وہ اُس کا انتم سنسکار نہیں کر سکی۔ اس لئے ہوسکتا ہے وہ اپنے پریمی کی آتما کی شانتی کے لئے شاستروں کی پالنا کرتے ہوئے پجاریوں سے پرارتھنا کرانے ناگ پال کے گاؤں والے مندر میں گئی ہو۔"

پروہت دیوا بولا۔ "آپ نے بالکل ٹھیک کہا مہاراج! وہ ضرور ناگ پال کے گاؤں والے ناگ ماتا کے مندر گئی ہوگی۔"

راج گورو نے کہا۔ "میں نے سب سے پہلے سپاہیوں کو ناگ پال کے گاؤں ہی روانہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے آ کر بتایا کہ رانی چمپاکلی وہاں نہیں آئی۔ پھر بھی میں نے اپنے خاص جاسوس وہاں مقرر کر دیئے ہیں جن کو میں نے حکم دیا ہے کہ جیسے ہی وہ رانی چمپاکلی کو گاؤں میں آتے دیکھیں، فوراً اُس کا سر کاٹ کر اُسے بوری میں ڈال کر میرے پاس لے آئیں۔"

پروہت دیوا بولا۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ رانی چمپاکلی اپنے پریمی کی آتما کی شانتی کے لئے گاؤں کے مندر کے پجاریوں سے پرارتھنا کرانے وہاں ضرور آئے گی۔"

راج گورو بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"میں نے اپنے سپاہیوں کو ہڑپہ شہر کی جانب بھی روانہ کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے چمپا وہاں پہنچ گئی ہو۔ افسوس کہ میں اپنے سپاہی موہنجوداڑو شہر میں نہیں بھیج سکتا کیونکہ وہ ہمارا دشمن ملک ہے۔ میں نے سپاہی بھیجے تو موہنجوداڑو کا راجہ اسے اپنے شہر پر حملہ سمجھ کر ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا اور ہم موہنجوداڑو کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

پروہت دیوا، نے کہا۔ "لیکن مہاراج! سپاہی نہ سہی مگر آپ اپنے جاسوس تو بھیس بدلوا کر موہنجوداڑو بھیج سکتے ہیں۔"

"ہاں۔" راج گورو بولا۔ "اگرچہ ناگاپورم کا کوئی شہری موہنجوداڑو میں داخل نہیں ہوسکتا۔ لیکن میرے جاسوسوں کو سو طریقے آتے ہیں۔ وہ کوئی نہ کوئی بھیس بدل کر موہنجوداڑو میں جا کر چمپا

کو تلاش کر سکتے ہیں۔ میں آج ہی اپنے ایک تجربہ کار جاسوس کو موہنجوداڑو جانے کا حکم دیتا ہوں۔"

بھیکو نام کا جاسوس راج گورو کا خاص سراغ رساں تھا۔ وہ راج گورو کا رازدار تھا۔ وہ قسم قسم کے بھیس بدل سکتا تھا۔ راج گورو نے اسی رات اُسے اپنے ایوانِ خاص میں طلب کیا اور کہا۔ "بھیکو! رانی چمپاکلی کے فرار نے راج سنگھاسن پر بدنامی کی جو کالک لگائی ہے اس سے تم اچھی طرح سے واقف ہو۔"

بھیکو جاسوس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ دُبلا پتلا تھا، آنکھوں میں عیاری اور ذہانت کی ملی جلی چمک تھی۔ سر جھکا کر ہاتھ باندھ کر بولا۔ "مہاراج! رانی جی نے ہم سب کو بڑا دُکھ دیا ہے۔ دیوتا اُسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

راج گورو مارا نے اپنی کلائی میں لپٹے ہوئے سانپ کی سری کو ذرا سا دباتے ہوئے نفرت بھرے انداز میں کہا۔ "دیوتا شاید اُسے معاف کر دیں لیکن میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ سنو! میں نے تمہیں ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے۔ میں نے رانی چمپاکلی کو پکڑنے کے لئے چاروں طرف سپاہی دوڑا دیئے ہیں۔ لیکن یہ سپاہی موہنجوداڑو کے شہر میں جا کر رانی چمپاکلی کو تلاش نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ چمپاکلی نے موہنجوداڑو میں ہی پناہ لے رکھی ہے۔ موہنجوداڑو میں اگر کوئی شخص چمپاکلی کا سراغ لگا سکتا ہے تو وہ صرف تم ہی ہو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ موہنجوداڑو میں جس طریقے سے بھی تمہیں داخل ہونا پڑے وہاں جاؤ اور رانی چمپاکلی کا سراغ لگاؤ۔ تم چمپاکلی کی شکل سے اچھی طرح واقف ہو۔"

بھیکو نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"مہاراج! آپ فکر نہ کریں۔ میں جیسے بھی ہوسکا موہنجوداڑو میں جا کر رانی چمپاکلی کا پتہ ڈھونڈ نکالوں گا اور اُسے وہاں سے پکڑ کر آپ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دوں گا۔"

راج گورو مارا نے غصیلی آواز میں کہا۔ "نہیں...... مجھے رانی چمپاکلی نہیں چاہئے مجھے اُس کا کٹا ہوا سر چاہئے۔ وہ جہاں بھی ہو، جس حالت میں بھی ہو تمہارا فرض ہے کہ اُس کا سر تن سے جدا کر دو اور سر بوری میں لپیٹ کر میرے پاس لے آؤ۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔"

بھیکو جاسوس سر جھکا کر راج گورو کی تعظیم بجا لایا اور بولا۔

"مہاراج! ایسا ہی ہوگا۔ بہت جلد رانی جی کا کٹا ہوا سر آپ کے قدموں میں ہوگا۔"

راج گورو نے خوش ہو کر کہا۔ "مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔" اور اُس نے اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اُتار کر بھیکو جاسوس کو دیا اور کہا۔ "رانی کا کٹا ہوا سر لانے پر ہم تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیں گے۔ اب جا کر تیاریاں کرو۔"

بھیکو جاسوس نے جھک کر راج گورو کے پاؤں چھوئے اور ایوانِ خاص سے نکل گیا۔ راج گورو غصے اور انتقام کی آگ سے پیچ و تاب کھاتا اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔

O

چمپاکلی موہنجوداڑو شہر کے پرتھی دیوی مندر میں اروشی پجارن بن کر اور ناگ پال کیشو پجاری کی حیثیت سے سادہ اور پرسکون زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ وہاں اُن کی اصلی حیثیت سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ پرتھی دیوی موہنجوداڑو میں آباد دراوڑی قبیلے کے لوگوں کی دیوی تھی اور وہی لوگ صبح شام دو وقت دیوی کی پوجا کرنے اور ماتھا ٹیکنے آتے تھے۔ پرتھی دیوی کی مورتی کی ایک جانب چمپاکلی سر پر نیا زرد رومال باندھ کر، نیا زرد لبادہ اوڑھ کر بیٹھ جاتی۔ مورتی کی دوسری جانب ناگ پال آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا۔ پجاری ناتھن نے انہیں پرتھی دیوی کے وہ خاص اشلوک یاد کرا دیئے تھے جو پوجا کے وقت بولے جاتے تھے۔ مورتی کے آگے عنبر اور لوبان سلگ رہا ہوتا۔ ایک طرف رتن جو کے پھولوں کا ڈھیر پڑا ہوتا۔ دیوی کی پوجا کرنے مرد اور عورتیں آتیں۔ عورتیں مورتی کے چرنوں میں پھول اور چاندی کے سکے رکھ کر مورتی کو ماتھا ٹیکتیں۔ چمپاکلی خاص اشلوک پڑھتے ہوئے عورتوں کی ہتھیلی پر رتن جو کے ایک دو پھول رکھ دیتی اور اپنا اشیرواد دیتی۔ اس طرح مرد ناگ پال کی طرف رجوع کرتے۔ وہ بھی مورتی کے چرنوں میں چاندی کے دو چار سکے رکھتے، مورتی کو ماتھا ٹیکتے اور ناگ پال انہیں رتن جو کے پھول اور اپنا اشیرواد دیتا۔

تیسرے چوتھے روز شام کو پجاری ناتھن اُن کی خیریت معلوم کرنے آ جاتا تھا۔ کنڈلا سارا دن گھر کے کام کاج میں لگی رہتی۔ اگرچہ اُسے شاہی محل جیسا آرام وہاں نہیں تھا لیکن اُس کی جان بچ گئی تھی، اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی تھی؟ وہ ہنسی خوشی اپنی سہیلی اور مالکہ رانی چمپاکلی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ چمپاکلی شام کے وقت مندر کے لئے پوجا کے پھول لانے موہنجوداڑو شہر کی فصیل کے پچھم کی طرف جہاں سندھ دریا کی ایک معاون ندی بہتی تھی وہاں جایا کرتی تھی۔ پھول لانے کے علاوہ یہاں آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ چمپاکلی ندی میں اشنان کر لیتی تھی۔

جس باغیچے میں پھولوں کی جھاڑیاں تھیں وہ ندی کے کنارے پر ہی تھا۔ ایک دن چھوڑ کر کبھی کبھی چمپاکلی سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ندی پر اشنان کرنے چلی جاتی۔ اشنان کرنے کے بعد مندر کے لئے پوجا کے پھول بھی ٹوکری بھر کر لے آتی۔ موہنجوداڑو شہر میں چونکہ عدل و انصاف کا دور دورہ تھا اور جرائم نہ ہونے کے برابر تھے اور قانون کی حکمرانی تھی اس لئے ناگ پال نے چمپاکلی کو اکیلی جانے سے کبھی منع نہیں کیا تھا۔ کسی روز کنڈلا بھی چمپاکلی کے ساتھ چل پڑتی تھی۔ لیکن چمپاکلی ندی پر جا کر اکیلی ہی اشنان کرنا زیادہ پسند کرتی تھی۔

ایک روز سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے چمپاکلی ندی پر اشنان کرنے گئی۔ اُس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ موہنجوداڑو شہر میں

دھوپ بڑی پڑتی تھی۔ بادل کبھی کبھی آتے تھے اور بارش بھی بہت کم ہوتی تھی۔

چمپاکلی نے پجارنوں والا زرد لمبا چولا پہنا ہوا تھا۔ سر پر زرد رومال باندھ رکھا تھا، ہاتھ میں چھوٹی سی ٹوکری تھی۔ پہلے اُس نے ندی کنارے جو پھولوں کی جھاڑیاں تھیں وہاں سے پوجا کے لئے پھول توڑ کر ٹوکری میں رکھے اس کے بعد ندی پر اشنان کرنے آ گئی۔ ندی کے کنارے پر ایک جگہ درختوں کی گھنی چھاؤں تھی اور جھاڑیاں ندی پر آگے کو جھکی ہوئی تھیں۔ چمپاکلی ہمیشہ اسی جگہ ندی میں اشنان کرتی تھی۔ یہاں جھاڑیوں کی آڑ تھی اور اُسے نہاتے ہوئے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس روز بھی چمپاکلی عادت کے مطابق جھاڑیوں کی آڑ میں آئی، پھولوں کی ٹوکری اُس نے ایک طرف رکھی، ایک نگاہ دائیں بائیں ڈالی۔ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنا زرد چولا اُتارا اور آہستہ سے ندی میں اُتر گئی۔ ندی زیادہ گہری نہیں تھی۔ اُس کا پانی چمپاکلی کی کمر تک آتا تھا۔ وہ ندی میں بیٹھ گئی۔ ندی کا پانی اُس کے سینے سے اُوپر تک آ گیا۔ وہ بڑے مزے سے نہانے لگی۔ زرد رومال اپنے سر پر سے کھول کر اُس نے دو تین بار پانی میں ڈبکیاں لیں، رومال کو اچھی طرح سے دھو کر نچوڑا اور نارے کی گھاس پر جہاں اُس کا چولا پڑا تھا وہاں اُس کے اُوپر پھینک دیا۔ بازو کھول کر ندی کی لہروں سے کھیلنے لگی۔ آنکھوں پر پانی کے ٹھنڈے چھینٹے ڈالے۔ کبھی بچپن میں وہ اپنے گاؤں کی ندی میں اس طرح نہایا کرتی تھی۔ جوان ہو کر جب وہ ناگ دیوتا کی رقاصہ بن گئی اور پھر شاہی محل میں آ گئی تو اس کے بعد وہ ندی پر کبھی نہیں نہائی تھی۔ یہاں اس طرح جنگل کی کھلی فضا میں ندی کے ٹھنڈے پانی میں آزادی سے اشنان کرنے میں اُسے زندگی کا حقیقی لطف ملتا تھا۔

نہانے کے بعد چمپاکلی، ندی سے باہر نکلی۔ جہاں اُس کا زرد چولا پڑا تھا وہاں آ کر اُس نے سب سے پہلے گیلا زرد رومال اُٹھا کر اسے ایک بار پھر نچوڑا اور اپنے سر پر باندھ لیا۔ اُسے اپنے لمبے بالوں سے محروم ہو جانے کا بڑا صدمہ تھا چنانچہ اب وہ ایک پل کے لئے بھی اپنے ٹنڈ منڈ سر کو ننگا رکھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کے بعد اُس نے زرد چولا اُٹھایا اور اُسے پہننے ہی لگی تھی کہ اچانک اُس کی نگاہ جھاڑیوں کی طرف اُٹھ گئی۔ اُس کا دل دھک سے رہ گیا اور وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ جھاڑیوں کے پیچھے ایک مرد اپنا سر آگے کئے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ آدمی بھی جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ چمپاکلی نے جلدی جلدی چولا پہنا، پھولوں والی ٹوکری اُٹھائی اور جس طرف سے واپس جایا کرتی تھی اُس طرف چل پڑی۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ آج پہلی بار کسی غیر مرد نے اُسے عریاں حالت میں نہاتے ہوئے دیکھا تھا۔ شرم سے اُسے پسینہ آ گیا۔ وہ سر نیچا کئے چلی جا رہی تھی کہ اچانک کوئی اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا...

چمپاکلی کا دل جیسے اُچھل کر اُس کے حلق میں آ گیا۔ اُس کے قدم وہیں جم گئے۔ اُس نے

آنکھیں اُوپر اُٹھا کر دیکھا، چہرے سے اُس نے پہچان لیا۔ یہ وہی مرد تھا جو جھاڑیوں کے پیچھے سے اُسے نہا کر کپڑے پہنتے دیکھ رہا تھا۔ چمپا کلی آخر عورت تھی۔ اس خیال سے اُس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا کہ اس مرد نے اسے عریاں حالت میں دیکھ لیا ہے۔ وہ ایک نوجوان مرد تھا۔ سر پر سیاہ کالے گھنگھریالے بال تھے۔ بڑے قیمتی ریشمی لباس میں تھا۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں تھیں، سیاہ کالی آنکھوں میں شکاری جنگلی بلے کی آنکھوں جیسی چمک تھی۔ گلے میں موتیوں کی مالا تھا، بازوؤں میں نیلے موتیوں کے جڑاؤ بازو بند تھے۔ اُس نے ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور سر جھکایا ہوا تھا۔ بڑی عاجزی سے بولا۔

''دیوی جی! مجھے شما کر دیجئے۔ مجھے معاف کر دیں میں دیوتا زہوک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ میں اپنی پالتو ہرنی کے بچے کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آ گیا تھا، اچانک آپ پر نگاہ پڑ گئی۔ آپ اشنان کر رہی تھیں۔ پھر پتہ نہیں مجھ پر کسی نے جادو سا کر دیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ آپ کو اشنان کرتے نہ دیکھوں لیکن میں اپنی نظریں نہ ہٹا سکا۔ میں آپ کا قصور وار ہوں۔ مجھے جو چاہے سزا دیجئے۔''

''تمہیں شرم آنی چاہئے۔'' چمپا کلی نے صرف اتنا ہی کہا۔ اور ایک طرف سے ہو کر آگے چل دی۔ جب تک وہ موہنجوڈرو کے عقبی دروازے سے شہر میں داخل نہیں ہو گئی اُس نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اس روز پوجا میں چمپا کلی کا دل اُکھڑا اُکھڑا سا رہا۔ اُسے بار بار اُس بے شرم مرد کا خیال آتا۔ اُس کی بڑی بڑی مونچھوں اور شکاری بلے کی چمک والی شکل آنکھوں کے سامنے آ جاتی اور وہ اپنے آپ سے کہتی۔

''کتنا بے شرم آدمی تھا۔''

شرم کے مارے چمپا کلی نے ناگ پال سے بھی اس کا ذکر نہ کیا۔ رات کو جب وہ سونے کے لئے چارپائی پر لیٹی تو اُس مرد کی شکل ایک بار پھر اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ اُس نے ایسا بے حیا آدمی ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے پہلو بدل لیا۔ چمپا کلی کو ایک عجیب بات یاد آ گئی۔ بچپن میں جب وہ چھوٹی تھی تو اُسے دھرم شاستر پڑھانے اور شاستروں کی سکھشا دینے ایک عورت آیا کرتی تھی۔ شاستروں کی تعلیم کے علاوہ وہ عورت چمپا کلی کو اُٹھنے بیٹھنے، بھوجن کھانے اور اشنان کے بارے میں بھی بتایا کرتی تھی۔ چمپا کلی کو یاد آ گیا اُس عورت نے ایک بار اشنان کرنے کے طریقے بتاتے ہوئے چمپا کلی سے کہا تھا۔

''ناگ دیوتا کی سکھشا کے ایک شاستر میں لکھا ہے کہ ایک بار ناگ دیوتا کی ناگن پتنی ندی میں خوبصورت جوان عورت کے رُوپ میں اشنان کر رہی تھی کہ اُسے ایک غیر مرد نے نہاتے ہوئے دیکھ لیا۔ ناگ دیوتا کی پتنی کو سخت غصہ آ گیا۔ اُس نے اسی لمحے ناگن کا رُوپ بدلا اور پھنکارتی ہوئی اُس مرد کی تلاش میں نکلی۔ مگر وہ مرد جیسے غائب ہی ہو گیا تھا۔ ناگن نے

جب ناگ دیوتا کو جا کر بتایا کہ آج مجھے نہاتے ہوئے ایک غیر مرد نے عریاں حالت میں دیکھا ہے اور میں اُس آدمی کو تلاش کر کے ہی رہوں گی تاکہ اپنے زہر سے اس کے سارے جسم کو جلا کر راکھ کر دُوں۔ تو ناگ دیوتا نے ہنس کر کہا۔ میری پتنی! ہمارے شیش ناگ دیوتا نے ایک بار ہمیں کہا تھا کہ اگر دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے والی عورت ننگی حالت میں نہا رہی ہو اور اس کے جسم کو کوئی غیر مرد دیکھ لے تو اس عورت کے ایک ہزار ایک پاپ اسی وقت جھڑ جاتے ہیں۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ اشنان کرتے وقت اتفاق سے تم پر کسی غیر مرد کی نگاہ پڑ گئی ہے۔ تم اپنے ایک ہزار ایک گناہوں سے پاک ہو گئی ہو۔''

چمپا کلی سوچنے لگی دھرم شاستروں میں ضرور ایسا ہی لکھا ہو گا۔ ورنہ وہ عورت جو اُسے شاستروں کی سکھشا دینے آتی تھی یہ بات کیوں بتاتی؟ اس خیال کے ساتھ ہی چمپا کلی کو ایک عجیب لذت انگیز سرور سا محسوس ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے اس آدمی کی بے باک نگاہیں اب بھی اُس کے جسم کو دیکھ رہی ہوں۔ چمپا کلی کے ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسم نمودار ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے اس خیال کو جھٹک کر اپنے ذہن سے نکال دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

پہلے وہ ایک دن چھوڑ کر ندی پر اشنان کرنے جاتی تھی۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ دوسرے دن جب سورج غروب ہونے لگا تو اُس کا جی بے اختیار چاہا کہ وہ ندی پر جا کر اشنان کرے۔ مگر اُس نے فوراً اس خواہش کو دل سے نکال دیا۔ لیکن تیسرے دن وہ کوشش کے باوجود اپنے آپ کو نہ روک سکی اور شام ہونے سے ذرا پہلے ٹوکری ہاتھ میں لے کر ندی پر نہانے کے لئے چل پڑی۔ ندی کنارے پہنچ کر وہ پھولوں سے بھری ہوئی جھاڑیوں کے پاس آ کر پھول توڑنے لگی۔ وہ پھول توڑ توڑ کر ٹوکری میں رکھتی جا رہی تھی اور اُس کی آنکھیں چوری چوری دائیں بائیں بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ غیر شعوری یا شعوری طور پر یہ دیکھ رہی تھی کہ اُس روز والا بے حیا آدمی آس پاس کہیں موجود ہے یا نہیں؟ چمپا کلی اُس بے باک اور گستاخ نگاہوں والے آدمی سے دُور رہنا چاہتی تھی لیکن اُس کے دل کے اندر چھپی ہوئی یہ خواہش بھی تھی کہ کاش آج بھی وہ آدمی وہاں موجود ہو۔

چمپا کلی کے دل میں زندگی میں پہلی بار ایک عجیب کشمکش سی جاری تھی۔ وہ اُس آدمی سے نفرت بھی کرتی تھی، اُسے گستاخ اور بے ڈھب اور بے حیا بھی سمجھتی تھی۔ مگر یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ وہاں پر موجود ہو اور جب وہ ندی میں نہائے تو وہ اسے دیکھ رہا ہو۔ آج تک چمپا کلی نے ایک آدمی کو پسند کیا تھا اور صرف اسی سے محبت کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک ایسے آدمی کو پسند کرنے لگی تھی جس سے وہ نفرت کرتی تھی۔

چمپا کلی کی نفسیات میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ایک سمندری جوار بھاٹا والی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ ایک لہر آتی تھی وہ چمپا کلی کو بہا کر لے جاتی تھی۔ دوسری لہر آتی تھی وہ اسے بہا کر

دوسری طرف لے جاتی تھی۔ لیکن اس کشمکش، اس جوار بھاٹا اور اس نفساتی ہلچل میں ایک خواہش اُس کے دل میں موجود رہتی تھی اور وہ خواہش یہ تھی کہ کاش وہ بے باک نگاہوں والا آدمی آس پاس موجود ہو اور جب وہ ندی میں نہا رہی ہو تو وہ اُسے دیکھ رہا ہو۔ پوجا کے پھولوں سے ٹوکری بھر کر اُس نے ندی کنارے اُسی جگہ رکھی جہاں وہ نہانے سے پہلے رکھ دیا کرتی تھی۔

وہ ندی کنارے گھاس پر بیٹھ گئی۔ اُس کی نظریں بے اختیار اُن جھاڑیوں کی طرف اُٹھ گئیں جہاں اُس شام کو وہ آدمی اُسے چھپ کر اشنان کرتے دیکھ رہا تھا۔ وہاں اُسے کسی کا چہرہ نظر نہ آیا۔ چمپا کلی چپ سی ہوگئی۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے اپنا زرد چولا اُتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ اب اُس کے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا۔ اُس نے چوری چوری ایک نگاہ جھاڑیوں پر ڈالی، وہاں کوئی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے بے لباس جسم کا سرسری سا جائزہ لیا۔ وہ سوچنے لگی کیا واقعی اس کا جسم اس قابل نہیں ہے کہ ایک نوجوان مرد اسے ایک بار دیکھنے کے بعد دوسری بار دیکھنے کی خواہش کرے؟

وہ دوڑ کر ندی میں کود گئی اور پانی میں بیٹھ کر نہانے لگی۔ آج اُس نے اپنے سر پر سے زرد رومال نہیں کھولا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ خاص طور پر وہ آدمی جو اُسے چھپ کر دیکھ رہا تھا یہ دیکھے کہ چمپا کلی کا سر منڈا ہوا ہے۔ وہ ندی میں تیرتی ہوئی تھوڑی دُور تک گئی اور پھر واپس آ گئی۔ تیرنے کی اس خواہش میں یہ اُمید بھی چھپی ہوئی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ آدمی آگے کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہو اور اسے ندی پر تیرتے دیکھ کر اپنی جھاڑیوں والی پوشیدہ جگہ پر آ جائے اور اسے چوری چوری دیکھنے لگے۔ چمپا کلی نے تیرتے تیرتے دو تین بار کنکھیوں سے کنارے کا جائزہ بھی لیا لیکن وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔

وہ ندی میں اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔ کچھ دیر تک ندی میں بیٹھی اپنے جسم کو چھو کر گزرنے والی لہروں سے کھیلتی رہی۔ وہ غیر شعوری طور پر نہاتے ہوئے دیر لگا رہی تھی کہ شاید اس دوران وہ آدمی جھاڑیوں کے پیچھے آ جائے۔ جب اُسے ندی میں بیٹھے نہاتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ندی کا پانی اب اُس کی کمر تک تھا۔ وہ یونہی بار بار اپنے بدن پر ندی کا پانی چلو بھر بھر کر پھینکتی رہی۔ تب اُسے اپنی ان حرکتوں پر ندامت سی محسوس ہونے لگی۔ وہ جلدی سے پانی میں سے نکل کر کنارے پر آئی۔ چولا اُٹھا کر پہنا، پھولوں کی ٹوکری اُٹھائی اور واپس چل پڑی۔

وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ اچانک کوئی اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ چمپا کلی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اُس نے نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ وہی سیاہ مونچھوں اور شکاری جنگلی بلے جیسی آنکھوں والا نوجوان اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے ہرنی کا چھوٹا سا بچہ گود میں اُٹھا رکھا تھا اور اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اُس نے سر کو ذرا سا جھکا کر مسکراتے ہوئے

چمپا کلی کو نمسکار کیا اور بولا۔

''دیوی جی! یہ وہی ہرنی کا بچہ ہے جس کو ڈھونڈنے میں اُس روز ندی پر آ گیا تھا اور اچانک آپ کو اشنان کرتے دیکھ لیا تھا۔ دیکھو کتنا بھولا بھالا بچہ ہے۔''

چمپا کلی اُس سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ آج ندی پر کیوں نہیں آیا؟ مگر یہ سوال اُس کی زبان پر نہیں آ سکتا تھا۔ اُس نے ایک نگاہ ہرنی کے بچے پر ڈالی اور ایک طرف سے ہو کر آگے بڑھی۔ وہ نوجوان ایک بار پھر اُس کے سامنے آ گیا اور بولا۔

''لگتا ہے آپ نے میری اُس روز والی گستاخی کو معاف نہیں کیا۔ دیوی جی! میری بات پر وشواش کریں۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ بس آپ کو اشنان کرتے دیکھا اور پھر اپنی نظریں کوشش کر کے بھی نہ ہٹا سکا۔''

پھر اُس نے دلیری سے کام لیتے ہوئے ہرنی کا بچہ زبردستی چمپا کلی کی گود میں دے دیا اور ہنس کر بولا۔ ''ہرنی کا بچہ آپ کی گود میں جانے کو بے چین ہو رہا ہے۔ اس کو پیار کریں۔ یہ آپ کو بڑی محبت سے دیکھ رہا ہے۔''

جانے کیوں خواہش کے باوجود چمپا کلی ہرنی کے بچے کو واپس نہ کر سکی۔ وہ بڑے پیار سے ہرنی کے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ نوجوان نے کہا۔

''دیوی جی! تم ضرور موہنجودڑو کے پرتھی دیوی کے مندر کی پجارن ہو۔ وہی ایسا لباس پہنتی ہیں۔ مجھے بھی پرتھی دیوی سے بڑی محبت ہے۔ کسی روز میں بھی دیوی جی کے درشن کرنے آؤں گا۔''

اتنے میں درختوں کے پیچھے سے جہاں شام کا ہلکا ہلکا دھندلکا پھیلنے لگا تھا کسی ہرنی کی کوک لوک کی آواز آئی۔ نوجوان نے اس طرف دیکھ کر کہا۔

''وہ دیکھو اس بچے کی ماتا ہرنی بھی اپنے بچے کی تلاش میں آ گئی ہے۔ یہ میری پالتو ہرنی ہے۔ اپنے بچے سے ایک پل کے لئے جدا نہیں ہوتی۔ دیکھو! کتنی محبت بھری نگاہوں سے اس طرف دیکھ رہی ہے۔ تم اپنے ہاتھوں سے بچہ اس کو دے دو۔ ہرنی بڑی خوش ہوگی، تمہاری مکتی کے لئے دل میں پرارتھنا کرے گی۔ آؤ... آ جاؤ! وہ دیکھو ہرنی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

کچھ فاصلے پر مولسری کے درخت کے نیچے ایک نازک انداز ہرنی گردن اُٹھائے کھڑی اِن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چمپا کلی نے ہرنی کے بچے کو نوجوان کی طرف بڑھا کر کہا۔

''تم خود بچہ اسے دے دو۔''

نوجوان ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ''نہیں نہیں دیوی جی! بچہ تمہاری گود میں ہے۔ تم ہی اسے ہرنی کو دے دو۔ وہ بڑی خوش ہوگی۔''

چمپا کلی خاموشی سے ہرنی کی طرف چلنے لگی۔ نوجوان اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ آج

بھی اس نوجوان نے بڑی عمدہ پوشاک پہنی ہوئی تھی۔ لگتا تھا وہ کسی دولت مند گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔ ہرنی کے پاس آ کر چمپا کلی نے آہستہ سے جھک کر ہرنی کا بچہ اُس کے پاؤں میں رکھ دیا۔ ہرنی کا بچہ اپنے پیروں پر ایک دم کھڑا ہو گیا اور اپنی ننھی سی دُم ہلاتا ہوا اپنی ہرنی ماں کے ساتھ لگ گیا۔ ہرنی اُسے اپنے ساتھ لے کر واپس چلی گئی۔ چمپا کلی بھی واپس جانے لگی تو نوجوان نے چمپا کلی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چمپا کلی کے جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اُس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی معمولی سی کوشش کی مگر نوجوان کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ وہ کہنے لگا۔

''دیوی جی! نہ جانے میرا دل کیوں یہ چاہتا ہے کہ آپ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہوں۔ میں تو روز شام کو ندی پر آ جاتا تھا کہ شاید آپ کے درشن ہو جائیں۔ لیکن دو روز گزر گئے آپ نہیں آئیں۔ آج بھی آپ کے درشنوں کی آس لے کر آیا تھا۔ آج دیوتا مجھ پر مہربان تھے۔ آج آپ کو ندی پر آتے اور اشنان کرتے دیکھ کر میں اپنی جگہ سے ایک پل کے لئے بھی نہیں ہل سکا۔ لیکن آج میں ایک دوسری جھاڑی کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔

پھر نوجوان نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''دیوی جی! مجھے ایک بار پھر شما کر دیں۔ معاف کر دیں۔ کیونکہ آج میں نے آپ کو اشنان کرتے جی بھر کر دیکھا ہے۔''

چمپا کلی کے سارے جسم میں ایک نشاط انگیز سنسنی دوڑ گئی۔ اُس کے دل کے کسی گوشے میں سکون کی ایک لہر سی بیدار ہو گئی جس نے اُس کے دل کو اپنی گرم آغوش میں لے لیا۔ چمپا کلی کو یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ اُس کا اشنان کرنا ضائع نہیں گیا اور آج بھی یہ اجنبی نوجوان اُسے چھپ کر نہاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے فوراً بعد اس کا ذہن اسے ملامت کرنے لگا کہ وہ ناگ پال کی پتنی ہے۔ اس کا بدن ناگ پال کی امانت ہے۔ اسے اس امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے۔ اس خیال کے آتے ہی چمپا کلی جلدی سے مڑ گئی اور تیز تیز قدم اُٹھاتی واپس چل پڑی۔ اُس کے دل کے ایک گوشے میں یہ خواہش ضرور اُبھری تھی کہ کاش وہ نوجوان فوراً آگے آ کر اس کا راستہ روک لے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

چمپا کلی مندر میں واپس آئی تو شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا اور ناگ پال، پرتھی دیوی کی مورتی کے سامنے لوبان اور عنبر سلگائے بیٹھا ایک عقیدت مند کو رتن جو کے پھول دے رہا تھا۔ دو پوجا کرنے کو آئی ہوئی عورتیں ایک طرف ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے اروشی میا کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ چمپا کلی نے ٹوکری میں سے پھول لے کر مورتی کے چرنوں میں رکھے اور جلدی سے اپنی گدی پر بیٹھ گئی۔ دونوں عورتیں باری باری اُس کے پاس آئیں، چاندی کے کچھ سکے مورتی کے چرنوں میں رکھے اور پھولوں کے ہار مورتی پر چڑھائے۔ چمپا کلی نے باری باری اُن کے ماتھوں پر تلک لگایا اور رتن جو کے پھول دیئے۔ وہ عورتیں چلی گئیں تو ناگ پال نے چمپا کلی سے کہا۔

''کیا بات تھی..... آج ندی پر اتنی دیر کیوں کر دی؟''

چمپا کلی نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''گرمی زیادہ تھی۔ دیر تک اشنان کرتی رہی۔ مجھے افسوس ہے دیر ہو گئی۔''

اتنے میں کچھ اور عورتیں مورتی پر پھول چڑھانے آ گئیں۔ چمپا کلی اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے ناگ پال کے آگے جھوٹ بولا تھا۔ وہ ناگ پال سے پیار کرتی تھی، دل سے پیار کرتی تھی۔ ناگ پال بھی اُسے دل سے چاہتا تھا۔ چمپا کلی نے محسوس کیا کہ اُس نے ناگ پال کے آگے جھوٹ بول کر اور ایک اجنبی نوجوان کو جان بوجھ کر اپنا جسم دکھانے کی کوشش کر کے ناگ پال سے بے وفائی کی ہے۔ چمپا کلی نے اسی لمحے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب وہ ندی پر اشنان کرنے نہیں جایا کرے گی۔

ایک دن گزر گیا۔ دوسرا اور تیسرا دن بھی گزر گیا۔ چمپا کلی ندی پر نہانے نہ گئی۔ اُس نے اس اجنبی نوجوان کے خیال کو دل سے نکال دیا اور ناگ پال کی محبت اور اُس کی خدمت کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ چمپا کلی اُس نوجوان سے اپنی ملاقات کو ایک برا خواب سمجھ کر بھول گئی تھی۔ آٹھویں روز وہ اور ناگ پال شام کی پوجا کے وقت پرتھی دیوی کی مورتی کے سامنے اپنی اپنی چوکیوں پر بیٹھے پوجا کرنے والی عورتوں اور مردوں کو تلک لگا کر اور رتن جو کے پھول دے کر اُنہیں اشیرواد دے رہے تھے کہ اچانک چمپا کلی کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ وہی اجنبی نوجوان پوجا کے ہار لئے دیوی کی پوجا کے لئے آ رہا تھا۔ چمپا کلی نے اُس کی طرف بالکل دھیان نہ دیا اور اشیرواد لینے والی عورتوں کو تلک لگانے اور رتن جو کے پھول دینے میں مصروف رہی۔ وہ نوجوان ناگ پال کے پاس آ گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر مورتی کے چرنوں میں پھولوں کے ہار رکھے، جھک کر مورتی کے چرنوں کو بوسہ دیا، پھر ناگ پال کے چرن چھوئے اور ہتھیلی میں سے سونے کے چھ سات سکے نکال کر مورتی کے قدموں میں رکھ دیئے۔ چمپا کلی نے کنکھیوں سے اُسے سونے کے سکے رکھتے دیکھا اور اپنی توجہ دوسری طرف کر لی۔ ناگ پال سمجھ گیا کہ یہ نوجوان عقیدت مند کسی جاگیردار کا بیٹا ہے۔ ورنہ سونے کے سکے مورتی پر عام عقیدت مند نہیں چڑھا سکتے۔

نوجوان ہاتھ جوڑ کر ناگ پال کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ناگ پال نے اُس کے ماتھے پر چندن کا تلک لگایا۔ نوجوان نے اپنے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ ناگ پال نے پرتھی دیوی کے اشلوک پڑھتے ہوئے اُس کی ہتھیلی پر رتن جو کے کچھ پھول رکھ کر کہا۔

''دیوی پرتھی تمہاری رکھشا کرے۔''

نوجوان رتن جو کے پھول لے کر واپس جانے کی بجائے چمپا کلی کے پاس آ گیا اور جھک

کر بولا۔ ''دیوی! مجھے آپ کا بھی اشیرواد چاہئے۔''

ایسی حرکت آج تک کسی مرد نے نہیں کی تھی۔ مرد عقیدت مند ہمیشہ ناگ پال ہی سے اشیرواد لیتے تھے۔ مگر ناگ پال نے کوئی خیال نہ کیا۔ چمپا کلی کچھ گھبرا سی گئی۔ اُس نے جلدی سے نوجوان کے ماتھے پر چندن کا تلک لگایا اور رتن جو کے پھول دے کر اُس کو اپنی اشیرواد تھی۔ نوجوان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر چمپا کلی کو پرنام کیا اور چمپا کلی کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بوسہ دیا اور بولا۔ ''دیوی! اب میری مکتی ہو گئی۔''

چمپا کلی نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ نوجوان ذرا سا مسکرایا اور چمپا کلی کے چرن چھو کر واپس چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد چمپا کلی نے ناگ پال سے کہا۔

''کون تھا یہ؟''

ناگ پال بولا۔ ''یہ بھی دیوی کا کوئی عقیدت مند تھا۔ اور کون ہو سکتا ہے؟''

چمپا کلی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ''اس کو مجھ سے اشیرواد لینے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ اور اس نے میرے ہاتھ کو بھی چوم لیا۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''دیوی جی کا یہ کوئی بڑا زبردست پرستار ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے کوئی منت مانی ہوئی ہو، وہ پوری ہو گئی ہو۔ اس نے جو کچھ کیا اپنی شردھا (عقیدت مندی) کی وجہ سے کیا ہے۔''

چمپا کلی نے کوئی جواب نہ دیا اور پوجا کرنے والی عورتوں کو اشیرواد دینے میں مصروف ہو گئی۔ رات کو ناگ پال اور چمپا کلی دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور دیر تک مکان کے صحن میں بیٹھے ایک دوسرے سے پیار محبت کی باتیں کرتے رہے۔ چمپا کلی اس سے بھی زیادہ دیر تک ناگ پال کے پاس بیٹھی اُس سے محبت کی باتیں کرتی رہنا چاہتی تھی لیکن ناگ پال کے گیان دھیان کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر اشنان کر کے چل دیا اور چمپا کلی اپنی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ چمپا کلی آنکھیں کھولے تاروں کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کے دل و دماغ پر ایک بار پھر اُس اجنبی نوجوان کا خیال غالب آ گیا تھا۔ اس نے بہتیرا اُسے اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی۔ وہ جتنی کوشش کرتی نوجوان کا خیال زیادہ شدت سے اُس کے دل و دماغ پر چھانے لگتا۔ چمپا کلی بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ ناگ پال اپنی کوٹھڑی میں دیا روشن کئے، لوبان سلگائے گیان دھیان میں مشغول ہو گیا تھا۔ چمپا کلی کو ناگ پال کی کوٹھڑی میں آنے والی لوبان اور عنبر کی ہلکی ہلکی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ چمپا کلی کو ناگ پال کا اس وقت گیان دھیان کرنے جانا اچھا نہیں لگا تھا۔ چمپا کلی کو اس لمحے ناگ پال کی ضرورت تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اُس کے پاس بیٹھا ہو۔ اُس نے اپنا سر ناگ پال کے سینے کے ساتھ لگا رکھا ہو اور وہ اُس سے پریم کی باتیں کر رہا ہو۔ لیکن وہ چمپا کلی کو اس وقت اکیلی چھوڑ کر چلا گیا تھا

جب اُسے چمپا کلی کے پاس بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرنی چاہئے تھیں۔ اس وقت بھگوان کو ناگ پال کے گیان دھیان کی اتنی ضرورت نہیں تھی جتنی چمپا کلی کو اس کی ضرورت تھی۔ مگر سادہ لوح ناگ پال اس بات کو نہیں سمجھ سکا تھا۔

عورت اپنے دل میں کیا سوچتی ہے؟

اسے شاید قیامت تک دنیا کا کوئی مرد نہیں سمجھ سکے گا۔

وہ رات چمپا کلی نے بڑی بے چینی کے ساتھ گزاری۔ کبھی اُسے نیند آ جاتی اور کبھی اچانک اُس کی آنکھ کھل جاتی جیسے اس نے کوئی ڈرا دینے والا سپنا دیکھ لیا ہو۔ دراصل چمپا کلی کے اندر اس کے دل اور اس کے دماغ کے درمیان ایک ایسی جنگ ہو رہی تھی جس میں دل اور دماغ دونوں میں سے کوئی بھی فریق اپنی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔

دوسرے دن چمپا کلی دیر تک سوئی رہی۔ وہ سر درد کا بہانہ بنا کر چارپائی پر لیٹی رہی اور پوجا کروانے مندر بھی نہ گئی۔ ناگ پال نے چندن گھس کر اُس کے ماتھے پر لگایا، دیر تک اُس کے سرہانے بیٹھا اُس کا سر دباتا رہا۔ ناگ پال کی اُنگلیوں کے لمس سے چمپا کلی کو بڑی تسکین مل رہی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ ناگ پال ساری عمر اسی طرح اس کے پاس بیٹھا رہے۔ ناگ پال کو اپنے اتنا قریب پا کر اور اس کی اُنگلیوں کے لمس کو محسوس کر کے چمپا کلی کا ذہن اس اجنبی نوجوان کے تصور سے بالکل پاک صاف ہو گیا تھا۔

لیکن ناگ پال کو مندر بھی جانا تھا۔ یہ اُس کی ذمہ داری تھی جس کو نبھانا ان دونوں کے موہنجوداڑو میں امن و شانتی سے رہنے کے واسطے بہت ضروری تھا۔ چنانچہ ناگ پال مندر چلا گیا۔ کنڈلا اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اُس کا سر دبانے لگی تو چمپا کلی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ''نہیں کنڈلا! اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میرے سر کا درد ختم ہو گیا ہے۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''رانی جی! آپ کو ناگ پال سے بالکل سچا پیار ہے۔ ناگ پال بھی آپ سے بڑی محبت کرتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے دیوتاؤں نے آپ دونوں کو اتنی بڑی مصیبت سے نکال کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔''

چمپا کلی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ کنڈلا اس کے ساتھ ناگ پال کی محبت کی باتیں کرے۔ لیکن کنڈلا کو بھی سودا سلف لینے بازار جانا تھا۔ وہ جانے لگی تو چمپا کلی نے کہا۔

''تھوڑی دیر اور بیٹھ جاؤ کنڈلا! ناگ پال کے بعد ایک تم ہی تو ہو جس کے ساتھ میں اپنے دل کی باتیں کر سکتی ہوں۔''

کنڈلا چوکی پر چمپا کلی کے سامنے بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

''رانی جی! ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ایک ملک کا ظالم راجہ ہمارے خون کا پیاسا ہے لیکن ہم ایسی جگہ سکھ چین سے رہ رہے ہیں جہاں وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

چمپاکلی نے گہرا سانس بھر کر کہا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو کنڈلا! لیکن کسی وقت میں اس خیال سے ڈر جاتی ہوں کہ کہیں ظالم راج گورو کے آدمی یہاں بھی نہ پہنچ جائیں۔ یہاں آ کر جب انہیں یہ پتہ چلے گا کہ جس ناگ پال کو وہ اپنی طرف سے مار چکے ہیں وہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ رانی چمپاکلی سے بیاہ کر کے امن چین کی زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ میرے ساتھ ناگ پال کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ہمارے سر کاٹ کر راج گورو کے پاس لے جائیں گے۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا رانی جی! تم ایسی باتیں نہ سوچو۔ راج گورو کی یا اس کے کسی جاسوس کی ہمت نہیں کہ موہنجوداڑو کی فصیل کے قریب بھی قدم رکھے۔ یہاں کے لوگ ان کی تکا بوٹی کر دیں گے۔''

چمپاکلی کا ذہن اس وقت صرف اجنبی نوجوان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کبھی وہ اپنے آپ کو کوستی کہ وہ کیوں اُس روز ندی پر نہانے چلی گئی تھی کہ اُس نوجوان کو اُسے بے لباس دیکھنے اور خود چمپاکلی کو اس نوجوان کو دیکھنے کا موقع مل گیا۔ کبھی وہ اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کرتی کہ ایسی کوئی غیر معمولی یا انہونی بات نہیں ہوئی کہ جسے چمپاکلی لے کر بیٹھ جائے۔ صرف اتنا ہی ہوا ہے کہ وہ ندی پر نہا رہی تھی اور ایک اجنبی مرد نے اُسے نہاتے دیکھ لیا ہے اور یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔ کبھی وہ دل میں کہتی کہ میں اب کبھی ندی پر نہیں جاؤں گی چاہے کچھ ہو جائے۔ پھر اُسے خیال آتا کہ اس نوجوان نے تو چمپاکلی کے مندر کو بھی دیکھ لیا ہے۔ وہ تو ہر دوسرے تیسرے روز مندر آ جایا کرے گا۔ اس ذہنی کشمکش سے وہ اتنی پریشان ہوئی کہ اُٹھ کر ناگ پال کی کوٹھڑی میں آ گئی۔ ناگ پال گیان دھیان میں محو تھا۔ چمپاکلی نے بے اختیار ہو کر اپنا سر اُس کے سینے سے لگا دیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''کیا ہوا؟'' ناگ پال نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔'' چمپاکلی نے آہستہ سے کہا اور ناگپال کے سینے کے ساتھ لگے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

چمپاکلی مندر میں پوجا کروانے بیٹھتی تو اُسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں وہ اجنبی نوجوان پھر نہ آ جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ شخص پوجا کرنے نہیں آتا صرف اُس سے ملنے آتا ہے اور پوجا کی رسم کے خلاف ناگ پال سے تلک لگوانے کی بجائے چمپاکلی سے تلک لگواتا ہے جس سے ناگ پال کو شک پڑ سکتا تھا۔ ایک دن، دو دن، تین دن، چار دن گزر گئے لیکن وہ نوجوان نہ آیا۔ چمپاکلی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ وہ نوجوان اب نہیں آئے گا۔

جب ایک ہفتہ گزر گیا اور وہ نوجوان مندر میں نہ آیا تو چمپاکلی کو خیال آنا شروع ہو گیا کہ وہ کیوں نہیں آتا؟ ضرور اُسے پتہ چل گیا ہوگا کہ چمپاکلی مندر کے پجاری کی پتنی ہے اور دونوں ایک پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کی پرسکون زندگی کو خراب کرنے کی کوشش

کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مندر آنا ترک کر دیا ہوگا۔ چمپاکلی یہ سوچ کر اپنی طرف سے مطمئن ہو گئی۔ لیکن اب ایسا ہونے لگا کہ جب وہ مندر میں پوجا کے لئے ناگ پال کے پہلو میں پرتھی دیوی کی مورتی کے سامنے بیٹھتی اور پوجا کے لئے کوئی مرد مندر میں داخل ہوتا تو چمپاکلی کی نگاہیں بے اختیار اُس کی طرف اُٹھ جاتیں کہ کہیں وہی نوجوان تو نہیں آ گیا۔ جب وہ کوئی دوسرا مرد ہوتا تو چمپاکلی کو اطمینان ہو جاتا۔ شروع شروع میں تو وہ یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ اجنبی نوجوان نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا ہے اور اسے بھول گیا ہے۔ لیکن جب دس پندرہ دن گزر گئے اور وہ شخص مندر میں نہ آیا تو چمپاکلی ایک طرح کے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئی۔ اُسے اس میں اپنی توہین نظر آنے لگی کہ اس نوجوان نے چمپاکلی کے جسم کو دیکھ کر اور اس کی تعریف کرنے کے بعد بھی اسے اپنے دل سے بھلا دیا ہے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ چمپاکلی کو اپنے اُوپر غصہ آتا کہ وہ کیوں ندی پر گئی تھی؟ اور اگر اس نے کسی غیر مرد کو تانک جھانک کرتے دیکھ لیا تھا تو اس نے اس گستاخی پر اُس مرد کی مرمت کیوں نہیں کی بلکہ اُلٹا خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

جب اُس کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوتا تو وہ سوچنے لگتی کہ ہو سکتا ہے وہ نوجوان موہنجوداڑو شہر میں نہ ہو، کسی کام کے واسطے دوسرے شہر گیا ہو۔ اس نوجوان نے جس جذباتی پن سے چمپاکلی کے حسن اور اس کے جسم کی تعریف کی تھی اسے اس کے جملے یاد آنے لگتے۔ چمپاکلی کو افسوس سا ہوتا کہ ناگ پال نے کبھی اتنے جذباتی انداز میں اس کے جسم کی تعریف نہیں کی تھی بلکہ ناگ پال نے تو چمپاکلی کے جسم کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اسے تو اپنے گیان دھیان سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی، وہ چمپاکلی کے خوبصورت جسم کی طرف کیسے دھیان دیتا؟ ویسے بھی ناگ پال عورت کے جسم کو مایا جال کہا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر آدمی اس مایا جال میں ایک بار پھنس جائے تو پھر اس کا نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اب چمپاکلی کے ذہن میں ایک دوسری قسم کی کشمکش شروع ہو گئی۔ کبھی اُس کا دل اس خیال سے دھڑک اُٹھتا کہ کہیں وہ نوجوان پھر نہ آ جائے۔ اور کبھی وہ یہ سوچنے لگتی کہ وہ آتا کیوں نہیں؟ اسی طرح کچھ دن اور گزر گئے۔ ایک دن وہ گھر پر ہی اشنان کر کے نیا زرد چولا پہنے، سر پر زرد رومال باندھ کر مندر میں پوجا کروانے آ کر بیٹھ گئی۔ اب اُس نے اپنا دل پوجا پاٹھ کی طرف زیادہ لگا لیا تھا اور جلدی مندر میں آ جاتی تھی۔ اس روز بھی وہ جلدی آ گئی تھی۔ ناگ پال ابھی مندر میں نہیں آیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھی مورتی کے آگے پھول رکھ کر لوبان سلگا رہی تھی کہ کسی نے کہا۔

''نمسکار دیوی!''

چمپاکلی نے پلٹ کر دیکھا، اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا..... اُس کے ہونٹ خشک ہو

گئے۔ وہی نوجوان اُس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا اپنی شکاری بلے کی چمک والی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ گھنے سیاہ بال خوشبودار تیل سے چمک رہے تھے۔ چمپا کلی نے نظریں جھکا لیں اور لوبان سلگاتے ہوئے بولی۔

''کیشو جی ابھی نہیں آئے۔''

نوجوان نے کہا۔ ''میں تو تم سے پوجا کروانے آیا ہوں۔'' پھر نوجوان نے اپنی زرد واسکٹ کی جیب سے کنول کا ایک پھول نکال کر مورتی کے چرنوں میں رکھنے کی بجائے چمپا کلی کی گود میں رکھ دیا اور دھیمی آواز میں کہا۔

''میں آج شام ندی پر تمہارا انتظار کروں گا۔''

اتنا کہہ کر نوجوان پیچھے ہٹ گیا۔ چمپا کلی کو اتنی شرم آئی، اتنا غصہ آیا کہ اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس نے نگاہیں اُٹھا کر اُسے دیکھنے کی بھی کوشش نہ کی۔ لوبان سلگا کر اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نوجوان جا چکا تھا۔ اُس نے چمپا کلی کی گود میں کنول کا جو پھول رکھا تھا وہ اسی طرح پڑا تھا۔ چمپا کلی نے پھول اُٹھا کر اُسے ایک نظر دیکھا۔ یہ گلابی رنگ کا پھول تھا اور جیب میں پڑے رہنے کے باعث ذرا سا مرجھا گیا تھا۔ اتنے میں ناگ پال بھی آ گیا۔ اُس نے تھالی میں کنول کا پھول دیکھ کر پوچھا۔

''یہ کون دے گیا ہے؟''

چمپا کلی نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ ''ایک عورت لائی تھی پوجا کے واسطے۔''

اتنے میں عورتیں اور مرد پوجا کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ چمپا کلی معمول کے مطابق عورتوں کو پھول دیتی، اُن کے ماتھوں پر تلک لگاتی اور عورتیں مورتی کے چرن چھو کر چلی جاتیں۔ چمپا کلی کے ذہن میں ایک ہیجان کی کیفیت تھی۔ اُس نوجوان کا جملہ بار بار اُس کے ذہن میں گونج رہا تھا کہ میں آج شام ندی پر تمہارا انتظار کروں گا۔ وہ کون ہوتا ہے مجھ پر حکم چلانے والا؟ وہ سوچتی۔ کتنی دیدہ دلیری سے اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں شام کو ندی پر پہنچ جاؤں۔ غصے سے اُس کا چہرہ بار بار سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن دل کے کسی کونے میں چمپا کلی کے اس انجانے جذبے اور چھپی ہوئی خواہش کی تسکین بھی ہوئی تھی کہ کاش اس پر کوئی حکم چلانے والا ہو، کوئی اس سے زبردستی کسی بات کو منوائے۔ اس سے پہلے چمپا کلی کے دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی یہ خواہش کبھی کھل کر سامنے نہیں آئی تھی۔ وہ سوچنے لگی کاش ناگ پال بھی اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے۔ اسے حکم دے کر کہے کہ یہ کام کرو اور وہ کام نہ کرو۔ اور جب وہ اس کی بات نہ مانے تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ مگر ناگ پال تو بے ضرر تھا۔ چمپا کلی کی ہاں میں ہاں ملانے والا، اُس کے پیچھے پیچھے چلنے والا پالتو محبوب...... چمپا کلی نے جلدی سے یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ نہیں نہیں...... ناگ پال کی محبت کا مقابلہ دنیا کا

کوئی نوجوان نہیں کر سکتا۔ وہ اس سے سچا پیار کرتا ہے۔ وہ بھی اسے چاہتی ہے۔ چمپا کلی نے ایک نظر ناگ پال پر ڈالی وہ اس وقت مورتی کے آگے سے پھول اُٹھا کر ایک بوڑھے شخص کی ہتھیلی پر رکھ رہا تھا۔ چمپا کلی کا دل اُس کی محبت سے بھر گیا۔

اُس نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس نوجوان سے ملنے ندی پر نہیں جائے گی۔ آخر وہ کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو؟ مگر جیسے جیسے شام قریب آ رہی تھی چمپا کلی کے دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس کے اندر کوئی زبردست طاقت تھی جو اُسے ندی پر جانے کے لئے مجبور کر رہی تھی۔ وہ اس زبردست طاقت سے جتنی چشم پوشی کرتی وہ طاقت اور زیادہ قوت سے اسے ندی کی طرف کھینچتی۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ چمپا کلی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اُس کے جسم میں ایک دبی دبی سی آگ سلگنے لگی۔ اور جب سورج نے مغرب کی طرف ڈھلنا شروع کیا تو چمپا کلی کے قدم خود بخود ندی کی طرف اُٹھنے لگے۔

ہر قدم پر اسے خیال آتا کہ وہ غلط قدم اُٹھا رہی ہے۔ لیکن ہر قدم پر اُس کے جسم کی آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھتی اور اُس کی رفتار تیز ہو جاتی۔ اُسے احساس تھا کہ وہ ناگ پال سے بے وفائی کر رہی ہے لیکن اس بے وفائی میں چمپا کلی کو ایک عجیب لذت اور تسکین بھی مل رہی تھی۔ لیکن اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس لذت کے بدلے میں اُسے کیسے بھیانک اور روح تک کو تڑپا دینے والے نتائج کو بھگتنا پڑے گا۔

ندی کے قریب پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام کا ہلکا ہلکا دھندلکا سا چھا رہا تھا۔ جب وہ ندی کنارے کی سنجان جھاڑیوں کے پاس پہنچی تو جھاڑیوں کے اندر سے وہی نوجوان نکل کر اُس کے سامنے آ گیا۔ اس وقت اس نوجوان کی جنگلی بلے جیسی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے جنگلی بلے کا شکار اپنے آپ اس کے سامنے آ گیا ہو۔

چمپا کلی نے اُسے دیکھتے ہی غصے کے ساتھ کہا۔ ''میں تم سے ملنے نہیں آئی۔ میں تم سے یہ پوچھنے آئی ہوں کہ تم کون ہوتے ہو مجھ پر حکم چلانے والے؟''

اُس نوجوان کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی اور اُس نے ایک قدم آگے بڑھ کر چمپا کلی کو اپنے بازوؤں پر اُٹھایا اور جھاڑیوں کے اندر چلا گیا......

اس وقت جھاڑیوں کے پاس ایک درخت پر ایک فاختہ بیٹھی بول رہی تھی۔ اچانک وہ چپ ہو گئی۔ اور اس کے بعد پھڑ پھڑا کر اُڑ گئی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ ندی کے آس پاس جنگل کے درختوں پر سناٹا چھا گیا۔ اور پھر جب چمپا کلی کو ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ وہ اس اجنبی نوجوان کی آغوش میں پڑی تھی۔ اُس کی ٹوکری جس میں اُس نے پوجا کے پھول لے جانے تھے اُس کے قریب ہی اوندھی پڑی تھی۔ جھاڑیوں کے اندھیرے میں اجنبی نوجوان کی پیلی آنکھیں اُس پر جھکی ہوئی تھیں۔ چمپا کلی کو ایسے لگ رہا تھا جیسے اُس کی آتما، اُس کا

جسم، اُس کا دل سب کچھ بدل گیا ہے۔ اُس کی کایا پلٹ گئی ہے، اس کی ساری اُلجھنیں، سارے پچھتاوے، ساری ندامتیں، ساری ذہنی کشمکش ایک دم دُور ہوگئی ہیں اور وہ امر پریم کی بیل کی نازک شاخ کی مانند ہلکی پھلکی ہوگئی ہے۔

اجنبی نوجوان سے الگ ہوکر چمپاکلی نے قریب ہی اوندھی پڑی ہوئی خالی ٹوکری کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نوجوان نے آہستہ سے پوچھا۔

''واپس مندر جاؤ گی کیا؟''

چمپاکلی نے ہاتھ سے خالی ٹوکری کو اور پرے کر دیا اور نوجوان کی شکاری بلے والی آنکھوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''نہیں...... اب کیا کرنے جاؤں گی مندر؟''

نوجوان نے چمپاکلی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اُس کا ماتھا چوم کر بولا۔ ''بالکل ٹھیک فیصلہ کیا تم نے...... اب تم میرے ساتھ رہوگی۔ ہم دونوں ایک ساتھ رہیں گے۔''

اس دوران چمپاکلی نے اُس نوجوان کو اپنا اصلی نام ضرور بتا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ناگاپورم کی رانی اور ناگ مندر کی شاہی رقاصہ ہے اور ناگ پال کی پتنی ہے۔ اس نوجوان نے بھی چمپاکلی کو اپنا نام اور اپنے بارے میں بتا دیا تھا کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ اُس کا نام کوشل تھا۔ موہنجوڈرو سے شمال مغرب کی جانب ایک دن اور رات کے سفر پر دریا کے کنارے ایک گھنا جنگل تھا۔ یہ جنگل اُس کی جاگیر تھی۔ اس جنگل میں کوشل نے اپنے رہنے کے لئے ایک کشادہ مکان بنوا رکھا تھا۔ اُس کا کاروبار یہ تھا کہ وہ جنگل میں رہنے والے جانوروں شیروں، چیتوں، جنگلی بلوں، نایاب ہرنوں، سفید اور نیلے موروں اور کالے ریچھوں کو زندہ پکڑ کر انہیں ملک بابل اور نینوا اور فرعونوں کے مصر کے شاہی چڑیا گھروں کو بھجوا دیتا تھا اور ان کے عوض اس زمانے کے مطابق بھاری قیمت وصول کرتا تھا۔

چنانچہ جب کوشل نے چمپاکلی کا ماتھا چوم کر کہا۔ 'بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ اب تم میرے ساتھ رہوگی۔ ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔' تو چمپاکلی نے اپنا سر جس پر زرد رومال بندھا ہوا تھا کوشل کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ کوشل نے کہا۔

''اب تمہیں سر منڈوانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بال عورت کی شوبھا ہوتے ہیں۔ بہت جلد تمہارے بال تمہارے شانوں پر لہرانے لگیں گے۔''

چمپاکلی نے سرور میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ تم پرتھی دیوی کے پجاری ہو۔ پھر تم مجھے بال رکھنے کی کیسے اجازت دے رہے ہو؟''

کوشل نے ہنس کر کہا۔ ''میں نے جھوٹ بولا تھا۔ ایسا میں نے صرف تمہیں اپنے قریب لانے کے لئے کیا تھا۔''

چمپاکلی نے کہا۔ ''تمہیں پرتھی دیوی کا پاپ لگے گا۔ کیا تمہیں اُس کا ڈر نہیں ہے؟''

کوشل نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ''میں دراوڑ قبیلے کے دیوی دیوتاؤں کو نہیں مانتا۔''

''پھر تم کسے مانتے ہو؟'' چمپاکلی نے پوچھا۔

کوشل بولا۔ ''میں کسی بھی دیوی دیوتا کو نہیں مانتا۔''

''کیا تم ناستک ہو؟'' چمپاکلی نے حیران ہوکر پوچھا۔

کوشل نے اپنا گھنے سیاہ بالوں والا سر ہلایا اور بولا۔ ''یہ ناستک کیا ہوتا ہے؟''

چمپاکلی نے کہا۔ ''ناستک وہ ہوتا ہے جو کسی دیوی دیوتا کو نہ مانتا ہو۔''

کوشل نے خوش ہوکر کہا۔ ''اگر یہ بات ہے تو میں ناستک ہوں۔''

چمپاکلی کو نہ تو کوئی تعجب ہوا اور نہ اُس نے کوشل کے ناستک ہونے کے بارے میں اس سے کوئی بحث کی، نہ کوئی اعتراض کیا۔ چمپاکلی نے محسوس کیا کہ اُس نے اپنی پوری کی پوری شخصیت اس اجنبی نوجوان کوشل کے سپرد کر دی ہے جو اب اس کے لئے اجنبی نہیں رہا تھا۔

کوشل نے چمپاکلی سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں میرا ناستک ہونا اچھا نہیں لگا؟''

چمپاکلی بے معلوم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''مجھے اچھا لگا ہے۔''

چمپاکلی نے اپنے بارے میں کوشل کو صرف یہ بتایا تھا کہ وہ موہنجوڈرو میں رہنے والے ایک دراوڑی قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے ماتا پتا بچپن میں ہی سورگباش ہو گئے تھے۔ ایک ماسی تھی جس نے اُسے پرتھی کے مندر کی پجارن بنا دیا اور وہ اسی مندر میں پل کر جوان ہوئی ہے۔

کوشل کہنے لگا۔ ''یہ تو اچھا ہے کہ میری طرح تم بھی اس سنسار میں اکیلی ہو۔ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ وہ نوجوان جو تمہارے سامنے مندر میں بیٹھتا تھا وہ تمہارا پتی ہے۔''

چمپاکلی نے فوراً اس کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... وہ میرا پتی کیسے ہوسکتا ہے؟ میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ وہ تو میری طرح مندر کا پجاری ہے بس...... میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''

چمپاکلی کو یہ کہتے ہوئے اپنے اوپر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کتنی آسانی سے اپنے جیون ساتھی، اپنے پتی دیو اور محبت کرنے والے ناگ پال کو اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ اُسے اپنی شخصیت کی اس تبدیلی پر حیرانی ضرور ہو رہی تھی مگر اسے ایک لمحے کے لئے کسی قسم کی ندامت یا ملال کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کی حسرتیں، تمنائیں اور جسم کی ساری تشنگی جیسے ہزاروں سال پیچھے رہ گئی تھی اور نئی خوشیوں، نئی مسرتوں کا ایک وسیع و عریض باغ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور اس باغ کو جانے والا راستہ اُس کے جسم میں سے ہوکر گزرتا تھا۔ عالم بے خودی اور خوشی میں چمپاکلی کی زبان پر کوشل کے سامنے اُس کا اپنا اصلی نام ضرور آ گیا تھا مگر ناگ پال کا نام اُس نے کوشل کو نہیں بتایا تھا اور کوشل نے اُس سے پوچھا بھی نہیں تھا۔

جب چمپاکلی نے کوشل سے پوچھا تھا کہ وہ موہنجودڑو میں کیسے آیا ہے اور کہاں رہتا ہے تو کوشل نے اُسے کہا تھا۔

''میں موہنجودڑو میں نہیں رہتا۔ یہاں قریب ہی ایک جنگل ہے جہاں سفید مور پائے جاتے ہیں۔ میں اس موسم میں ان کو زندہ پکڑنے یہاں آ جاتا ہوں۔ اس جنگل میں ہی میں نے اپنا ایک ڈیرہ بنایا ہوا ہے جہاں میرے نوکر اور نوکرانیاں بھی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی میں اس ندی پر نہانے آ جاتا ہوں۔ اس روز بھی میں ندی پر نہانے آیا تھا کہ میں نے تمہیں اشنان کرتے دیکھا اور تمہارے خوبصورت جسم نے مجھ پر جادو کر دیا۔''

چمپاکلی دل میں خوش ہوئی کہ زندگی میں اُسے پہلا مرد ملا ہے جس نے اُس کے ساتھ دل کی بات نہیں کی، اُس کی آتما کی بات نہیں کی، جنم جنم ساتھ رہنے کی بات نہیں کی بلکہ صرف اور صرف اُس کے جسم سے محبت کی ہے۔ چمپاکلی کو محسوس ہوا جیسے ایک مدت سے وہ اپنے جسم سے بچھڑ چکی تھی اور اب پہلی بار اپنے جسم سے مل رہی ہے۔ اُس نے کوشل سے پوچھا تھا۔

''جسم تو مایا ہے۔ سورج کی طرح ایک دن ڈھل جائے گا۔ کیا پھر بھی تم میرے جسم سے پیار کرتے رہو گے؟''

کوشل نے جواب دیا تھا۔ ''ڈھلتے سورج کو اپنی ڈھلتی ہوئی ڈھوپ بھی عزیز ہوتی ہے۔ جاتے ہوئے وہ اپنی ڈھلتی دھوپ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جب تمہارا جسم ڈھل جائے گا تو اس وقت میرے جسم کا سورج بھی ڈھل رہا ہوگا۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا۔''

چمپاکلی کے بدن میں مسرت اور طاقت کی ایک گرم لہر دوڑ گئی۔ اُس کا چہرہ کنول کے پھول کی طرح کھل گیا۔ ایسی باتیں چمپاکلی نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ اُس نے بے اختیار ہو کر اپنی بانہیں کوشل کے گلے میں ڈال دیں۔ یہ ایک جسم دوسرے جسم کے گلے میں بانہیں ڈال رہا تھا۔ چمپاکلی کو ایسے محسوس ہوا جیسے کوشل کا جسم اُس کے اپنے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس سے جدا ہو گیا تھا اور ایک مدت کے بعد دوبارہ اس کے جسم سے آ کر مل گیا ہے۔

کوشل نے چمپاکلی کی کمر میں بازو ڈال کر اُسے اپنے ساتھ لیا اور جھاڑیوں میں سے نکل کر جنگل میں اپنے ڈیرے کی طرف چلنے لگا۔ جھاڑیوں میں چمپاکلی نے اپنے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی خالی ٹوکری اوندھی پڑی تھی جس میں چمپاکلی پوجا کے پھول توڑ کر لے جایا کرتی تھی۔

جب رات ہو گئی اور چمپاکلی ندی سے اشنان کر کے مندر واپس نہ لوٹی تو ناگ پال کو فکر ہوئی کہ چمپاکلی نے ندی پر اتنی دیر کیوں لگا دی؟ رات کی پوجا کا وقت ہو گیا۔ ناگ پال اشنان کر کے پوجا پاٹھ کی گدی پر بیٹھ گیا۔ سوچا کسی کام سے چمپاکلی راستے میں رُک گئی ہوگی

ابھی آ جائے گی۔ لیکن جب کافی وقت گزر گیا اور وہ نہ آئی تو اُس نے فکر مند ہو کر کنڈلا سے کہا کہ ندی پر جا کر چمپاکلی کا پتہ کرے۔ کنڈلا خود بھی پریشان تھی کیونکہ چمپاکلی نے کبھی اتنی دیر نہیں لگائی تھی۔ ندی پر پہنچ کر اُس نے سب جگہ چمپاکلی کو تلاش کیا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ تلاش کرتے کرتے جب وہ ندی کنارے کی گھنی جھاڑیوں میں آئی تو اندھیرے میں اُس کے پاؤں چمپاکلی کی اوندھی پڑی ٹوکری سے ٹکرا گئے۔

کنڈلا نے جھک کر ٹوکری اُٹھا لی۔ اُس نے ٹوکری فوراً پہچان لی۔ وہ چمپاکلی کو آوازیں دینے لگی۔ کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ رات کی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کنڈلا خالی ٹوکری لے کر پریشان ہو کر واپس آ گئی۔ ناگ پال بھی پریشان چہرہ لئے پرتھی دیوی کی مورتی کے سامنے بیٹھا ایک پوجا کرنے والے کے ماتھے پر تلک لگا رہا تھا۔ وہ مندر کا آخری آدمی تھا جو پوجا کروانے آیا تھا۔ جب وہ چلا گیا تو کنڈلا، ناگ پال کے پاس گئی۔ ناگ پال نے پوچھا۔

''چمپاکلی کا کچھ پتہ چلا؟''

کنڈلا نے خالی ٹوکری اُس کے آگے کر دی اور بولی۔ ''ندی کنارے جھاڑیوں میں یہ خالی ٹوکری پڑی تھی۔ چمپاکلی کہیں نہیں ملی۔''

کنڈلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناگ پال نے اتنا سن کر سر کو جھکا لیا۔ کنڈلا کہنے لگی۔

''تم خود جا کر پتہ کرو۔ کہیں اُسے راج گورو کے آدمی نہ پکڑ کر لے گئے ہوں۔''

ناگ پال نے آہستہ سے کہا۔ ''تم مکان پر جاؤ! میں اُس کو تلاش کرنے جاتا ہوں۔''

کنڈلا بوجھل دل کے ساتھ مکان کی طرف چل دی۔ اُس کے جانے کے بعد ناگ پال نے پرتھی دیوی کی مورتی کے آگے ہاتھ جوڑے، اُس کے چرن چھوئے اور آنکھیں بند کر کے اس جگہ گیان دھیان میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں کے بعد اُس نے ایک لمبا سانس لیا، آہستہ سے آنکھیں کھولیں، دیوی کی مورتی کے آگے سر جھکا کر پرنام کیا اور آہستہ سے اُٹھ کر اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔ مکان کے صحن میں کنڈلا گھبرائی ہوئی حالت میں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ ناگ پال کو دیکھ کر وہ جلدی سے اُس کے پاس آ گئی اور پوچھا۔

''رانی جی کا پتہ چلا؟''

ناگ پال نے کنڈلا پر ایک نگاہ ڈالی اور دھیمی آواز میں کہا۔ ''وہ اب نہیں آئے گی۔''

''یہ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' کنڈلا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

ناگ پال نے اسی پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔''

''مگر کہاں گئی ہے؟ کیوں چھوڑ کر چلی گئی ہے ہمیں رانی جی؟''

ناگ پال نے کنڈلا کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموش قدم اُٹھاتا اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ کنڈلا وہیں صحن میں بچھی چوکی پر بیٹھ گئی اور چہرہ ہاتھوں میں

چمپا کر سسکیاں بھر کر رونے لگی۔

دوسرے روز ناگ پال اکیلا ہی مندر کے استھان پر بیٹھ کر عورتوں مردوں دونوں کو پوجا کرواتا اور ان کو تلک لگاتا رہا۔ عورتوں نے جب اس سے پوچھا کہ اروشی میا جی مندر کیوں نہیں آئیں تو اُس نے سب کو یہی جواب دیا کہ اروشی میا کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ اپنی ماتا کے پاس گاؤں گئی ہیں۔ جب چمپا کلی کو غائب ہوئے تین دن گزر گئے تو پجاری ناتھن جو ناگ پال کے گورو جی کا دوست تھا اور جوان دونوں کو موہنجوڈرو کے اس پرتھی دیوی کے مندر میں لایا تھا خود موہنجوڈرو آ کر ناگ پال سے ملا اور اُس سے چمپا کلی کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟ ناگ پال نے کہا۔

''میں خود نہیں جانتا کہ چمپا کلی کہاں غائب ہوگئی ہے۔ تین دن پہلے شام کو ندی پر نہانے گئی تھی، پھر واپس نہیں آئی۔''

''تم نے پتہ نہیں کیا؟'' پجاری ناتھن نے پوچھا۔''کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو۔ اُسے راج گورو کے آدمی اغوا کر کے نہ لے گئے ہوں۔''

پجاری ناتھن کے اس سوال پر ناگ پال کہنے لگا۔

''میں نے اور کنڈلا نے اُسے جگہ جگہ تلاش کیا۔ ندی کے آس پاس کا سارا علاقہ چھان مارا مگر وہ کہیں نہیں ملی۔ اگر کوئی حادثہ ہوگیا ہوتا تو اُس کی لاش کہیں نہ کہیں پڑی مل جاتی ایسا بھی نہیں ہوا۔ اگر راج گورو کے آدمی اُسے اُٹھا کر لے گئے ہیں تو پھر ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن ایسی صورت میں وہ مجھے یہاں کیوں چھوڑ گئے؟ وہ میرا بھی سر اُتار کر لے جاتے۔''

ناتھن پجاری بولا۔

''دراوڑی قبیلے کے لوگ مجھ سے آ کر کہتے ہیں کہ اروشی میا بیمار ہو کر اپنی ماتا کے پاس چلی گئی ہے تو اس کی جگہ کسی دوسری پجارن کو رکھا جائے جو اُن کی عورتوں کی پوجا کروا سکے۔''

ناگ پال بولا۔''میرا خیال ہے میں کنڈلا کو اُس کی جگہ پوجا کی گدی پر بٹھا دیتا ہوں کیونکہ چمپا کلی کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ اب کب واپس آئے۔ واپس آئے بھی یا نہیں۔''

ناتھن پجاری کو ناگ پال کی یہ تجویز پسند آئی۔ کہنے لگا۔''تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ آج ہی کنڈلا کو پوجا کی گدی پر بٹھا دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔''

پجاری ناتھن یہ کہہ کر واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔ اس وقت دوپہر ہو چکی تھی۔ ناگ پال نے کنڈلا کو بلا کر ساری بات بیان کی اور کہا۔

''چمپا کلی کا تو کچھ پتہ نہیں کب آئے لیکن ہمیں تو موہنجوڈرو میں ہی رہنا ہے۔ اور یہاں رہتے ہوئے دراوڑی قبیلے کے مندر میں پرتھی دیوی کی پوجا پاٹھ کا فرض بھی ادا کرنا ہے۔ میں نے اور ناتھن پجاری جی نے فیصلہ کیا ہے کہ آج سے چمپا کلی کی گدی تم سنبھالو گی۔''

کنڈلا بھی موہنجوڈرو شہر سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ سوائے اس شہر کے اسے اور ناگ پال کو ہر جگہ جان کا خطرہ تھا۔ چنانچہ کنڈلا نے ناگ پال سے کہا۔

''جیسا ناتھن پجاری جی کا حکم ہے میں ویسے ہی کروں گی۔''

ناگ پال نے کہا۔''ہماری مجبوری ہے کنڈلا! یہ تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔''

شام ہونے سے پہلے پہلے کنڈلا نے اپنے سر کے سارے بال منڈوا دیئے۔ اشنان کر کے زرد چولا پہنا، منڈے ہوئے سر پر زرد رومال باندھا اور سورج غروب ہونے کے بعد جب رات کی پوجا کا وقت شروع ہوا تو مندر میں چمپا کلی کی گدی پر آ کر بیٹھ گئی۔ پوجا کرنے کے لئے آنے والی عورتیں چمپا کلی کی جگہ دوسری پجارن کو بیٹھے دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔ کنڈلا ہر عورت کو پھول دے کر تلک لگاتی اور کہتی۔

''آج سے میں تمہاری اُروشی میا ہوں۔''

لیکن کنڈلا کا دل چمپا کلی کی یاد میں بجھا بجھا تھا۔ پوجا سے فارغ ہو کر کنڈلا اور ناگ پال جب اپنے مکان پر واپس جا رہے تھے تو کنڈلا نے کہا۔

''ناگ پال جی! تمہیں اگر یہ معلوم ہے کہ رانی جی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں اور اب واپس نہیں آئیں گی تو تمہیں ضرور یہ بھی علم ہوگا کہ وہ کہاں گئی ہیں۔ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں؟ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ میں خود انہیں منا کر لے آؤں گی۔''

ناگ پال پہلے تو کنڈلا کی باتیں سن کر خاموش رہا۔ جب کنڈلا نے دوسری بار اپنا سوال دہرایا تو اُس نے کہا۔

''ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ دیوی دیوتاؤں کی یہی مرضی تھی کہ ایسا ہو۔ میں اور تم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ بہتر ہے کہ آئندہ مجھ سے چمپا کلی کے بارے میں کوئی سوال نہ کرنا۔

وہ مکان میں داخل ہو گئے۔ ناگ پال اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا اور کنڈلا وہیں صحن میں پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گئی اور چمپا کلی کی سوچ میں ڈوب گئی کہ چمپا کلی کو آخر اچانک ایسی کون سی مشکل پڑ گئی تھی کہ وہ ہم سب کو چھوڑ کر ایک دم سے غائب ہو گئی؟ اس مسئلے پر وہ جتنا سوچتی اس کا ذہن اتنا ہی اُلجھتا چلا جاتا تھا۔ آخر اُس نے سوچنا بند کر دیا اور سست قدم اُٹھاتی رسوئی کی طرف چلی گئی۔

○○○

راج گورو مارا کا جاسوسِ خاص بھیکو کئی دنوں سے اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح وہ رانی چمپا کلی کی تلاش میں موہنجودڑو شہر میں داخل ہو جائے۔ وہ کئی بھیس بدل کر شہر کے دروازے کے قریب پہنچا۔ لیکن اُس کے دو جاسوس جو اُس نے پہلے ہی موہنجودڑو شہر کی فصیل کے باہر اس کام پر لگائے ہوئے تھے کہ وہ اسے صورت حال کی پل پل کی خبر لا کر دیں، اُنہوں نے اُسے روک دیا اور بتایا کہ موہنجودڑو کے راجہ کی طرف سے شہر کی نگرانی کے لئے جو انتہائی تجربہ کار جاسوس تعینات کر رکھے ہیں وہ شہر کے تمام دروازوں پر ہر وقت موجود رہتے ہیں اور جس پر اُنہیں ذرا سا بھی شک پڑ جاتا ہے اسے وہیں روک لیتے ہیں اور فصیل کے باہر ایک کوٹھڑی میں لے جا کر اس پر تشدد کرتے ہیں اور پوری پوری پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ بے گناہ بھی ثابت ہو جائے تب بھی اُسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی اور اسے وہیں سے واپس بھیج دیتے ہیں۔

ان اطلاعات نے بھیکو جاسوس کو پریشان کر دیا تھا۔ دوسری طرف راج گورو مارا بھی سخت بے چین تھا۔ اُس نے اپنے دو برق رفتار سانڈنی سوار ناگاپورم شہر سے موہنجودڑو کی طرف روانہ کئے کہ جاسوس بھیکو سے جا کر ملیں اور اس سے معلوم کریں کہ اب تک وہ رانی چمپا کلی کا سر کاٹ کر کیوں نہیں لایا؟ یہ سانڈنی سوار دو دن کے سفر کے بعد بھیکو جاسوس کے ٹھکانے پر پہنچ گئے اور اُسے راجہ کا پیغام دیا۔ بھیکو نے اس کے جواب میں کہا۔

''مہاراج سے جا کر کہنا کہ ان کا سیوک بھیکو، شہر میں داخل ہونے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ مگر موہنجودڑو کے راجہ نے فصیل شہر کے چپے چپے پر اپنے سپاہی اور جاسوس تعینات کئے ہوئے ہیں جن کو اگر کسی پر ذرا سا بھی شک ہو جاتا ہے کہ یہ ناگاپورم شہر کا رہنے والا ہے اور چوری چھپے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے تو اُسے پکڑ کر وہیں اُس کی گردن اُڑا دیتے ہیں۔ مہاراج سے کہنا کہ بھیکو اس کے باوجود صبح شام اسی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ مجھے تھوڑی مہلت دے دیں۔ میں کسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں ضرور داخل ہو جاؤں گا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر جلد رانی جی کا کٹا ہوا سر لا کر اُن کے قدموں میں پیش کروں گا۔''

جاسوس بھیکو نے راج گورو کے نام یہ پیغام بھی دیا کہ......

''مہاراج سے کہنا میں نے چوری چھپے شہر میں آنے جانے والوں سے جو معلومات حاصل کی ہیں ان سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ موہنجودڑو شہر میں دراوڑی قبیلے کا ایک مندر ہے جہاں ان کی دیوی پرتھی دیوی کی پوجا ہوتی ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس مندر میں ایک نئی پجارن آئی ہے جو عورتوں سے پوجا کرواتی ہے اور ان کو تلک لگاتی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ اس پجارن کو انہوں نے شہر کے کسی مندر میں پہلے نہیں دیکھا۔ میرے پوچھنے پر اُنہوں نے نئی پجارن کا جو حلیہ بتایا ہے وہ رانی جی کا ہی حلیہ ہے۔ یہ سب نے کہا ہے کہ نئی پجارن کی آنکھیں نیلی ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ نئی پجارن رانی چمپا کلی ہی ہیں۔ مہاراج سے کہنا میں جان کی بازی لگا کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کر سکتا ہوں لیکن اس میں میری جان جانے کا امکان زیادہ ہے۔ اور اگر میں قتل ہو گیا تو میرے بعد کوئی جاسوس اس لائق نہیں ہے کہ وہ شہر میں داخل ہونے کی کوشش بھی کر سکے۔ اس لئے میں اس کوشش میں ہوں کہ کوئی ایسی تدبیر نکال کر شہر میں داخل ہو جاؤں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ مہاراج سے کہنا کہ ان کا سیوک بھیکو بہت جلد انہیں خوشخبری دے گا اور رانی جی کا سر بوری میں ڈال کر ان کی خدمت میں حاضر ہو گا۔''

دونوں سانڈنی سوار سپاہیوں نے جاسوس بھیکو کا یہ پیغام لکھ لیا اور ناگاپورم شہر کی طرف روانہ ہو گئے اور تیسرے دن راجہ راج گورو کے شاہی محل میں پہنچ کر جاسوس بھیکو کا پیغام پڑھ کر مہاراج کو سنا دیا۔ یہ پیغام سن کر راج گورو مارا کی تھوڑی بہت تسلی تو ضرور ہو گئی اور اُسے یہ سن کر اطمینان بھی ہو گیا کہ رانی چمپا کلی موہنجودڑو کے ایک مندر میں ہی پجارن کا بھیس بدل کر موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود راج گورو کی بے چینی میں کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ وہ جلد از جلد رانی چمپا کلی کا کٹا ہوا سر اپنے قدموں میں پڑا دیکھنا چاہتا تھا۔

اب ایسا اتفاق ہوا کہ جب راج گورو کا یہ جاسوسِ خاص اپنے دشمن ملک موہنجودڑو میں خفیہ طریقے سے داخل ہونے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا تو موہنجودڑو کے سب سے بڑے بیل دیوتا کے سالانہ جشن کا تہوار آ گیا۔ اس تہوار میں شرکت کے لئے دُور دُور سے یاتری آتے تھے۔ موہنجودڑو کے برادر شہر ہڑپہ سے ہزاروں یاتریوں کا ایک جتھہ بہت بڑے جلوس کی شکل میں اس جشن میں شرکت کے لئے آتا تھا۔ راج گورو کے جاسوس بھیکو کو اس تہوار کا علم ہوا تو اس کے دل میں اُمید کی بجھتی ہوئی کرن پھر سے روشن ہو گئی۔

اتنے بڑے سالانہ جشن کے موقع پر جب ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں یاتریوں کے جتھے شہر کی طرف چلے آ رہے ہوں تو ایک عیار جاسوس کے لئے شہر میں داخل ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ جاسوس بھیکو اس جشن کے دن کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ ابھی جشن میں گیارہ دن باقی تھے۔ بھیکو جاسوس نے پہلے ہی سے اپنا سر منڈوا دیا اور بیل دیوتا کے عقیدت مندوں کی طرح گلابی لمبا چولا پہن لیا، ساتھ ہی گلے میں لوہے کے دو باریک کڑے بھی ڈال لئے۔ یہ

بیل دیوتا کو ماننے والوں کا خاص پہناوا تھا جسے وہ جشن کے تہوار کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔

○

پرتھی دیوی کے مندر میں چمپاکلی کے غائب ہونے کے بعد کنڈلا نے اُس کی گدی سنبھال لی تھی۔ سر اُس نے پہلے ہی منڈوا ڈالا تھا اس خیال سے کہ موہنجودڑو کے بیل دیوتا کا سالانہ جشن قریب آ رہا ہے اور اس موقع پر ہزاروں کی تعداد میں یاتری آئیں گے۔ ان میں راج گورو کے جاسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ احتیاط کے طور پر کنڈلا نے اپنی بھنوئیں بھی صاف کروا لی تھیں اور کانوں میں بڑی بڑی بالیاں پہننا شروع کر دی تھیں تا کہ اُسے کوئی پہچان نہ لے۔ اُس نے ناگ پال سے بھی کہا کہ وہ اپنا حلیہ تبدیل کر لے۔ لیکن ناگ پال نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ناگ پال کا جی چمپاکلی کی بے وفائی کے بعد موہنجودڑو شہر سے اکھڑ گیا تھا۔ خاص طور پر مندر کی ہر شے اُسے چمپاکلی کی یاد دلاتی تھی۔

چنانچہ ایک روز اُس نے کنڈلا سے کہا۔

''کنڈلا! اب یہاں میرا جی نہیں لگتا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

کنڈلا آنکھیں کھولے اُس کا منہ تکنے لگی۔ اُس نے کہا۔

''تم جا رہے ہو......؟ مگر کہاں جاؤ گے؟''

ناگ پال بولا۔

''دھرتی وشال (بہت وسیع) ہے۔ کہیں چلا جاؤں گا۔ مگر یہاں نہیں رہوں گا۔''

کنڈلا جانتی تھی کہ ناگ پال ایک بار جو فیصلہ کر لے اُس پر قائم رہتا ہے۔ ویسے بھی وہ چاہتی تھی کہ ناگ پال جشن کے تہوار کے دنوں میں یا تو اِدھر اُدھر ہو جائے یا اپنا حلیہ تبدیل کر لے۔ لیکن اب وہ شہر کو بالکل ہی چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ پہلے چمپاکلی اُسے چھوڑ گئی تھی اور اب ناگ پال بھی جا رہا تھا۔ وہ بالکل اکیلی ہو رہی تھی۔ لیکن وہ ناگ پال کو روک نہیں سکتی تھی۔ اور اُس کے ساتھ بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اُسے اپنی جان بڑی پیاری تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ راج گورو کے جاسوس اُسے پہچان کر پکڑ لیں اور اسے قتل کر کے اس کی لاش راج گورو کے پاس لے جائیں اور وہ اسے شہر کے دروازے پر لٹکا دے۔ اُس نے ناگ پال سے صرف اتنا ہی کہا۔

''تمہارے اور میرے دشمن شہر کے باہر چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن سے اپنے آپ کو بچانا۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''دیوی دیوتا میری رکھشا کریں گے۔''

اُسی روز ناگ پال خاموشی سے موہنجودڑو شہر سے نکل گیا۔ اُسے اگر راج گورو کے جاسوس دیکھ بھی لیتے تو پہچان نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی ناگ پال کو نہیں دیکھا ہوا

تھا۔ وہ ایک قافلے میں شامل ہو گیا جو اُس کے گاؤں کی جانب جا رہا تھا۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ اپنے گاؤں پہنچ گیا۔

اُس کے گورو دیو ناگ پال کو دیکھ کر خاموش کھڑے رہے۔ ناگ پال نے آگے بڑھ کر گورو دیو کے پاؤں چھوئے اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

''گورو دیو! میں آپ کے چرنوں میں واپس آ گیا ہوں۔ مجھے اپنے شرن میں لے لیں۔''

اور ناگ پال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گورو دیو سکھ پال نے ناگ پال کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ گورو دیو اُسے اپنے ساتھ لے کر ناگ ماتا کے مندر میں گئے اور پرارتھنا کے بعد ناگ ماتا کی اشیرواد لی اور اپنی جھونپڑی میں واپس آ گئے۔ گورو دیو جھونپڑی کے باہر ہرن کی چھال پر آسن جما کر بیٹھ گئے۔ ناگ پال اُن کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس کے ہاتھ سینے پر بندھے تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد گورو دیو کہنے لگے۔

''ناگ پال! انسان جب جنم لیتا ہے، اس سنسار میں آتا ہے تو اس کی آتما بڑی اُجلی اور معصوم ہوتی ہے۔ لیکن وہ اپنی نادانشوں سے اپنی آتما کو دنیا کی آلائشوں سے آلودہ کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب وہ گناہ کی دلدل میں اتنا پھنس جاتا ہے کہ وہ کوشش بھی کرے تو اس دلدل سے باہر نہیں نکل پاتا۔ مگر جو لوگ عقل والے ہوتے ہیں، اچھے برے کی پہچان رکھتے ہیں وہ اپنی آتما کو گناہ کی آلائش سے بچا کر رکھتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ موہ کا جال کیسا ہوتا ہے۔ یاد رکھو! جوگی سنیاسی کو گھر گرہستی نہیں سجتی۔ جس نے ایک دن تمہیں چھوڑ کر چلے جانا ہے اس سے پریم کیوں بڑھاتے ہو؟ ایسا تو مورکھ لوگ کرتے ہیں۔ تم مورکھ نہیں ہو۔'' گورو دیو خاموش ہو گئے۔

ناگ پال نے عاجزی سے کہا۔ ''گورو دیو! مجھ سے بھول ہو گئی.... مجھے معاف کر دیجئے۔''

گورو دیو بولے۔ ''میں نے تو تمہیں معاف کر دیا ہے۔ لیکن خبردار! تم اپنے آپ کو معاف نہ کرنا۔ جو غلطی تم نے کی ہے وہ دوبارہ مت کرنا۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو پھر شاید میں بھی تمہیں بچا نہ سکوں گا۔''

ناگ پال کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ گورو دیو کہنے لگے۔

''اور سنو! تمہارے پیچھے ناگا پورم کے راجہ کے سپاہی چمپاکلی کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ اُسے یہاں نہ پا کر وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اچھا ہوا کہ تم بھی یہاں نہیں تھے ورنہ یہ دیکھ کر کہ تم مرے نہیں زندہ ہو وہ تمہیں بھی نہ چھوڑتے۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کچھ وقت کے لئے تم کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ تمہارے دشمن رانی چمپاکلی کی تلاش میں یہاں دوبارہ آ سکتے ہیں۔''

ناگ پال خاموش بیٹھا گورو دیو کی ہدایات سنتا رہا۔ وہ رات اُس نے اپنے گورو دیو سے

ساتھ گیان دھیان میں گزاری۔ دوسرے دن منہ اندھیرے وہ اپنے گورو کے چرن چھو کر، اُن کا اشیرواد لے کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

موہنجودڑو کے بیل دیوتا کے سالانہ تہوار کا دن آ گیا......

راج گورو مارا کا خاص جاسوس اس دن کے انتظار میں بالکل تیار بیٹھا تھا۔ اُس نے اپنا لباس اور حلیہ بیل دیوتا کے پجاری یاتریوں جیسا بنا رکھا تھا تا کہ وہ بھی یاتریوں کے ساتھ یاتری ہی لگے۔ اس دن موہنجودڑو شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں یاتری دُور دُور سے چلے آ رہے تھے۔ یاتری جلوس کی شکل میں بیل دیوتا کی تعریف میں بھجن گاتے، ڈھول تاشے بجاتے، ناچتے ہوئے آتے اور شہر کے بڑے دروازے میں سے شہر میں داخل ہو جاتے۔ شہر کے بڑے دروازے پر حفاظتی انتظامات بڑے سخت کر دیئے گئے تھے۔ بیل دیوتا کے یاتریوں کے لئے رسم کے مطابق شہر کے بڑے دروازے سے داخل ہونا ضروری تھا جس کی وجہ سے بڑے دروازے پر اتنا ہجوم ہو رہا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ صدر دروازے کے اوپر زرد، نیلے اور گلابی رنگ کے ریشمی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ دروازے کے باہر پانی اور شربت کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں جہاں یاتریوں کی ٹھنڈے مشروبات سے سیوا کی جاتی تھی۔ دروازے کی دونوں جانب اور دروازے کی ڈیوڑھی میں موہنجودڑو حکومت کے جاسوس موجود تھے۔ لیکن یاتریوں کے ہجوم میں ان کے لئے ایک ایک آدمی پر نظر رکھنا ناممکن تھا۔

راج گورو کا جاسوس بھیکو، شہر کے صدر دروازے سے دُور ہڑپہ کی طرف آنے والی شاہراہ پر ایک طرف درخت کے سائے میں دھونی رمائے بیٹھا ہڑپہ سے آنے والے جلوس کا انتظار کر رہا تھا۔ دوپہر کے بعد جاسوس بھیکو کو دُور سے ڈھول تاشوں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دُور سے لال، پیلے، نیلے اور گلابی جھنڈے لہراتے دکھائی دیئے۔ اس کے بعد ہڑپہ کے جلوس کا پہلا دستہ نمودار ہوا۔ جاسوس بھیکو اُٹھ کھڑا ہوا۔ جلوس قریب آ گیا تو اُس نے دیکھا کہ جلوس اتنا بڑا تھا کہ یاتریوں کا ایک سمندر موہنجودڑو شہر کی طرف بڑھتا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بھی اس ہجوم میں شامل ہو گیا اور جلوس کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہو گیا۔ رسم پوری کرنے کی خاطر وہ یاتریوں کے ساتھ ہی بیل دیوتا کے بڑے مندر میں پوجا کرنے چلا گیا۔ اُس کا مقصد پوجا پاٹھ نہیں تھا۔ دُور ہی سے اُس نے بیل دیوتا کے درشن کئے اور مندر کے دوسرے دروازے سے باہر نکل آیا۔ یہاں سے وہ سیدھا پرتھی دیوی کے مندر کی طرف چل پڑا جہاں اُس کی اطلاع اور لوگوں سے حاصل کی ہوئی معلومات کے مطابق مندر کی بڑی پجارن کا حلیہ بالکل رانی چمپاکلی جیسا تھا۔ جاسوس بھیکو بیل دیوتا کے یاتریوں کے بھیس میں تھا اور بعض یاتری پرتھی دیوی پر پھول چڑھانے بھی آ جاتے تھے۔ ایک جگہ سے اُس نے پھولوں کے دو چار ہار خرید

لئے تھے جو اُس کے ہاتھ میں تھے۔ پرتھی دیوی کے مندر میں بھی اس وقت کچھ یاتری دیوی کے درشن کرنے آ رہے تھے۔ کچھ درشن کر کے بھجن گاتے واپس جا رہے تھے۔ جاسوس بھیکو بھی بھجن گاتا مندر میں داخل ہو گیا۔ اُس کی تیز نگاہیں ماحول کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں۔ اُس نے دیکھا کہ مندر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سامنے ایک چھوٹے چبوترے پر پرتھی دیوی کی مورتی رکھی ہوئی تھی جس کی ایک جانب ایک مرد پجاری اور دوسری طرف ایک عورت پجارن زرد چولا پہنے، سر پر زرد رومال باندھے بیٹھی یاتریوں کو پرشاد دے کر ان کے ماتھوں پر چندن کے تلک لگا رہی تھی۔ عورت پجارن کنڈلا تھی اور مرد پجاری ناگ پال کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو مقرر کر دیا گیا تھا۔ جاسوس بھیکو پھولوں کے ہار لے کر مرد پجاری کی طرف بڑھا۔ اُس کی نظریں عورت پجارن یعنی کنڈلا پر جمی ہوئی تھیں۔

اُس جاسوس نے رانی چمپاکلی کی سہیلی اور ملازمہ کنڈلا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پرتھی دیوی کے چرنوں میں پھولوں کے ہار رکھ کر جاسوس بھیکو نے بڑی گہری اور تیز نظریں کنڈلا پر ڈالیں۔ رانی چمپاکلی کی شکل وہ پہچانتا تھا۔ یہ پجارن رانی چمپاکلی نہیں تھی، نہ اُس کی آنکھیں رانی چمپاکلی کی طرح نیلی تھیں، نہ اس کی صورت رانی چمپاکلی کی تھی۔ جاسوس بھیکو کو سخت مایوسی ہوئی۔ وہ سوچنے لگا کہ جن لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ پرتھی دیوی کے مندر کی بڑی پجارن کی شکل رانی چمپاکلی جیسی ہے اور اس کی آنکھیں بھی نیلی ہیں، ان کا بیان غلط نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے رانی چمپاکلی کو پتہ چل گیا ہو کہ راج گورو کے جاسوس اس کی تلاش میں موہنجودڑو میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ کسی دوسری جگہ عارضی طور پر روپوش ہو گئی ہو۔ اس بارے میں اُسے یہ دوسری پجارن ہی کچھ بتا سکتی تھی۔

چنانچہ جاسوس بھیکو مندر سے نکل کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور دوسری پجارن یعنی کنڈلا کے فارغ ہو کر باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر بعد جب پوجا پاٹھ ختم کر کے کنڈلا مندر سے باہر نکلی تو بھیکو جاسوس اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ناگ پال اور رانی چمپاکلی کے چلے جانے کے بعد کنڈلا اُن کے مکان کی ایک کوٹھڑی میں ہی رہ رہی تھی۔ جاسوس بھیکو، کنڈلا کا پیچھا کرتا اُس کے مکان تک آیا۔ کنڈلا مکان کے صحن میں داخل ہو کر اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ جاسوس ایک طرف چھپا رہا۔ جب کچھ وقت گزر گیا تو اُس نے بلند آواز میں جے پرتھی دیوی۔ جے بیل دیوتا کا نعرہ بلند کیا اور کنڈلا کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

کنڈلا چارپائی پر آنکھیں بند کئے آرام کر رہی تھی۔ دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ اُٹھی اور صحن میں سے گزر کر دروازے کے پاس آ کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

بھیکو جاسوس نے جے پرتھی دیوی کا نعرہ بلند کر کے کہا۔ ''پجارن میّا میں پرتھی دیوی کا شردھالو ہوں۔ بڑی دُور سے ماتا کی پوجا کرنے آیا ہوں۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''بابا! شام کو مندر میں آ جانا۔ میں وہاں موجود ہوں گی۔''

بھیکو بولا۔ ''دیوی! میں بڑی آس لے کر دُور سے آیا ہوں۔ مجھے یہیں اپنا اشیرواد دے دو۔ جنم جنم میں تمہیں دُعائیں دُوں گا۔''

کنڈلا نے مجبوراً دروازہ کھول دیا۔ بھیکو جاسوس اُس کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا۔ ''ماتا! تم انتریامی ہو۔ دیوی کی پجارن ہو۔ میرے دل کا حال جانتی ہو۔ میرے دشمنوں کے ستارے میرے خلاف چال چل رہے ہیں۔ اگر اس وقت تم نے مجھے پرتھی دیوی کا اشیرواد دے کر میرے ماتھے پر تلک نہ لگایا تو دشمنوں کا وار چل جائے گا اور میں بھی مر جاؤں گا اور میرے ساتھ ساتھ میرے بیوی بچے بھی مر جائیں گے۔''

اس زمانے میں توہمات اور جادو ٹونہ عام ہوتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ستاروں کی مدد سے جادو ٹونہ بھی کرتے تھے۔ کنڈلا کو اُس یاتری پر رحم آ گیا جس کے بارے میں اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ راج گورو کا بھیجا ہوا جاسوس ہے اور رانی چمپاکلی کا اتہ پتہ معلوم کرنے آیا ہے۔

جاسوس بھیکو بڑی رحم طلب صورت بنائے، ہاتھ جوڑے کھڑا ہو گیا۔ کنڈلا کو اُس پر رحم آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''اندر آ جاؤ۔''

بھیکو جاسوس صحن میں آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ کنڈلا نے کہا۔

''تم یہیں بیٹھو میں پیالے میں چندن گھول کر لاتی ہوں۔''

عیار جاسوس نے بڑی عاجزی سے سر جھکا دیا اور بولا۔ ''دیوتا آپ پر مہربان ہوں۔''

کنڈلا جلدی سے کوٹھڑی میں گئی اور ایک پیالے میں چندن گھول کر لے آئی۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئی تو جاسوس بھیکو جلدی سے چارپائی سے اُٹھا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''دیوی جی! آپ ہمارے لئے پرتھی دیوی کا رُوپ ہیں۔ ستاروں کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ جلدی سے بھجن کیرتن کر کے میرے ماتھے پر تلک لگا دیں تا کہ میں اور میرے بال بچے دشمنوں کی خونی سازش سے بچ جائیں۔''

کنڈلا نے کچھ اشلوک پڑھ کر بھیکو جاسوس کے چہرے پر پھونکا اور چندن کے پیالے میں اُنگلی ڈبو کر اُس کے ماتھے پر تلک لگایا اور کہا۔

''پرتھی دیوی نے تمہاری پوجا سویکار کر لی ہے۔ اب تمہارے دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم دیوی جی کے شرن میں آ گئے ہو۔''

جاسوس بھیکو نے کنڈلا کے پاؤں کو چھو کر ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا اور بولا۔ ''دیوی جی! آپ نے مجھ پر اتنی بڑی کرپا کی ہے کہ جس کا بدلہ میں ساری عمر نہیں چکا سکوں گا۔''

کنڈلا نے . . .

''میں نے تم پر کوئی کرپا نہیں کی۔ یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا ہے۔''

جاسوس بھیکو نے ایک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ''دیوی جی! مجھے یاد ہے میں کچھ دن پہلے جب پرتھی دیوی کے مندر میں پوجا کرنے آیا تھا تو اُس وقت آپ کی جگہ مندر کی پجارن لڑکی اور دیوی تھی۔ بڑی رحم دل ماتا تھی وہ بھی۔ کیا اُس دیوی کا سورگباش ہو گیا ہے؟''

کنڈلا سمجھ گئی کہ وہ شخص رانی چمپاکلی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ کنڈلا نے کہا۔ ''ہاں۔ مجھ سے پہلے ایک دیوی جی ہوا کرتی تھیں۔ اُن کی جگہ اب میں پوجا کی گدی پر بیٹھتی ہوں۔''

جاسوس بھیکو نے پوچھا۔ ''وہ دیوی جی کہاں چلی گئی ہیں؟''

کنڈلا نے کہا۔ کچھ دن پہلے دیوی جی کو خبر ملی تھی کہ اُن کی ماتا جی سخت بیمار ہیں۔ یہ سن کر وہ اپنے گاؤں چلی گئی تھیں۔''

جاسوس اتنی جلدی پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ کہنے لگا۔

''اُن کا گاؤں کہاں ہے دیوی جی؟ مجھے اُس دیوی جی سے بڑی عقیدت ہو گئی تھی۔ میں اُن کی ماتا جی کی خبر لینے جانا چاہتا ہوں۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''یہاں کسی کو اس پجارن کے گاؤں کا پتہ نہیں۔ اب تم جاؤ۔ مجھے گیان دھیان بھی کرنا ہے۔''

جاسوس بھیکو وہاں سے اُٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''دیوی جی واپس آئیں تو میری طرف سے اُن کی ماتا جی کا حال ضرور پوچھنا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔''

اُس نے کنڈلا کے چرن چھو کر پرنام کیا اور مکان سے نکل آیا۔ اُس کے جانے کے بعد کنڈلا کو اچانک خیال آیا کہ کہیں یہ راج گورو مارا کا بھیجا ہوا کوئی جاسوس تو نہیں تھا؟ اس خیال ہی سے اُس کے بدن میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی۔ وہ جس طرح پہلے والی پجارن یعنی چمپاکلی کے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہا تھا اس سے کنڈلا کا یہ شک پختہ ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ راج گورو کے جاسوس موہنجودڑو شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسے اب اپنی فکر پڑ گئی۔ وہ سوچنے لگی اگر یہ یاتری، راجہ کا جاسوس تھا تو کہیں اُس نے پہچان نہیں لیا کہ میں رانی چمپاکلی کی سہیلی اور ملازمہ کنڈلا ہوں؟ اگر اس نے مجھے پہچان لیا ہے تو وہ خود میری نگرانی کرے گا یا اپنے کسی ساتھی کو میری نگرانی کرنے پر لگا دے گا یہ دیکھنے کے لئے کہ کہیں میں چھپ کر رانی چمپاکلی سے ملنے تو نہیں جاتی؟

یہ سوچ کر کنڈلا پریشان بھی ہوئی اور اُس نے بے حد محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اُس کا دل یہ سوچ کر بار بار لرز جاتا تھا کہ اگر راج گورو کے اس جاسوس نے اسے پہچان لیا ہے تو وہ

اسے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ رانی چمپاکلی نہ ملی تو وہ اس کا سر کاٹ کر راج گورو کے پاس لے جائے گا۔ کنڈلا، کوٹھڑی میں آ کر چارپائی پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟ اُسے اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ کسی وقت اُسے یہ خیال آتا کہ ہوسکتا ہے اس جاسوس نے اسے نہ پہچانا ہو۔ لیکن وہ راج گورو مارا کا شاہی جاسوس تھا۔ شاہی محل میں آتا جاتا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس نے رانی چمپاکلی کے ساتھ اسے یعنی کنڈلا کو نہ دیکھا ہو۔ اسے صرف اس خیال سے تھوڑی دیر کے لئے سکون ہو جاتا کہ ممکن ہے یہ راج گورو کا جاسوس نہ ہو، کوئی یاتری ہی ہو۔ لیکن دل کو سکون دینے والا یہ خیال ہوا کے جھونکے کی طرح ایک لمحے کے لئے آ کر گزر جاتا اور کنڈلا پھر وسوسوں اور اندیشوں کے بھنور میں پھنس جاتی۔

اُس کی ڈھارس بندھانے والا وہاں کوئی نہ تھا۔ نہ چمپاکلی تھی، نہ ناگ پال تھا۔ وہ دشمنوں کے درمیان اکیلی تھی۔ وہ یہ سوچ کر سکون کے ساتھ موہنجودڑو کے اس مندر میں بیٹھی تھی کہ اس کے دشمن اس شہر میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن اگر یہ سچ مچ کوئی جاسوس تھا تو پھر یہ شہر بھی اس کا دشمن ہو گیا تھا۔ صرف ایک شخص ایسا تھا جو اس کے حال کو جانتا بھی تھا اور اُسے ان حالات میں کوئی مشورہ بھی دے سکتا تھا اور یہ شخص پجاری ناتھن تھا جو ناگ پال کے گورو جی کا دوست تھا اور جس کی مدد سے اُسے، چمپاکلی اور ناگ پال کو موہنجودڑو کے اس مندر میں پناہ ملی تھی۔ مگر پجاری ناتھن کے پاس جانے کے لئے کنڈلا کو شہر سے باہر جانا پڑتا تھا۔ ایسی صورت میں یاتری کے بھیس میں آیا ہوا جاسوس ضرور اس کا پیچھا کرے گا۔ وہ نہیں تو اس کا کوئی ساتھی جاسوس کنڈلا کے پیچھے لگ جائے گا اور پھر انہیں علم ہو جائے گا کہ کنڈلا اور رانی چمپاکلی کو موہنجودڑو پہنچانے میں پجاری ناتھن کا ہاتھ ہے۔ اس طرح پجاری ناتھن کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ سب سے زیادہ کنڈلا کو یہ خوف تھا کہ اگر وہ شہر کے دروازے سے نکل کر پجاری ناتھن سے ملنے اُس کے گاؤں کی طرف گئی تو راج گورو کے جاسوس فوراً اُسے دبوچ لیں گے۔ پھر یا تو وہ اُسے وہیں قتل کر ڈالیں گے اور یا اسے اغوا کر کے ناگاپورم کے شاہی محل میں راج گورو مارا کے پاس لے جائیں گے جہاں اس سے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ رانی چمپاکلی کہاں ہے اس پر وحشیانہ تشدد کیا جائے گا۔ اور اگر کنڈلا نے اپنی زبان بند رکھی تو اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھیڑیوں کے آگے ڈال دیئے جائیں گے۔

اس بھیانک سوچ سے کنڈلا اس قدر گھبرائی کہ اُٹھ کر کوٹھڑی سے باہر نکل آئی اور صحن کی دیوار کے پاس آ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ کہیں وہ یاتری جاسوس کہیں چھپا ہوا تو نہیں ہے؟ جب شام ہو گئی اور مندر میں پوجا کا وقت ہو گیا تو کنڈلا کو مندر جانے سے ڈر آنے لگا۔ کیا معلوم وہ جاسوس اُسے وہیں قتل کر کے بھاگ جائے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ موہنجودڑو کے فوجیوں کو بتا دے کہ پرتھی دیوی کے مندر میں جو پجارن پوجا کرتی ہے اس کا نام کنڈلا ہے اور

وہ ناگاپورم شہر کے راجہ کی خاص جاسوس ہے اور یہاں ان کی جاسوسی کرنے آئی ہے۔ اس صورت میں موہنجودڑو کے سپاہی اسے فوراً گرفتار کر کے لے جائیں گے اور اسے وہیں قتل کر دیں گے۔ کنڈلا کو ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگی تھی۔ فکر اور پریشانیوں کے سیاہ بادلوں نے چاروں طرف سے اُسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ وہ پوجا کروانے مندر نہیں جانا چاہتی تھی۔ لیکن گھر میں اکیلی بیٹھتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔ جب پوجا کا وقت قریب آ گیا تو کنڈلا مندر کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کسی بہانے پیچھے دیکھ لیتی تھی کہ کوئی جاسوس اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا؟ مندر میں آ کر پوجا کرواتے اور عورتوں کو تلک لگاتے ہوئے بھی اُس پر ایک قسم کا خوف طاری رہا۔ کوئی مرد پوجا کرنے آتا تو کنڈلا چونک کر اُسے دیکھتی۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہ یاتری جاسوس بھی مندر میں دوبارہ نہیں آیا تھا۔ لیکن اُس کا ایک ساتھی جاسوس چھپ کر کنڈلا کی نگرانی ضرور کر رہا تھا محض اس خیال سے کہ اگر اس پجارن کو معلوم ہے کہ پہلے والی پجارن کہاں گئی ہے تو ہوسکتا ہے وہ اس سے ملاقات کرنے کسی وقت اس کے پاس جائے۔ لیکن راج گورو کے جاسوس ابھی تک ہوا میں تیر چلا رہے تھے۔ نہ تو اُن میں سے کسی نے کنڈلا کو پہچانا تھا کہ یہ رانی چمپاکلی کی سہیلی ہے اور نہ ان میں سے کسی کو ابھی تک یہ یقین تھا کہ اس سے پہلے جو پجارن مندر میں بیٹھتی تھی وہ رانی چمپاکلی ہی تھی۔

جاسوس بھیکو کو بھی اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اُسے ہر حالت میں رانی چمپاکلی کا صرف سراغ ہی نہیں لگانا تھا بلکہ اُس کا سر کاٹ کر راجہ کی خدمت میں پیش کرنا تھا۔ دوسری صورت میں جاسوس بھیکو کا سر راجہ نے کاٹ ڈالنا تھا۔ یہ شک اُسے یقین کی حد تک تھا کہ کنڈلا سے پہلے جو پجارن وہاں بیٹھی تھی وہ رانی چمپاکلی کے سوا دوسری کوئی عورت نہیں تھی۔ لیکن وہاں کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ پہلے والی پجارن اپنے جس گاؤں چلی گئی ہے وہ کہاں پر ہے؟ بھیکو جاسوس نے مندر کے کچھ اور لوگوں سے پہلے والی پجارن کے بارے میں بڑے طریقے سے پوچھ گچھ کی تو سب نے اُس پجارن کی نیلی آنکھیں بتائیں اور کہا کہ سنا ہے وہ اپنے گاؤں چلی گئی ہے۔ مگر وہ گاؤں کہاں پر واقع ہے اس کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔

موہنجودڑو کے بیل دیوتا کا سالانہ تہوار چار دن تک ہوتا تھا۔ بھیکو جاسوس اچھی طرح جانتا تھا کہ چار دن کے بعد باہر سے آئے ہوئے تمام یاتری واپس چلے جائیں گے اور پھر وہ زیادہ دیر تک موہنجودڑو کے راجہ کے جاسوسوں سے اپنے آپ کو نہ چھپا سکے گا۔ وہ سب کی نظروں میں آ جائے گا اور راجہ کے جاسوس اسے ایک نہ ایک دن ضرور پکڑ لیں گے۔ اُسے اپنی جان بھی بچانی تھی۔ وہ چار دن کے اندر اندر رانی چمپاکلی کے گاؤں کا سراغ لگا لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد جاسوس بھیکو کا موہنجودڑو شہر میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لئے کہ دونوں ملکوں کے جاسوس ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔

ان تمام خطرات اور اندیشوں پر اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے بعد جاسوس بھیکو اس نتیجے پر پہنچا کہ ہو نہ ہو یہ جوئی پجارن ہے اس سے پہلے والی پجارن کے گاؤں کا سراغ مل سکے گا۔ چنانچہ اُس نے کنڈلا کو اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جس رات کو اُس نے کنڈلا کو اپنے دوسرے ساتھی جاسوس کی مدد سے اُس کے مکان سے اغوا کر کے فصیل شہر کے باہر ایک خفیہ مقام سے نکال کر موہنجودڑو شہر سے لے جانا تھا اُس رات کنڈلا بھی پجاری ناتھن سے مل کر اُسے حالات کی سنگینی سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ کیونکہ کنڈلا اب اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی تھی۔ اُسے دھڑکا لگا رہتا تھا کہ راج گورو کے آدمی کسی بھی وقت اس کے مکان میں گھس کر یا تو اسے اُٹھا کر لے جائیں گے یا اسے وہیں قتل کر کے پھینک دیں گے۔ کنڈلا دراوڑی قبیلے کے مندر کی بڑی پجارن کی حیثیت سے وہاں رہتی تھی اور شہر کے محافظ اُسے جانتے تھے۔ خطرہ اُسے صرف یہ تھا کہ جب وہ پجاری ناتھن سے ملنے جائے تو راج گورو کے جاسوس اس کا پیچھا کرنا نہ شروع کر دیں یا اُسے راستے میں ہی اغوا نہ کر لیں۔

اُس زمانے کے مندروں میں پجاریوں نے ایسے خفیہ راستے بنائے ہوتے تھے کہ اگر اس ملک پر کوئی دوسرا ملک چڑھائی کر دے تو مندر کے پجاری اور پروہت اس خفیہ راستے سے اپنی جان بچا کر نکل جائیں۔ کیونکہ مندروں میں بعض بت اور مورتیاں سونے کی ہوتی تھیں اور وہاں پجاریوں نے کافی دولت جمع کر کے رکھی ہوتی تھی اور دشمن ملک کے فوجی شاہی محلات کو لوٹنے کے علاوہ مندروں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے اور پجاریوں کو بے دریغ قتل کر دیا کرتے تھے۔ اس مندر میں بھی ایسا ہی ایک خفیہ راستہ تھا جو شہر کی فصیل کے نیچے سے ہو کر شہر سے باہر نکل جاتا تھا اور جس کا مندر کے بڑے پجاری اور پجارن کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ جب شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو کنڈلا چپکے سے مندر کے خفیہ راستے سے ہو کر موہنجودڑو شہر کی جنوبی فصیل سے باہر آ گئی اور پجاری ناتھن کے گاؤں کی جانب چل پڑی جو وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا وہ ایک جگہ رُک گئی اور درخت کی اوٹ میں ہو کر دیر تک پیچھے دیکھتی رہی۔ لیکن جس جاسوس نے اُس کا پیچھا کرنا تھا اور جسے جاسوس بھیکو نے کنڈلا کی نگرانی کرنے پر رکھا تھا وہ تو اس وقت مندر کے بڑے دروازے کے باہر ایک طرف بیٹھا ہوا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد مندر کے دروازے پر نگاہ ڈال لیتا تھا کہ اگر مندر کی پجارن نکل کر کہیں جا رہی ہو تو وہ اس کا تعاقب شروع کر دے۔

جب کنڈلا کو یقین ہو گیا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا جا رہا تو وہ آگے چل پڑی۔ پجاری ناتھن اپنے مکان پر موجود تھا۔ کنڈلا کو دیکھ کر کچھ حیران سا ہوا۔ اُس نے اُسے اپنے سامنے والی چارپائی پر بٹھایا، اُسے دودھ پلایا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے کنڈلا! کوئی خاص بات ہو گئی ہے؟ یہ وقت تو مندر میں پوجا کا ہوتا ہے۔"

کنڈلا نے پجاری ناتھن کو یاتری کے اس کے مکان پر آنے اور اس سے پہلی پجارن یعنی رانی چمپا کلی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سارا واقعہ بیان کر دیا اور کہا۔

"پجاری جی! مجھے شک ہے کہ وہ یاتری، راج گورو کا بھیجا ہوا جاسوس تھا اور رانی چمپا کلی کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ اُس نے مجھے پہچانا تو نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ چونکہ میں نے اسے یہ کہہ دیا ہے کہ پہلی پجارن یعنی رانی چمپا کلی اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ جب اُسے چمپا کلی کا کہیں سراغ نہ ملے تو وہ مجھ سے اُس کے گاؤں کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لئے مجھے اغوا کر لے۔ یا اگر اُسے کسی طریقے سے معلوم ہو گیا کہ میں چمپا کلی کی سہیلی کنڈلا ہوں تو وہ میرا سر کاٹ کر راج گورو کے پاس لے جائے گا۔ سچ پوچھیں تو مجھے تو اس مکان میں اکیلی رہتے ہوئے خوف آتا ہے۔ لگتا ہے کسی بھی وقت کوئی مکان میں گھس کر مجھے قتل کر دے گا۔ اس لئے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ تمام حالات سے واقف ہیں۔ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟"

پجاری ناتھن بڑی توجہ سے کنڈلا کی باتیں سنتا رہا۔ اس کے بعد کچھ دیر کے لئے سر جھکا کر بیٹھے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اُس نے چہرہ اُٹھا کر کنڈلا کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کنڈلا! تم بڑی خوش قسمت ہو کہ موہنجودڑو سے زندہ نکل کر آ گئی ہو۔ جو حالات تم نے بتائے ہیں ان حالات میں تمہارا اب تک ان لوگوں سے بچ رہنا بڑی ناممکن بات لگتی ہے۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ لیکن اب تم وہاں واپس نہیں جاؤ گی۔ یوں سمجھ لو کہ ناگا پورم کی طرح موہنجودڑو بھی تمہاری جان کا دشمن بن گیا ہے۔"

کنڈلا سہم گئی۔ کہنے لگی۔ "مجھے تو ناگ دیوتا نے بچا لیا۔"

"مجھے خطرہ ہے کہ تمہیں مندر سے نکلتا دیکھ کر راج گورو کا کوئی نہ کوئی جاسوس تمہارا پیچھا کرتا یہاں تک ضرور آیا ہو گا۔" پجاری ناتھن نے قدرے تشویش کے ساتھ کہا۔

کنڈلا فوراً بولی۔ "پجاری جی! میں مندر کے دروازے سے نکل کر نہیں آئی۔ میں مندر کے خفیہ دروازے سے نکل کر آئی ہوں جس کا سوائے میرے اور دوسرے بڑے پجاری کے کسی دوسرے کو علم نہیں ہے۔"

پجاری ناتھن نے اطمینان کا سانس لیا اور بولا۔ "یہ تم نے بڑی عقل مندی کی۔ ورنہ تم بھی ہمارے ساتھ میں بھی مارا گیا تھا۔"

پجاری ناتھن افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "رانی چمپا کلی اور ناگ پال بھی کیا قسمت لے کر اس سنسار میں آئے ہیں۔ پہلے اپنا ملک اُن کی جان کا دشمن ہوا۔ پھر جس ملک میں اُنہیں پناہ ملتی تھی وہ بھی ان کا دشمن ہو گیا۔ چمپا کلی ناگ پال کو چھوڑ کر بھگوان جانے کہاں چلی گئی

اور ناگ پال اُس کی جدائی میں دربدر ہوگیا۔ ایک تم ان دونوں کی رازدار تھیں، اب تمہیں بھی گھر سے بے گھر کر دیا گیا ہے۔''

کنڈلا آہ بھر کر بولی۔ ''میرے بھاگ میں یہی لکھا تھا پجاری جی! ہونی کو کون ٹال سکتا ہے؟ میں تو سوچتی ہوں کہ اب کہاں جاؤں گی؟ رانی جی مجھے چھوڑ گئیں، ناگ پال بھی چلا گیا۔ میرا اس دنیا میں کون ہے جس کے پاس جاؤں گی۔''

پجاری ناتھن نے کنڈلا کو تسلی دی اور کہا۔ ''ہم ابھی زندہ ہیں بیٹی! اور جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ تم ہمارے پاس رہو گی۔''

کنڈلا نے پجاری ناتھن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ موہنجودڑو کے قریب رہتے ہیں۔ میں آپ کے پاس آ گئی تو ایک نہ ایک دن راج گورو کے جاسوسوں کو پتہ چل جائے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ بھی کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔''

پجاری ناتھن نے کہا۔ ''اس وقت تک راج گورو کے جاسوسوں میں سے کسی کو معلوم نہیں ہے کہ تم مندر سے نکل کر میرے پاس آئی ہو۔''

کنڈلا نے کہا۔ ''لیکن آج نہیں تو کل اُنہیں پتہ چل جائے گا۔''

پجاری ناتھن نے جواب دیا۔ ''جب تم یہاں موجود ہی نہیں ہو گی تو کسی کو کیسے پتہ چلے گا کہ تم یہاں ہو؟''

کنڈلا نے تعجب سے پوچھا۔ ''میں سمجھی نہیں پجاری جی۔''

ناتھن پجاری کہنے لگا۔ ''میں نے اس کا حل سوچ لیا ہے۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے میں خود تمہیں ایسی جگہ چھوڑ آؤں گا جہاں تمہیں اپنے گھر جیسا ماحول ملے گا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی کہ تم وہاں پر ہو۔ جتنی دیر تک رانی چمپاکلی کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے اتنی دیر تک تم بڑے آرام سکون سے وہاں رہو گی۔''

کنڈلا نے پجاری جی سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور مناسب بھی نہ تھا کہ وہ جگہ کہاں پر ہے اور وہاں کون لوگ رہتے ہیں؟ اُس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ پجاری ناتھن اُسے جہاں لے جا رہے ہیں وہاں اس کی جان دشمنوں سے محفوظ ہو گی۔

پجاری ناتھن نے کنڈلا سے کہا کہ وہ کھانا کھا کر کچھ دیر کے لئے سو جائے۔ کنڈلا کو نیند کہاں آتی تھی۔ پھر بھی کھانا کھانے کے بعد وہ لیٹ گئی اور اُسے نیند آ گئی۔ پجاری ناتھن نے آدھی رات گزر جانے کے بعد اُسے جگا دیا۔ پجاری ناتھن کے نوکر نے دو برق رفتار اُونٹنیوں کو تیار کر رکھا تھا۔ کنڈلا نے پوچھا۔

''آگے کتنا سفر ہو گا پجاری جی؟''

پجاری ناتھن نے کہا۔ ''کل دوپہر کے بعد ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔''

وہ اُونٹنیوں پر سوار ہو گئے، اُنہیں ایڑ لگائی اور اُونٹنیاں گاؤں سے نکل کر رات کی تاریکی میں ایک طرف دوڑنے لگے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آج سے تین چار ہزار برس پہلے شہروں کی آبادیاں آج کل کے مقابلے میں بہت کم ہوتی تھیں۔ لیکن یہ سنی سنائی باتیں ہیں۔ مستند تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس زمانے میں بھی شہروں کی آبادی اپنے وقت کے حساب سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ قدیم بابل کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ شہر بہت گنجان آباد تھا۔ اس کے مکان چار چار، چھ چھ منزلہ ہوتے تھے۔ بازاروں میں رتھ، پالکیاں اور چھکڑے ہر وقت چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ یہی حال اُس زمانے کے موہنجودڑو اور ہڑپہ شہروں کا تھا۔ یہ شہر بھی گنجان آباد تھے۔ آبادی بہت زیادہ تھی۔ لیکن بابل اور نینوا کے شہروں کے برخلاف موہنجودڑو شہر کے مکانات بڑے سلیقے اور ترتیب سے بنائے گئے تھے۔ سڑکیں بالکل سیدھی تھیں۔ پیدل چلنے کے لئے فٹ پاتھ بنے ہوئے تھے۔ گندے پانی کے نکاس کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔ ہر گھر میں ایک کنواں ضرور ہوتا تھا۔ اس قدیم ترین شہر کے آثارِ قدیمہ کے جائزے اور بعض کھنڈرات کے مشاہدے سے ماہرین آثارِ قدیمہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آج سے چار ہزار بلکہ ساڑھے چار ہزار برس پہلے اس شہر کی آبادی اتنی بڑھ چکی تھی کہ دن کے وقت بازاروں میں کندھے سے کندھا چھلتا تھا۔ مگر شہروں کے درمیان دیہات بہت کم ہوتے تھے اور بڑے فاصلے ہوتے تھے۔ آج کا موہنجودڑو کا علاقہ جو صوبہ سندھ میں ہے زیادہ تر ریتلا اور خشک ہے۔ مگر آج سے ساڑھے چار ہزار برس پہلے یہاں جنگل بھی تھے اور کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی تھی۔ اس زمانے میں اس علاقے کو دو دریا سیراب کرتے تھے۔ ایک دریائے سندھ تھا جو آج بھی موجود ہے۔ دوسرا ایک اور دریا تھا جس کا نام تاریخ کی کتابوں میں دریائے سرسوتی بتایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دریا کا پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہو گیا اور پھر ساٹھ ستر برس گزر جانے کے بعد یہ دریا خشک ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ دریا زمین کے نیچے چلا گیا تھا جہاں آج بھی وہ بہہ رہا ہے۔

پجاری ناتھن بھی کنڈلا کو لے کر جس طرف جا رہا تھا وہاں سرسوتی دریا ایک ٹیلے کا چکر کاٹ کر آگے نکل جاتا تھا۔ اس دریا کا پاٹ دریائے سندھ جتنا بڑا نہیں تھا۔ دن نکلنے پر پجاری ناتھن اور کنڈلا دریا کے اس ٹیلے والے موڑ پر پہنچ گئے تھے۔ یہاں دریا پر ایک گھاٹ بنا ہوا تھا۔ دیہات کے لوگ خود بھی اور اپنے مال مویشیوں کو بھی یہاں سے دریا پار کراتے تھے۔ کنڈلا اور ناتھن بھی یہاں پر ایک بیڑے میں اُونٹنیوں کے ساتھ سوار ہوئے اور دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں اُنہوں نے منہ ہاتھ دھو کر اُس زمانے کے رواج کے مطابق وہاں جو کچھ کھانے کو ملتا تھا اس سے ناشتہ کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

پجاری ناتھن نے کہا۔ ''ہماری منزل یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ ہم دوپہر کے بعد

وہاں پہنچ جائیں گے۔''

اور ایسا ہی ہوا۔ دریا کے گھاٹ سے وہ اُونٹنیوں پر سوار ہو کر چلے اور جب دوسرا پہر گزر رہا تھا تو کنڈلا کو دُور درختوں کے دو تین جھنڈ نظر آئے۔ ناتھن نے اُس طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ وہ آشرم ہے جہاں ہمیں جانا ہے۔''

''یہ کیسا آشرم ہے؟'' کنڈلا نے پوچھا۔

پجاری ناتھن کہنے لگا۔ ''اسے جوگن ماتا کا آشرم کہتے ہیں۔ بس اس کا یہ نام پڑ گیا ہے۔ اصل میں یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جہاں لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور سادگی سے رہتے ہیں اور آپس میں پیار محبت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ناگ ماتا کی پوجا کرتے ہیں۔ گاؤں میں ناگ دیوتا کا ایک چھوٹا سا مندر بھی ہے۔ جوگن ماتا اس مندر کی بڑی پجارن ہے۔ جوگن ماتا نے شادی نہیں کی۔ اب وہ بوڑھی ہو گئی ہے اور ناگ دیوتا کے مندر کی ایک کوٹھڑی میں رہتی ہے اور پوجا پاٹھ میں وقت گزارتی ہے۔''

کنڈلا نے پوچھا۔ ''کیا میں اس مندر میں رہوں گی؟''

ناتھن بولا۔ ''گاؤں میں میری ایک بڑی بہن رہتی ہے۔ تم اُس کے پاس رہو گی۔ اُس کا نام جامنی ہے۔ جامنی، ناگ مندر میں پوجا پاٹھ میں جوگن ماتا کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ تم میری بہن جامنی کے گھر پر رہو گی۔ میری بہن جامنی کا خاوند جوانی میں ہی مر گیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے شادی نہیں کی۔ اس کی بھی کوئی اولاد نہیں ہے۔ تم اُسے مل کر اور وہ تمہیں مل کر بڑی خوش ہو گی۔ کیونکہ اُسے ایک اچھی سہیلی مل جائے گی۔''

تھوڑی دیر بعد کنڈلا اور پجاری ناتھن گاؤں میں پہنچ گئے۔ چھوٹا سا گاؤں تھا۔ دُور دُور درختوں کے جھنڈوں کے نیچے پکی اینٹوں کے اک منزلہ مکان بنے ہوئے تھے۔ گاؤں کے باہر کچھ کھیت نظر آ رہے تھے جن میں فصل اُگی ہوئی تھی۔ اپنے بھائی کو دیکھ کر پجاری ناتھن کی بہن جامنی بڑی خوش ہوئی۔ ناتھن نے جامنی سے کنڈلا کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''یہ کنڈلا ہے۔ اسے اپنی چھوٹی بہن ہی سمجھو۔ یہ آج سے تمہارے پاس رہے گی۔ اگر تم پسند کرو تو یہ ناگ دیوتا کے مندر میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ بس میں اسے تمہارے پاس چھوڑنے ہی آیا ہوں۔''

ناتھن کی بڑی بہن بڑھاپے کی منزل کو پہنچ چکی تھی۔ دُبلی پتلی، گہرے سانولے رنگ کی تھی۔ چہرے سے رحم دلی اور پیار محبت ٹپکتا تھا۔ اُس نے کنڈلا کو گلے لگایا اور بولی۔ ''میرے بھائی کی چھوٹی بہن ہو تو میری بھی چھوٹی بہن ہو۔ اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔''

پجاری ناتھن، کنڈلا کو اپنی بہن کے گاؤں میں چھوڑ کر دوسرے روز صبح صبح موہنجودڑو کی طرف واپس روانہ ہو گیا۔

○

کنڈلا کو جوگن ماتا کے آشرم والے گاؤں میں پجاری ناتھن کی بڑی بہن جامنی کے پاس چھوڑ کر ہم چمپا کلی کی طرف واپس آتے ہیں۔

جب اجنبی نوجوان کوشل، چمپا کلی کو بازوؤں پر اُٹھا کر جھاڑیوں میں لے گیا تھا تو چمپا کلی نے ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کی تھی بلکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ اپنا جسم شکاری بلے کی آنکھوں اور گھنے سیاہ بالوں والے اس نوجوان کے حوالے کر دے جس کی زبان سے اُس نے پہلی بار اپنے جسم کی تعریف سنی تھی۔ چنانچہ جب وہ اُس نوجوان کے ساتھ جھاڑیوں سے باہر نکلی تو اپنے جسم کے ساتھ اپنی پوری شخصیت اور اپنا پورا مستقبل اس نوجوان کوشل کے سپرد کر چکی تھی۔ نوجوان کوشل نے اپنا ہاتھ چمپا کلی کی کمر میں ڈال رکھا تھا اور اُسے لے کر اُس جنگل کی طرف جا رہا تھا جہاں اُس کا ڈیرہ تھا۔

جنگل میں ایک کھلی جگہ پر یہ ڈیرہ تھا جو چار دیواری میں گھرا ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ بنے ہوئے تین کوٹھڑی نما کمرے تھے۔ ایک طرف چھپر کے نیچے بیل وغیرہ بندھے ہوئے تھے۔ کوشل کو دیکھ کر ایک نوکرانی اور دو نوکر دوڑے آئے۔ نوکرانی کے ہاتھ میں تانبے کا طشت تھا جس میں ٹھنڈے مشروب سے بھرا ہوا جگ اور دو کٹورے رکھے تھے۔ اُس نے سر جھکا کر طشت آگے کر دیا۔ کوشل نے کٹورے میں ٹھنڈا مشروب ڈال کر پہلے چمپا کلی کو دیا، پھر کٹورہ بھر کر خود مشروب پیا اور چمپا کلی کو ساتھ لے کر صحن میں سے گزرتا ایک بڑے کمرے کی طرف بڑھا جس کی پختہ اینٹوں کی دیواروں پر گلابی مٹی کا پوچا پھرا ہوا تھا اور ایک طرف دیوار پر ایک رقص کرتی عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ کمرے میں آبنوس کی لکڑی کا ایک بہت بڑا پلنگ بچھا تھا جس پر سرخ ریشمی چادر بچھی تھی اور تکیے لگے تھے۔ دیوار کے ساتھ بیٹھنے کے لئے لکڑی کے تخت لگے تھے جن پر جانوروں کے نرم پروں سے بھرے ہوئے گدے بچھے تھے۔ دیواروں پر مختلف جنگلی جانوروں کے کٹے ہوئے سر لگے تھے۔ پلنگ کے اُوپر دیوار پر ایک شیر کا کٹا ہوا سر لگا تھا۔ سامنے والی دیوار پر ایک ڈھال اور اس کے دونوں جانب تلواریں لگی تھیں۔

کمرے کا ماحول کسی محل کی بجائے وحشی درندوں سے بھرے ہوئے کسی جنگل کا نقشہ پیش کر رہا تھا جو چمپا کلی کو بڑا اچھا لگا۔ کمرے کی فضا میں امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اور شاہی محلوں کی خواب گاہوں والی نزاکت اور زنانہ پن کے اُلٹ ایک کھردرا پن اور مردانہ پن تھا جس نے چمپا کلی کے جسم کے روئیں روئیں کو بیدار کر دیا تھا۔

کوشل نے چمپا کلی کو اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا اور اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''نوکرانی تمہیں پیچھے تالاب پر اشنان کرانے لے جائے گی۔ میں اسے کہہ دوں گا وہ

تمہیں نئی ساڑھی بھی پہننے کو دے گی۔ اب ان بسنتی کپڑوں کو پہننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

کوشل کی آنکھوں میں کسی پیاسے درندے کی سی چمک تھی۔ یہ چمک چمپا کلی کے اندر کی پیاس کو اور بھڑکا رہی تھی۔ اُس نے نیم وا آنکھوں سے کوشل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''جب سے تم نے میرے جسم کی محبت کی بات کی ہے، نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے؟''

کوشل قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اُس کے مضبوط چوڑے دانت سارے کے سارے نظر آنے لگے۔ اُس نے ایک ہاتھ کی اُنگلیوں سے اپنی بڑی بڑی سیاہ مونچھوں کو ذرا ذرا اُوپر کرتے ہوئے کہا۔ ''سب کچھ جان جاؤ گی چمپا جی!'' اور ایک اور قہقہہ لگا کر وہ خود بھی نہانے چل دیا۔

تالاب پر نہانے کے بعد چمپا کلی نوکرانی کے ساتھ خواب گاہ میں آئی تو اُس کے جسم پر فیروزی رنگ کی بڑی خوبصورت ساڑھی اُس زمانے کی عورتوں کے سٹائل کے مطابق بندھی تھی۔ سر پر زرد رومال کی بجائے نیلے رنگ کا ریشمی رومال بندھا تھا۔ یہ سوچ کر اُسے بڑی خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ اب جو چھوٹے چھوٹے بال اُس کے سر پر آئے ہوئے ہیں کوئی انہیں مونڈے گا نہیں بلکہ بہت جلد یہ ریشمی بال بڑے ہو کر اس کے شانوں پر لہرایا کریں گے۔

کوشل بھی نیلے رنگ کی اُس زمانے کے ڈیزائن کی جیکٹ اور دھوتی پہن کر خواب گاہ میں آ گیا۔ جڑاؤ بازو بند اُس کے دونوں بازوؤں پر تھے۔ گلے میں موتیوں کی نئی مالا تھی جس کے آگے شیر کا پنجہ لٹک رہا تھا۔ اُس نے چمڑے کے چپل پہن رکھے تھے۔ کمرے کے وسط میں شیر کی کھال پر ایک چوکی سجا دی گئی تھی۔ نوکرانیوں نے اس پر کھانا چن دیا تھا جس پر ہر قسم کے شکاری پرندوں کا بھنا ہوا گوشت اور خوشبو دار چاول اور ٹھنڈا مشروب تھا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ سورج ڈھل چکا تھا جب دونوں بیدار ہوئے۔ کوشل نے چمپا کلی کو لکڑی کے ایک صندوق میں سے مختلف جنگلی درندوں کی کھالیں نکال کر دکھائیں۔ مور کے نیلے اور سفید پروں کو جوڑ کر بنایا گیا ایک دستی پنکھا دکھایا جو چمپا کلی کو بڑا پسند آیا۔ کوشل نے کہا۔

''یہ تم اپنے پاس رکھو چمپا جی! یہ تو پنکھا ہے تم کہو گی تو میں نیلے اور سفید زندہ مور لا کر تمہاری خدمت میں پیش کروں گا۔'' اور کوشل قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

دو راتیں جنگل والے ڈیرے پر گزارنے کے بعد چمپا کلی، کوشل کے ساتھ اُس کی جاگیر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد کوشل کی آبائی جاگیر کے اُونچے اُونچے کھجوروں کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ کوشل نے ان درختوں کی طرف اشارہ کر کے چمپا کلی کو بتایا کہ یہ اس کی جاگیر کے درخت ہیں جن کا پھل شہد سے زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ کوشل کی جاگیر قدیم دریائے سرسوتی کے بائیں جانب ایک جنگل کے کنارے ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان واقع تھی۔ پختہ اینٹوں کی بلند چار دیواری کے درمیان ایک کشادہ باغ تھا جس کی

یاریوں میں موسم کے پھول کھل رہے تھے۔ باغ کے وسط میں ایک محل نما حویلی تھی جس کی چھت کی دیواروں پر مختلف رنگوں میں نیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ یہاں شکاری جاگیردار نوجوان کوشل رہتا تھا۔ حویلی کے کمروں کی دیواریں دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کی بجائے جنگل کے وحشی درندوں کے سروں اور شیروں اور چیتوں کی کھالوں سے سجی ہوئی تھیں۔ خواب گاہ میں بڑے پلنگ کے قریب ایک زرد اور نسواری دھاری دار بھُس بھرا شیر پورے قد کے ساتھ اپنے جبڑے کھولے نوکیلے دانت نکالے کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں زیتون کے تیل سے جلنے والے فانوسوں کی روشنی میں زرد قیمتی ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ خواب گاہ کی ایک دیوار پر جو پلنگ کے پہلو میں تھی دو نوجوان عورتوں کی تصویر دیوار تراش کر بنائی گئی تھی۔ ان عورتوں کو دریا میں اشنان کرتے دکھایا گیا تھا۔

چمپا کلی شام کا کھانا کھانے کے بعد جب آرام کرنے کے لئے کوشل کے ساتھ خواب گاہ میں آئی تو اُس نے دریا میں اشنان کرتی تصویر کی طرف دیکھ کر کوشل سے پوچھا۔

''تمہیں دریا میں اشنان کرتی عورتیں بہت پسند ہیں؟''

کوشل نے ہنس کر اُنگلیوں سے اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو دو تین بار اُوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں...... مجھے اشنان کرتی عورتیں اچھی لگتی ہیں۔''

اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اُس نے چمپا کلی کو اپنے ساتھ لگا کر بھینچ لیا۔ چمپا کلی نے جب سے اپنے دل کی مرضی کے ساتھ اپنے آپ کو کوشل کے حوالے کر دیا تھا۔ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے اس فیصلے پر پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ حقیقت میں اُسے کوشل کے لئے ہی دنیا میں پیدا کیا گیا تھا جو ایک تھکا دینے والی تلاش کے بعد اُسے ملا تھا۔ جن شعلہ صفت وحشی جذبوں کو وہ مندروں کی تقدیس آمیز فضاؤں اور شاہی محلات کی شان و شوکت اور جاہ و جلال میں تلاش کرتی رہی تھی۔ وہ اُسے کوشل کی حویلی کی وحشی درندوں کی کھالوں اور کٹے ہوئے سروں سے سجی ہوئی دیواروں کے ماحول میں اس سے ہم آغوش ہوئے تھے۔ چمپا کلی کو جیسے جنگل میں بہنے والا وہ چشمہ مل گیا تھا جو اُس کی پیاسی تمناؤں کو سیراب کر سکتا تھا۔ اُس نے اپنے ماضی کو بھلا دیا تھا جو اُس کے نزدیک اسی قابل تھا کہ اسے بھلا دیا جائے۔ کوشل سے ملنے کے بعد چمپا کلی کو یقین ہو گیا کہ جو ماضی اُس نے مندروں میں دیوتاؤں کی مورتیوں کے آگے رقص کرتے اور شاہی محلات کی خونی سازشوں میں ملوث رہ کر اور ناگ پال کے سرد اور ویران جذبات کے ماحول میں ڈر ڈر کر بسر کیا تھا وہ اُس کا ماضی نہیں تھا بلکہ وہ کسی اور عورت کا ماضی تھا جسے وہ بسر کر رہی تھی۔ کوشل کے ساتھ اُس کی زندگی کا حقیقی مستقبل شروع ہوا تھا جو اُس کی اپنی زندگی کا اپنا مستقبل تھا۔ ناگ پال اُسے کسی دوسری عورت کے گزرے ہوئے زمانے میں ملا ہوا کوئی اجنبی آدمی لگنے لگا۔

چمپا کلی کے جذبوں کے سمندر میں اچانک بیدار ہو جانے والا ایک ایسا طوفان تھا جسے اُس نے اپنی زندگی کا مستقل رُوپ سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ منہ زور جذبوں کے بہاؤ میں بہہ جانے والی چمپا کلی کی زندگی کی یہ سب سے بڑی حقیقت بھی تھی اور اُس کی حیاتِ فانی کی سب سے بڑی بھول بھی تھی۔ جن راستوں کے نشیب و فراز میں سے اُسے اپنی آتما، اپنی رُوح کی اُنگلی پکڑ کر گزرنا چاہئے تھا، چمپا کلی اُن راستوں پر فنا ہو جانے والی تمناؤں کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اکیلی چل پڑی تھی اور اُس کا جو المناک انجام ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

چمپا کلی نے کوشل کی جاگیر میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ آدمی پر جب اُس کے گناہوں کی وجہ سے کوئی عذاب آنے لگتا ہے تو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اُس کی عقل اُس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ چمپا کلی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اُس نے عقل کا دامن چھوڑ کر حیوانی خواہشات کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا جو قدرت کے بنائے ہوئے انسانی بھلائی کے اصولوں کے خلاف بغاوت تھی۔ لیکن اس وقت چمپا کلی حرص و ہوس کی تیز آندھیوں میں اُڑی جا رہی تھی۔ اُسے اچھائی برائی کی کوئی تمیز نہیں رہی تھی۔ وہ کوشل کے حیوانی پیار کو ہی اپنی زندگی کا اعلیٰ اور ارفع مقصد سمجھ رہی تھی۔ لیکن کوشل ایک اوباش آدمی تھا۔ وہ صرف عورتوں کے جسموں سے کھیلنا جانتا تھا۔ وہ حیوانی جذبوں کا پجاری تھا۔ جنگلی درندوں کو شکار کرتے کرتے وہ خود حیوان بن گیا تھا۔ جنگلی جانوروں میں رہ رہ کر اُس کے اندر جنگلی جانوروں کی خصلت پیدا ہو گئی تھی۔ چمپا کلی کی طرح وہ بھی بھول گیا تھا کہ انسان اور حیوان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حیوان تو پھر بھی حیوان ہی رہتا ہے لیکن آدمی جب حیوان بنتا ہے تو حیوان سے بھی دس قدم آگے نکل جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جب آدمی خود خدا کے قہر کو آواز دے کر بلاتا ہے اور پھر خدائی قہر نازل ہو کر رہتا ہے۔

شروع شروع میں کوشل کے ساتھ رہتے ہوئے چمپا کلی کے دن اور راتیں عیش و آرام اور لذت پرستیوں میں گزر رہی تھیں۔ دن کے وقت وہ کوشل کے ساتھ جنگلی درندے پکڑنے اور دوسرے جانوروں کا شکار کرنے جنگل میں جاتی۔ جنگل میں گونجتی ہوئی شیروں کی دھاڑ اُس کے دل کو بڑی تسکین دیتی۔ وہ کوشل کے ساتھ لگ جاتی اور اُسے دھاڑتے شیروں پر تیر چلاتے دیکھتی۔ رات کو وہ نہا دھو کر سولہ سنگھار کرتی، اپنے جسم کو قسم قسم کی خوشبوؤں میں بساتی اور کوشل کی آغوش میں بیٹھ کر ملک بابل اور نینوا سے منگوائی ہوئی سرخ شراب کے جام لنڈھاتی۔ وقت گزرتا چلا گیا اور جیسے کہ ہوا کرتا ہے وقت کے ساتھ ساتھ چمپا کلی سے کوشل کا جی بھر گیا۔ جس چمپا کلی کے جسم سے وہ دیوانہ وار پیار کرتا تھا اب اُس جسم میں اُسے عیب نظر آنا شروع ہو گئے۔ اُسے چمپا کلی کے منڈے ہوئے سر کے کھنکھنی بال برے لگنے لگے۔ اُسے محسوس ہوتا کہ چمپا کلی کا جسم بھدا ہے، بے ڈول ہے۔ وہ چمپا کلی سے بے اعتنائی برتنے لگا۔

اب وہ راتوں کو غائب ہو جاتا اور چمپا کلی کی بجائے کسی دوسری جگہ جا کر دادِ عیش دیتا۔

چمپا کلی نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ کوشل اب اس سے دُور دُور رہنے لگا ہے۔ لیکن چمپا کلی نے اپنے جسم کی آگ جو اپنے ہاتھوں بھڑکائی تھی اس کے شعلے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ جتنا کوشل کے قریب جاتی، کوشل اتنا ہی اس سے دُور بھاگنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک بار جب وہ جنگلی جانوروں کا قافلہ لے کر بابل گیا اور واپس آیا تو اپنے ساتھ ایک نوجوان عورت بھی لیتا آیا۔ یہ عورت حسین جسم والی تھی۔ کوشل نے اُسے چمپا کلی سے ملایا اور کہا۔

''چمپا! اس کا نام بوشالی ہے۔ میں نے اسے سونے کے ایک ہزار سکوں کے عوض خریدا ہے۔ یہ تمہاری سہیلی بن کر تمہارے ساتھ رہے گی۔''

چمپا کلی پر کوشل کے یہ جملے بجلی بن کر گرے لیکن وہ خاموش رہی۔ خاموش رہنے کے سوا وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کر کوشل کے ساتھ آ گئی تھی۔ واپس جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بابل کی بوشالی نے آہستہ آہستہ چمپا کلی کی جگہ لے لی۔ کوشل نے چمپا کلی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا اور نئی حسینہ کے ساتھ اپنی حیوانی زندگی کا نیا دور شروع کر دیا۔

چمپا کلی نے اندر ہی اندر جلنا شروع کر دیا۔ وہ کوشل کی جاگیر کی چار دیواری میں مجبور اور بے بس پرندے کی طرح قید ہو کر رہ گئی۔ لیکن آخر اُس نے بغاوت کر دی اور اس قید سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن اُس نے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا۔ جب رات اندھیری ہو گئی، ہر طرف خاموشی چھا گئی اور کوشل بھی اپنی نئی حسینہ کے ساتھ دادِ عیش دیتے ہوئے سو گیا اور خواب گاہ کی روشنی گل ہو گئی تو چمپا کلی اپنی چارپائی سے اُٹھی، دبے پاؤں کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر صحن میں آ گئی۔ حویلی کی چار دیواری کا ایک ہی دروازہ تھا جو رات کو بند ہو جاتا تھا اور پہرے دار وہاں پہرہ دیتا تھا۔ چمپا کلی نے ایک درخت کو دیکھ رکھا تھا جس کی ٹہنیاں حویلی کی دیوار پر جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر چلتی ہوئی اُس درخت کے پاس آئی۔ درخت کی ٹہنیوں کو پکڑ پکڑ کر وہ اُس پر چڑھ گئی اور دیوار پر اُتر کر بیٹھ گئی۔ درخت کی ایک لمبی ٹہنی دیوار کی دوسری طرف لٹکی ہوئی تھی۔ چمپا کلی اُس ٹہنی کو پکڑ کر نیچے لٹک گئی۔ زمین اُس سے کوئی دس پندرہ فٹ نیچے تھی۔ اُس نے ٹہنی کو جھولا جھلا کر نیچے کیا اور ہاتھ چھوڑ دیئے، وہ زمین پر آ گری۔ جیسے ہی وہ زمین پر گری کسی نے قریب سے آواز دی۔

''کون ہے؟''

چمپا کلی وہیں سہم کر بیٹھی رہی۔ آسمان پر ساتویں آٹھویں تاریخوں کا چاند نکلا ہوا تھا۔ اُس کی ہلکی ہلکی روشنی میں چمپا کلی نے ایک آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اُس آدمی نے ہاتھ میں نیزہ پکڑ رکھا تھا۔ وہ رات کو گشت لگانے والا پہریدار تھا۔ اُس نے چمپا کلی کو پہچان لیا۔ اُس پر چمپا کلی کی حقیقت کھل چکی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا مالک اب اس عورت کو نوکرانی

سے زیادہ نہیں سمجھتا اور اسے الگ کوٹھڑی دے رکھی ہے جہاں وہ نوکرانیوں کی طرح رہتی ہے۔

پہریدار نے گرج دار آواز میں پوچھا۔ ''دیوار پھاند کر کہاں جا رہی ہو؟''

چمپا کلی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں حویلی میں نہیں رہنا چاہتی۔''

پھر چمپا کلی نے اُٹھ کر اپنی بانہیں پہرے دار کی گردن میں ڈال دیں اور دل کو لبھا دینے والی آواز میں کہا۔ ''مجھے یہاں سے نکال دو... میں تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔''

پہریدار نے چمپا کلی کی بانہوں کو جھٹک دیا اور اُس کو بازو سے پکڑ کر بولا۔

''میں مالک کا نمک حرام نہیں ہوں۔ چلو میرے ساتھ حویلی میں...'' پہریدار چمپا کلی کو کھینچتا ہوا حویلی کے اندر لے آیا اور ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ صبح ہوئی تو وہ اپنے مالک کوشل کے پاس گیا اور اُسے رات والا واقعہ بتا کر بولا۔

''مالک! اگر میں عین موقع پر وہاں نہ آ جاتا تو یہ عورت حویلی سے فرار ہو گئی ہوتی۔''

اس پہریدار کو بھی معلوم تھا کہ اُس کے مالک کا جب ایک عورت سے جی بھر جاتا ہے تو وہ اُس کو حویلی سے باہر کسی دوسرے شہر میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس بات کو وہ اپنی بے عزتی سمجھتا ہے کہ جو عورت اس کی داشتہ بن کر رہ چکی ہو وہ کسی دوسرے مرد کے پاس جائے۔ اسی وجہ سے پہریدار، کوشل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چمپا کلی کو پکڑ کر حویلی میں واپس لے آیا تھا۔ یہ سن کر کہ چمپا کلی نے حویلی سے فرار ہونے کی کوشش کی ہے، کوشل کا خون کھول اُٹھا۔ اُس نے پہریدار سے پوچھا۔

''چمپا کہاں ہے؟''

پہریدار نے اُسے بتایا کہ اُس نے چمپا کو ایک کال کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے اور باہر سے تالا لگا دیا ہوا ہے۔ کوشل نے پہریدار کو شاباش دی اور اپنا قیمتی بازو بند اُتار کر انعام کے طور پر بھی دیا اور کہا۔

''چمپا کی نگرانی کرتے رہو۔ خبردار! وہ کوٹھڑی سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔''

پہرے دار نے سر جھکا کر کہا۔

''مہاراج! میں آپ کا نمک خوار ہوں۔ جب تک آپ حکم نہیں دیں گے چمپا کال کوٹھڑی میں بند رہے گی۔''

کوشل نے اُسے حکم دیا۔ ''چمپا کو کوٹھڑی سے نکال کر اصطبل کے پیچھے والی کوٹھڑیوں میں سے ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اُس کے پاؤں میں زنجیر باندھ دو۔''

پہریدار سر جھکا کر بولا۔ ''جو حکم مہاراج...!'' پہریدار سمجھ گیا کہ اس عورت چمپا کلی کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو اس سے پہلے ان عورتوں کا ہوا تھا جن سے اس کے مالک کا جی بھر گیا تھا اور انہیں زنجیر ڈال کر کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔

وہ اسی وقت کال کوٹھڑی کی طرف گیا، تالا کھولا اور اندر داخل ہو کر چمپا کلی سے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ!''

چمپا کلی خاموش تھی۔ اُس نے پہریدار سے کچھ نہ پوچھا کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔ پہریدار نے اُسے اپنے ساتھ لیا اور اصطبل کے پیچھے جو کوٹھڑی تھی اُس میں لے آیا۔ تب چمپا کلی نے پوچھا۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

پہرے دار نے کوئی جواب نہ دیا۔ کوٹھڑی میں زمین پر بوری بچھی ہوئی تھی۔ فضا میں عجیب قسم کی ناگوار بو پھیلی تھی۔ کوٹھڑی کے کونے میں لکڑی کا ایک کھمبا زمین میں گڑا ہوا تھا اُس کے ساتھ ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی جس کا گچھا سا بنا کر وہیں رکھا ہوا تھا۔ پہریدار نے زنجیر کا سرا نکال کر ہاتھ میں پکڑا اور چمپا کلی کے پاس آ کر بولا۔

''یہاں بورئیے پر بیٹھ جاؤ!''

چمپا کلی کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ سمجھ گئی اُس کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ پہریدار کا منہ تکنے لگی، پھر کہا۔ ''میں اس کوٹھڑی میں نہیں رہوں گی۔ اپنے مالک سے کہو میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے مالک کے پاس لے چلو۔''

پہریدار نے چمپا کلی کو بازوؤں سے پکڑ کر زبردستی بورئیے پر بٹھا دیا اور اُس کی ایک ٹانگ پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اور اُس کے ٹخنے کے اُوپر زنجیر باندھ کر زنجیر کے کڑے میں چھوٹا تالا لگا دیا اور بولا۔ ''شور مچانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آرام سے یہاں پڑی رہو۔''

پہریدار کوٹھڑی کے دروازے پر جاتے ہوئے تالا لگا گیا۔

آدمی دولت یا اقتدار کے نشے میں مدہوش ہوتا ہے تو وہ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ کوئی اُس کے بھلے کی بات بھی کرے تو وہ اس پر کان نہیں دھرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہی درست ہے۔ وہ اپنی ہر بات کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ سوائے اپنے اُسے ہر شخص بیوقوف نظر آتا ہے۔ لیکن جب وقت کروٹ بدلتا ہے اور اقتدار یا دولت کا نشہ اُتر جاتا ہے تو اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا ہے۔ تب اُسے پتہ چلتا ہے کہ کہاں کہاں اُس نے ٹھوکر کھائی تھی اور کہاں کہاں اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور کہاں کہاں اس نے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ چمپا کلی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ جب تک شکاری کوشل اُس کے جسم کو مورتی بنا کر اس کی پوجا کرتا رہا، قدم قدم پر اُس کی آرتی اُتارتا رہا، اُس کی تعریف کے بھجن گاتا رہا، چمپا کلی یہی سمجھتی رہی کہ دنیا کی کوئی عورت اس کے جسمانی حسن کی برابری نہیں کر سکتی اور اس کی شخصیت کو، اس کے جذبوں کو، اس کے شعلہ صفت احساسات کو، اس کی پیاسی تمناؤں کو اگر کوئی سمجھ سکا ہے تو وہ شکاری کوشل ہی ہے، دوسرا کوئی نہیں ہے۔ اور ناگ

پال تو سمجھ ہی نہیں سکا کہ چمپاکلی کے اندر جو آگ بھڑک رہی ہے اسے کیسے بجھایا جا سکتا ہے۔ وہ اس نشے میں بدمست ہو کر جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھنے لگی تھی۔ عارضی خواہشات کو اُس نے مستقل سمجھ لیا۔ اور جس سانپ کو تھوڑا سا دودھ پلا کر چھوڑ دینا چاہئے تھا چمپاکلی نے اُسے گود میں لے کر اُسے پالنا شروع کر دیا۔

لیکن جب وقتی طور پر آنے والا سیلاب گزر گیا، دریا اُتر گیا، آندھی کا زور ختم ہو گیا تو چمپاکلی کو محسوس ہوا کہ اُس نے جو کچھ کیا ہے، اسے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا اور چمپاکلی کے اعمال نے اس کے لئے جو نتائج مرتب کئے تھے وہ اُسے ہر حال میں بھگتنے ہی تھے۔ وقت کی عدالت نے چمپاکلی کو اُس کے گناہوں کی سزا سنا دی تھی اور اُس کی سزا پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا تھا۔ وقت کی عدالت کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ اس عدالت میں کسی اپیل کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ وقت کی عدالت انسان کے اچھے برے اعمال کی گواہ بھی ہوتی ہے اور انصاف کرنے والی بھی ہوتی ہے۔ چمپاکلی کے گناہوں کی سزا شروع ہو چکی تھی۔

پہریدار اُس کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر کوٹھڑی کو تالا لگا کر چلا گیا اور چمپاکلی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں زمین پر بچھے ہوئے بوسیدہ بوریئے پر اکیلی رہ گئی۔ اُسے محسوس ہوا کہ وہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ہی نہیں ساری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے اور اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔ جنہوں نے چمپاکلی کو اپنا سمجھا تھا انہیں چمپاکلی نے چھوڑ دیا تھا اور جس کو چمپاکلی نے اپنا سمجھا تھا اُس نے چمپاکلی کو دھتکار دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رات روتے، آنسو بہاتے، کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ کوٹھڑی کے روشندان میں سے دن کی روشنی جھلکنے لگی۔ ایک بوڑھی عورت اُس کے لئے کچھ کھانے کو لے کر آ گئی۔ ایک پہریدار اُس کے ہمراہ تھا جو کوٹھڑی کے دروازے پر رُک گیا تھا۔ بوڑھی عورت نے کھانے کی تھالی چمپاکلی کے آگے رکھ دی اور کہا۔

''اسے کھا کر تھالی کونے میں رکھ دینا۔''

یہ کہہ کر عورت چلی گئی۔ کوٹھڑی کو تالا لگا دیا گیا۔ چمپاکلی نے تھالی پر نگاہ ڈالی۔ کچھ چاول تھے جن پر تھوڑی سی دال رکھی ہوئی تھی۔ پانی سے بھرا ہوا ایک کٹورہ پاس ہی پڑا تھا۔ چمپاکلی نے تھوڑا سا پانی پی کر کٹورہ تھالی میں رکھ دیا۔ کھانے کو اُس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب بھوک اُسے نڈھال کرنے لگی تو مجبوراً اُس نے تھوڑے سے چاول کھا لئے۔ وہ اُٹھ کر کوٹھڑی میں ٹہلنے لگی۔ اُس کے پاؤں میں بندھی ہوئی زنجیر اتنی ہی لمبی تھی کہ وہ صرف کوٹھڑی کی دیواروں کے قریب جا سکتی تھی، دیواروں کو چھو نہیں سکتی تھی۔ پھر وہ بوریئے پر آ کر سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گئی۔

چمپاکلی کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ ایک ایسی چاردیواری میں بند کر دی گئی ہے جس کی

دیواریں آسمان کو چھو رہی ہیں اور جہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ قید کی اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں چمپاکلی کی سزا یافتہ زندگی کے شب و روز شروع ہو گئے۔ وہی بوڑھی عورت پہریدار کے ساتھ دن میں دو مرتبہ اُس کی کوٹھڑی میں آتی۔ ایک مرتبہ اُس کے لئے کھانا لے کر آتی اور دوسری دفعہ شام کو کوٹھڑی میں آ کر اُس کے پاؤں کی زنجیر کھولتی اور اُس کی گردن میں رسّی ڈال کر تلوار اور نیزہ بردار دو پہریداروں کی موجودگی میں اُسے رفع حاجات کے لئے جانوروں کے باڑے کے پیچھے لے جاتی۔ ہفتے میں ایک بار یہی بوڑھی عورت چمپاکلی کو پہریداروں کی نگرانی میں جانوروں کے باڑے میں ہی لے جا کر اُسے اشنان کراتی اور کوٹھڑی میں واپس لا کر اُس کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر بند کر دیتی۔ یہ عورت چمپاکلی سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ چمپاکلی اس سے کچھ پوچھتی تو وہ ہوں ہاں میں جواب دے دیتی اور چلی جاتی۔ وہ رانی چمپاکلی جو دن میں دو بار شاہی محل میں غسل کر کے اپنے جسم پر قسم قسم کی خوشبوئیں لگاتی تھی اب ہفتے میں ایک بار اُسے گدلے پانی سے جانوروں کے باڑے میں نہلایا جاتا تھا۔

چمپاکلی نے اپنی زندگی میں ایسا عذاب کبھی نہیں دیکھا تھا جس میں اُسے مبتلا کر دیا گیا تھا۔ کسی جانور کی طرح اُس کے پاؤں میں زنجیر باندھ دی گئی تھی اور اُسے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔ کھانے کو اُسے دن میں صرف ایک بار تھوڑے سے چاول دیئے جاتے تھے۔ وہ سارا دن کوٹھڑی کی حبس آلود فضا میں بند پڑی رہتی۔ صرف شام کے وقت بوڑھی عورت پہریدار کی نگرانی میں اُسے تھوڑی دیر کے لئے نکال کر باہر لے جاتی تھی جہاں چمپاکلی تازہ ہوا میں سانس لے سکتی تھی۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کب تک قید و بند کی صعوبتیں اُٹھاتی رہے گی۔ بوڑھی عورت اُس کے ہر سوال پر خاموش رہتی تھی۔ شکاری کو شکل دیکھنے کا نہ وہاں کوئی سوال پیدا ہوتا تھا اور نہ چمپاکلی اب اُس کی شکل ہی دیکھنا چاہتی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا چمپاکلی کی صحت ماحول کے حبس اور آلودگی اور ناقص اور کم خوراک کی وجہ سے گرنے لگی تھی۔ اُس کے سر پر کافی بال آ گئے تھے لیکن وہ ہر وقت اُلجھے رہتے تھے۔ ان میں کنگھی پھیرنے کے لئے اُس کے پاس کنگھی تک نہیں تھی۔ اُس کا لباس جب بہت گندا ہو کر پھٹنے لگتا تھا تو اُسے دوسری ساڑھی پہننے کو دی جاتی تھی۔ بند کوٹھڑی کی گرمی اور حبس میں اُس کے جسم پر دانے نکلنے لگے تھے۔ اُس کے جسم پر میل جمی رہتی تھی۔ ہفتے میں ایک بار جب وہ پہریداروں کی نگرانی میں باڑے میں جا کر نہاتی تھی تو اپنے جسم کو جتنا صاف کر سکتی تھی کرتی، لیکن ان کے بعد اُس کے بدن پر دوبارہ میل جمنے لگتی۔

○○○

بند کوٹھڑی میں پابند سلاسل رہنے سے اُس کے ذہن پر اثر پڑنے لگا تھا۔ کسی وقت وہ اپنے آپ سے باتیں کرنی شروع کر دیتی، کسی وقت رونے لگ جاتی اور دیر تک روتی رہتی۔ مچھروں نے کاٹ کاٹ کر اُس کے جسم پر نشان ڈال دیئے تھے۔ ایک دن جب بوڑھی عورت اُس کے لئے کھانا لے کر آئی تو چمپا کلی نے ہاتھ باندھ کر روتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

''آخر میں کب تک اس حالت میں رہوں گی؟ اس سے تو بہتر تھا کہ مجھے قتل کر دیا جاتا۔''

بوڑھی عورت اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے چمپا کلی کے چہرے کو تکتی رہی، پھر کہنے لگی۔ ''مہاراج کوشل تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ جب ان کا جی کسی عورت سے بھر جاتا ہے تو وہ اسے اس مال کوٹھڑی میں بند کر دیتے ہیں جیسے تمہیں بند کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس عورت کی لاش ہی یہاں سے باہر جاتی ہے۔''

چمپا کلی نے کہا۔ ''مگر اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے کون سا ایسا جرم کیا ہے جس کی مجھے اتنی سخت سزا دی جا رہی ہے؟''

بوڑھی عورت بولی۔ ''تمہارا قصور یہی ہے کہ تمہارا جسم اس قابل نہیں رہا تھا کہ مہاراج کوشل تمہیں اپنی خواب گاہ میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ تم سے پہلے بھی ہر عورت کا یہی انجام ہوا ہے۔ جس کوٹھڑی میں تم قید ہو یہاں تم سے پہلے میں نے ایسی سات عورتوں کی لاشیں نکلتی دیکھی ہیں جو مہاراج کوشل کی چہیتی داشتائیں تھیں۔ لیکن جب مہاراج کے لئے ان میں کوئی کشش نہ رہی تو انہیں یہاں بند کر دیا گیا۔''

چمپا کلی اپنے بھیانک انجام کا سن کر کانپ اٹھی۔ اُس نے بوڑھی عورت سے کہا۔

''میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، اپنے مہاراج کوشل سے کہو کہ مجھے بے شک قتل کر کے میری لاش حویلی کے دروازے پر لٹکا دے۔''

''کوشل مہاراج نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ جس عورت کے جسم سے میں نے پیار کیا ہو اسے میں قتل نہیں کروا سکتا۔''

چمپا کلی نے تڑپ کر کہا۔ ''لیکن وہ اس عورت کو سسک سسک کر مرتے دیکھ سکتا ہے۔''

بوڑھی عورت بولی۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو۔ مہاراج کوشل شاید یہی چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں بھی سسک سسک کر مرتا دیکھنا چاہتے ہیں۔''

چمپا کلی نے کہا۔ ''کیا تمہارے مہاراج کوشل، بھگوان سے نہیں ڈرتے؟ دیوی دیوتاؤں سے نہیں ڈرتے؟''

بوڑھی عورت بولی۔ ''مہاراج نہ بھگوان کو مانتے ہیں نہ کسی دیوی دیوتا کو مانتے ہیں۔''

''مگر یہ تو ظلم ہے۔'' چمپا کلی نے بے بسی سے کہا۔

بوڑھی عورت نے جواب میں کہا۔

''مہاراج اسے ظلم نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو عورت ایک بار ان کی خواب گاہ میں رہ چکی ہو وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ وہی عورت کسی دوسرے مرد کی خواب گاہ میں جائے۔ وہ جس جانور پر بیٹھتے ہیں اس پر کسی دوسرے کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مہاراج کا جب اس جانور سے جی بھر جاتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دیتے ہیں تاکہ ان کے بعد کوئی دوسرا اس کی سواری نہ کر سکے۔''

چمپا کلی نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''اگر تم بھگوان کو مانتی ہو تو میں اُس کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ مجھے تھوڑا سا زہر لا دو تاکہ میں اسے کھا کر اس عذاب سے نجات حاصل کر لوں۔ مجھ سے یہ عذاب جھیلا نہیں جاتا۔''

بوڑھی عورت نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہ عذاب تو تمہیں زندگی کی آخری سانس تک جھیلنا ہی پڑے گا۔'' اور وہ کوٹھڑی سے نکل گئی۔

چمپا کلی کو نجات کا ایک ہی راستہ نظر آ رہا تھا کہ وہ خودکشی کر لے۔ خودکشی کرنا اُس کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ وہ کوٹھڑی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر سکتی تھی۔ جو زنجیر اُس کے پاؤں میں بندھی تھی اس سے اپنا گلا گھونٹ کر مر سکتی تھی، اپنا سانس روک کر مر سکتی تھی۔ لیکن وہ اپنے اندر خودکشی کرنے کا حوصلہ نہیں پا رہی تھی اس لئے اُس نے خودکشی کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سسک سسک کر مرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ لیکن بوڑھی عورت سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ سسک سسک کر مرنا دیوتاؤں نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ چمپا کلی نے حوصلہ ہار دیا۔ اُس نے اپنی شکست قبول کر لی اور اپنے آپ کو اذیت ناک موت کے حوالے کر دیا...... ایک ایسی موت کے حوالے کر دیا جو ہر روز اُسے مارتی تھی اور ہر روز زندہ کر دیتی تھی تاکہ اُسے ایک بار پھر مار سکے۔

شکاری کوشل کے حکم سے چمپا کلی پر توڑے جانے والے مظالم میں ایک اور ظلم کا اضافہ کر دیا گیا۔ ہفتے میں ایک دن جو اُسے غسل کرنے اور نہانے کی سہولت میسر تھی وہ بھی اُس سے چھین لی گئی۔ اُسے منہ ہاتھ دھونے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اُس کے جسم پر میل کی تہیں جمنا شروع ہو گئیں۔ اُس کے بال جو اب کافی لمبے ہو گئے تھے اُس کے سر پر رسیوں کی طرح لٹکنے لگے۔ اُس کے ناخن بے حد بڑھ گئے۔ ایک روز بوڑھی عورت کھانا لے کر آئی تو

اپنے ساتھ ایک ناخن کاٹنے کا آلہ بھی لائی تھی جس کی مدد سے اُس نے چمپا کلی کے بڑھے ہوئے ناخن کاٹ دیئے۔ چمپا کلی کا ذہن اس قدر ماؤف ہو چکا تھا کہ وہ بوڑھی عورت سے یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ اس کے ناخن کس خوشی میں کاٹے جا رہے ہیں؟ کسی سے بات کرنا تو بڑی دُور کی بات تھی چمپا کلی کے سوچنے سمجھنے کی قوت بھی سلب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اُس کے دل میں نہ کسی سے کوئی گلہ تھا نہ کوئی شکایت تھی۔ اگر کچھ تھا تو پچھتاوے تھے، ندامتیں تھیں، ملامتیں تھیں۔ یہی ایک ورثہ اس کے ماضی کا اس کے پاس رہ گیا تھا جو اس کے احساسات کو کچوکے لگاتا رہتا تھا۔ چادر جتنی سفید ہو، صاف ہو اس پر لگا ہوا داغ اتنا ہی نمایاں دکھائی دیتا تھا۔ چمپا کلی ایک صاف ضمیر عورت تھی۔ ناگ پال سے اُس نے سچا، بے داغ پیار کیا تھا۔ وہ اُس کی پتنی تھی۔ لیکن جب اُس نے ایسے وفا شعار خاوند کے اعتماد کو دھوکہ دیا، اُس کی عزت آبرو کو خاک میں ملایا تو اُس کے گناہ کا یہ داغ اُس کے ضمیر کی شفاف چادر پر نمایاں ہو کر نظر آنے لگا۔

یہ ایک قدرتی امر تھا۔

گناہ کی ملامتوں کا چمپا کلی کے جسم پر اثر پڑنا بھی ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ اُس کی بیماریوں میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔ اسی حالت میں ڈیڑھ سال بیت گیا۔ چمپا کلی کے جسم پر کوڑھ کے مرض کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ بوڑھی عورت نے ان علامتوں کو پہچان کر اپنے مالک جاگیردار کوشل سے اس کا ذکر کیا۔ وہ ڈر گیا۔ اُس زمانے میں کوڑھ کو چھوت کا مرض سمجھا جاتا تھا اور ایسے آدمی یا عورت کو شہر سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ شکاری جاگیردار کوشل نے کہا۔

''وید کو بلا کر دکھاؤ۔''

بوڑھی عورت اُسی وقت وید کو بلا کر اُسے چمپا کلی کے پاس لے گئی۔ وید نے چمپا کلی کے ہاتھوں اور پاؤں کی اُنگلیوں کو دیکھا جن پر پھنسیاں بن گئی تھیں۔ وید نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور جلدی سے کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ وہ سیدھا جاگیردار کوشل کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُسے بتایا کہ جو عورت کوٹھڑی میں بند ہے اس کو کوڑھ کا مرض ہو گیا ہے اور یہ مرض اس سے دوسروں کو بھی لگ سکتا ہے۔ کوشل نے وید کو رخصت کر دیا اور بوڑھی عورت سے کہا۔

''دو آدمیوں کو ساتھ لو اور چمپا کلی کو یہاں سے پچاس ساٹھ کوس دُور کسی جنگل میں جا کر پھینک آؤ۔''

بوڑھی عورت کہنے لگی۔

''مہاراج! میرا تو خیال ہے کہ چمپا کلی کو اسی حالت میں اگنی دیوی کے شعلوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اس طرح اس کے ساتھ بیماری بھی جل کر راکھ ہو جائے گی۔''

شکاری کوشل نے اپنی مونچھوں پر اُنگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں چاہتا کہ جس عورت نے مجھ سے غداری کی ہو اُسے اچانک اذیتوں سے مکتی مل جائے۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی دُعائیں مانگے اور اُسے موت نہ آئے۔ جاؤ! چمپا کلی کو حویلی سے نکال کر کسی ایسی جگہ پھینک آؤ جہاں کوئی راہ گیر بھی اُس کی کوئی مدد نہ کر سکے۔''

بوڑھی عورت کی مجال نہیں تھی کہ وہ اپنے ظالم اور سنگدل مالک کی حکم عدولی کرتی۔ اس سے پہلے وہ کئی عورتوں کی لاشیں بند کوٹھڑیوں سے نکلوا کر انہیں نذرِ آتش کر چکی تھی۔ مگر چمپا کلی پہلی عورت تھی جس کو زندہ مگر مُردوں سے بدتر حالت میں کوٹھڑی سے نکالا جا رہا تھا۔ اُسی روز رات کے اندھیرے میں چار آدمی جنہوں نے اپنے منہ اور ناک پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا چمپا کلی کی کوٹھڑی کی طرف بڑھے۔ چمپا کلی اپنی کوٹھڑی میں ادھ موئی سی ہو کر پڑی تھی۔

چاروں آدمی اُسے اُٹھا کر باہر لائے۔ اُسے ایک چارپائی پر ڈالا، چارپائی کو ایک چھکڑے پر لادا۔ چھکڑے کے آگے دو بیل جتے ہوئے تھے۔ چمپا کلی رحم طلب نیم وا آنکھوں سے انہیں تکتی ہی رہی مگر زبان سے کوئی لفظ نہ بول سکی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ اُسے قتل کرنے لے جا رہے ہیں۔ وہ خود مرنا چاہتی تھی تاکہ جس ناقابلِ برداشت عذاب میں وہ مبتلا تھی اس سے نجات مل جائے۔ چھکڑا ساری رات غیر آباد علاقوں میں سفر کرتا رہا۔ صبح کے وقت ایک جنگل آ گیا۔ اُنہوں نے چمپا کلی کی چارپائی چھکڑے سے اُتاری اور اُسے جنگل کے کنارے ایک درخت کے نیچے رکھ دیا۔ وہ بھنے ہوئے چنوں کی ایک بوری اور پانی سے بھرا ہوا مٹکا کٹورہ ساتھ لائے تھے۔ یہ دونوں چیزیں اُنہوں نے چمپا کلی کی چارپائی کے سرہانے کی جانب رکھ دیں اور جب جانے لگے تو چمپا کلی نے نحیف آواز میں کہا۔

''مجھے زندہ چھوڑ کر مت جاؤ..... بھگوان کے لئے مجھے قتل کر دو! میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔''

مگر ان لوگوں کو کوشل کا حکم تھا کہ چمپا کلی کو ہرگز قتل نہیں کرنا۔ اُنہوں نے چمپا کلی کی بات سنی ان سنی کر دی اور چھکڑا لے کر وہاں سے چل دیئے۔

چمپا کلی، کوڑھی ہو کر جنگل کے کنارے درخت کے نیچے چارپائی پر بے کسی کی حالت میں پڑی تھی۔ کبھی شاہی محل میں نوکر چاکر اُس کے آگے پیچھے پھرا کرتے تھے اور اب یہاں اسے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ کم خوراک اور بیماریوں نے اُس کے جسم کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ اُٹھ کر چل پھر بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ چارپائی پر پڑی رہتی۔ بھوک لگتی تو اُٹھ کر بوری میں سے تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے نکال کر کھا لیتی، پانی کے دو گھونٹ پیتی اور آہستہ آہستہ چل کر چارپائی پر آ کر لیٹ جاتی۔ نقاہت کی وجہ سے اُس کا سانس پھول جاتا۔ اس طرح ویران جنگل کے کنارے پڑے پڑے اُسے کئی دن، کئی ہفتے، کئی مہینے گزر گئے۔ کبھی کبھی کوئی لکڑہارا یا کوئی راہ گیر اُس کے قریب سے گزرتا تو اُس پر ترس کھا کر مٹکے میں پانی بھر جاتا، بوری

میں بھنے ہوئے چنے لا کر رکھ دیتا۔ مگر کوڑھی ہونے کی وجہ سے کوئی بھی چمپاکلی کے قریب نہیں جاتا تھا۔

چمپاکلی کی بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی کوڑھ زدہ انگلیوں پر کپڑے کی دھجیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ چمپاکلی نے چارپائی سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مٹکے میں سے پانی نکال کر پیا، وہیں بوری میں سے کچھ چنے نکال کر کھائے اور آہستہ آہستہ چل کر چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ جنگل میں صبح ہو گئی تھی۔ سورج کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں بارشیں نہ ہونے کے برابر ہوتی تھیں۔ کبھی کبھار بادل آ کر بارش کے چند چھینٹے برساتے اور پھر دھوپ نکل آتی۔ چمپاکلی نے بارش سے بچنے کے لئے اپنی چارپائی کے اُوپر درختوں کی گری پڑی شاخوں کو جوڑ کر ایک چھپر سا ڈال لیا تھا۔

اُس روز بھی وہ روز کی طرح چارپائی پر لیٹی موت کا انتظار کر رہی تھی۔ اُسے اب اگر کسی کا انتظار تھا تو صرف موت کا انتظار تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ سوائے موت کے کوئی اُس کی خبر لینے، اُسے زندگی کی اس المناک حالت سے نجات دلانے نہیں آئے گا۔ وہ دن رات موت کی راہ دیکھتی رہتی تھی مگر شاید موت بھی اُس کے پاس آتے ہوئے، اُسے ہاتھ لگاتے ڈر رہی تھی۔ درختوں پر روز کی طرح پرندے صبح کے راگ الاپ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد چڑیوں کا چہچہانا بند ہو گیا اور روز کی طرح جنگل پر سناٹا چھا گیا۔ چمپاکلی کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ چارپائی پر پڑی تھی کہ اُسے ڈھول تاشوں اور شہنائیوں کی آوازیں سنائی دیں.... ایسی آوازیں اُس نے پہلی بار سنی تھیں۔ اُس نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے۔ آوازیں آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھیں۔ چمپاکلی آہستہ سے اُٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی اور جس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں اُس طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ کچھ فاصلے پر درختوں کی ایک قطار کے نیچے چھ سات اونٹ چلے آ رہے ہیں۔ اونٹوں پر عورتیں اور مرد رنگ برنگ کپڑے پہنے ہاتھوں میں جھنڈیاں پکڑے بیٹھے ہیں۔ آگے آگے دو چھکڑے چل رہے ہیں۔ ایک چھکڑے پر گانے بجانے والوں کی منڈلی بیٹھی ڈھول تاشے بجا رہی ہے، دوسرے چھکڑے پر عورتیں بیٹھی بھجن گا رہی ہیں۔

چمپاکلی کے ہونٹوں پر پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایک مدت کے بعد اُس نے عورتوں اور مردوں کو ڈھول تاشے بجاتے، شہنائیاں بجاتے اور بھجن کیرتن کرتے دیکھا تھا۔ وہ مسلسل اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ یہ چھوٹا سا قافلہ ذرا آگے جا کر رُک گیا۔ اُونٹوں کو بٹھا دیا گیا۔ چھکڑوں اور اُونٹوں پر سے سامان اُتارا جانے لگا۔ چمپاکلی نے سوچا کہ یہ کوئی برات ہے جو دُور کسی گاؤں جا رہی ہے اور یہاں انہوں نے پڑاؤ ڈالا ہے۔ اُس کے دیکھتے دیکھتے وہاں تین

چار خیمے لگا دیئے گئے۔ آگ جلائی گئی اور کھانا وغیرہ پکنے لگا۔ یہ سب کچھ چمپاکلی سے اتنے فاصلے پر ہو رہا تھا کہ اُسے قافلے والوں کی شکلیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ دُور سے آتی اُن کی مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اپنے قریب ہنستے بولتے انسانوں کو دیکھ کر چمپاکلی کے اندر زندگی کی اُمنگ سی پیدا ہو گئی تھی۔ موت کا خیال خود بخود اُس کے ذہن سے دُور ہو گیا تھا۔ اگرچہ اُسے معلوم تھا کہ ان لوگوں میں کوئی بھی اُس کی چارپائی کے قریب آیا تو اسے کوڑھ زدہ دیکھ کر بھاگ جائے گا۔ اس سے بات نہیں کرے گا۔ لیکن چمپاکلی کو تھوڑی دیر کی خوشی عطا کرنے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ کچھ عورتیں اور بچے اُس کے آس پاس ہنس کھیل رہے ہیں اور وہ ان کی زندگی سے بھرپور آوازیں سن رہی ہے۔

جو اُس نے سوچا تھا ایسا ہی ہوا۔ تیسرے پہر دو عورتیں اُدھر سے گزرتی ہوئی آئیں اور دُور سے چمپاکلی کی چارپائی دیکھ کر رُک گئیں۔ اُن میں سے ایک عورت کے ہاتھ میں مٹی کی صراحی تھی۔ شاید وہ جنگل میں پانی کی تلاش میں نکلی تھی۔ اُنہوں نے جنگل میں درخت کے نیچے ایک چارپائی پر بیٹھی عورت کو دیکھا تو اُس کی طرف بڑھیں۔ چمپاکلی میلے کچیلے بستر پر میلی کچیلی ہاتھ میں اپنے کوڑھی ہاتھوں پر کپڑے کی دھجیاں لپیٹے اسی حالت میں بیٹھی ان عورتوں کو اپنی طرف آتے دیکھتی رہی۔ دونوں عورتیں آپس میں باتیں کرتی چارپائی کے پاس آ گئیں۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

''تم یہاں رہتی ہو؟ یہاں کوئی ندی نہیں ہے؟''

اس دوران دوسری عورت نے چمپاکلی کے ہاتھوں پر لپٹی ہوئی دھجیاں دیکھ لی تھیں۔ اُس نے گھبرا کر کہا۔ ''ہے بھگوان! یہ تو کوڑھی ہے۔''

یہ سن کر دونوں عورتیں جدھر سے آئی تھیں اُسی طرف بھاگ گئیں۔ چمپاکلی کو کوئی افسوس نہ ہوا۔ وہ آہستہ سے بستر پر لیٹ گئی۔ اُس کے ہونٹوں پر انسانوں کے ہنسنے گانے کی آوازیں سن کر تھوڑی دیر کے لئے جو مسکراہٹ آئی تھی وہ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد کوئی عورت، کوئی بچہ، کوئی مرد اُس کے قریب نہ آیا۔ ظاہر ہے ان عورتوں نے اپنے آدمیوں کو جا کر بتا دیا تھا کہ جنگل کے کنارے ایک کوڑھی عورت چارپائی پر پڑی ہے اور یہ سن کر عورتوں نے اپنے بچوں کو بھی اُدھر جانے سے روک دیا تھا۔ چمپاکلی کسمپرسی کی حالت میں آنکھیں بند کئے چارپائی پر پڑی رہی۔ دُور سے انسانوں کی آوازیں سنتی رہی۔ بچوں کے کھیلنے اور ایک دوسرے کو پکارنے کی آوازیں سنتی رہی۔ اُس کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ اگر کوئی اُس کے قریب نہیں آتا تو کم از کم انسانوں کی آوازیں تو اس کے قریب آ رہی ہیں۔

دوپہر کا وقت ہو گیا۔ چمپاکلی کو بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اُٹھ کر تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے کھا کر تھوڑا پانی پیئے۔ مگر نقاہت غالب آ رہی تھی۔ اُس کا جسم بیماری کی

حالت میں چارپائی پر پڑے پڑے لکڑی کے تختے کی طرح ہو گیا تھا۔ اُٹھتے ہوئے اُس کے جسم کا بند بند دُکھنے لگتا تھا۔ مگر زندہ رہنے کے لئے اُسے تھوڑا بہت کھانے کے لئے اُٹھنا ہی پڑتا تھا۔ وہ اُٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اُسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

چمپاکلی نے آنکھیں کھول دیں، گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف سے اُسے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک سادھو نما بوڑھا آدمی جس کی سفید داڑھی اُس کے سینے پر پھیلی ہوئی ہے، سر پر سفید بالوں کا جوڑا بنا ہوا ہے، جسم زرد چادر میں لپٹا ہوا ہے، ایک ہاتھ سے لاٹھی پکڑے دوسرے ہاتھ میں تھیلا لٹکائے اُس کی طرف چلا آ رہا ہے۔ چمپاکلی اُسے کوئی رشی مُنی سمجھ کر اُس کی تعظیم کے لئے بڑی مشکل سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں وہ سادھو اُس کے پاس آ گیا۔ وہ بڑی رحم دلی کی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ چمپاکلی نے ہاتھ جوڑ دیئے اور نحیف آواز میں اُسے نمسکار کیا اور بولی۔

''مہاراج! زیادہ قریب نہ آئیں۔ میں کوڑھی ہوں۔''

بوڑھے سادھو کے چہرے پر ویسی ہی شفیق اور رحم دلانہ مسکراہٹ تھی۔ اُس نے نرم آواز میں کہا۔ ''بیٹی! میں جانتا ہوں تم کوڑھی ہو۔ یہ لو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لایا ہوں۔''

بوڑھا سادھو چمپاکلی کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔ آج تک اُس کی چارپائی پر کوئی نہیں بیٹھا تھا۔ وہ سہمی سی گئی۔ بوڑھے سادھو نے تھیلے میں سے کیلے کے پتوں میں لپٹا ہوا ایک ڈبہ سا نکالا۔ اُسے کھولا تو اُس میں اُبلے ہوئے رنگدار چاول تھے جن کے اُوپر تھوڑا سا سالن رکھا ہوا تھا۔ سادھو نے اسے چمپاکلی کے آگے رکھ دیا اور بولا۔

''یہ ناگ دیوتا کے نام کا بھوجن ہے بیٹی! اسے کھالو۔ میں تمہارے لئے پانی لاتا ہوں۔''

اور بوڑھا سادھو مٹکے میں سے پانی کا کٹورہ بھر کر لے آیا۔ چمپاکلی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''مہاراج! میری چارپائی پر نہ بیٹھیں۔ کہیں میری بیماری آپ کو نہ لگ جائے۔''

سادھو نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! تم چنتا نہ کرو۔ مجھے تمہاری بیماری نہیں لگے گی۔ اب بھوجن کرو۔''

چمپاکلی کے دائیں ہاتھ کی جو تین اُنگلیاں ابھی تک کوڑھ سے بچی ہوئی تھیں، اُن کی مدد سے وہ آہستہ آہستہ چاول کھانے لگی۔ بوڑھا سادھو بڑی شفیق مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ ''بیٹی! گھبراؤ نہیں۔ آرام سے بھوجن کرو۔''

ایک مدت کے بعد چمپاکلی نے اُبلے ہوئے چاول کھائے تھے۔ اُسے اپنے جسم میں ایک نئی طاقت سے سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خاموشی سے چاول کھاتی رہی اور بوڑھا سادھو بچوں جیسی معصوم مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھتا رہا۔ اُس نے کٹورہ اپنے ہاتھ میں لے کر چمپاکلی کو پانی پلایا۔ جب چمپاکلی کھانا کھا چکی تو سادھو نے پوچھا۔

''بیٹی! تم کون ہو؟ اور تمہیں یہاں کون چھوڑ گیا ہے؟''

کھانا کھانے کے بعد چمپاکلی کے جسم میں تھوڑی سی طاقت آ گئی تھی۔ اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''مہاراج! کیا بتاؤں میں کون ہوں اور کون مجھے جنگل میں چھوڑ گیا ہے۔ بس مجھے میرے پاپوں کا بدلہ مل رہا ہے۔''

سادھو نے پوچھا۔ ''بیٹی! یہ مرض تمہیں کب سے ہوا ہے؟''

چمپاکلی نے آہ بھر کر کہا۔

''کچھ یاد نہیں رہا۔ بس میرے گناہ میرے سامنے آ رہے ہیں۔ بھگوان سے پرارتھنا کیجئے کہ مجھے موت آ جائے اور میرے پاپ کٹ جائیں۔''

بوڑھے سادھو نے اپنا ہاتھ چمپاکلی کے میل سے جمے ہوئے بالوں والے سر پر آہستہ سے رکھ دیا اور بولا۔ ''بیٹی! نراش نہیں ہوا کرتے۔ انسان پاپ کر کے جب پچھتاتا ہے اور آگے سے پاپ نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو بھگوان اس کے سارے کشٹ دُور کر دیتا ہے۔ تیرے کشٹ بھی جلد دُور ہو جائیں گے۔''

چمپاکلی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ وہ میلی چادر کے پلو سے آنسو پونچھنے لگی۔ بوڑھے سادھو نے کہا۔

''رومت بیٹی! ایسے لگتا ہے کہ شاید کشٹ دُور ہونے کا سمے آ گیا ہے۔ ہم لوگ شیش ناگ جی کی پوجا کرنے لال مندر جا رہے ہیں۔ ساگر ریش کے ایک گاؤں سے ہیں۔ شیش ناگ جی کی پوجا کرنے ہم ہر سال آتے ہیں۔ دو سال کے بعد ہم اس جنگل کے راستے سے ہو کر جا رہے ہیں ورنہ ہم عام طور پر دریا میں سفر کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ اس بار شیش ناگ جی کا حکم تھا کہ ہم خشکی کے راستے سے گزر کر آئیں۔ یہ بات ہمیں شیش ناگ مندر کے ایک پجاری نے بتائی تھی۔ شیش ناگ کے مندر میں مُنی گپت نام کا ایک جتی ستی جوگی سالانہ پوجا کے موقع پر پوجا کرنے ضرور آتا ہے۔ مُنی گپت اُسے اس لئے کہتے ہیں کہ اُسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ سر اور منہ پر نقاب ڈالے رکھتا ہے۔ اپنی تپسیا اور گیان دھیان سے اُس میں اتنی شکتی آ گئی ہے کہ جسم پر صرف ہاتھ لگانے سے بیمار کی بیماری دُور ہو جاتی ہے۔ بیٹی! تو میرے ساتھ اُس جتی ستی مُنی گپت کے پاس چل۔ تیری بیماری بھی جاتی رہے گی۔''

چمپاکلی جو اپنی بیماری اور اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی، کہنے لگی۔

''مہاراج! میری بیماری ایسی ہے جسے کوئی جوگی، کوئی سنیاسی اپنی کسی کرامت سے دُور نہیں کر سکتا۔ مجھے میرے حال پر رہنے دیں۔ آپ میرے لئے اتنی تکلیف نہ اُٹھائیں۔''

بوڑھے سادھو نے کہا۔

''ایسا نہ کہو بیٹی! آدمی کو کبھی نراش نہیں ہونا چاہئے۔ اس دنیا میں اگر کوئی مصیبت آتی ہے

تو اس مصیبت کا علاج بھی اس دنیا میں موجود ہوتا ہے۔ میرا کہا مان! میرے ساتھ چل۔ میرا دل کہتا ہے کہ تو اچھی ہو جائے گی۔''

جب سادھو نے بہت اصرار کیا تو چمپاکلی نے کہا۔

''میں آپ کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ لیکن آپ کے ساتھ جو دوسرے مرد عورتیں جا رہی ہیں وہ ایک کوڑھی کو کیسے اپنے ساتھ لے جانا گوارا کریں گے؟''

سادھو نے کہا۔ ''یہ بات تو مجھ پر چھوڑ دے۔ میں ان لوگوں کو سمجھا لوں گا۔ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔ اور پھر میں تجھے الگ چھکڑے میں بٹھا کر لے جاؤں گا۔''

چمپاکلی آہستہ سے بولی۔ ''جیسے آپ کی مرضی۔''

بوڑھے سادھو نے خوش ہو کر چمپاکلی کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''ہم کل صبح صبح یہاں سے کوچ کریں گے۔ میں چھکڑا لے کر تمہارے پاس آؤں گا اور تمہیں اس میں بٹھا کر لے چلوں گا۔''

بوڑھا سادھو چلا گیا تو چمپاکلی سوچنے لگی کہ وہ کیوں سادھو بابا کے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی؟ اس کے جانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس کی بیماری تو اب موت ہی دُور کر سکے گی۔ لیکن سادھو صبح وعدے کے مطابق آ گیا۔ وہ ایک ریڑھی پر بیٹھا تھا جس کے آگے ایک بیل جُتا ہوا تھا۔ ریڑھی پر ایک بستر بچھا ہوا تھا۔ اُوپر دھوپ، بارش سے بچنے کے لئے چھپر پڑا تھا۔ سادھو نے ریڑھی چمپاکلی کی چارپائی کے پاس کھڑی کی، اتر کر اُس کے پاس آیا اور بولا۔

''بیٹی! ریڑھی پر لیٹ جاؤ۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ چنتا نہ کرو۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

چمپاکلی ذرا سا ہچکچائی لیکن بوڑھے سادھو نے اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے چارپائی سے اُٹھایا اور قدم قدم چلاتا ریڑھی میں لا کر لٹا دیا۔ اُس نے پانی کا مٹکا اور بھنے ہوئے چنوں کی چھوٹی بوری بھی ریڑھی پر ایک طرف رکھ دی اور بولا۔

''میں نے سب لوگوں کو کہہ دیا ہے کہ میری ایک بیٹی یہاں جنگل میں بیمار پڑی ہے۔ میں اُسے مُنی گپت کے پاس لے جا رہا ہوں۔ میں نے اُنہیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اسے کوڑھ ہو گیا ہے بے شک اس کے پاس کوئی نہ آئے۔''

چمپاکلی نے نقاہت سے اپنا چہرہ سادھو کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! آپ میرے لئے اتنا کشٹ کیوں اُٹھا رہے ہیں؟''

بوڑھا سادھو بولا۔

''اس لئے بیٹی! کہ میرے اتنا کرنے سے شاید بھگوان تیرے کشٹ دُور کر دے۔''

بوڑھا سادھو ریڑھی پر بیٹھ گیا اور بیل کی باگ تھام کر اُسے چلا دیا۔ کہنے لگا۔

''قافلے والے لوگ آگے جا رہے ہیں۔ ہم اُن کے پیچھے رہیں گے۔''

چمپاکلی نے پوچھا۔ ''بابا! شیش ناگ جی کا لال مندر یہاں سے کتنی دُور ہے؟''

سادھو نے کہا۔

''بس ہمیں آج کا دن اور آج کی رات لگ جائے گی۔ کل صبح ہم شیش ناگ جی کے مندر پہنچ جائیں گے۔''

ریڑھی جنگل کے راستے پر آہستہ آہستہ جا رہی تھی۔ جنگل کے اُونچے اُونچے درختوں کے جھنڈوں سے نکل کر یہ لوگ ایک کھلی جگہ پر آئے تو چمپاکلی نے دیکھا کہ کافی فاصلے پر دوسرے لوگ اُونٹوں پر سوار ڈھول تاشے، شہنائیاں بجاتے، جھنڈیاں لہراتے آگے آگے جا رہے تھے۔ دوپہر کے وقت یاتریوں کا قافلہ بھوجن وغیرہ کے لئے ایک جگہ ٹھہر گیا۔ بوڑھے سادھو نے بھی ریڑھی ایک طرف درخت کے نیچے کھڑی کر دی۔ اُس نے چمپاکلی کو کٹورے میں پانی ڈال کر پلایا اور کہا۔

''یہ لوگ یہاں بھوجن کریں گے۔ میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر بوڑھا سادھو چلا گیا۔ یہ علاقہ ریتلا تھا۔ کہیں کہیں ٹیلے دکھائی دے رہے تھے جن کی ڈھلانوں پر اِکا دُکا درخت کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا سادھو مٹی کی ایک بڑی تھالی میں اُبلے ہوئے بسنتی رنگ والے چاول بھر کر لے آیا۔ اُس نے چمپاکلی کو سہارا دے کر اُٹھا کر بٹھایا اور چاولوں کی تھالی درمیان میں رکھ دی اور بولا۔

''تم بھی کھاؤ۔ تمہارے ساتھ میں بھی تھوڑا سا کھا لیتا ہوں۔''

چمپاکلی نے کہا۔ ''نہیں بابا...... آپ میرے ساتھ نہ کھائیں۔''

بوڑھے سادھو نے اپنا ہاتھ چاولوں میں ڈالتے ہوئے نوالہ اُٹھایا اور اُسے چمپاکلی کے منہ کے پاس لا کر کہا۔

''پہلا نوالہ میں اپنی بیٹی کو خود کھلاؤں گا۔''

چمپاکلی سوچنے لگی...... اگر آج اس کا اپنا باپ زندہ ہوتا تو شاید وہ بھی ایسا نہ کرتا بلکہ شاید وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس کو چھوڑ کر چلا گیا ہوتا۔ اُس کے نزدیک یہ بوڑھا سادھو دیوتاؤں کی منزل سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ بے شک سماج کے دھتکارے ہوئے بدقسمت انسانوں کی خدمت کرنے والوں کا درجہ بہت اُونچا ہو جاتا ہے۔ بوڑھے سادھو نے اب وہ کام کیا جو شاید اُس کی جگہ کوئی دیوتا بھی ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ سادھو نے چاولوں کا آدھا نوالہ کوڑھ زدہ چمپاکلی کے منہ میں ڈالا اور باقی کا آدھا نوالہ یعنی چمپاکلی کا جھوٹا نوالہ اپنے منہ میں ڈال کر کہا۔

''بڑے مزے کے چاول ہیں...... کھا بیٹی!''

چمپاکلی کا جی چاہا کہ وہ اس بوڑھے سادھو کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دے اور اتنا روئے، اتنا

روئے کہ اُس کے سارے دُکھ درد، اُس کے سارے پچھتاوے، ملال، ساری ندامتیں اور ملامتیں اس کے وجود کے ساتھ آنسو بن کر سادھو بابا کے قدموں میں بہہ جائیں۔ چمپاکلی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ بوڑھے سادھو نے دوسرے ہاتھ سے اُس کے آنسو پونچھ کر کہا۔

''اری تو رونے کیوں لگی؟ تیرے پتا کے سمان ہوں۔ تو میری بیٹی ہے۔ میرے ہوتے ہوئے تو کیوں روتی ہے؟ لے..... تھوڑے چاول اور کھا لے۔''

اور بوڑھے سادھو نے دوسرا نوالہ بھر کر آدھا چمپاکلی کو کھلایا اور آدھا اپنے منہ میں ڈال لیا۔ چمپاکلی نے آج تک کسی انسان کو انسانیت کے اتنے بلند مقام پر نہیں دیکھا تھا۔

اُس نے بوڑھے سادھو کا ہاتھ رک لیا اور آنسوؤں بھری آواز میں کہا۔

''بابا! اب میں خود ہی کھا لوں گی۔''

کھانا کھانے کے دوران بوڑھا سادھو چمپاکلی کو کٹورے سے پانی بھی پلاتا رہا اور اسی کٹورے میں چمپاکلی کا جھوٹا پانی خود بھی پیتا رہا۔ یاتریوں کا وہ چھوٹا سا قافلہ تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد سفر پر روانہ ہو گیا۔ بوڑھا سادھو بھی کچھ فاصلہ ڈال کر اپنی ریڑھی کو قافلے کے پیچھے پیچھے چلانے لگا۔

ایک دن اور ایک رات کا سفر طے کرنے کے بعد اگلے روز سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد یہ قافلہ شیش ناگ جی کے مندر کے نواح میں پہنچ گیا۔ سرخ پتھروں سے بنا ہوا اس مندر کا اُونچا چھتر دُور ہی سے سورج کی روشنی میں چمکتا نظر آ رہا تھا۔ آس پاس ٹیلے کی ڈھلان کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے مکانوں کی قطار دُور تک چلی گئی تھی۔

قافلے کی گانے بجانے والی منڈلی بھجن گاتی یاتریوں کے آگے آگے چل رہی تھی۔ بوڑھے سادھو نے شیش ناگ مندر کا سرخ چھتر دُور سے دکھاتے ہوئے چمپاکلی سے کہا۔

''وہ ہے شیش ناگ جی کا مندر۔''

چمپاکلی نے ریڑھی پر لیٹے لیٹے سر کو تھوڑا سا اُٹھا کر مندر کے دُھوپ میں چمکتے چھتر کو دیکھا اور اُسے ناگاپورم کا ناگ مندر یاد آ گیا جہاں وہ ناگ دیوتا کے سامنے شاہی رقاصہ کی حیثیت سے رقص کیا کرتی تھی اور اُسے رقص کرتے دیکھ کر پرلوک کے دیوتا بھی دم بخود ہو جاتے تھے۔

قافلے کے یاتریوں نے مندر کے قریب ہی ایک کھلی جگہ میں ڈیرے لگا لئے۔ بوڑھا سادھو، چمپاکلی کی ریڑھی کو وہاں سے کچھ دُور ایک چھوٹے ٹیلے کے پاس لے آیا۔ یہاں ایک گھنے پیڑ کی نیچے جھکی ہوئی شاخوں نے چھپر سا ڈال رکھا تھا۔ سادھو نے ریڑھی اُس چھپر کے سائے میں کھڑی کر دی اور چمپاکلی سے کہا۔

''ہم یہاں رہیں گے۔''

چمپاکلی نے کہا۔ ''مجھے پیاس لگی ہے بابا!''

بوڑھے سادھو نے چمپاکلی کو کٹورے میں پانی پلایا۔ ریڑھی پر ایک تھکا دینے والا طویل سفر کرنے کے بعد چمپاکلی کا بیمار اور لاغر بدن دُکھ رہا تھا۔ بوڑھا سادھو کہنے لگا۔

''آج سورج کے غروب ہوتے ہی شیش ناگ جی کی مورتی کو دودھ سے اشنان کرایا جائے گا۔ اس پر تیل اور سیندور ملا جائے گا۔ اور پھر مندر کی نرتکی (رقاصہ) شیش ناگ جی کا رقص کرے گی۔''

چمپاکلی نے اپنی کمزور آواز میں پوچھا۔

''مجھے مُنی گپت جی کے پاس کب لے جاؤ گے بابا؟''

سادھو بولا۔ ''مُنی گپت سنیاسی بھی شیش ناگ کے مندر میں نرتکی کے ناچ کے وقت موجود ہو گا۔ مُنی گپت شیش ناگ جی کا چیلا ہے۔ لوگ اسے شیش ناگ جی کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ وہ شیش ناگ کی بڑی مورتی کے چرنوں میں بیٹھا ہو گا۔ جب نرتکی کا ناچ ختم ہو جائے گا اور مُنی گپت سنیاسی شیش ناگ دیوتا کے گلے میں پوجا کے ہار ڈالے گا تو ناگ دیوتا کی آرتی اُتاری جائے گی اور پجاری، پوجا کا پاٹھ شروع کر دیں گے۔ اس وقت میں تجھے مُنی گپت کے پاس لے چلوں گا۔''

چمپاکلی نے اُمید اور نا اُمیدی کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

''بابا! کیا مُنی گپت جی مجھے اچھا کر دیں گے؟''

''کیوں نہیں؟'' بوڑھا سادھو بولا۔ ''مُنی جی کے ہاتھ لگانے سے سب بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں۔ تو بھی اچھی ہو جائے گی بیٹی! فکر نہ کر۔''

چمپاکلی کے اندر ایک بار پھر جینے کی اُمنگ اور تڑپ بیدار ہو گئی تھی۔ اُس روز سورج غروب ہو جانے کے بعد شیش ناگ کی سالانہ پوجا کا جشن شروع ہونے والا تھا۔ اگرچہ یہ مندر ناگاپورم والے ناگ مندر کی نسبت بہت چھوٹا تھا لیکن اسے بڑی خوبصورتی سے مورتیوں اور جھنڈے جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ بوڑھا سادھو، چمپاکلی سے کہنے لگا۔

''جس وقت پوجا کا رقص شروع ہو گا میں تمہیں اپنے ساتھ مندر کے شیش بھون میں لے چلوں گا۔''

چمپاکلی نے پوچھا۔ ''بابا! یہ رقص کون کرتا ہے؟ کیا کوئی خاص نرتکی رقص کرتی ہے؟''

''ہاں بیٹی!'' سادھو بولا۔ ''اس نرتکی کو ناگ رانی کہتے ہیں۔ وہی اس موقع پر شیش ناگ کی مورتی کے آگے رقص کرتی ہے۔''

چمپاکلی کو وہ زمانہ یاد آ گیا جب وہ شاہی رقاصہ کے روپ میں سولہ سنگھار سے آراستہ ہو کر ناگ دیوتا کے سامنے رقص کیا کرتی تھی۔ پجاری اُس کی ایک جھلک دیکھنے کو دُور دُور سے آتے تھے۔ ہر طرف فانوسوں کی روشنیاں جگمگا رہی ہوتی تھیں۔ عود و عنبر کی خوشبوئیں اُڑ رہی

ہوتی تھیں۔ وہ جب رقص کرتی ہوئی ناگ دیوتا کی مورتی کے سامنے نمودار ہوتی تو شاہی محل کے راجہ مہاراجہ اور پجاری اور دیوداسیاں اُسے دیکھتی رہ جاتی تھیں۔ اُن پر جیسے سحر طاری ہو جاتا تھا۔ وہ زمانہ یاد کر کے چمپا کلی اُداس ہو گئی۔ اُس کا دل غم سے بوجھل ہو گیا۔ کہاں وہ رنگین زمانہ تھا کہ وہ ناگ مندر میں شعلہ جوالہ بن کر رقص کیا کرتی تھی اور کہاں اب وہ مہلک مرض میں مبتلا ہو کر میلے کچیلے کپڑوں میں اس حالت میں بستر مرگ پر پڑی تھی کہ لوگ اُس کے قریب آتے بھی خوف کھاتے تھے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اچھے وقت میں یہ نہ بھولے کہ کل اس پر برا وقت بھی آ سکتا ہے۔

بوڑھا سادھو، چمپا کلی کی ریڑھی کے پاس ایک پتھر پر بیٹھا کچھ فاصلے پر مندر میں آتے جاتے پجاریوں کو دیکھ رہا تھا۔ چمپا کلی نے کہا۔

''بابا! کیا لوگ مجھے مندر کے اندر جانے دیں گے؟''

سادھو نے کہا۔ ''لوگوں کا کیا ہے؟ میں تمہیں کسی نہ کسی طرح چھپ چھپا کر ناگ بھون میں لے جاؤں گا تاکہ تم ناگ نرتکی کا نرت دیکھ سکو۔''

اور بوڑھے سادھو نے ایسا ہی کیا۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب پوجا کے جشن کی تیاریاں مکمل ہو گئیں اور شیش ناگ مندر کے خاص بھون میں عود و عنبر اور لوبان سلگا دیئے گئے۔ فانوس اور چراغ روشن ہو گئے تو کیرتن کرنے والوں کی ٹولی مختلف ساز لے کر بیٹھ گئی اور ساز بجاتے ہوئے بھجن کیرتن شروع ہو گیا۔

جب شام کا دھندلا اندھیرا چھا گیا تو بوڑھا سادھو، چمپا کلی کی ریڑھی کو چلاتا مندر کے عقبی دروازے کی طرف لے آیا۔ یہاں کسی کو علم نہیں تھا کہ ریڑھی پر جو میلے کچیلے سن کی رسی ایسے بالوں کے ساتھ ہاتھوں پر زرد رومالوں سے اپنے کوڑھ کے ناسور چھپائے بیٹھی ہے وہ کوڑھ زدہ ہے۔ کوڑھی ہے۔ بوڑھے سادھو نے چمپا کلی کے ہاتھوں پر صاف دُھلے ہوئے رومال لپیٹ دیئے تھے تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ کوڑھی ہے۔ ریڑھی مندر کے پچھلے دروازے سے چند قدموں کی دوری پر بکائن کے درخت کے سائے میں کھڑی تھی۔ جب نرتکی کے رقص کا وقت قریب آ گیا تو بوڑھے سادھو نے چمپا کلی کو سہارا دے کر ریڑھی سے اُتارا اور اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے آہستہ آہستہ چلاتا جس طرف اندھیرا تھا اُس طرف سے مندر کے اندر لے گیا۔ مندر میں یاتری آ جا رہے تھے۔ شیش ناگ کا بھون عقیدت مند پجاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ بہت بڑا ایوان تھا جس کے تین اطراف میں دیواروں کے ساتھ ساتھ عقیدت مند ادب سے ہاتھ باندھے بیٹھے تھے۔ سامنے والی دیوار میں شیش ناگ کی بہت بڑی مورتی رکھی تھی۔ شیش ناگ ایک بہت بڑے سانپ بلکہ اژدھا کے روپ میں کنڈل مارے بیٹھا تھا۔ اُس کا چھتر کی طرح پھن کھلا ہوا تھا۔ اُس کے چار منہ تھے۔ ہر منہ

کے اوپر سونے کا ایک دیا روشن تھا۔

شیش ناگ کی مورتی کے نیچے اُس کے قدموں میں سرخ پتھر کا ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ سادھو نے چمپا کلی کو اُس تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ جو سرخ پتھر کا چھوٹا تخت بچھا ہوا ہے اس پر مُنی گپت جی آ کر بیٹھیں گے۔ وہ شیش ناگ دیوتا کی مورتی کو صندل اور چندن کے پانی سے اشنان کرائیں گے۔ اس کے بعد ناگ نرتکی وہ سامنے والے دروازے سے نکل کر آئے گی اور شیش ناگ کی مورتی کے آگے آ کر رقص کرنا شروع کر دے گی۔''

شیش ناگ کی مورتی کی ایک جانب دیوداسیاں ہاتھ باندھے ادب سے کھڑی بھجن گا رہی تھیں۔ دوسری جانب ساز بجانے والوں کی منڈلی بیٹھی ڈھولک اور شہنائیاں بجا رہی تھی۔ چمپا کلی کو بوڑھے سادھو نے ایک طرف مندر کے بڑے ستون کے ساتھ لگا کر بٹھا دیا تھا اور خود بھی اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔ شیش ناگ مندر کا بڑا پروہت جس کا سر منڈا ہوا تھا، بدن پر زرد رنگ کا لمبا چولا تھا، ہاتھ میں چاندی کی چمکیلی، ہیرے موتی جڑی لاٹھی پکڑے بڑی شان سے قدم اُٹھاتا، گردن اونچی کئے ایک طرف سے آیا۔ دو دیوداسیاں اُس کے دائیں بائیں ہاتھوں میں آرتی اُتارنے والی تھالیاں لئے چل رہی تھیں۔ ان تھالیوں میں ایک ایک دیا روشن تھا۔ شیش ناگ کی مورتی کے سامنے آ کر پروہت نے ہاتھ جوڑ کر سر کو جھکا دیا، پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر شیش ناگ کی مورتی کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ ایک دیوداسی پھولوں سے بھرا ہوا تھال لے کر آگے بڑھی۔ پروہت نے تھال میں سے پھولوں کی دو تین مٹھیاں بھر کر گھنٹیوں اور شہنائیوں کی آواز میں اشلوک گنگنائے اور پتیاں شیش ناگ کی مورتی کے اوپر نچھاور کیں۔

اس کے بعد پروہت مورتی کے قریب بنے ہوئے اپنے سنگھاسن پر بیٹھ گیا اور نرتکی کا انتظار شروع ہو گیا جس نے آ کر شیش ناگ دیوتا کا خاص نرت، خاص رقص کرنا تھا۔

رقص کا سمے ہو گیا تھا مگر رقص کرنے والی ناگ نرتکی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ لوگوں میں کھسر پھسر شروع ہو گئی تھی۔ بڑا پروہت بھی بار بار کسی پجاری یا دیوداسی کو بلا کر اس سے نرتکی کے بارے میں دریافت کرتا تھا کہ اس نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے؟ بوڑھا سادھو، چمپا کلی کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ وہ بھی بے چین سا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا کیونکہ ناگ نرتکی نے کبھی دیر نہیں کی تھی۔ وہ رقص کے سمے ٹھیک وقت پر شیش ناگ دیوتا کی مورتی کے سامنے آ کر رقص شروع کر دیا کرتی تھی۔ پوجا کا وقت ہو گیا تھا مگر ناگ نرتکی کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ چمپا کلی نے سادھو بابا سے پوچھا۔

''بابا! ناگ نرتکی کب آئے گی؟''

سادھو بولا۔ ''بیٹی! یہی میں سوچ رہا ہوں۔ اسے اب تک آ جانا چاہئے تھا۔ تم یہیں ٹھہرو میں پتہ کر کے آتا ہوں۔''

بوڑھا سادھو اُٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آیا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ کہنے لگا۔ ''بیٹی! بڑی بدشگونی کی بات ہو گئی ہے۔''

''کیا ہوا بابا؟'' چمپا کلی نے پوچھا۔

بوڑھا سادھو کہنے لگا۔

''ناگ نرتکی تیار ہو کر مندر آنے کے لئے مکان کی سیڑھیاں اُتر رہی تھی کہ اُس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ گر پڑی اور اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب وہ رقص نہیں کر سکے گی۔''

چمپا کلی بولی۔ ''اب کیا ہوگا بابا؟''

سادھو نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اگر شیش ناگ کی مورتی کے آگے پوجا کا رقص نہ ہوا تو شیش ناگ دیوتا ناراض ہو جائیں گے۔ لوگوں پر شیش ناگ دیوتا کا عذاب نازل ہوگا۔ اس لئے سب لوگ، پجاری، دیوداسیاں اور پروہت جی پریشان ہیں۔''

چمپا کلی دیکھ رہی تھی کہ شیش ناگ مورتی کے ہال کمرے یا ناگ بھون میں بیٹھا ہوا ہر شخص پریشان تھا۔ اُن کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ وہ بار بار بلند آواز میں کہہ رہے تھے۔

''ناگ نرتکی کو بلاؤ..... پوجا کا رقص شروع کرو۔ نہیں تو ہماری کھیتیاں سوکھ جائیں گی۔ ہمارے بچے مر جائیں گے۔ ہم تباہ ہو جائیں گے۔''

بڑے پروہت نے کھڑے ہو کر کہا۔ ''شردھالوؤ! شیش ناگ دیوتا کے چرنوں میں لیٹ کر، گڑگڑا کر، رو کر پرارتھنا کرو کہ وہ ہم پر اپنا قہر نازل نہ کرے۔ کیونکہ ناگ نرتکی کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور وہ پوجا کا رقص کرنے سے معذور ہے۔''

ناگ بھون میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں، تمام مردوں، عورتوں، دیوداسیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اُنہیں معلوم تھا کہ اگر پوجا کا رقص نہ ہوا تو ان کو شیش ناگ دیوتا کے قہر سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ چمپا کلی نے بے چین ہو کر بوڑھے سادھو سے کہا۔

''بابا! کوئی دوسری دیوداسی کیوں نہیں رقص کر لیتی؟''

سادھو بولا۔

''یہاں کسی داسی کو ناگ رقص کرنا نہیں آتا۔ یہ خاص رقص ہے جو صرف وہی نرتکیاں کر سکتی ہیں جو ناگ مندروں میں ناگ رقص کرتی رہی ہوں۔''

اچانک چمپا کلی کے اندر جیسے ایک آندھی سی چلنے لگی۔ اُس کے لاغر اور بیمار جسم کی نیم مردہ رگوں کا خون ایک دم گرم ہو گیا۔ ایک بجلی کی تڑپ تھی جو اُس کے سارے بدن میں لہرا گئی۔

اُس نے سادھو بابا سے کہا۔

''بابا! میں ناگ رقص کروں گی..... مجھے ناگ دیوتاؤں کا رقص آتا ہے۔''

بوڑھے سادھو کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ حیران ہو کر اُس نے چمپا کلی سے کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟''

چمپا کلی نے کہا۔ ''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں بابا! میں ناگا پورم کے ناگ مندر کی شاہی رقاصہ ہوں۔ میں ناگا پورم کے ناگ مندر میں پوجا کے جشن میں ناگ رقص کیا کرتی تھی۔''

بوڑھا سادھو پھٹی پھٹی آنکھوں سے چمپا کلی کا منہ تکنے لگا۔ اتنے میں لوگوں میں شور بلند ہوا۔ کسی نے چلا کر کہا۔

''مُنی گپت مہاراج! شیش ناگ دیوتا سے پرارتھنا کریں کہ وہ ہمیں بددُعا نہ دے.....''

چمپا کلی نے دیکھا کہ ایک سیاہ پوش جوگی ایک طرف سے ناگ بھون میں داخل ہو رہا ہے۔ اُس کے چہرے پر سیاہ نقاب اس طرح پڑا ہوا تھا کہ اُس کا منہ سر اُس میں چھپ گیا تھا۔ صرف نقاب کے دو سوراخوں سے اُس کی آنکھوں کی جھلک سی نظر آ رہی تھی۔ سادھو نے کہا۔

''مُنی گپت مہاراج آ گئے ہیں۔''

چمپا کلی خاموش نگاہوں سے مُنی گپت کو دیکھنے لگی۔ بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر مُنی گپت کے پاؤں چھوئے اور گڑگڑا کر کہا۔

''گپت مہاراج! ناگ نرتکی رقص کرنے سے معذور ہو گئی ہے۔ پوجا کا ناگ رقص کسی دیوداسی کو کرنا نہیں آتا۔ شیش ناگ دیوتا سے ارداس کریں کہ وہ اس بار ہمیں معاف کر دے۔''

وہاں پر جتنے لوگ بھی موجود تھے وہ بھی رو رو کر مُنی گپت کی منتیں کرنے لگے کہ ہمیں شیش ناگ دیوتا کے قہر سے بچا لیں۔

منی گپت مہاراج نے لوگوں کی طرف رُخ کر کے اپنا ایک ہاتھ اُوپر اُٹھا دیا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولے۔ اُن کے ہاتھ اُوپر اُٹھانے سے لوگ ایک دم چپ ہو گئے۔ ناگ بھون میں خاموشی چھا گئی۔ مُنی گپت نے ہاتھ سے اُس دیوداسی کی طرف اشارہ کیا جو گھلے ہوئے صندل کا چاندی کا بڑا کٹورہ لئے شیش ناگ دیوتا کی مورتی کے بائیں جانب کھڑی تھی۔ مُنی گپت جی کا اشارہ پاتے ہی وہ جلدی سے اُن کے پاس آ گئی۔ مُنی گپت جی نے کٹورے میں دونوں ہاتھ ڈال کر صندل کو شیش ناگ دیوتا کی مورتی پر اُچھال دیا اور پھر صندل کے پانی سے دیوتا کی مورتی کو نہلانے لگے۔ دوسری دیوداسیاں اور پجاری خوف زدہ نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر دیوتا کی مورتی کے آگے سالانہ پوجا کا رقص نہ ہوا تو شیش ناگ کی بددُعا سے ہو سکتا ہے مندر کی چھت ایک دم بیٹھ جائے۔ مندر میں چاروں طرف اچانک آگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں اور وہ سب جل کر راکھ ہو جائیں۔

مُنی گپت جی بڑے سکون کے ساتھ شیش ناگ دیوتا کی مورتی کو صندل اور چندن کے پانی سے نہلا رہے تھے۔ جب وہ نہلا چکے تو دوسری دیوداسی کو اشارہ کیا جو پھولوں کے ہاروں والا ٹوکرا لے کر فوراً اُن کے پاس آ گئی۔ مُنی گپت جی نے اپنے ہاتھوں سے ٹوکرے میں سے پھولوں کے ہار اُٹھا کر مورتی پر ڈال دیئے۔ وہاں پر موجود سب لوگ ہاتھ باندھے سہمی ہوئی نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مورتی کے آگے جو سرخ پتھر کا چھوٹا سا تخت رکھا ہوا تھا مُنی گپت اُس پر سادھوؤں کی طرح دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر جما کر بیٹھ گئے۔ اُن کا سارا جسم سیاہ چولے میں چھپا ہوا تھا۔ سیاہ نقاب نے اُن کا منہ سر بھی چھپا رکھا تھا۔ بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر مُنی گپت جی کے آگے سر جھکایا اور پھر اُن کے کان کے قریب ہو کر کچھ کہا۔ جس کے جواب میں مُنی گپت جی نے اپنا بایاں ہاتھ اُوپر اُٹھا کر تین بار اپنے ماتھے پر انگلی لگائی اور اسی طرح آسن جما کر بیٹھ گئے۔

مُنی گپت کے ایسا کرنے سے بڑے پروہت نے دونوں بازو کھول کر چھت کی طرف دیکھا اور روتے ہوئے بولا۔

''آکاش کے دیوتاؤ! ہم پر رحم کرو......!''

پھر پروہت نے ناگ بھون میں بیٹھے ہوئے خوفزدہ حاضرین کی طرف دیکھا اور دونوں بازو پھیلا کر بین کرنے کے لہجے میں کہا۔ ''اب کچھ نہیں ہو سکتا...... ناگ پوجا کا رقص نہیں ہو سکے گا اور شیش ناگ کی بددُعا پوری ہو کر رہے گی۔''

سب لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اچانک جیسے چمپاکلی کے اندر بجلی کڑک کر لہرائی۔ وہ تڑپ کر اُٹھی اور دوڑ کر ہال کے درمیان میں آ گئی۔ اُس کی رگ رگ میں بجلیاں کڑک رہی تھیں، تڑپ رہی تھیں۔ چمپاکلی اب ایک کوڑھ زدہ بیمار عورت نہیں تھی۔ وہ وہی شاہی برقاصہ بن گئی تھی جو کبھی بڑی شان اور جاہ و جلال کے ساتھ ناگاپورم کے ناگ مندر میں ناگ رقص کیا کرتی تھی۔ وہ ناگ رقص کرتے ہوئے، سانپ کی طرح بل کھاتے اور اپنے جسم کو لہراتے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ناگ کے پھن کی طرح دائیں بائیں جھلاتے ہوئے سب سے پہلے شیش ناگ کی مورتی کے آگے گئی، سر جھکا کر مورتی کے چرنوں کو چوما اور پھر اُلٹے پاؤں رقص کے توڑوں میں چلتی مُنی گپت جی کے سامنے آ گئی۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر مُنی گپت کے آگے سر جھکایا اور پھر تین قدم پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں بازو کھول کر ساز بجانے والی منڈلی کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کہا۔

''میں ناگ دیوتا کا ناگ رقص کروں گی...... ساز بجاؤ!''

یہ سنتے ہی ساز بجانے والے فوراً زور زور سے ڈھولک اور تاشے بجانے لگے۔ ساتھ ہی شہنائیوں کی گونج بھی بلند ہونے لگی۔ سب لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ جے شیش

ناگ جی کی جے کے نعرے لگانے لگے۔ بڑے پروہت کا چہرہ کھل اُٹھا۔ بوڑھا سادھو حیرت زدہ سا کھلی آنکھوں سے چمپاکلی کو دیکھ رہا تھا۔

چمپاکلی نے ڈھولک اور تاشوں کی تھاپ پر ناگ دیوتا کا خاص ناگ رقص شروع کر دیا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں پر زرد رُومال لپٹے ہوئے تھے۔ اُس کے میل میں جمے ہوئے سر کے بال رسیوں کی طرح رقص کے دوران لہرا رہے تھے۔ ڈھولک اور ڈھول زور زور سے بج رہے تھے۔ چمپاوتی کا جسم شعلے کی طرح لہرا رہا تھا۔ کبھی وہ اپنے جسم کو ناگن کی طرح بل دیتی دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ لگا کر اس طرح لہراتی جیسے ناگن اپنا کنڈل چھوڑ کر اُوپر کو اُٹھ رہی ہو۔ کبھی سنگ مرمر کے فرش پر لیٹ کر ناگن کی طرح اپنے جسم کو لہروں کی طرح لہرا لہرا کر شیش ناگ دیوتا کی مورتی کی طرف بڑھنے لگتی جیسے اپنے ناگ کے پاس جا رہی ہو۔ کبھی ایک دم سے اُٹھتی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں جوڑ کر اُنہیں پھن کی طرح کھول کر منہ سے زبردست پھنکار کی آواز نکالتی اور گردن اُوپر اُٹھا کر دائیں بائیں دیکھنے لگتی جیسے ناگن اپنے ناگ کو تلاش کر رہی ہو۔ کبھی ڈھولک کی زبردست تھاپ پر لہراتی ہوئی گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی اور دونوں ہاتھ منہ کے پاس لا کر اس طرح جھومنے لگ جاتی جیسے سپیرن بین بجا کر سانپ کو نچا رہی ہو۔ پھر ایک دم دونوں بازو پیچھے ہٹا کر اس طرح ڈر جاتی جیسے پٹاری میں سے سانپ نے نکل کر پھنکار ماری ہو۔ پھر سر کو جھٹک کر دونوں ہتھیلیاں منہ کے پاس لاتی اور گھٹنوں کو جوڑ کر اپنے جسم کو یوں لہرانے لگتی جیسے سپیرن بین بجا بجا کر ناگ کو لبھا رہی ہو۔ پھر فوراً ہی پھنکار مار کر دونوں بازو پیچھے ہٹاتی اور دونوں ہاتھوں کا پھن بنا کر جھومنے لگتی اور جھومتی جھومتی منہ سے پھنکار کی آواز نکال کر اپنے ہاتھوں کے پھن کو بجلی کی طرح یوں آگے مارتی جیسے ناگن کسی کو ڈس رہی ہو۔

ناگ بھون کے ہال میں دیوار کے ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے پجاری، مرد، عورتیں اور دیوداسیاں اور بڑا پروہت دم بخود سے ہو کر چمپاکلی کا حیران کر دینے والا ناگ رقص دیکھ رہے تھے۔ ڈھولک بج رہی تھی، ڈھول پیٹے جا رہے تھے، شہنائیوں کی گونج بلند ہو رہی تھی اور ناگ دھن پر چمپاکلی زمین سے اُٹھ کر آسمان کی طرف بلند ہونے والے شعلے اور آسمان پر تڑپ کر زمین پر گرنے والی بجلی کی طرح ناگ رقص کر رہی تھی۔ اُس کا انگ انگ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ لوگ خوش تھے کہ شیش ناگ دیوتا کی پوجا کی رسم پوری ہو گئی ہے اور شیش ناگ دیوتا کی بددُعا ٹل گئی ہے۔ وہ فرطِ مسرت سے گھٹنوں کے بل اُٹھ اُٹھ کر جے ناگ رانی کی جے، شیش ناگ دیوتا کی جے کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بوڑھے سادھو کا چہرہ خوشی اور فخر سے تمتما رہا تھا۔

سیاہ پوش مُنی گپت چہرے پر نقاب ڈالے شیش ناگ کی مورتی کے چرنوں میں تخت پر

جوگیوں کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ وہ بھی دل میں ضرور خوش ہو رہا ہو گا کہ شیش ناگ دیوتا کی پوجا کی رسم پوری ہو رہی ہے۔ کسی کو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ کون عورت ہے جس نے میلے کپڑے پہن رکھے ہیں؟ دونوں ہاتھ زرد رُومالوں میں چھپے ہوئے ہیں، سر کے بال سن کی رسیوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور جس نے شیش ناگ دیوتا کی ناگ نرتکی کا شاندار، چمکیلا لباس بھی نہیں پہنا ہوا مگر جو اتنی مہارت اور اتنے کمال کے ساتھ ناگ نرتکی کا پورا پورا رقص کر رہی ہے۔ لوگ چمپا کلی پر پھول نچھاور کر رہے تھے اور جے ناگ نرتکی کی جے کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

چمپا کلی بھی اپنے آپ کو فراموش کر چکی تھی۔ اپنے عذابوں، پچھتاوؤں اور ساری زبوں حالیوں اور ساری بیماریوں کو بھول چکی تھی۔ اگر اُسے کچھ یاد تھا تو صرف اتنا یاد تھا کہ وہ ناگ مندر کی شاہی رقاصہ چمپا کلی ہے اور ناگ دیوتا کے آگے ناگ رقص کر رہی ہے۔ رقص ختم کرنے سے پہلے چمپا کلی، ناگن کی طرح لہراتی، بل کھاتی، جھومتی اور اپنے بازوؤں کو ناگن کی طرح جھلاتی پتھر کے تخت پر ساکت بیٹھے نقاب پوش مُنی گپت کے سامنے گئی، ہاتھ باندھ کر گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ اس طرح چمپا کلی نے اس چپ رہنے والے جوگی مُنی گپت کی تعظیم کی اور پاؤں کو تھرکاتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ناگ رقص کے آخری توڑے تھے۔ اسی طرح تھرکتی ہوئی وہ شیش ناگ کی مورتی کے سامنے آ گئی۔ دیکھتے دیکھتے اُس کا سارا جسم تھرکنے لگا۔ اُس کے جسم کا ایک ایک انگ تھرکنے لگا۔ پھر اُس نے تھرکتے ہوئے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور ایک جھٹکے سے اپنا چہرہ چھت کی طرف کر لیا۔ جیسے ہی اُس نے اپنا چہرہ جھٹک کر اُوپر کیا، آسمان پر بجلی زور سے کڑکی...... بادل گرجے اور ایک دم سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بادلوں کی گرج اور بارش کی آواز سن کر مندر کا پروہت بے اختیار ہو کر اُٹھا اور خوشی سے چیخ کر بولا۔

''شیش ناگ نے ناگ نرتکی کا پوجا رقص قبول کر لیا۔''

ہر طرف خوشی کے نعرے گونج اُٹھے۔ سازندوں نے ڈھولک کی لے تیز کر دی۔ شہنائیوں کی گونج اور بلند ہو گئی۔ دیوداسیاں، پجاری، پجارنیں اور وہاں بیٹھے ہوئے سبھی مرد اور عورتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور شیش ناگ کی جے کے نعرے بلند کرتی ناچنے لگیں۔ مُنی گپت جوگی اسی طرح اپنے چوکے پر آسن جمائے ساکت اور خاموش بیٹھے تھے۔ اُن کا چہرہ نقاب میں ڈھکا ہوا تھا اور نقاب کے دو سوراخوں میں سے اُن کی آنکھوں کی چمک زیادہ روشن ہو گئی تھی۔ چمپا کلی اپنے بدن کو تھرکاتی ہوئی رقص کے دائرے میں گھومی اور شیش ناگ کی مورتی کے آگے گر پڑی۔

پروہت لپک کر اُس کی طرف گیا کہ اُسے اُٹھا کر اپنا اشیرواد دے۔ ناگ بھون فانوسوں

ں روشنی میں جگمگ کر رہا تھا۔ چمپا کلی سنگ مرمر کے فرش پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی ی۔ اُس کے ہاتھوں پر لپٹے ہوئے رُومال رقص کے دوران اُڑ گئے تھے اور اُس کی اُنگلیوں پر ہے ہوئے کوڑھ کے ناسور صاف نظر آ رہے تھے۔ جیسے ہی بڑا پروہت چمپا کلی کو اُٹھانے کے سطے اُس کے پاس گیا، جلدی سے اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے کسی نے اُسے دھکا دے دیا ۔ اُس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''یہ تو کوڑھی ہے۔''

یہ سننا تھا کہ جو عورتیں اور مرد، چمپا کلی کے احسان مند ہو کر اُس کے پاؤں چھونے کو اُس طرف بڑھے تھے وہ یوں گھبرا کر وہاں سے بھاگ گئے جیسے اُنہوں نے کوئی خوفناک انپ پھنکار مار کر اپنی طرف لپکتا دیکھ لیا ہو۔ ہر طرف سے کوڑھی ہے...... کوڑھی ہے کی وازیں بلند ہونے لگیں اور دیکھتے دیکھتے مندر کا سارا ہال جو ایک لمحے پہلے انسانوں سے بھرا ا تھا، خالی ہو گیا۔ ساز بجانے والے بھی اپنے اپنے ساز چھوڑ کر بھاگ گئے۔ وہاں صرف پاکلی، نقاب پوش جوگی مُنی گپت اور بوڑھا سادھو رہ گئے۔ چمپا کلی شیش ناگ کی مورتی کے منے فرش پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ اُس کا جسم نڈھال ہو کر پسینے میں شرابور تھا۔ بوڑھے ادھو کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ اُٹھ کر چمپا کلی کے پاس آیا، اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اُس کے سر کے میل سے جمے ہوئے بالوں کو ہاتھ سے سہلایا اور شفقت بھری آواز میں کہا۔

''بیٹی! ان لوگوں نے تیرے ساتھ جو سلوک کیا، اس کو بھول جا۔ یہ دیکھ کہ دیوتاؤں نے ے پوجا کے ناگ رقص کو قبول کر لیا ہے۔ شیش ناگ دیوتا تجھ پر خوش ہے۔''

چمپا کلی اسی طرح فرش پر پڑی تھی۔ اُس کا جسم تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اُس کی بیماری اور ت پھر سے بیدار ہو گئی تھی۔ اُسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اب کبھی نہ اُٹھ سکے گی۔ اُس اپنی آنکھیں کھول کر بوڑھے سادھو سے کہا۔

''بابا! مجھے یہیں پڑی رہنے دو مجھ میں اُٹھنے کی ہمت نہیں رہی۔ مجھے آرام سے مر نے دو۔''

بوڑھے سادھو کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو گرنے لگے۔ اُس نے روتے ہوئے اپنا چہرہ ب پوش جوگی مُنی گپت کی طرف اُٹھایا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

''مُنی گپت مہاراج! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ جس نرتکی نے بیماری کی حالت میں بھی پوجا قص کر کے لوگوں کو شیش ناگ دیوتا کی بد دُعا سے بچا لیا ہے اس کے ساتھ لوگوں نے کیا ک کیا ہے۔ اسے کوڑھی دیکھ کر سب بھاگ گئے ہیں۔ مہاراج! آپ کو دیوتاؤں نے بڑی ی دی ہے۔ میری بچی پر رحم کریں۔ اس کو اچھا کر دیں۔''

نقاب پوش مُنی گپت اسی طرح خاموش اپنے استھان پر بیٹھا رہا۔ بوڑھے جوگی نے روتی

ہوئی آنکھوں سے چمپا کلی کی طرف دیکھا اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

''بیٹی اُٹھ! اور اُٹھ کر مُنی گپت جی سے ارداس کر۔ شاید وہ تیری فریاد سن لیں۔''

مگر چمپا کلی نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ جیسے بے ہوش ہو چکی تھی۔ تب نقاب پوش جوگی مُنی گپت نے بڑی دھیمی آواز میں کہا۔

''صبح اسے میری کٹیا میں لانا۔''

اتنا کہا اور مُنی گپت جی آہستہ سے اپنے استھان سے اُٹھے اور دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتے مندر کے خالی ہال سے باہر نکل گئے۔ آسمان پر بجلی کی کڑک اور چمک کم ہو گئی تھی۔ بادلوں کی گرج ختم ہو گئی تھی اور موسلا دھار بارش نے بوندا باندی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بوڑھے سادھو کو پہلے تو یقین نہ آیا کہ یہ مُنی گپت جی کی آواز تھی۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ مندر کے ہال میں وہاں اور کوئی نہیں تھا تو اُسے یقین آ گیا کہ یہ مُنی گپت جی ہی کی آواز تھی۔ وہ خوش ہو گیا کہ مُنی گپت نے خود چمپا کلی کو اپنی کٹیا میں بلایا ہے۔ بوڑھے سادھو نے چمپا کلی کے بازو کو ہلاتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! میں نے کہا تھا نا کہ بھگوان تیرے کشٹ دُور کر دیں گے۔ تجھے مُنی گپت جی نے اپنی کٹیا میں بلایا ہے۔ اب تو ضرور اچھی ہو جائے گی۔''

چمپا کلی نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے بولی۔

''بابا! میں اچھی ہو جاؤں گی نا؟''

''ہاں میری بچی! تو ضرور اچھی ہو جائے گی۔ مُنی گپت جی کی پرارتھنا میں بڑی شکتی ہے۔ وہ بھگوان کے آگے جس کے لئے پرارتھنا کرتے ہیں وہ اچھا ہو جاتا ہے۔ چلو! اپنے ٹھکانے پر چلتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں نے تو تجھے دھتکار دیا ہے، جبکہ تو نے ان کو دیوتاؤں کے قہر سے بچایا ہے۔ آؤ!''

بوڑھے سادھو نے سہارا دے کر چمپا کلی کو اُٹھایا اور چمپا کلی اُٹھ کر آہستہ آہستہ اُس کے ساتھ چل پڑی۔ جب وہ مندر سے باہر آئے تو کچھ لوگ جو بارش سے بچنے کے لئے برآمدے میں کھڑے تھے چمپا کلی کو دیکھ کر کوڑھی کوڑھی کی آوازیں بلند کرتے وہاں سے بھاگ گئے۔ بوڑھا سادھو، چمپا کلی کو سہارا دیئے اپنے ساتھ چلاتا اُس درخت کی طرف چل پڑا جس کے نیچے اُس کی ریڑھی کھڑی تھی۔ بوڑھے سادھو کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ جیسے آسمان بھی بوڑھے سادھو کے ساتھ آنسو بہا رہا ہو۔

سادھو، چمپا کلی کو لے کر درخت کے سائے میں جہاں اُن کی ریڑھی کھڑی تھی آیا۔ ریڑھی پر چونکہ چھپر تھا اور اس کے اوپر گھنے درخت کی شاخوں نے چھت سی بنا رکھی تھی اس لئے چمپا کلی کا بستر بارش میں بھیگا نہیں تھا۔ چمپا کلی نڈھال سی ہو کر بستر پر لیٹ گئی۔ بوڑھے

سادھو نے کہا۔

''بیٹی! تم تھوڑی دیر آرام کرو۔ میں کچھ کھانے کے لئے لاتا ہوں۔''

بوڑھا سادھو مندر کے پچھواڑے جہاں اُس کے گاؤں والوں نے اپنا خیمہ لگا رکھا تھا گیا۔ وہاں کھانا تقسیم ہو رہا تھا۔ سادھو نے مٹی کی بڑی تھالی میں چاول اور بھاجی ڈلوائی اور چمپا کلی کے پاس واپس آ گیا۔ چمپا کلی کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ چمپا کلی کا جسم تپ رہا تھا۔ سادھو بولا۔

''بیٹی! لگتا ہے تمہیں بخار ہے۔''

چمپا کلی نے بے نیازی سے کہا۔ ''ہو گا بابا!''

''میں مندر کے وید جی سے تمہارے لئے دوائی لاتا ہوں۔ تم بھوجن کرو۔''

چمپا کلی نے سادھو بابا کو روک دیا۔ ''مجھے اکیلی چھوڑ کر نہ جاؤ بابا! میرے پاس رہو۔''

بوڑھا پانی کا کٹورہ بھر کر لے آیا۔ کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے بیٹی! میں تمہارے پاس ہی رہتا ہوں۔''

چمپا کلی بے دلی سے چاول کھانے لگی۔ بوڑھا سادھو اُس کا حوصلہ بڑھانے لگا۔ بولا۔

''مُنی گپت کے پاس صبح جائیں گے۔ وہ تمہیں اچھا کر دیں گے۔ چنتا مت کرو۔''

○

دن نکل آیا تھا جب چمپا کلی کی آنکھ کھلی۔ رات وہ پوری نیند سوئی تھی۔ شاید اس لئے کہ نقاہت اور کمزوری کی حالت میں رات کو ناگ رقص کی مشقت نے اُسے تھکا دیا تھا۔ اتنے میں بوڑھا سادھو بھی آ گیا۔ وہ چمپا کلی کے واسطے بھنڈار میں سے کچھ کھانے کو لیتا آیا تھا۔ تھوڑا بہت کھانے کے بعد بوڑھے سادھو نے چمپا کلی کو ساتھ لیا اور مُنی گپت کی کٹیا میں پہنچ گیا۔ اس وقت مُنی گپت کٹیا میں تنہا بیٹھے گیان دھیان میں مشغول تھے۔ دونوں ایک طرف ہو کر ادب سے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد سیاہ پوش مُنی گپت نے اشارے سے چمپا کلی کو بلایا۔ چمپا کلی اُٹھ کر مُنی گپت کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ مُنی گپت نے دھیمی آواز میں کہا۔

''تمہارے گناہوں کا ایک یگ پورا ہو گیا ہے۔''

بوڑھا سادھو بڑا حیران ہوا۔ کیونکہ سیاہ پوش مُنی گپت کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ چمپا کلی ہاتھ جوڑے، سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ مُنی گپت بولا۔

''مگر تمہیں اپنے گناہوں کا پورا پرائسچت (کفارہ ادا) کرنا ہو گا۔ تم نے جو پاپ کئے ہیں انہیں تم اچھی طرح جانتی ہو۔ دیوتاؤں نے تمہارا آدھا پرائسچت (کفارہ) سوئیکار کر لیا ہے۔ میں دیوتاؤں کے حکم سے تمہاری بیماری تمہارے جسم سے نکال رہا ہوں۔ سیدھی لیٹ جاؤ!''

چمپا کلی وہیں بالکل سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔ بوڑھا سادھو بڑے تجسس سے دیکھ رہا تھا۔ مُنی گپت نے کہا۔

"اپنی آنکھیں بند نہ کرنا۔ سینے پر ہاتھ باندھ لو۔"

چمپا کلی نے پہلے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں اور دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لئے۔ بوڑھے سادھو نے دیکھا کہ مُنی گپت نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ اُس کی اُنگلیوں میں سے سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا سانپ پھسل کر نیچے گرا اور رینگتا، بل کھاتا چمپا کلی کی طرف بڑھا۔ چمپا کلی نے بھی سانپ کو دیکھ لیا۔ سانپ رینگتا ہوا چمپا کلی کے جسم پر چڑھ گیا اور اُس کی ٹانگوں پر سے ہوتا ہوا اُس کے سینے پر آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے چمپا کلی کو گھورتا رہا۔ چمپا کلی پر خوف طاری ہو گیا تھا۔

سیاہ پوش مُنی گپت کی آواز آئی۔ "اپنے جسم کو نہ ہلانا۔"

چمپا کلی ساکت ہو کر لیٹی رہی۔ سانپ بار بار اپنی پتلی زبان باہر نکال رہا تھا۔ پھر اُس کے منہ سے پھنکار کی آواز نکلی اور اُس نے چمپا کلی کی گردن پر ڈس دیا۔ چمپا کلی کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ مگر اُس نے کوئی حرکت نہ کی، اسی طرح پڑی رہی۔ سانپ نے ایک بار پھر پھنکار کر چمپا کلی کی گردن پر دوسری بار ڈسا اور آہستہ سے اُس کے سینے پر سے اُتر کر رینگتا ہوا سیاہ پوش مُنی گپت کے پاس چلا گیا۔

بوڑھا سادھو چپ چاپ بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سانپ کا زہر چمپا کلی کی بیماری کے زہر کو جلا کر راکھ کر دے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ چمپا کلی کو محسوس ہوا کہ اُس کے جسم کا بھاری پن آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اُس کا بدن کبھی ایک دم گرم ہو جاتا اور کبھی ایک دم سرد ہو جاتا۔ ایسا چھ سات بار ہوا۔ آخر آخری بار جب اُس کا جسم گرم ہوا تو اس کے بعد سرد ہونے کی بجائے ہلکا پھلکا ہو گیا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں کی اینٹھن ختم ہو گئی۔ اُس کے ہاتھوں کی اُنگلیوں کا درد غائب ہو گیا۔ مُنی گپت کی آواز آئی۔

"اُٹھ کر بیٹھ جاؤ! تمہاری بیماری جاتی رہی ہے۔"

چمپا کلی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ سب سے پہلے اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اپنی اُنگلیوں کو دیکھا۔ اُس کی اُنگلیاں جو پہلے ناسور زدہ تھیں اور گل سڑ رہی تھیں اب کنول کے پھولوں کی کلیوں کی طرح گلابی اور شفاف ہو گئی تھیں۔ اُس کے ہاتھوں کی جلد بھی صاف اور شفاف ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا، اُس کے بال جن میں میل جمی رہتی تھی اور میلے چیکٹ ہو رہے تھے اب ریشم کی طرح ملائم اور صاف ستھرے ہو گئے تھے۔ چمپا کلی بے اختیار ہو کر سیاہ پوش مُنی گپت کے پاؤں پر جھک گئی۔ مُنی گپت نے کہا۔

"تم پہلے جیسی ہو گئی ہو چمپا کلی! لیکن ابھی تم نے آدھا کشٹ کاٹا ہے۔ تمہارا آدھا کشٹ باقی ہے۔"

چمپا کلی کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

"مہاراج! آپ کی کرپا سے میں اچھی ہو گئی ہوں۔ میں اپنے پاپ کا دوسرا کشٹ بھگتنے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے یہ بتائیں کیا میں اپنے پتی دیو ناگ پال سے مل سکوں گی؟ میں اُس کے چرنوں میں سر رکھ کر اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ ورنہ میری آتما کو مکتی نہیں ملے گی۔"

سیاہ پوش مُنی گپت یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ بوڑھے سادھو کے چہرے پر پریشانی کے نقوش اُبھر آئے۔ اُس نے سوچا چمپا کلی کے سوال سے مُنی گپت جی شاید ناراض ہو گئے ہیں۔ پتہ نہیں اب کیا ہو؟ مُنی گپت کہیں چمپا کلی کو سراپ نہ دے دیں۔ وہ ڈر گیا۔ چمپا کلی بھی مُنی گپت کی خاموشی سے ڈر گئی۔ کچھ دیر کٹیا میں سناٹا چھایا رہا۔ چمپا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے فوراً ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"مہاراج! مجھے ایسی بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مجھے شما کر دیں..... مجھے معاف کر دیں۔"

سیاہ پوش مُنی گپت کی آواز بلند ہوئی۔

"چمپا کلی! آدمی اس سنسار میں آ کر جو کرم بھی کرتا ہے اسے اس کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ اچھے کرم کا بدلہ اچھا ملتا ہے، برے کرم کا بدلہ برا ملتا ہے۔ یہ کرم کانڈ ہے۔ اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ تم نے پاپ کے کرم کئے، تمہیں اس کی سزا ملی۔ تمہارے پتی دیو ناگ پال نے اچھے کرم کئے اُسے اس کا صلہ مل گیا۔ اس نے جو برا کرم کیا تھا اُسے اس کا بدلہ تمہاری جدائی کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جب تک تمہارے پاپ کا دوسرا کشٹ ختم نہیں ہو جاتا، جب تک ناگ پال کے برے کرموں کا اُسے پورا پورا بدلہ نہیں مل جاتا، کرم کانڈ کا چکر پورا نہیں ہو گا۔ یاد رکھو! کرم کانڈ اپنا چکر ضرور پورا کرتا ہے....."

بوڑھا سادھو بت بنا سیاہ پوش مُنی گپت کی دانائی کی باتیں سن رہا تھا۔ چمپا کلی کے دل میں ناگ پال سے ملنے اور اُس سے معافی مانگنے کی تمنا ایک منہ زور لہر کی طرح بلند ہو رہی تھی۔ پوری طرح صحت مند ہونے کے بعد اُس کے ذہن میں سوائے ناگ پال سے ملنے کی آرزو کے اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

"مہاراج! آپ دلوں کے حال جانتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں تپسیا اور ریاضت سے روشن ہو گئی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں صرف ناگ پال اور ناگ پال سے پریم کرتی ہوں اور میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔ مجھے صرف اتنا بتا دیجئے کہ ناگ پال مجھے کہاں ملے گا؟ اس کے بعد میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ اس کے بعد مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

سادھو دل میں خوف کھانے لگا کہ چمپا کلی کی یہ بے باکی کہیں سیاہ پوش مُنی گپت کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے۔ لیکن اُس کی توقع کے بالکل برعکس مُنی گپت نے کہا۔

"چمپاکلی! تمہارے پتی سے تمہارا پیار دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ دیوتاؤں کو بھی خوشی ہوئی ہوگی۔ اب سنو! غور سے سنو...... ! یہاں سے اُتری پچھم کی طرف دو دریا بہتے ہیں۔ ان دریاؤں کے درمیان ایک ملک آباد ہے۔ اُس ملک میں جاؤ۔ ناگ پال تمہیں وہیں ملے گا۔ اس کے آگے مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دُوں گا۔ اب جاؤ۔"

چمپاکلی نے اُٹھ کر مُنی گپت کے پاؤں چھوئے، جھک کر نمسکار کیا اور اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ گئی۔ بوڑھا سادھو پہلے ہی اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے بھی ہاتھ باندھ کر مُنی گپت کو پرنام کیا اور وہ دونوں کٹیا سے باہر آ گئے۔

OOO

باہر آتے ہی بوڑھے سادھو نے چمپاکلی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"بیٹی! تم بڑی بھاگوان ہو کہ مُنی گپت جی کی مدد سے تمہاری بیماری دُور ہوگئی۔ تمہارے کشٹ کا ایک یُگ کٹ گیا۔"

چمپاکلی نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ اُسے اپنے چہرے کی جلد پہلے کی طرح نرم اور ملائم محسوس ہوئی۔ وہ اپنے لمبے ریشمی بالوں کو ہاتھوں سے آگے کر کے دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگی۔ بار بار اپنے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتی تھی۔ بار بار اپنے ہاتھوں کو کھول کر اپنی اُنگلیاں دیکھتی اور کہتی تھی۔

"دیکھو بابا! میں بالکل پہلے جیسی ہوگئی ہوں۔ ہے بھگوان! تیرا شکر میں کیسے ادا کروں؟"

چمپاکلی نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ سادھو بھی چمپاکلی کو پوری طرح صحت مند دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"مندر کے پجاری اور پروہت تمہیں دیکھیں گے تو کسی کو یقین نہیں آئے گا کہ تم وہی کوڑھ زدہ چمپاکلی ہو۔"

چمپاکلی نے اپنے سر کے ریشمی بالوں کو پیچھے جھٹک کر کہا۔

"نہیں بابا! میں ان لوگوں کے پاس نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹی...... وہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ تم ان سے ملو۔ چلو! ہم اپنے ٹھکانے پر چلتے ہیں۔"

چمپاکلی اور بوڑھا سادھو دن کی روشنی میں اُس درخت کی طرف چل پڑے جس کے سائے میں اُن کی ریڑھی کھڑی تھی۔ چمپاکلی اپنے صحت مند جسم میں پوری طاقت اور توانائی محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے ریڑھی پر بچھے ہوئے اپنے گندے بستر کو دیکھا تو بولی۔

"بابا! میں اس بستر پر نہیں لیٹوں گی۔ یہ میرے گناہوں کی نشانی ہے۔ میں نے اس گندے بستر کا کشٹ پورا کر لیا ہے۔"

اور چمپاکلی نے گندا بستر اُٹھا کر پرے پھینک دیا اور بوڑھے سادھو کے پاس اُس تختے پر بیٹھ گئی جس پر رات کو بوڑھا سادھو آرام کرتا تھا۔ بوڑھا سادھو بھی اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ رات کی بارش میں دُھلے ہوئے درختوں کے پتے دُھوپ میں چمک

رہے تھے۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ چمپا کلی کے جسم میں ایک ہزار برس تک جینے کی طاقت آ گئی تھی۔ اُس نے بوڑھے سادھو سے پوچھا۔

''بابا! مُنی گپت جی نے جو بتایا ہے کہ یہاں سے اُتری پچھم کی طرف دو دریا بہتے ہیں، اُن کے درمیان ایک ملک آباد ہے۔ کیا تم اُس ملک کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

بوڑھا سادھو بولا۔

''بیٹی! میں نے اتنا سن رکھا ہے کہ یہاں سے دُور، بہت دُور...... ایک ملک آباد ہے جہاں ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے جس کی بڑی بڑی داڑھی ہے اور جو سر پر سونے کا ہیرے جواہرات والا تاج پہنتا ہے۔ وہاں کے لوگ بڑے بہادر ہیں اور تیر کمان لگا کر گھر سے باہر نکلتے ہیں۔ وہ لمبے چغے پہنتے ہیں اور اُن کے پاس ایسی مشینیں ہیں جو بڑے بڑے پتھر پھینک کر دشمن کے شہر کی فصیل کو توڑ ڈالتی ہیں۔''

بوڑھے سادھو کو علم نہیں تھا کہ وہ چار ہزار برس پہلے کے دجلہ وفرات کی وادی میں آباد نینور نام کے ایک قدیم ترین شہر کا ذکر کر رہا ہے جہاں اشوری حکمرانوں سے بھی بہت پہلے سومر نام کی ایک قوم آباد تھی جس کے بادشاہ کا نام سامیر تھا۔ ایک ہزار برس تک سومر قوم وہاں آباد رہی اور پھر 721 قبل از مسیح میں اشوری قوم حملہ آور ہوئی اور اُس نے نینور کے قدیم ترین شہر کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ اس طرح اشوری قوم کا پہلا حکمران سارغون تھا۔ اُس نے نینور کا نام بدل کر نینوا رکھ دیا۔ نینوا کو انسانی تہذیب کا اولین شہر کہا جاتا ہے۔ اشوری قوم کے بادشاہ کو بعض مؤرخ دنیا کا پہلا ایسا بادشاہ کہتے ہیں جس کا سراغ نینوا میں پائے جانے والے کتبوں، تصویروں، مجسموں اور خطِ میخی میں لکھی ہوئی کھنڈروں سے دستیاب ہونے والی تختیوں سے ملتا ہے۔ (بحوالہ ول ڈیوراں۔ داستانِ تہذیب۔ جلد اوّل صفحہ 213)

لیکن جس دور میں وادیٔ سندھ میں ہڑپہ اور موہنجودڑو کے شہروں کی دراوڑی تہذیب اپنے عروج پر تھی اُس زمانے میں نینوا کا نام نینور ہی بتایا جاتا ہے۔ یہ اشوری قوم کے حملہ آور ہونے سے بہت پہلے کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں چمپا کلی اور ناگ پال جی رہے تھے اور اس وقت نینور کے ملک پر سامیر نام کا بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ سیاہ پوش مُنی گپت نے اُسی نینور ملک کی طرف چمپا کلی کو جانے کے لئے کہا تھا۔ سومر قوم کے لوگ بھی لمبی گھنی داڑھیاں رکھتے تھے اور تیر کمان لگا کر گھروں سے نکلتے تھے۔ اُنہوں نے لکڑی کے رتھوں کو جوڑ کر ایک ایسی مشین ایجاد کر لی تھی جو دشمن کے شہر کی فصیل پر بڑے بڑے پتھر مارتی تھی اور فصیل کو توڑ دیتی تھی۔ یہی مشین آگے چل کر اپنی ترقی یافتہ شکل میں منجنیق کہلائی۔

لیکن ابھی ہم تہذیب انسانی کے قدیم ترین گہوارے وادیٔ دجلہ وفرات کی ابھی تک معلوم قدیم ترین قوم سومر کے شہر نینور کے عہد کو بیان کر رہے ہیں جس طرف جانے کے لئے مُنی

گپت نے چمپا کلی کو اشارہ کیا ہے۔ چمپا کلی کے مشفق ساتھی بوڑھے سادھو کو صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ وادیٔ سندھ کے شمال مغرب کی جانب دُور بہت دُور ایک ملک آباد ہے جہاں ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ جس کی گھنی داڑھی ہے اور جو سر پر سونے کا ہیرے جواہرات والا تاج پہنتا ہے۔ اور چمپا کلی کو اس ملک کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔ بوڑھے سادھو نے اُسے اس ملک کے بارے میں یہ سب کچھ بتایا تو اُس نے پوچھا۔

''بابا! وہ ملک یہاں سے کتنی دُور ہوگا؟''

بوڑھے سادھو نے جواب دیا۔

''اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔ بھگوان جانے کتنی دُور ہوگا؟ کہتے ہیں قافلے دن رات مہینوں تک چلتے رہیں، پھر وہ ملک آتا ہے۔''

چمپا کلی خاموش ہوگئی۔ وہ خاموش ضرور ہوگئی تھی مگر اُس کا حوصلہ بلند تھا۔ اپنے ناگ پال سے ملنے کے واسطے وہ طوفانی سمندروں اور آگ برساتے صحراؤں میں ایک ہزار سال تک بھی سفر کر سکتی تھی۔ بوڑھے سادھو نے کہا۔

''بیٹی! بڑا لمبا اور کٹھن سفر ہوگا یہ...... تو اکیلی یہ سفر نہیں کر سکے گی۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔''

چمپا کلی بولی۔

''نہیں بابا! میں اکیلی ہی جاؤں گی۔ میں تمہیں اپنے ساتھ اتنے کٹھن سفر کی تکلیفیں نہیں اُٹھانے دُوں گی۔''

سادھو بولا۔

''بیٹی! میں تمہیں اکیلی نہیں جانے دُوں گا۔ ٹھیک ہے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو تکلیف اُٹھاتے نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک زندہ رہ کر سفر کی تکلیفیں اُٹھا سکا تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ اب مجھے اپنے ساتھ چلنے سے مت روکنا۔''

اتنے میں ایک عورت وہاں سے گزری۔ اُس نے درخت کے نیچے سادھو کے ساتھ ایک جوان، خوبصورت عورت کو دیکھا اور ریڑھی بھی خالی دیکھی تو رُک گئی اور سادھو سے پوچھا۔

''بابا! اس ریڑھی پر جو کوڑھی پڑی رہتی تھی وہ کہاں چلی گئی ہے؟''

اس سے پہلے کہ سادھو کچھ کہتا، چمپا کلی نے کہا۔ ''وہ مر گئی ہے۔ ہم نے اُس کا کریا کرم کر دیا ہے۔ فکر نہ کرو اب تمہیں اُس کا کوڑھ نہیں لگے گا۔''

عورت کانوں کو ہاتھ لگاتی جلدی جلدی وہاں سے آگے چل دی۔ چمپا کلی نے مسکراتے ہوئے بوڑھے سادھو سے کہا۔

''بابا! یہ لوگ کسی کو آرام سے مرنے بھی نہیں دیتے۔''

بوڑھا سادھو چمپا کلی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

''بیٹی! میں نے پہلی دفعہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی ہے۔ بھگوان تمہیں ہمیشہ مسکراتا رکھے۔''

چمپا کلی نے بوڑھے سادھو کے پاؤں چھو کر ہاتھ اپنے ماتھے پر لگایا اور بولی۔ ''بابا! میری یہ مسکراہٹ تمہارے پاؤں کا صدقہ ہے۔ تم نے مجھے اس وقت اپنی بیٹی سمجھ کر گلے سے لگایا جب سارا سنسار مجھے دھتکار چکا تھا۔ میں تمہارے احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتی بابا!''

بوڑھے سادھو نے چمپا کلی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ایسی باتیں نہ کرو بیٹی! کوئی باپ زمین پر گری ہوئی اپنی بیٹی کو اُٹھا کر اُس پر احسان نہیں کرتا۔ تم بھی میری بیٹی ہو۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ایسی بات پھر نہ کرنا۔''

چمپا کلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

چمپا کلی کو جب شکاری جاگیردار کوشل نے بابل کی حسینہ پر فریفتہ ہونے کے بعد اپنی حویلی کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا تو چمپا کلی اپنے ساتھ قیمتی موتیوں کا ایک ہار چھپا کر لے آئی تھی۔ یہ قیمتی ہار اُس نے اپنی مہلک بیماری کی حالت میں بھی اپنے پاس چھپا کر رکھا تھا۔ اس وقت بھی یہ ہار چمپا کلی کے لباس کے اندر اُس کی کمر کے ساتھ ایک پرانے کپڑے میں بندھا لپٹا ہوا تھا۔ جب چمپا کلی کے پوچھنے پر کہ ہم اتنا لمبا سفر کیسے طے کریں گے بوڑھے سادھو نے اُسے بتایا کہ ہمیں خانہ بدوشوں کے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتے صحرائی قافلوں کے ساتھ سفر کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی جب یہ کہا کہ

''تم فکر نہ کرو بیٹی۔ میں کسی نہ کسی شہر کے مندروں میں جا کر کچھ پیسے خیرات مانگ کر لے آیا کروں گا جس سے ہم قافلوں والوں کو سفر کا خرچہ بھی دے دیں گے اور اپنے لئے تھوڑا بہت کھانے پینے کا بندوبست بھی کر لیا کریں گے۔''

تو چمپا کلی نے اپنی کمر میں سے قیمتی موتیوں کا ہار نکال کر بوڑھے سادھو کو دیا اور کہا۔ ''بابا! یہ ہار میں نے سب کی نظروں سے چھپا کر رکھا ہوا تھا کہ اگر میں مر گئی تو لوگ اس ہار کا ایک موتی بیچ کر میرا کریا کرم کر دیں گے۔ اب یہ ہار میں تمہیں دیتی ہوں۔ میرا خیال ہے اس کو بیچ کر ہمیں چاندی کے اتنے سکے مل جائیں گے کہ ہم دو دریاؤں والے شہر میں پہنچ سکیں۔''

بوڑھے سادھو نے ہار کو دیکھا اور بولا۔

''بیٹی! یہ ہار بہت قیمتی ہے۔ تمہیں اس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہے۔ ہم اس کے صرف دو موتی بیچ کر اپنی منزل پر آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔''

ناگ دیوتا کے تہوار کا میلہ ختم ہو گیا۔ جس منڈلی کے ساتھ بوڑھا سادھو اس تہوار میں شرکت کرنے آیا تھا وہ واپس چلی گئی مگر بوڑھا سادھو اُن کے ساتھ واپس نہ گیا اور چمپا کلی کے

ساتھ ہی رہا۔ تیسرے روز وہاں ایک قافلہ آ کر ٹھہرا۔ بوڑھا سادھو قافلے کے سردار سے ملا۔ معلوم ہوا کہ یہ قافلہ ایلاش شہر کو جا رہا ہے۔ ایلاش شہر وہ مقام تھا جہاں آج کل افغانستان کی سرحد ایران کی سرحد سے جا ملتی ہے۔ ایلاش نام کا ایک شہر اس زمانے میں ایران افغانستان کی سرحد پر واقع تھا۔ آج اس شہر کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے اور سوائے بنجر ٹیلوں کے اور کچھ بھی نہیں۔

وادیٔ دجلہ و فرات کے اُس زمانے کا عالی شان شہر نینور چمپا کلی اور بوڑھے سادھو کی منزل تھا۔ اس شہر میں اُسے ناگ پال سے ملاقات کا اشارہ دیا گیا تھا اور وادیٔ دجلہ و فرات کو قافلے افغانستان، ایران کے سرحدی شہر ایلاش سے ہو کر جایا کرتے تھے۔

سادھو نے چمپا کلی سے آ کر کہا۔

''یہ قافلہ ہماری منزل کے پہلے پڑاؤ تک ہمیں پہنچا دے گا۔ آگے ہم کسی دوسرے قافلے کے ساتھ سفر کرنا شروع کر دیں گے۔''

چمپا کلی بڑی خوش ہوئی۔ اُس نے اپنا ہار نکال کر اُس میں سے دو موتی نکالنے چاہے مگر بوڑھے سادھو نے کہا۔

''بیٹی! صرف ایک ہی موتی کافی ہو گا۔''

سادھو، ہار کا ایک موتی لے کر شہر کے بڑے بازار میں گیا۔ وہاں اُس نے جوہری کی ایک دکان دیکھ رکھی تھی۔ جوہری کو موتی دکھا کر کہا۔ ''میں اسے فروخت کرنے آیا ہوں بیٹا! اس کے جتنے دام بنتے ہیں مجھے دے دو اور موتی لے لو۔''

جوہری نے کہا۔ ''بابا! اس موتی کے عوض میں تمہیں سونے کے سات سکے دے سکتا ہوں۔ اگر منظور ہو تو لے لو۔''

سادھو نے سونے کے سات سکے لے کر موتی، جوہری کو دے دیا اور سیدھا کارواں سرائے میں پہنچا جہاں ایلاش شہر کو جانے والا قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اُس نے ایلاش شہر تک کے اپنے اور چمپا کلی کے کرائے اور کھانے پینے کے عوض سردار کو سونے کا ایک سکہ دے دیا۔ سردار سونے کا سکہ لے کر بڑا خوش ہوا اور بولا۔

''میں تم دونوں کو الگ الگ اُونٹ سواری کے لئے دوں گا۔ اور راستے میں تمہارا اور تمہاری بیٹی کے آرام کا خاص خیال رکھوں گا۔''

سردار کو دو آدمیوں کی خوراک اور سفر کے عوض بھاری رقم مل گئی تھی۔ سونے کے ایک سکے کے عوض تو وہ دس مسافروں کو کھلاتا پلاتا بڑے شوق سے اپنے قافلے کے ساتھ لے جا سکتا تھا۔

چمپا کلی نے شہر میں جا کر اپنے لئے نئے کپڑے وغیرہ خریدے۔ سادھو نے بھی نیلے رنگ

کی ایک بڑی چادر اپنے واسطے خریدی اور پھر وہ کارواں سرائے میں آ گئے جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔

اگلے روز قافلہ اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ قافلے کا یہ دستور تھا کہ جس علاقے میں دُھوپ کی تپش ناقابل برداشت ہوتی تھی اُس علاقے میں قافلہ دن کے وقت آرام کرتا تھا اور سورج غروب ہونے کے بعد اپنا سفر شروع کرتا تھا۔ ساری رات سفر میں گزارنے کے بعد سورج نکلتے ہی قافلہ کسی سایہ دار مقام پر پڑاوَ ڈالتا تھا۔ سارا دن وہاں مسافر آرام کرتے تھے۔ پھر جب سورج غروب ہو جاتا تھا تو قافلہ آگے کو چل پڑتا تھا۔ لیکن جس علاقے میں موسم سرد ہوتا تھا اس علاقے میں قافلہ دن کے وقت سفر کرتا اور رات کو آرام کرتا تھا۔ چمپا کلی اور سادھو جس علاقے میں تھے وہ سندھ کے شمال مغرب کا علاقہ تھا اور یہاں سخت گرمی پڑتی تھی۔ چنانچہ کچھ دن قافلے نے یہاں آرام کیا اور شام کے وقت جب سورج غروب ہو چکا تھا اور دُھوپ کی تپش جاتی رہی تھی تو قافلہ روانہ ہوا تھا۔

بوڑھے سادھو نے چونکہ قافلے کے سالار کو سونے کا سکہ دیا تھا اس لئے وہ اُس کا اور چمپا کلی کا خاص خیال رکھتا تھا۔ چمپا کلی کو اُس نے ایسی اُونٹنی دی تھی جس پر کجاوہ لگا ہوا تھا تاکہ وہ آرام سے سفر کر سکے۔ بوڑھے سادھو کو بھی ایک ایسی ہی اُونٹنی دی گئی تھی۔ سفر بہت لمبا تھا۔ رات کے وقت قافلہ سفر کرتا، دن کے وقت کسی جگہ پڑاوَ ڈال کر آرام کرتا۔ اس طرح سفر کرتے کرتے یہ قافلہ وادیٔ سندھ اور وادیٔ بلوچستان سے نکل کر افغانستان میں داخل ہو گیا۔ اُس زمانے میں ان ملکوں کے یہ نام نہیں تھے اور یہ سارے علاقے بے آباد تھے۔ کہیں کہیں کچے مکانوں والے گاؤں تھے جہاں آج سے چار ہزار برس پہلے کے افغانی اور بلوچی قبائل آباد تھے۔ ہر گاؤں کا ایک سردار تھا جس کی اپنی حکومت تھی۔ کوئی قافلہ اُن کے قریب سے گزرتا تو وہ قبیلے کے سردار کو ٹیکس ادا کرتا تھا۔

چمپا کلی اور بوڑھے سادھو کو قافلے میں سفر کرتے ایک مہینہ گزر گیا تھا۔ قافلہ جنوبی افغانستان کے علاقے میں سفر کر رہا تھا۔

سالارِ قافلہ کو قافلے میں سفر کرنے والے سب مسافروں کے بارے میں پوری خبر ہوتی تھی کہ کون کہاں سے آیا ہے اور کون کہاں جا رہا ہے؟ اس دوران قافلے کے سالار کو یہ پتہ لگ چکا تھا کہ بوڑھے سادھو کے ساتھ جو اُس کی بیٹی سفر کر رہی ہے جس کا نام چمپا کلی ہے اُس کے پاس ایک انتہائی قیمتی موتیوں کا ہار ہے۔ یہ اطلاع سالارِ قافلہ کی خاص جاسوس عورت نے دی تھی جو ہمیشہ قافلے کے ساتھ رہتی تھی۔ یہ سن کر سالارِ قافلہ کی نیت خراب ہو گئی۔ اُس نے اپنے دو ساتھیوں کو ساتھ ملایا اور فیصلہ کیا کہ بوڑھے سادھو کو قتل کر کے اُس کی بیٹی سے ہار چھین کر اسے بھی ٹھکانے لگا دیا جائے۔ یہ بڑا بھیانک منصوبہ تھا۔ بوڑھا سادھو اور چمپا کلی اس

ہلاکت خیز فیصلے سے بے خبر تھے۔ اُنہیں خبر ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

قافلے کے سردار یا سالار نے اپنے ساتھیوں سے مل کر اس قاتلانہ ڈاکہ زنی کی پوری ترکیب سوچ لی تھی۔ قافلہ ویران علاقے میں سفر کر رہا تھا۔ دُور تک بنجر خشک پہاڑی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ زمین کہیں سخت آ جاتی اور کہیں ریتلے میدان شروع ہو جاتے۔ سبزے کا کہیں نام ونشان تک نہیں تھا۔ قدیم افغانستان کی سرزمین پر سفر کرتے قافلے کو تین راتیں، تین دن گزر گئے تھے کہ نیم میدانی نیم پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ چھوٹے بڑے ٹیلے تھے جن پر کہیں کہیں خشک جھاڑ جھنکاڑ اُگ رہا تھا۔ گہری کھائیاں بھی تھیں جن کی تہہ میں قد آدم سرکنڈے ہی سرکنڈے نظر آتے تھے۔

قافلے کے سردار کو اپنی مجرمانہ واردات کے لئے یہ جگہ بڑی موزوں نظر آئی۔ وہاں قافلے نے دن بھر آرام کیا اور شام ہوتے ہی قافلہ اپنے سفر پر چل پڑا۔ سردار نے خاص حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے بوڑھے سادھو اور چمپا کلی کی اُونٹنیوں کو قافلے میں سب سے پیچھے لگا دیا تھا۔ ان دونوں اُونٹنیوں کی مہاریں تھامے جو ساربان انہیں آہستہ آہستہ چلا رہے تھے اُن کی جگہ سردار نے اپنے دونوں ساتھیوں کو مقرر کر دیا۔ اس تبدیلی پر نہ بوڑھے سادھو کو کوئی شک پڑا اور نہ چمپا کلی کے دل میں کوئی خیال آیا۔ قافلہ سفر کرتا رہا۔ اُونٹوں کی قطار اپنی نپی تلی رفتار کے ساتھ رات کے اندھیرے میں آسمان پر نکلے ہوئے ستاروں کی راہ نمائی میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی۔ اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ رات پوری طرح ویران میدانوں اور بنجر پہاڑی ٹیلوں پر چھا گئی۔ رات کا یہ اندھیرا کوئی ایسا اندھیرا نہیں تھا جیسا کہ بند کمرے میں بجلی چلی جانے کے بعد ہو جاتا ہے۔ یہ کھلے وسیع ویرانوں کی رات کا اندھیرا تھا۔ اور رات بھی آج سے چار ہزار سال پہلے کے زمانے کی تھی۔ آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے رات کے وقت آسمان پر ستارے بڑی آب و تاب سے چمکا کرتے تھے۔ اُس زمانے میں نہ ڈیزل تھا نہ پٹرول تھا نہ کوئلے کا دُھواں اُگلنے والے ریلوے انجن چلتے تھے، نہ دُھواں اُگلنے والی کارخانوں کی چمنیاں تھیں۔ کوئی رکشہ، ٹرک، ویگن، سکوٹر، موٹر سائیکل اور کوئی دُھواں چھوڑتی بس نہیں چلتی تھی۔ فضا آلودگی کے نام تک سے ناواقف تھی۔ یہاں تک کہ کوئی ہوائی جہاز بھی نہیں تھا کہ جس کے جیٹ انجنوں سے خارج ہونے والا دُھواں آسمان کی بلندیوں کو آلودہ کر سکتا۔ ایسی شفاف اور پاکیزہ فضا تھی کہ آج کا دُھواں کھایا ہوا انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آسمان پر چمکتے ستاروں کی چمک اور روشنی آسمان کی بلندیوں، بلکہ خلاؤں کی بلندیوں سے اُتر کر اپنی صحیح حالت میں زمین پر پڑتی تھی۔ میدانوں اور صحراؤں کی راتیں اتنی تاریک نہیں ہوتی تھیں۔ دن جیسی روشنی تو نہیں ہوتی تھی لیکن رات کی اُس تاریکی میں بھی آدمی ایک دوسرے کو دیکھ سکتا تھا۔

یہ آج سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے کی ایسی ہی ایک رات تھی۔ دس بارہ اُونٹوں کی قطار کا ایک قافلہ نیم روشن رات کے سناٹے میں چلا جا رہا تھا۔ اُونٹ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ایسے چل رہے تھے جیسے خواب میں چل رہے ہوں۔ ایک ساربان سب سے اگلے اُونٹ کی مہار تھامے سر جھکائے چل رہا تھا۔ ایک ساربان سب سے پچھلی اُونٹنی کی مہار تھامے چلا آ رہا تھا۔

اس اُونٹنی پر بوڑھا سادھو کجاوے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس سے آگے والی اُونٹنی پر چمپا کلی کجاوے میں بیٹھی کچھ سو رہی تھی، کچھ جاگ رہی تھی۔ اُس کی مہار بھی ایک ساربان نے تھام رکھی تھی۔ یہ دونوں ساربان قافلے کے سردار کے جرائم پیشہ ساتھی تھے۔ سردار تیسری اُونٹنی پر بیٹھا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیچھے نظر ڈال لیتا تھا۔ وہ اس راستے سے قافلہ لے کر کئی بار گزر چکا تھا۔

جب قافلہ ویران بنجر ٹیلوں والے علاقے میں اس جگہ پہنچا جو سردار نے واردات کے لئے پہلے سے چن رکھی تھی تو وہ آہستہ سے تین بار کھانسا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ کام شروع کر دیا جائے۔ کھانسی کی آواز سنتے ہی پیچھے پیچھے آ رہے ساربان نے چمپا کلی کی اُونٹنی کی مہار کچھ اس طرح سے کھینچی کہ اُونٹنی بلبلا اُٹھی اور تھوڑا سا اُچھل کر ایک طرف کو دوڑ پڑی۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے سادھو والی اُونٹنی کے ساربان نے بھی اُونٹنی کی مہار کو دو تین جھٹکے دیئے۔ وہ بھی بلبلا کر پہلے والی اُونٹنی کے پیچھے دوڑنے لگی۔ سردار نے اپنی اُونٹنی آگے بڑھا کر سب سے آگے جو اُونٹ چل رہا تھا اُس کے ساربان کو آواز دے کر کہا۔

''پچھلی اُونٹنیاں بدک گئی ہیں۔ اگلے پڑاؤ پر رُک جانا۔ ہم اُونٹنیوں کو قابو کر کے وہاں پہنچ جائیں گے۔''

سردار دوسرے مسافروں کو جائے واردات سے دُور پہنچا دینا چاہتا تھا۔ ساربان سردار کا حکم سن کر باقی اُونٹوں کو لئے آگے چلتا چلا گیا۔ سردار اپنی اُونٹنی لے کر اُن دو اُونٹنیوں کی طرف دوڑا جو اُن کے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بدک کر ایک طرف کو بھاگ اُٹھی تھیں۔ چمپا کلی اور بوڑھا سادھو بدکی ہوئی اُونٹنیوں پر بیٹھے گھبرا رہے تھے۔ دونوں جرائم پیشہ ساربان جانوروں کو جھوٹ موٹ سنبھالنے کی کوشش میں لگے تھے۔ اتنے میں قافلے کا سردار بھی آ گیا۔ بوڑھے سادھو نے بلند آواز میں کہا۔

''بیٹی کو نیچے اُتار دو...... وہ گر پڑے گی۔''

سردار خود بھی یہی چاہتا تھا۔ اُس نے چمپا کلی کی اُونٹنی کی مہار پکڑ کر اُسے اپنی اُونٹنی پر بیٹھے بیٹھے قابو کیا اور چمپا کلی سے کہا۔

''گھبراؤ نہیں...... جانور ڈر گیا ہے۔''

پھر اپنے ساتھی سے کہا۔ ''جانور کو بٹھا کر سواری کو نیچے اُتار دو۔''

ساربان نے فوراً اُونٹنی کو بٹھا دیا اور چمپا کلی جو بے حد گھبرا رہی تھی، سردار نے اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے اُونٹنی سے اُتارا اور کہا۔

''بی بی! یہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ہم دوسری اُونٹنی کو بھی قابو کرتے ہیں۔''

اُونٹنیاں کہاں بدکی ہوئی تھیں؟ وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں، یہ تینوں خونی ڈاکو ہی انہیں ...کے دے دے کر پریشان کر رہے تھے۔ بوڑھے سادھو کو بھی اُتار کر چمپا کلی کے پاس ہی بٹھا ...ا گیا۔ سردار بھی اپنی اُونٹنی سے اُتر آیا تھا۔ نیم روشن رات کے سرمئی اندھیرے میں وہ لوگ ...ایوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ قافلے کا سردار اور اس کے دونوں ساتھی جانوروں کو ...وٹ موٹ قابو کرنے کی اداکاری کر رہے تھے اور چمپا کلی اور بوڑھے سادھو سے کوئی ساٹھ ...ر قدموں کے فاصلے پر تھے۔

چمپا کلی نے بوڑھے سادھو سے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بابا! ہم قافلے والوں سے پیچھے تو نہیں رہ جائیں گے؟''

بوڑھا سادھو بولا۔ ''نہیں بیٹی! قافلے کا سردار ہمارے ساتھ ہے۔ جانور قابو میں آ جاتے ...ں پھر وہ خود ہمیں ساتھ لے کر قافلے میں شامل ہو جائے گا۔''

چمپا کلی نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی۔ آسمان چمکتے ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ کچھ فاصلے ...سیاہ ٹیلے بھوتوں کی طرح اندھیرے میں سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں ...ین پتھریلی تھی اور پیچھے ایک ڈھلان تھی جو دُور نیچے گہری کھائی میں چلی گئی تھی۔ اتنے میں ...فلے کا سردار اُن کے پاس آیا۔ اُس کے دونوں آدمی اُس کے دائیں بائیں تھے۔ چمپا کلی اور ...ھے سادھو کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت اور خوف محسوس ہوا کہ اُن تینوں کے ہاتھوں میں لمبے خنجر ...۔ پہلے تو چمپا کلی سمجھی کہ شاید ان لوگوں نے جنگلی درندوں سے بچنے کے لئے خنجر پکڑ رکھے ...ں۔ لیکن سردار نے قریب آ کر چمپا کلی سے بڑی رُعب دار آواز میں کہا۔

''تمہارے پاس جو موتیوں کا ہار ہے وہ نکال کر ہمیں دے دو۔''

اس سے پہلے کہ چمپا کلی کوئی جواب دیتی، بوڑھا سادھو غیر ضروری جوش میں آ گیا۔ وہ اُٹھ ...کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''تم کون ہوتے ہو میری بیٹی کا ہار چھیننے والے؟''

سردار نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اُس کا ساتھی بوڑھے سادھو کی طرف خنجر لے کر بڑھا ...چمپا کلی نے اپنی قمیض کے اندر سے ہار نکال کر سردار کی طرف پھینکا اور بولی۔

''میرے بابا کو کچھ نہ کہنا۔ یہ ہار لے لو۔''

مگر سردار کے ساتھی نے پلک جھپکتے میں اپنا خنجر بوڑھے سادھو کے سینے میں گھونپ دیا...

...ھا سادھو بغیر آواز نکالے زمین پر گر پڑا۔ سردار نے موتیوں کا ہار اُٹھا لیا۔ چمپا کلی چیخ مار کر

بوڑھے سادھو سے لپٹ گئی جو آخری سانس لے رہا تھا۔ سردار نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔

''تم منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ اس عورت کو بھی ختم کر دو۔ تا کہ کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔''

چمپا کلی نے گردن اُٹھائی۔ جیسے ہی دوسرا ساربان خنجر لے کر چمپا کلی کی طرف آیا۔ چمپا کلی اُٹھ کر پیچھے کی طرف دوڑی۔ ساربان بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑ پڑا۔ پیچھے اندھیری کھائی تھی۔ چمپا کلی نے اُس میں چھلانگ لگا دی اور ڈھلان پر لڑھکتی ہوئی دُور نیچے جنگلی سرکنڈوں کے جھنڈ سے جا ٹکرائی۔ فوراً اُٹھی اور جس طرف اُس کا منہ تھا اس طرف کو دوڑ پڑی۔ وہ اندھا دُھند اندھیرے میں بھاگتی چلی گئی۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا کہ قاتل اُس کا پیچھا کر رہا ہے یا نہیں؟ وہ کھائی کے پتھروں، جھاڑیوں اور سرکنڈوں سے اُلجھتی رات کے نیم روشن اندھیرے میں دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ ایک جگہ وہ بے دم ہو کر گر پڑی اور آہستہ آہستہ آگے کھسکنے لگی۔ ایک جگہ زمین کے اندر سے دو چٹانی پتھر اس طرح سے باہر نکلے ہوئے تھے کہ اُن کے درمیان ایک گڑھا سا بن گیا تھا۔ چمپا کلی نے اپنے آپ کو اس گڑھے میں گرا دیا۔ اُس کا سانس پھول گیا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کان رات کی گہری خاموشی میں کسی کے قدموں کی آواز پر لگے تھے جو لحظہ بہ لحظہ اُس کے قریب آتی جا رہی تھی۔

چمپا کلی نے سانس روک لیا۔

قدموں کی آواز اُس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئی۔ یہ وہی ساربان تھا جو سردار کے اشارے پر اُسے قتل کرنے آ رہا تھا۔ اتنے میں کھائی کے اُوپر سے سردار کی آواز آئی۔

''عورت کا پیچھا چھوڑ دو...... اُوپر آ جاؤ۔''

خونی ساربان کے قدموں کی چاپ رُک گئی۔ پھر ایسے لگا جیسے وہ کھائی کی چڑھائی چڑھ رہا ہو۔ اس کے بعد گہرا سکوت چھا گیا۔ جب کافی دیر گزر گئی اور چمپا کلی کو یقین ہو گیا کہ سردار اور دونوں ساربان وہاں سے چلے گئے ہیں تو وہ گڑھے سے باہر نکل آئی۔ اُس نے اندھیرے میں آنکھیں کھول کر دائیں بائیں ایک نگاہ ڈالی۔ چاروں طرف سناٹا طاری تھا۔ چمپا کلی کو ڈر تھا کہ شاید وہ لوگ چھپ کر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ وہیں سرکنڈوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھی رہی۔ جب کافی وقت گزر گیا تو کھائی کی چڑھائی چڑھ کر باہر نکلی اور روتی ہوئی آنکھوں اور بوجھل دل کے ساتھ اُس طرف چلنے لگی جہاں ان قاتلوں نے بوڑھے سادھو کو خنجر گھونپ کر گرایا تھا۔ وہ دوڑ کر اس جگہ آئی۔ اندھیرے میں بوڑھا سادھو زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ چمپا کلی نے بوڑھے سادھو کا سر اپنی گود میں رکھا اور جھک کر دیکھا۔ سادھو کے سینے سے خون اُبل اُبل کر جم گیا تھا۔ اُسکا سانس بند تھا۔ وہ مر چکا تھا...... چمپا کلی بوڑھے سادھو کا سر اپنی گود میں رکھے دیر تک روتی رہی۔ اچانک خطرے کا احساس اُس کے دل میں جاگ اُٹھا۔

وہ چاروں طرف سے خطروں میں گھری ہوئی تھی۔ قاتل ہو سکتا ہے وہیں کہیں چھپے ہوئے ہوں اور اچانک نکل کر اسے بھی قتل کر دیں۔ اُس نے بوڑھے سادھو کی لاش کو آخری مرتبہ دیکھا، بوڑھے کے ماتھے پر جھک کر بوسہ دیا اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مخالف سمت کو دوڑ پڑی۔ دوڑتے دوڑتے وہ کافی دُور نکل گئی۔ پھر تھک کر بیٹھ گئی۔ ذرا سانس درست ہوا تو اُٹھ کر پھر دوڑنے لگی۔ جب وہ جائے واردات سے بہت دُور نکل آئی تو بیٹھ گئی۔ چاروں طرف دیکھا۔ اس کے اردگرد پہاڑی ٹیلے اور بنجر میدان رات کے اندھیرے میں دُور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ اتنا معلوم تھا کہ جس وقت اُس کی اُونٹنی بدک گئی تھی قافلہ قدیم افغانستان اور ایران کے درمیان میں تھا۔

چمپا کلی نے یہ علاقے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ سارا علاقہ اُس کے لئے اجنبی تھا اور اسے اپنا دشمن دکھائی دے رہا تھا۔ دُور دُور تک کسی گاؤں کی ٹمٹماتی روشنی نہیں تھی۔ دوڑتے دوڑتے وہ تھک گئی تھی۔ اُس کا حلق پیاس سے سوکھ رہا تھا۔ جسم درد کر رہا تھا۔ وہ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی کہ کس طرف جائے؟ کیا کرے؟ سمت کا بھی اُسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے وہ کوئی ایسا ندی، نالہ یا چشمہ تلاش کرنا چاہتی تھی جس پر وہ اپنی پیاس بجھا سکے۔ اُس نے اُٹھ کر یونہی ایک طرف کو چلنا شروع کر دیا۔

رات ڈھلنے لگی تھی۔ جب دن کا اُجالا پھیلا تو چمپا کلی تھک کر چور ہو چکی تھی۔ پیاس کے مارے اُس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ سارا علاقہ بنجر اور پتھریلا تھا۔ کہیں کوئی درخت، ندی نالہ نہیں تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک ٹیلے کے پاس بیٹھ گئی۔ اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی جگہ پانی ٹپ ٹپ کر کے گر رہا ہو۔ فوراً اُٹھ کر اُس نے اِدھر اُدھر تلاش شروع کر دی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک جگہ ٹیلے کے پتھروں کے نیچے پانی اُوپر سے گر رہا تھا اور نیچے چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا۔

چمپا کلی نے جی بھر کر پانی پیا، منہ ہاتھ دھویا۔ اُس کی توانائی بحال ہوئی تو بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اس ویران علاقے کی بیکراں وسعتوں میں وہ کب تک بھوکی پیاسی چل سکے گی؟ کب تک زندہ رہ سکے گی؟ جو خیال اُسے طاقت بخش رہا تھا وہ ناگ پال سے ملنے کا خیال تھا۔ اُس کے دل کو یقین تھا کہ وہ ناگ پال سے ملے بغیر نہیں مرے گی۔ وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ اُسے ڈھولک اور شہنائی کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ آواز اس ویرانے میں کہاں سے آنے لگی ہے؟ آواز ٹیلے کے عقب سے آ رہی تھی اور لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جس طرف سے آواز آ رہی تھی اچانک اُس طرف سے خانہ بدوشوں کی ایک ٹولی نمودار ہوئی۔ اُن میں ایک عورت آگے آگے رقص کر رہی تھی۔ پیچھے ایک آدمی ڈھولک بجا رہا تھا۔ ایک آدمی شہنائی بجا رہا تھا۔ تین مرد اور ایک ادھیڑ عمر عورت اُونٹوں پر سوار اُن کے

پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ اُونٹوں پر مٹی کی بڑی بڑی دو صراحیاں لٹک رہی تھیں۔ چمپا کلی جلدی سے ٹیلے کی اوٹ میں ہوگئی۔

خانہ بدوش چشمے پر پانی لینے آ رہے تھے۔ وہ چشمے کے پاس آ کر رُک گئے۔ رقص کرنے والی عورت نے چشمے کے تالابچے پر پانی پیا، منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور دوسرے خانہ بدوشوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''پانی میٹھا ہے۔ کھارا نہیں ہے۔''

مردوں نے خچروں پر سے صراحیاں اُتاریں اور اُن میں پانی بھرنے لگے۔ ادھیڑ عمر عورت اور ادھیڑ عمر مرد خانہ بدوش زمین پر بیٹھ گئے۔ ڈھولک اور شہنائی بجانے والے بھی پانی سے پیاس بجھانے لگے۔ اچانک اُن میں سے ایک کی چمپا کلی پر نظر پڑ گئی۔ اُس نے حیرت سے چمپا کلی کی طرف دیکھا اور ادھیڑ عمر خانہ بدوش سے کہا۔

''بھائیا! وہ دیکھو...... ایک عورت کھڑی ہے۔''

سب کی نگاہیں چمپا کلی کی طرف اُٹھ گئیں جو اب ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر اُن کے سامنے آ گئی تھی۔ بوڑھے خانہ بدوش جس کو بھائیا کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا نے چمپا کلی کی طرف دیکھا اور اشارے سے اپنے پاس بلاتے ہوئے کہا۔

''یہاں آؤ...... ڈرو نہیں۔ ہم ڈاکو نہیں ہیں، خانہ بدوش ہیں۔''

چمپا کلی بوڑھے خانہ بدوش کے پاس آ گئی۔

''کون ہو تم؟'' ادھیڑ عمر خانہ بدوش عورت نے پوچھا۔

چمپا کلی نے جواب دیا۔ ''میں اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہوں۔''

''تم کہاں جا رہی تھیں؟'' بوڑھے خانہ بدوش نے پوچھا۔

چمپا کلی نے جواب دیا۔

''آگے جو بڑا شہر ہے میں وہاں جا رہی تھی۔ آپ مجھے وہاں پہنچا دیں۔ میں آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ میں خانہ بدوش لڑکیوں کی طرح ناچ لیتی ہوں۔''

بوڑھے خانہ بدوش نے ادھیڑ عمر خانہ بدوش عورت کی طرف دیکھا۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا۔ دونوں سمجھ گئے کہ چمپا کلی کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ بوڑھا خانہ بدوش بولا۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تم ناچ بھی لیتی ہو۔ یہاں بیٹھ جاؤ! ہم تمہیں آگے جو بڑا شہر ہے وہاں پہنچا دیں گے۔ ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔''

چمپا کلی کو اطمینان ہو گیا کہ وہ صحرا میں بھوکی پیاسی نہیں مرے گی اور خیر و عافیت سے اپنی منزل پر پہنچ جائے گی۔ خانہ بدوشوں نے چمپا کلی کو کھانا وغیرہ کھلایا۔ کچھ دیر وہاں چشمے پر بیٹھے

رہے اور پھر آگے چل پڑے۔

یہ خانہ بدوش صحرائی راستوں سے بخوبی واقف تھے۔ دوپہر تک وہ صحرا میں ایک عارضی پڑاؤ پر آ گئے جہاں مختلف سمتوں کو جانے والے قافلے آ کر کچھ دیر ٹھہرتے تھے۔ یہاں سے وہ نینور جانے والے قافلے میں شامل ہو گئے۔ چار ہفتوں کے سفر کے بعد یہ قافلہ دجلہ فرات کی وادی میں قدیم سمیری شہر نینور کے قرب و جوار میں پہنچ گیا۔ چمپا کلی بوڑھی خانہ بدوش عورت کے ساتھ اُونٹ پر بیٹھی تھی۔ اُس نے دُور سے نینور شہر کی بلند فصیل کو دیکھا جو کافی بلندی پر تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ ایک ایسے ملک میں آ گئی ہے جو اس کے لئے بالکل ہی اجنبی ہے۔ شہر میں کوئی اسے نہیں جانتا۔ وہ اس حالت میں ناگ پال کو کہاں تلاش کرے گی اور کیا ناگ پال اسے مل جائے گا؟

چمپا کلی نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ جب تک ناگ پال نہیں مل جاتا وہ ان خانہ بدوشوں کے ساتھ ہی رہے گی۔ نینور شہر کی فصیل کا بڑا دروازہ کافی کشادہ تھا۔ دروازے کے اُوپر بارہ وردوں میں عجیب وضع کی وردیاں پہنے، تیر کمان لگائے، ہاتھوں میں نیزے پکڑے سپاہی کھڑے تھے۔ دروازے کی ڈیوڑھی میں بھی سپاہی موجود تھے جو شہر میں داخل ہونے والے ہر آدمی کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ خانہ بدوش اس شہر میں آتے جاتے رہتے تھے چنانچہ سپاہیوں نے سرسری تلاشی کے بعد انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ یہ شہر اتنا پھیلا ہوا تھا کہ فصیل شہر کا دوسرا حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس شہر کے بارے میں مورخوں اور آثار قدیمہ کے ماہرین کو کتبوں اور میخی رسم الخط میں لکھی ہوئی مٹی کی تختیوں کی عبارت سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق سمیری اگرچہ وحشی اور جنگجو تھے لیکن یہ قوم بڑی ذہین اور اختراع پسند تھی۔ چار پہیوں والی گاڑی، ہل، کشتی، کمہار کا چاک اور جولاہے کی تانی ان لوگوں کی ایجادات بتائی جاتی ہیں۔ زمین سیراب کرنے کے لئے ان لوگوں نے دریاؤں سے نہریں نکالیں، تالاب بنائے۔ اشیاء کی پیمائش اور وزن کرنے کے آلات تیار کئے۔ چمڑا رنگنے، رنگ روغن بنانے اور عطر تیار کرنے کا کام شروع کیا۔ یہ لوگ فن طب اور سرجری میں بھی دسترس رکھتے تھے اور اکثر امراض کا علاج خود کر لیتے تھے۔ سمیری قوم نے چھوٹے بڑے کئی شہر بسائے تھے۔ یہ لوگ ایشتر کی پوجا کرتے تھے جو ان کی سب سے بڑی دیوی تھی۔ عبرانی زبان میں سمیری کے معنی ہیں ''جنوب کے لوگ'' مورخین کا ایک گروہ لکھتا ہے کہ یہ جنوبی عربستان کے خانہ بدوش چرواہے تھے جو عراق کے ملک دجلہ اور فرات دریاؤں کے درمیان آ کر آباد ہو گئے تھے۔ نینور اُن کے ملک کا دارالحکومت تھا جس کی فصیل کی چوڑائی مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس کے مطابق ساٹھ فٹ تھی اور یہاں آٹھ گھوڑے بیک وقت دوش بدوش چل سکتے تھے۔ شہر کی وسعت کا اندازہ ہیروڈوٹس کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ

اس کی فصیل کا محیط 56 میل سے بھی زیادہ تھا۔ یعنی آج کے حساب کے مطابق یہ شہر لاہور سے شروع ہو کر وزیر آباد تک پھیلا ہوا تھا۔ ہیروڈوٹس دنیا کے اس قدیم ترین شہر کے بارے میں لکھتا ہے کہ نینور شہر چار حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصے میں شاہی قلعہ تھا۔ دوسرے میں شاہی محل تھے اور تیسرے حصے میں شہری آبادی اور باغات تھے جن میں نہریں بہتی تھیں اور چوتھے حصے میں دیوی لیشتر کا مندر تھا۔

چمپا کلی جن خانہ بدوشوں کے ساتھ اس قدیم ترین شہر میں داخل ہوئی تھی اُنہوں نے لیشتر دیوی کے مندر کے پیچھے ایک کھلی جگہ پر ڈیرا لگا لیا۔

چمپا کلی نے شام کے وقت شہر میں گھومنے کی خواہش کا اظہار کیا تو بوڑھے خانہ بدوش نے ایک ہٹے کٹے جوان خانہ بدوش کو اشارہ کیا۔ اُس خانہ بدوش کو وہ لوگ منگو کے نام سے پکارتے تھے۔ منگو خانہ بدوش نے چمپا کلی سے کہا۔

''تم شہر میں نہیں جا سکتیں۔ تمہیں اسی جگہ رہنا ہوگا ہمارے ساتھ۔''

جب چمپا کلی نے زیادہ اصرار کیا تو منگو نے اُسے اُٹھایا اور ایک جھونپڑی میں لا کر اُس کے پاؤں میں رسی باندھی اور رسی کو چارپائی سے باندھ کر غصیلی آواز میں بولا۔

''اگر یہاں شور مچایا تو ہم تمہارا گلا کاٹ ڈالیں گے اور تمہاری لاش چیل کوؤں کے آگے ڈال دیں گے۔''

تب چمپا کلی پر یہ راز کھلا کہ وہ خانہ بدوشوں کی ہم سفر نہیں بلکہ قیدی ہے اور ان کی نیت خراب ہے۔ مگر وہ ان لوگوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ مجبور اور بے بس تھی۔ ایک آدمی چھرا کمر میں لگائے جھونپڑی کے باہر پہرہ دیتا تھا۔ چمپا کلی کو اندر ہی کھانا وغیرہ پہنچا دیا جاتا۔ جب وہ کسی سے پوچھتی کہ مجھے کس لئے قید کیا گیا ہے تو اُسے کوئی جواب نہ ملتا۔ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ پھر ایک دن اُسے جھونپڑی سے باہر نکال کر نہلایا گیا، نئے کپڑے پہنائے گئے، مگر پاؤں کی رسی نہ کھولی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑی بڑی مونچھوں اور خوف ناک شکل والا آدمی رتھ پر سوار ہو کر وہاں آیا۔ چمپا کلی کو اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔

اُس آدمی نے چمپا کلی کے گرد ایک چکر لگا کر اُس کو چاروں طرف سے گھور گھور کر دیکھا، پھر اُس کے بازو کو ٹٹولا۔ چمپا کلی شرم سے سمٹ گئی۔ خانہ بدوش بوڑھا اور منگو خانہ بدوش پاس ہی کھڑے تھے۔ خوفناک شکل والے آدمی نے اُن کی طرف دیکھا اور بولا۔

''میں اس کے عوض چار بڑے سکے دوں گا۔''

بوڑھے خانہ بدوش نے خوش ہو کر کہا۔ ''ہمیں منظور ہے۔''

چمپا کلی نے جب دیکھا کہ اُسے فروخت کیا جا رہا ہے تو وہ چیخ کر بولی۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے...... میں اس ملک کے بادشاہ کے پاس فریاد لے کر جاؤں گی۔''

منگو خانہ بدوش نے خنجر نکال کر اُس کی نوک چمپا کلی کی گردن پر رکھ دی اور بولا۔

''اب اگر آواز نکالی تو خنجر سے تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔''

چمپا کلی کیا کر سکتی تھی؟ یہ سوچ کر وہ چپ ہو گئی کہ شاید دیوتاؤں کی یہی مرضی ہو۔ شاید ناگ دیوتا اسی طریقے سے ناگ پال کو اس سے ملا دیں۔ بوڑھے خانہ بدوش نے خوفناک شکل والے بردہ فروش سے چار سکے وصول کئے اور چمپا کلی کے پاؤں میں بندھی ہوئی رسی کا سرا خوفناک شکل والے بردہ فروش کے حوالے کر دیا۔ وہ چمپا کلی کو اپنے ساتھ لے کر رتھ کے پاس آ گیا۔ پہلے اُس نے چمپا کلی کو رتھ پر سوار کرایا، اُس کے پاؤں میں بندھی ہوئی رسی کو رتھ کی ایک آہنی ہُک کے ساتھ اچھی طرح سے کس کر باندھا اور رتھ لے کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ رتھ کے آگے دو بیل جتے ہوئے تھے۔

اُس بردہ فروش نے آگے ایک اور بڑے بردہ فروش کے ہاتھوں چمپا کلی کو دس سکوں کے عوض بیچ دیا۔ یہ دوسرا بردہ فروش غلاموں اور غلام عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ دوسرے دن وہ چمپا کلی کو شہر کی منڈی میں لے آیا۔ یہاں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ وہاں دوسری نوجوان عورتیں بھی پہلے سے موجود تھیں جنہیں منڈی میں بیچنے کے لئے لایا گیا تھا۔ چمپا کلی کو بھی ان میں کھڑا کر دیا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں شہر کے امیر لوگ اپنے محلات اور حویلیوں میں کام کروانے کے واسطے غلاموں اور کنیزوں کو خریدنے اپنے اپنے رتھوں پر وہاں پہنچ گئے۔ ایک آدمی چبوترے پر کھڑا غلام مردوں اور غلام عورتوں کی بولی لگانے لگا۔ امیر لوگ اپنی اپنی پسند کے غلام اور کنیز کی بولی لگاتے اور اُسے خرید کر لے جاتے۔ چمپا کلی کی بھی باری آ گئی۔ اسے بھی آگے کر کے لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ بولی لگانے والے نے چمپا کلی کے جسم کی، اُس کے حسن کی تعریف کرنی شروع کر دی اور کہا کہ یہ کنیز موہنجوداڑو کے ملک کی رہنے والی ہے اور ہمارے ملک میں پہلی بار موہنجوداڑو کی ایک حسین عورت آئی ہے۔ چمپا کلی وہاں فروخت کی جانے والی تمام عورتوں سے زیادہ جوان اور زیادہ حسین تھی۔ اُس کی آنکھیں بھی نیلی تھیں۔ بولی لگانے والا بار بار چمپا کلی کی نیلی آنکھوں کی تعریف کر رہا تھا۔ بولی شروع ہو گئی۔ امیر لوگ بڑھ چڑھ کر چمپا کلی کی بولی لگانے لگے۔ ہر امیر آدمی کی خواہش تھی کہ وہی چمپا کلی کو خرید کر ساتھ لے جائے۔ ایک سوداگر جس نے بڑا اعلیٰ ریشمی لباس پہن رکھا تھا اور دو غلام اُس کے دائیں بائیں سونے چاندی کے سکوں کی تھیلیاں لئے کھڑے تھے چمپا کلی کے لئے بڑھ چڑھ کر بولی دے رہا تھا۔ اُس سوداگر نے سب سے زیادہ بولی پر چمپا کلی کو خرید لیا۔

وہ دو رتھوں پر سوار ہو کر وہاں آیا تھا۔ ایک رتھ پر اُس نے چمپا کلی کو اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔ غلام نے فوراً چمپا کلی کے پاؤں میں بندھی ہوئی رسی کو رتھ کے آہنی ہُک کے ساتھ کس کر باندھ دیا۔ رتھ کے آگے دو بیل جتے ہوئے تھے۔ آگے آگے سوداگر کا رتھ جا رہا تھا جسے وہ خود

چلا رہا تھا۔ پیچھے غلاموں کے دو رتھ آ رہے تھے۔ سوداگر کی عالی شان محل نما حویلی دریائے دجلہ کے کنارے ایک پرفضا مقام پر تھی۔ حویلی چاروں طرف سے اُونچی دیواروں سے گھری ہوئی تھی۔ حویلی کا صرف ایک ہی دروازہ تھا جس کے باہر ہر وقت دو سپاہی پہرے پر موجود رہتے تھے۔ حویلی کے اندر ایک باغیچہ تھا اور نہانے کے لئے ایک تالاب تھا۔ اُس سوداگر کی چھ بیویاں اور دس کنیزیں تھیں۔ ان کنیزوں میں چمپا کلی کو بھی شامل کر دیا گیا۔ چمپا کلی نے اپنے آپ کو دیوتاؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ جس ناگ دیوتا نے اُسے یہ خبر دی تھی کہ ناگ پال دجلہ فرات کے درمیان آباد بڑے شہر میں ملے گا اُسی دیوتا کی مرضی کے مطابق یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ چمپا کلی نے سوداگر کی حویلی سے فرار ہونے کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔

اُس نے خود کو لمحہ بہ لمحہ نئے رونما ہونے والے واقعات و حادثات کے سپرد کر دیا تھا۔ چمپا کلی کا عقیدہ تھا کہ وہ ان واقعات کی لہروں پر بہتی ہوئی ایک نہ ایک دن ناگ پال سے جا کر مل جائے گی۔ وہ حویلی میں خاموشی سے دن بسر کرنے لگی۔ اُسے حویلی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اُس کا کام سوداگر کی چھ بیویوں اور سوداگر کی خدمت کرنا تھا۔ دوسری کنیزوں کے ساتھ چمپا کلی بھی یہ فریضہ انجام دینے لگی۔ یہ سوداگر شہر نینور کا بہت بڑا تاجر تھا۔ اُس کے سمندری جہاز مال لے کر جنوب مشرقی سمندروں کا طویل سفر کرتے ہوئے اُس زمانے کے انڈونیشیا کے ملکوں اور سری لنکا کے جزیروں تک جاتے تھے۔ وہاں کے سوداگر سامان لے کر نینور آتے تھے۔ یہ جہاز دریائے دجلہ میں سے گزر کر دجلہ اور فرات کے ڈیلٹے سے ہوتے ہوئے سمندر میں داخل ہوتے تھے۔

دوسرے ملکوں کے سوداگر جب نینور آتے تھے تو چمپا کلی کے مالک کی حویلی میں قیام کرتے تھے۔ اُن کی بڑی دعوتیں ہوتی تھیں۔ وہ جتنے دن ٹھہرتے تھے اُن کی زبردست آؤ بھگت ہوتی تھی۔ چمپا کلی کو سوداگر کی حویلی میں رہتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو اُس کا دل بجھ سا گیا۔ اُس کے دل میں خیال آنے لگا کہ دیوتاؤں نے اسے بھلا دیا ہے اور اب شاید ناگ پال سے اس کی کبھی ملاقات نہ ہو اور اسے زندگی کے باقی دن اسی حویلی میں غلام بن کر گزارنے پڑیں۔ انہی دنوں جنوب مشرقی سمندروں کے ایک ملک سری لنکا سے ایک سوداگر آ کر چمپا کلی کے مالک کی حویلی میں ٹھہرا۔ اُس کی بڑی بڑھ چڑھ کر آؤ بھگت ہونے لگی۔ اُس کے آرام کا سب سے زیادہ خیال رکھا جانے لگا۔ یہ سوداگر پختہ عمر کا تھا۔ رنگ سیاہ فام تھا۔ سر کے بال گھنے اور گھنگریالے تھے اور ان میں سفیدی جھلکنا شروع ہو گئی تھی۔ اُس کا نام موتنگا تھا۔ چمپا کلی کے مالک نے اُس کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اُس کے لئے دوسرے ملکوں سے خاص شراب مٹکوں میں بھروا کر منگوائی گئی تھی۔

چمپا کلی کو خاص طور پر موتنگا کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ کیونکہ چمپا کلی باقی تمام کنیزوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔

چمپا کلی نے پہلے دن ہی محسوس کر لیا تھا کہ سری لنکا کے ملک کا موتنگا نام کا یہ سوداگر اسے بری نظروں سے دیکھتا ہے۔ لیکن وہ اُس کی خدمت کے لئے مجبور تھی۔ پندرہ روز حویلی میں قیام کرنے کے بعد جب یہ سوداگر موتنگا واپس جانے لگا تو اُس نے چمپا کلی کے مالک سے اُسے مانگ لیا اور کہا۔

''یہ کنیز مجھے دے دو...... یہ مجھے بہت پسند ہے۔''

چمپا کلی سہم گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا مالک کبھی انکار نہیں کرے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اُس کے مالک نے بڑی خوشی سے چمپا کلی کو اُس کے حوالے کر دیا۔ چمپا کلی احتجاج بھی کرتی تو وہاں اُس کی سننے والا کون تھا؟ وہ تو ایک غلام کنیز تھی۔ سر جھکائے خاموشی کے ساتھ اپنے نئے مالک موتنگا کے ساتھ چل پڑی۔ موتنگا اپنے ساتھ مال سے بھر کر چار جہاز لایا تھا جو دریائے دجلہ میں کھڑے تھے۔ اُس زمانے میں دریائے دجلہ آج کی طرح چھوٹا سا دریا نہیں ہوا کرتا تھا۔ آج کل تو یہ دریا ایک نہر بن کر رہ گیا ہے مگر آج سے چار پونے چار ہزار برس پہلے یہ دریا کشادہ بھی تھا، گہرا بھی تھا اور تیز پانی اس میں بہتا تھا۔

چمپا کلی کو موتنگا کے خاص سمندری جہاز میں سوار کرا دیا گیا۔ اُس زمانے میں بادبانی جہاز ہوا کرتے تھے جو ہواؤں کے زور پر چلا کرتے تھے۔ یہ جہاز زیادہ بڑے نہیں ہوتے تھے مگر بڑے مضبوط ہوتے تھے اور سمندری طوفانوں کے تھپیڑے برداشت کر لیتے تھے۔ لیکن اگر طوفان منہ زور ہو جائے تو یہ جہاز اُلٹ کر ڈوب بھی جاتے تھے۔ چنانچہ ایسے حادثات سے بچنے کے لئے ان جہازوں کو ایسے موسم میں چلایا جاتا تھا جس موسم میں سمندر میں طوفان نہیں اُٹھتے تھے۔ جہاز کے جہاز راں بڑے تجربہ کار جہازی ہوتے تھے۔ جہاز کا کپتان کسی ایسے آدمی کو بنایا جاتا تھا جسے سمندری سفر کا بہت تجربہ ہوتا تھا اور جس کی عمر سمندروں میں تجارتی جہازوں کو لاتے لے جاتے گزری ہوتی تھی۔ مگر جب سمندر میں سفر کے دوران اچانک ہوا بند ہو جاتی تھی تو یہ تجربہ کار کپتان بھی بے بس ہو جاتے تھے۔ جہاز کے پھولے ہوئے بادبان سکڑ جاتے تھے اور جہاز بیچ سمندر میں لنگر ڈال دیا جاتا تھا۔ جہاز ران اور جہاز کے کپتان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہوا کے دوبارہ چلنے کا انتظار کریں۔

کبھی کبھی ہوا کئی کئی روز بند رہتی تھی اور جہاز سمندر میں کھڑا رہتا تھا۔ جہاز ران اور جہاز کا کپتان دن میں کئی بار جہاز کے عرشے پر آ کر کبھی آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھاتے، کبھی سمندر پر چاروں طرف نگاہ ڈالتے اور کبھی اُس جھنڈی کو تکتے رہتے تھے جس کے ساتھ ریشم کی جھالریں باندھ کر اُسے جہاز کے مستول کے ساتھ لٹکا دیا ہوتا تھا۔ ہلکی سی ہوا بھی چلتی تو

جھنڈی کے ساتھ بندھی ہوئی ریشم کی جھالر کی لرزیں ہلنے لگ جاتی تھیں۔ انہیں ہلتا دیکھ کر جہاز ران خوشی سے چلا اُٹھتے تھے۔

''ہوا چل پڑی ہے۔''

ملاحوں اور جہاز کے کپتان کی آنکھیں اُمید وبیم کے عالم میں جہاز کے سمٹے ہوئے بے جان بادبانوں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتیں۔ ہوا کے جھونکے آہستہ آہستہ تیز ہونے لگتے۔ اس کے ساتھ ہی سکڑے ہوئے بے جان بادبانوں میں جیسے جان پڑنے لگتی۔ پہلے وہ تھوڑا تھوڑا ہلتے، پھر ان میں ہوا بھرنا شروع ہو جاتی۔ اُس وقت ملاحوں اور کپتان کے چہرے خوشی سے دمک اُٹھتے۔ کپتان بازو بلند کر کے نعرہ لگاتا۔

''بادبان کھول دو......!''

بادبانوں کو نیچے سے مستولوں کے ساتھ رسیوں سے باندھا ہوتا تھا۔ ملاح کپتان کا حکم پاتے ہی خوشی سے شور مچاتے، ایک دوسرے کو آوازیں دیتے مستولوں کی طرف دوڑ پڑتے اور جلدی جلدی نیچے سے بادبانوں کی رسیاں کھول دیتے۔ پھر جیسے ہی بادبان ہوا سے پھولنے لگتے فوراً جہاز کا لنگر اُٹھا دیا جاتا اور جہاز ایک بار پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا۔

چمپاکلی کو جس بادبانی جہاز پر سوار کیا گیا اُس کا کپتان جہاز کا مالک موتنگا ہی تھا۔ جہاز کے آگے جہاں جہاز کے عرشے کے دونوں کنارے آ کر ملتے تھے وہاں لکڑی کے ایک بڑے مور کا بت نصب تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سری لنکا میں لوگ مختلف جانوروں کی پوجا کرتے تھے۔ ان جانوروں میں مور بھی تھا۔ لیکن لنکا کے ملک میں لوگوں کی اکثریت سانپوں کی پوجا کرتی تھی۔ یہ آج سے پانچ پونے پانچ ہزار برس پہلے کا زمانہ تھا۔ اُس زمانے میں سری لنکا کا نام کیا تھا؟ اس بارے میں تاریخ دانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ اس زمانے میں سری لنکا کو سندیپ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کسی کے خیال میں اس کا پرانا نام جل دیپ تھا۔ لیکن اس بارے میں مورخوں کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ اس عہد میں سری لنکا پر جو راجہ حکومت کرتا تھا بعد میں آنے والا راون اسی راجہ کی اولادوں میں سے تھا۔ لیکن موجود تحقیق سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ سچ ہے، تاریخ ہمیں بتاتی بھی بہت کچھ ہے اور ہم سے چھپاتی بھی بہت کچھ ہے۔ قدیم تاریخ ہمیں جتنا بتاتی ہے اس سے دس گنا زیادہ ہم سے چھپا لیتی ہے۔ قدیم تاریخ ڈوبا ہوا جہاز ہے جس کے بکھرے ہوئے باقی ماندہ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے ہی ہمیں سطح آب پر تیرتے ملتے ہیں، جہاز کا اصل سامان جہاز کے ساتھ ہی غرق ہو جاتا ہے۔ تاریخ کے یہ بکھرے ہوئے ٹکڑے مٹی کے ٹیلوں کی کھدائی سے برآمد ہونے والے منقش ظروف، شکستہ اینٹیں، بوسیدہ مجسمے، قدیم رسم الخط والے خستہ کتبے، قدیم سکے اور اسی قسم کی دوسری ازکار رفتہ چیزیں ہوتی ہیں جن کو سامنے رکھ کر مورخ قدیم تہذیبوں کا سراغ لگانے کی

کوشش کرتے ہیں اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

سری لنکا کے سوداگر موتنگا کے بادبانی جہاز نینوا اور وادیٔ دجلہ وفرات کے دوسرے شہروں سے مالِ تجارت لے کر کھلے سمندر میں رواں دواں تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔ تجارتی ہوائیں معمول کے مطابق مغرب سے جنوب مشرق کی طرف چل رہی تھیں۔ چمپاکلی سوداگر اور جہازوں کے مالک موتنگا کے جہاز پر تھی اور یہ جہاز باقی تینوں جہازوں سے آگے آگے جا رہا تھا۔ بادبانی جہاز ہوا کے زور پر چلا کرتے تھے اور ان کی رفتار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ ہوا تیز ہو جاتی تو جہاز کی رفتار بھی تیز ہو جاتی تھی۔ ہوا کی رفتار کم ہوتی تو جہاز کی رفتار بھی کم ہو جاتی تھی۔ اگر سمندر میں طوفان آ جاتا تو جہازوں کے بادبان لپیٹ دیئے جاتے تھے کیونکہ طوفانی ہواؤں میں جہاز کے اُلٹ جانے کا خطرہ ہوتا تھا۔ وادیٔ دجلہ وفرات سے سری لنکا تک سمندر کا فاصلہ بہت طویل تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں سری لنکا کا نام جل دیپ یا سندیپ ہوا کرتا تھا لیکن ہم کہانی کی سہولت کے واسطے اسے سری لنکا ہی کہیں گے۔ ان جہازوں کو سری لنکا تک پہنچنے میں تین ماہ لگ گئے۔ دو تین جگہوں پر دورانِ سفر ہوا ساکن بھی ہو گئی جس کی وجہ سے جہازوں کو تین تین چار چار دن کھلے سمندروں میں رُکنا پڑا۔ چونکہ یہ سمندری طوفانوں کا زمانہ نہیں تھا اس لئے جہاز سمندری طوفانوں کی تباہی سے محفوظ رہے اور منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

سوداگر موتنگا کا جہاز سب سے پہلے سری لنکا کے ساحل کے ساتھ لگا۔ اس وقت چمپاکلی جہاز کے مالک موتنگا کے ساتھ عرشے پر کھڑی تھی۔ وہ پہلی بار سری لنکا کی جزیرائی زمین کو دیکھ رہی تھی۔

بندرگاہ پر جگہ جگہ بادبانی جہاز کھڑے تھے جن پر سامان لادا اور اُتارا جا رہا تھا۔ سمندر کے کنارے کنارے ناریل کے درختوں کی گنجان قطار حد نگاہ تک چلی گئی تھی۔ چمپاکلی کے شہر ناگاپورم میں ناریل بڑی دُور سے منگوایا جاتا تھا۔ اور اتنا منگوایا جاتا تھا کہ صرف ناگاپورم کے شاہی محل میں ہی دیکھا جاتا تھا۔ یہاں بندرگاہ پر ناریلوں کے ڈھیر لگے تھے۔ نیلے آسمان پر سفید بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ ہوا میں رطوبت تھی اور فضا میں حبس کی کیفیت تھی۔ چمپاکلی کا آبائی شہر اور شاہی محلات وادیٔ سندھ میں واقع تھے جہاں کی آب و ہوا خشک تھی۔ سری لنکا کی مرطوب اور حبس آلود فضا میں چمپاکلی پہلی بار سانس لے رہی تھی۔

فضا میں ناریل کے درختوں، سمندر کے نمکین پانی اور بندرگاہ پر لگے ہوئے آم، ناریل، اناناس اور مختلف سبزیوں اور پھلوں کے ڈھیروں کی ہلکی ہلکی خوشبو بھی گھل مل رہی تھی۔ مگر چمپاکلی کا دل اُداس تھا۔ وہ موتنگا سوداگر کی زر خرید کنیز تھی۔ اگرچہ اُس کے پاؤں رسّی سے آزاد کر دیئے گئے تھے لیکن دو خنجر بردار سپاہی اُس کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے۔ سوداگر موتنگا نے چمپاکلی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''تمہیں ہمارا ملک پسند آیا؟''
چمپا کلی نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔
''جی ہاں..... !''
اور چپ ہو گئی۔ وہ ناگ پال کے تصور میں گم تھی۔ کبھی اُسے یقین ہو جاتا کہ اس ملک میں اُسے ناگ پال ضرور مل جائے گا۔ پھر یہ سوچ کر اُداس ہو جاتی کہ ناگ پال سات سمندر پار یہاں کہاں اور کیسے آ سکتا ہے؟ سوداگر موتنگا نے اپنے خاص محافظ کو اشارہ کیا اور کہا۔
''ہماری کنیز چمپا کلی کو ہماری پالکی میں لے جا کر بٹھا دو۔''
موتنگا کی خاص پالکی بندرگاہ پر ایک طرف ناریل کے درختوں کے سائے میں کھڑی تھی۔ سوداگر موتنگا، جہاز سے اُترتے تجارتی مال کی جانچ پڑتال میں لگ گیا اور اُس کا محافظ چمپا کلی کو اپنی نگرانی میں لئے پالکی کی طرف چل پڑا۔ اُسے پالکی میں بٹھا کر پالکی کا باریک جالی دار پردہ گرا دیا۔
تھوڑی دیر بعد موتنگا بھی آ گیا۔
وہ پالکی میں چمپا کلی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ چار سیاہ فام غلاموں نے پالکی کندھے پر اُٹھائی اور موتنگا کی شاہی حویلی کی طرف روانہ ہوئے۔ موتنگا کی حویلی سمندر کے کنارے بڑی پُر فضا جگہ پر واقع تھی۔ وادیٔ سندھ کے مکانوں کے برعکس سری لنکا کے مکانوں کی دیواریں پہاڑی پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں اور ہر مکان کی چھت ڈھلواں تھی کیونکہ اس ملک میں بارشیں بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ موتنگا سوداگر کی عالی شان حویلی کی چھتیں بھی ڈھلواں تھیں۔ یہ حویلی بڑے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی چار دیواری اتنی اُونچی تھی کہ کوئی آدمی اس پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ حویلی میں داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ تھا جس کے باہر محافظ پہرہ دیتے تھے۔ چار دیواری میں ایک جانب نوکروں کی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ حویلی سرسبز گھاس اور پھولوں کی کیاریوں والے ایک وسیع باغ کے وسط میں تھی۔ اُس کے الگ الگ کئی کمرے تھے۔ جگہ جگہ ناریل کے درخت جزیرے کی سمندری ہوا میں لہرا رہے تھے۔

جیسے ہی موتنگا کی پالکی حویلی کے دروازے میں داخل ہوئی چھ سات غلام اور خادمائیں اور کنیزیں دوڑتی ہوئی آ گئیں۔ ایک درمیانی عمر کی گہرے سانولے رنگ کی کنیز نے آگے بڑھ کر موتنگا سوداگر کا بڑی نزاکت سے ہاتھ تھام کر نیچے اُتارا۔ اُس کی نگاہ ساتھ بیٹھی چمپا کلی پر پڑی تو درمیانی عمر کی کنیز کے چہرے پر حسد اور نفرت کے جذبات نمایاں ہونے لگے جنہیں اُس نے بڑی ہوشیاری سے ظاہر نہ ہونے دیا۔ موتنگا نے درمیانی عمر اور گہرے سانولے رنگ کی اس کنیز سے مخاطب ہو کر کہا۔

''سندری! ہم تمہارے لئے موہنجوداڑو کے ملک کی ایک سہیلی لائے ہیں۔ اسے حویلی میں لے چلو۔''
گہرے سانولے رنگ کی درمیانی عمر والی اس کنیز کا نام سندری تھا۔ اُس کا جسم بھرا بھرا تھا اور اُس نے قرمزی رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی جس میں سے اُس کا آدھا جسم عریاں ہو رہا تھا۔ کانوں میں نیلم کے بندے تھے، گلے میں نیلے موتیوں کی مالا تھی اور بالوں کے جوڑے میں کنول کے دو چھوٹے پھول سج رہے تھے۔ چمپا کلی نے سندری کے چہرے پر اُبھرنے والے حاسدانہ تاثرات کو پڑھ لیا تھا۔ مگر اُسے حویلی اور حویلی میں رہنے والی کنیزوں اور دوسرے لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس کے دل و دماغ پر ناگ پال کا خیال چھایا ہوا تھا اور وہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ ایک قید خانے سے نکل کر دوسرے قید خانے میں آ گئی ہے۔ کیا وہ ناگ پال سے کبھی مل سکے گی؟
سوداگر موتنگا، پالکی سے اُتر کر غلاموں کے ساتھ حویلی کی دوسری طرف چل دیا تھا۔ سندری نے چمپا کلی کی طرف گھور کر دیکھا اور خشک لہجے میں کہا۔
''کیا نام ہے تمہارا؟''
''چمپا۔'' چمپا کلی نے نرم آواز میں کہا۔
''میرے ساتھ آ جاؤ۔''
یہ کہہ کر سندری آگے آگے چل دی۔ چمپا کلی اُس کے پیچھے چل پڑی۔
موتنگا سوداگر کی چاروں طرف سے بند حویلی میں چمپا کلی کی نئی زندگی شروع ہو گئی۔ سندری، موتنگا کی پرانی کنیز تھی۔ موتنگا قدرتی طور پر جوان کنیزوں کے مقابلے میں اُس کو زیادہ اہمیت دیتا تھا اور وہ اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جلتی رہتی تھی۔ چمپا کلی کو دیکھ کر اُس کی حسد کی آگ میں اضافہ ہو گیا تھا مگر وہ اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ سوداگر موتنگا، چمپا کلی کا گرویدہ تھا اور اس نے حویلی میں سب خادماؤں اور کنیزوں کو حکم دے رکھا تھا کہ چمپا کلی کے آرام کا خاص خیال رکھا جائے۔ لیکن چمپا کلی کا دل ناگ پال کی یاد میں اُداس رہتا تھا۔ وہ ناگ پال کی تلاش میں اس حویلی سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ مگر اُسے حویلی کی چار دیواری سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اُسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اگر وہ کسی طرح حویلی سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو بھی گئی تو ناگ پال کی تلاش میں کہاں جائے گی؟ یہ ملک اُس کے لئے بالکل ہی اجنبی تھا۔ چمپا کلی کا ذہن اسی کشمکش میں رہتا۔ آخر اُس نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا اور یہ سوچ کر حویلی کی چار دیواری میں قید و بند کی زندگی بسر کرنے لگی کہ ناگ دیوتا ضرور ناگ پال کو کبھی نہ کبھی اس کے پاس لے آئیں گے۔
چمپا کلی کو سوداگر موتنگا کی حویلی میں چھوڑ کر ہم کچھ دیر کے لئے ناگ پال کی طرف آتے

ہیں کہ چمپاکلی سے بچھڑ جانے کے بعد اس پر کیا بیتی؟

○

ناگ پال چمپاکلی سے جدا ہونے کے بعد وادئ دجلہ و فرات کی طرف نکل گیا تھا۔ چنانچہ منی گپت نے جب چمپاکلی سے کہا تھا کہ ناگ پال تمہیں دجلہ فرات کی وادی کے ایک شہر میں ملے گا تو اُس وقت ناگ پال وادئ دجلہ و فرات میں ہی تھا۔ لیکن ناگ پال کا وہاں جی نہ لگا اور وہ ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتا اُس زمانے کے ایران اور افغانستان کے صحراؤں اور میدانوں میں سفر کرتا ایک بار پھر وادئ سندھ میں پہنچ گیا۔ مگر وہ وہاں رُکا نہیں۔ وہاں اُسے راج گورو مارا کے سپاہیوں اور جاسوسوں کے ہاتھوں پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ وہ یاتریوں کے ایک قافلے میں شامل ہوگیا جو جنوبی ہند کی طرف وشالا دیس شہر کو جا رہا تھا۔ جس پر دراوڑ قبیلے کا ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔

یہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اس زمانے کے شمالی ہند پر دراوڑوں کا راج تھا۔ اور ہڑپہ اور موہنجودڑو ان کے دو بڑے مشہور شہر تھے۔ دراوڑی نسل کے یہ لوگ جنوبی ہند سے ہی نقل وطن کر کے کسی وجہ سے شمالی ہند میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور یہاں اُنہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ جنوبی ہند میں ان کی نسل کے ہی دراوڑی قبیلے آباد تھے اور ہندوستان کے جنوبی سرے پر دراوڑوں کا ایک چولا نام کا قبیلہ راج کرتا تھا۔ ناگ پال چونکہ خود دراوڑ تھا اس لئے اُسے جنوبی ہند کی سرزمین اپنے لئے بڑی محفوظ دکھائی دی تھی اور وہ اسی جانب سفر کر رہا تھا۔ چمپاکلی کی محبت اور اُس کا خیال ناگ پال کے دل میں تھا۔ مگر ناگ پال ایک سادھو صفت خیالات کا نوجوان تھا۔ وہ ناگ دیوتا کا پرستار تھا اور چمپاکلی کی محبت اور اُس کے ملاپ کی خواہش کو اُس نے ناگ دیوتا کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ اگر دیوتاؤں کی مرضی ہوئی تو ایک نہ ایک دن چمپاکلی اُسے ضرور مل جائے گی۔

اُس زمانے میں سفر کرنا آج کی طرح آسان نہیں تھا۔ قافلوں کو بنجر ویرانوں، خطرناک درندوں سے بھرے ہوئے گنجان جنگلوں اور دُشوار گزار پہاڑی علاقوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ خاص طور پر اُس زمانے کے ملک ہندوستان کے جنوب کی جانب سفر بے حد تکلیف دہ اور جان لیوا ہوتا تھا۔ آج سے چار ہزار برس پہلے اگر آپ شمال سے جنوب کی طرف جائیں تو سینکڑوں میل کے فاصلے پر کہیں آپ کو کوئی شہر ملتا تھا۔ اُس شہر پر کوئی نہ کوئی راجہ حکومت کرتا تھا اور یہ شہر ہی اس راجہ کا ملک کہلاتا تھا۔ پندرہ پندرہ بیس بیس جھونپڑیوں پر مشتمل گاؤں بھی ٹاواں ٹاواں ہی دکھائی دیتے تھے۔ گھنے جنگلوں میں وحشی لوگوں کے قبیلے رہتے تھے جو جنگلی جانوروں کا شکار کر کے پیٹ پالتے تھے۔ ایسے ایسے گنجان جنگل تھے (اور یہ جنگل آج بھی ہے) کہ جہاں سورج کی روشنی کبھی نہیں آتی تھی اور دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا رہتا تھا۔

ان جنگلوں میں ہاتھی، شیر، چیتے، ریچھ آزادی سے پھرتے تھے۔ جہاں کوئی انسان نظر آئے اُسے وہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے۔ رائفلوں، بندوقوں کا زمانہ نہیں تھا۔ لوگ تیر کمان یا نیزے لے کر چلتے تھے اور ان ہتھیاروں سے ان خوفناک درندوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے علاوہ سانپ، بچھو اور دوسرے حشرات الارض ہوتے تھے جن سے بچنا ناممکن ہوتا تھا۔ سفر کرنے والے قافلوں کے راستے میں صرف یہ ہلاکت خیز جنگل ہی نہیں آتے تھے، بڑے بڑے دریا بھی آتے تھے جن کی تیز رفتار موجوں کے ریلے آدمی کو فوراً بہا کر لے جاتے تھے۔ موسلا دھار بارشیں الگ تھیں۔ ایسی ایسی دلدلیں تھیں کہ پلک جھپکتے میں ہاتھی کو نگل جاتی تھیں۔ اس ملک کی یہ آفات آج بھی اسی طرح قائم ہیں اور انسان ان کی بھینٹ چڑھتے رہتے ہیں۔ ایک اور خطرہ ڈاکوؤں کا ہوتا تھا جو اچانک کسی ٹیلے یا کسی جنگل میں سے نکل کر قافلے پر حملہ آور ہوتے اور جو سامنے آئے اُسے قتل کر کے جو ہاتھ لگتا لوٹ کر لے جاتے تھے۔ بلا شک اُس زمانے میں کسی قافلے کے ساتھ ان جنگلوں والے علاقوں میں سفر کرنا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے برابر تھا۔ لیکن لوگوں کے پاس سفر کا یہی ایک عام ذریعہ تھا۔

ناگ پال بھی ایسے ہی ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتا ہندوستان کی جنوبی تکون پر واقع راجہ وشالا کے شہر میں پہنچ گیا۔ وہ سادھو صفت قسم کا نوجوان تھا۔ ناگ دیوتا اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی رضا پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے وشالا شہر کے باہر ایک ندی کے کنارے ڈیرا لگا لیا۔ اُس زمانے کے دراوڑوں کا یہ شہر اس جگہ آباد تھا جہاں ملک ہندوستان کے مشرقی اور مغربی ساحل ایک تکون کی شکل بناتے ہوئے ایک دوسرے سے آ کر مل جاتے ہیں اور جہاں آج کے زمانے میں بھارت کے صوبے تامل ناڈو کا شہر کنیا کماری واقع ہے۔

کنیا کماری سے سری لنکا ملک کے ساحل تک سمندر پھیلا ہوا ہے۔ یہ سمندر پچیس چھبیس میل کا ہے۔ اُس زمانے میں آج کے شہر کنیا کماری کے اُس زمانے کے شہر وشالا سے لوگ بادبانی کشتیوں میں بیٹھ کر یہ سمندر پار کر کے سری لنکا کے ساحل پر جاتے تھے۔ میں نے یہ سمندر دیکھا بھی ہے اور اس میں سفر بھی کیا ہے۔ مگر میں نے ایک چھوٹے بحری جہاز میں سفر کیا تھا جس نے آدھ گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کر لیا تھا۔ چونکہ یہ سمندر دو ملکوں کے ساحلوں کے درمیان ایک آبنائے کی شکل میں ہے اس لئے یہ ہمیشہ متلاطم رہتا ہے۔ آج کل کے چھوٹے چھوٹے جہاز بڑے آرام سے یہ سمندر پار کر جاتے ہیں۔ لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس زمانے میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں اور تجارتی سامان لے جانے والے بادبانی جہازوں میں اس متلاطم سمندر کو پار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بادبانی جہاز اور ڈونگا کشتیاں طوفان مچاتی سمندری موجوں کی زد میں آ کر اکثر ڈوب جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ

اس سمندر میں ایک اور خطرہ بھی تھا۔ کنیا کماری کے ساحل سے کچھ دُور تک سمندر کے اندر کئی نوکیلی چٹانیں چھپی ہوئی ہوتی تھیں۔ جہاز ان چٹانوں سے بھی ٹکرا کر غرق ہو جاتے تھے۔ آج کل بھارت کی حکومت نے ان چٹانوں میں آہنی ستون گاڑ کر ایک پُل بنا دیا ہوا ہے۔ اس پُل پر سے ریل گاڑی بھی گزرتی ہے۔ لنکا جانے والے مسافر ریل گاڑی میں اس پُل پر سے گزر کر دھنش کوڑی نام کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔ میں نے سمندر پر بنے ہوئے اس پُل پر ریل گاڑی میں سفر کیا ہے۔ اس پُل پر ریل گاڑی کوئی پندرہ منٹ تک چلتی رہتی ہے۔ جب تک ریل گاڑی اس پُل پر سے گزرتی رہی تھی میں ریل کی کھڑکی میں سے نیچے دیکھتا رہا تھا۔ سمندر میں چھپی ہوئی چٹانیں جن کے اُوپر یہ پُل بنایا گیا ہے کہیں کہیں سمندر سے باہر نکلی ہوئی ہیں اور سمندر کی طوفانی موجیں ان سے ٹکرا ٹکرا کر جھاگ اُڑاتی رہتی ہیں۔ یہ منظر ایسا دلچسپ تھا کہ جب تک ٹرین پُل پر چلتی رہی میں ان چٹانوں سے ٹکرانے والی شوریدہ سر موجوں کو ہی تکتا رہا تھا۔ لیکن آج سے چار پونے چار ہزار برس پہلے اس پُل کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور سمندر کے اندر چھپی ہوئی اور کہیں کہیں باہر نکلی ہوئی ان چٹانوں سے ٹکرا کر بادبانی جہاز غرق ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس دور میں سری لنکا جانے والے بادبانی جہاز اور بڑی کشتیاں وشالا نام کے ساحلی شہر سے ہی جاتے تھے۔ اسی وشالا شہر کی چاردیواری کے باہر ایک جگہ جنگل میں ناگ پال نے اپنے لئے ایک جھونپڑی ڈالی اور کچھ عرصہ کے لئے وہیں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔

جسم اور جان کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لئے جنگل میں گھوم پھر کر اُس نے کچھ سانپ پکڑ لئے تھے۔ چونکہ وہ بنیادی طور پر شاہی سپیروں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور ناگ دیوتا کا چیلا اور پجاری بھی تھا اس وجہ سے سانپوں کی ہر نسل اور اُن کے رنگ رُوپ اور خصلتوں سے واقف تھا۔ سانپوں کا اُس نے زہر نکال دیا تھا۔ اُس کو معلوم تھا کہ کتنے دنوں کے بعد سانپوں کے منہ کی تھیلیوں میں دوبارہ زہر آ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اس وقت سے ایک دن پہلے ہی سانپوں کا زہر نکال دیتا تھا۔ اُس نے کپڑے کا ایک تھیلا سا بنا لیا تھا جسے وہ کندھے پر لٹکا لیتا، سانپوں کو ایک پٹاری میں بند کرتا اور شہر میں اور آس پاس کی دیہاتی آبادیوں میں جا کر سانپوں کا تماشہ دکھاتا۔ لوگ خوش ہو کر اُسے اُس زمانے کے چند ایک سکے دے دیتے تھے جن کی مدد سے وہ تھوڑا بہت کھا پی کر گزارہ کر لیتا تھا۔

اُس نے کبھی شہر کے کسی مکان یا گاؤں کی کسی جھونپڑی میں جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ کہیں اُس کی محبوبہ چمپاکلی تو وہاں نہیں ہے؟ یہ بات اُس کے مزاج کے خلاف تھی۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ جو ناگ دیوتا اُس کی حفاظت کر رہا ہے اور جس نے اُسے بڑی بڑی مصیبتوں سے باہر نکالا ہے وہی ایک نہ ایک دن اُسے چمپاکلی سے ملا دیگا۔ اُس کے دل

ں چمپاکلی کے پیار کی جوت پہلے روز کی طرح روشن تھی۔ وہ بھی چمپاکلی سے اتنا ہی والہانہ ار کرتا تھا جتنا چمپاکلی اُس سے کرتی تھی۔ لیکن اُن دونوں کے پیار میں اگر کوئی فرق تھا تو رف اتنا کہ ناگ پال نے اپنی پوری شخصیت کو چمپاکلی کے پیار میں گم نہیں کیا تھا۔ اپنی آتما واُس نے دنیا کے فنا ہو جانے والے پیار سے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ یہ ناگ پال کی شب و روز تپسیا کا اثر تھا۔ لیکن آخر وہ انسان تھا۔ ایک ایسا انسان جو ناگ دیوتا کے علاوہ ایک حسین ر نیلی آنکھوں والی عورت سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی چمپاکلی کی محبت اُس کے دل ں جوش مارتی تھی تو وہ سب کچھ بھول کر چمپاکلی کے خیال میں کھو جاتا تھا اور اُس کا دل بے تیار ہو کر پرارتھنا کرنے لگتا تھا کہ اے ناگ دیوتا! میری انسانی کمزوریوں کا خیال نہ کر اور ے میری چمپاکلی سے ملا دے۔ ناگ پال کے دل کی یہ حالت چمپاکلی سے طویل جدائی کے د پیدا ہوئی تھی۔

ناگ پال سانپوں کا تماشہ دکھا کر اپنی روزی روٹی بھی کماتا تھا اور اس نے خدمت خلق ے خیال سے ایک سانپ کی اپنی آتما کی شکتی سے ایسی تربیت کی تھی کہ وہ سانپ کسی کو ڈس ے تو وہ اس کے جسم کا زہر کھینچ کر اس انسان کو مرنے سے بچا لیتا تھا۔ اس خدمت خلق کا یال ناگ پال کو ایک واقعے کے بعد آیا تھا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز وہ شام کے وقت اپنی ھونپڑی کے باہر سمادھی لگائے بیٹھا تھا۔ کچھ جنگلی پرندے اس کے اِردگرد چل پھر کر دانہ دُنکا ن رہے تھے۔ ناگ پال کی سانپوں کی پٹاری ایک طرف پڑی تھی۔ ناگ پال کو پتہ نہ چل ا اور پٹاری میں سے ایک سانپ باہر نکل آیا۔ یہ وہ سانپ تھا کہ جس کا زہر وقت پر نکالنا ک پال بھول گیا تھا۔ سانپ ایک طرف کنڈل مار کر بیٹھ گیا۔ ناگ پال گیان دھیان میں ن تھا۔ اتفاق سے ایک جنگلی کبوتر دانہ دُنکا چنتا سانپ کے قریب چلا گیا۔ سانپ نے اُچھل کر اُسے ڈس دیا۔

سانپ کی پھنکار اور کبوتر کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سن کر ناگ پال نے چونک کر دیکھا کہ یک کبوتر تڑپ رہا تھا اور سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ ناگ پال سانپ کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ اس کا زہر نکالنا بھول گیا تھا اور اس نے کبوتر کو ڈس دیا ہے۔ ناگ پال سے کبوتر کا تڑپنا یکھا نہ گیا۔ اُس نے کبوتر کو اُٹھا لیا اور دیکھا کہ سانپ نے اُس کے نیچے کے اُوپر جہاں کبوتر کی ٹانگ پر بال نہیں تھے ڈسا ہے۔ کبوتر پر موت کی غشی طاری ہو رہی تھی۔ ناگ پال کا دل کبوتر کی بے بسی دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اُس نے نگاہیں اُٹھا کر سانپ کو دیکھا اور اُسے حکم دیا۔

''جو زہر تم نے کبوتر کے جسم میں ڈالا ہے اُسے واپس لے لو۔''

ناگ پال نے الفاظ کی شکل میں بھی یہ حکم دیا تھا اور خیال کی شکتی سے بھی یہ بات سانپ کے دماغ میں ڈال دی تھی۔ سانپ پر ناگ پال کی رُوحانی طاقت کا اثر ہونا یقینی تھا۔ سانپ

فوراً حرکت میں آ گیا۔ وہ رینگتا ہوا ناگ پال کی طرف بڑھا۔ ناگ پال نے کبوتر زمین پر رکھ دیا جو اس وقت تک بے ہوش ہو چکا تھا۔ سانپ، کبوتر کے پاس آیا، اُس کی ٹانگ جہاں ڈسنے کے دو ننھے سے نشان تھے اُس پر منہ رکھا اور زہر چوسنا شروع کر دیا۔ ناگ پال یہ کرشمہ دیکھ رہا تھا اور اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا سانپ پر اتنا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں سانپ پر ناگ پال کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا اثر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُس کی پاکیزہ شخصیت اور بے داغ کردار کی طاقت کا اثر ہوا تھا۔ سانپ نے کبوتر کا سارا زہر چوس لیا اور پرے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ کبوتر کو ہوش آ گیا۔ ناگ پال نے اُسے پیار کیا اور اُسے چھوڑ دیا۔ کبوتر پھڑ پھڑا کر اُڑ گیا۔

اس واقعے کے بعد ناگ پال کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس سانپ کو زہر کو چوس لینے کی تربیت دی جائے تاکہ اگر کسی کو کوئی سانپ ڈس لے تو اس سانپ کی مدد سے مرنے والے کو بچا لیا جائے۔ کیونکہ اس علاقے میں سانپ کثرت سے تھے۔ جنگلی علاقہ تھا۔ سانپ انسانوں کو ڈستے رہتے تھے۔ چنانچہ ناگ پال نے اس خاص سانپ کو تربیت دینی شروع کر دی۔ وہ اُسے اپنے ساتھ جنگل میں لے جاتا، وہاں کوئی گرا پڑا مرا ہوا پرندہ اُٹھاتا اور سانپ کے آگے رکھ کر اُسے حکم دیتا کہ اس کو ڈس دو۔ سانپ اپنی جبلت کے مطابق پرندے کو ڈس دیتا۔ اس کے بعد ناگ پال اُسے حکم دیتا کہ جو زہر تم نے اس کے جسم میں داخل کیا ہے اسے باہر نکال دو۔ اور سانپ مُردہ پرندے کے جسم کے ساتھ منہ لگا کر اپنا سارا زہر چوس لیتا۔ ناگ پال سانپ کا منہ پورا کھول کر اُس کی زہر والی تھیلی کو دیکھتا۔ وہ زہر سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔

ایک بار ناگ پال نے دیکھا کہ کچھ جنگلی لوگ ایک آدمی کو اُٹھائے ہوئے لے جا رہے تھے۔ ناگ پال نے پوچھا۔

''اسے کیا ہو گیا؟''

ایک جنگلی دیہاتی نے جواب دیا۔

''مہاراج! اسے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔''

ناگ پال بولا۔ ''اسے یہاں لٹا دو۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔''

جنگلی دیہاتیوں نے اُس آدمی کو ناگ پال کے سامنے لٹا دیا۔ سانپ کے زہر کے اثر سے وہ آدمی بے ہوش ہو چکا تھا۔ ناگ پال نے فوراً پٹاری میں سے کالے سانپ کو نکال کر اُسے حکم دیا کہ اس آدمی کے جسم کا زہر نکال دو۔ اس خاص سانپ کا رنگ سیاہ تھا۔ اور ناگ پال بھی اسے کالا سانپ ہی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ سانپ نے حکم پاتے ہی اپنی تربیت کے مطابق اپنا منہ اُس آدمی کے جسم پر اُس جگہ پر لگا دیا جہاں اُسے سانپ نے کاٹا تھا اور زہر چوسنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سانپ نے سارا زہر چوس کر ایک طرف اُگل دیا۔ کیونکہ اُس

کی تھیلی پہلے ہی زہر سے بھری ہوئی تھی اور یہ فالتو زہر تھا جو اُس نے اُگل دیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اُس آدمی نے آنکھیں کھول دیں۔ جنگلی دیہاتی، ناگ پال کے پاؤں چومنے لگ گئے۔

ناگ پال نے کہا۔ ''بھائیو! اس میں میری کوئی خوبی نہیں ہے۔ یہ سب ناگ دیوتا کی پرارتھنا سے ہوا ہے۔''

جنگلی دیہاتی ناگ دیوتا کی جے کے نعرے لگانے لگے۔ اُن کا آدمی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے بھی ناگ پال کے پاؤں چوم لئے۔ سب لوگ خوشی خوشی اپنے گاؤں کو واپس چلے گئے۔

ناگ پال کے اس کرشمے کی شہرت اردگرد کے جنگل، دیہات اور وشالا شہر میں پھیل گئی۔ اب جہاں کسی کو کوئی سانپ ڈستا لوگ اُسے اُٹھا کر ناگ پال کے پاس لے آتے اور ناگ پال کا کالا سانپ اُس کے حکم سے اس آدمی کا زہر چوس کر اسے مرنے سے بچا لیتا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وشالا کے راجہ کی ایک چہیتی رانی شاہی محل کے باغیچے میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ سیر کر رہی تھی کہ اُسے سانپ نے ڈس لیا۔ سارے محل میں قیامت مچ گئی۔ راجہ گھبرایا ہوا تخت چھوڑ کر رانی کے پاس آ گیا جس پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ چار شاہی وید اُس کا علاج کر رہے تھے۔ وزیر نے دست بستہ ہو کر عرض کی کہ جنگل میں ایک سپیرا رہتا ہے جس کے پاس ایک سانپ ہے جو زہر چوس لیتا ہے۔ راجہ نے اُسی وقت سپاہی، جنگل کی طرف دوڑائے۔ یہ سپاہی ناگ پال کو لے کر فوراً شاہی محل میں پہنچ گئے۔ ناگ پال نے رانی کو دیکھا وہ بے ہوش تھی۔ سانپ نے اُس کی پنڈلی پر ڈسا تھا۔ ناگ پال نے پٹاری میں سے تربیت یافتہ سیاہ سانپ کو نکال کر اُسے رانی کے جسم کا زہر چوسنے کا حکم دیا۔

سانپ نے اپنا منہ رانی کی پنڈلی پر سانپ کے دانتوں کے زخم پر رکھ دیا اور آن کی آن میں رانی کے جسم کا سارا زہر چوس کر پھینک دیا۔ راجہ، وزیر، شاہی وید اور دوسری رانیاں حیرت کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ جسم سے سانپ کا زہر نکلتے ہی رانی کو ہوش آ گیا۔ راجہ نے خوش ہو کر ناگ پال کے پاؤں میں ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا دیا۔ ناگ پال نے کہا۔

''مہاراج! ہم سادھو جوگی لوگ ہیں۔ ہیرے موتیوں کی حاجت نہیں ہے۔''

راجہ نے کہا۔

''آج سے تم ہمارے شاہی وید ہو۔ شاہی طبیب ہو۔ تم ہمارے شاہی محل میں رہو گے۔''

ناگ پال کہنے لگا۔ ''مہاراج! ہم جوگی لوگوں کا ٹھکانہ جنگلوں میں ہوتا ہے۔ شاہی محلات میں ہمارا کیا کام؟''

مگر راجہ نہ مانا۔ بولا۔ ''ہمارا حکم اٹل ہے۔ ہم نے جو کہہ دیا ہے وہی ہو گا۔ تم اپنے سانپ کے ساتھ ہمارے محل میں ہی رہو گے۔''

ناگ پال سمجھ گیا کہ وہ رانی کا علاج کر کے وہاں پھنس گیا ہے۔ اُس نے کہا۔ ''مہاراج! مجھے اجازت دیجئے کہ جنگل میں میری کٹیا میں جو سانپوں کی پٹاری ہے وہ جا کر لے آؤں۔''

راجہ نے کہا۔

''تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہاری پٹاری یہیں منگوا لیتے ہیں۔''

ناگ پال اپنی عادت اور مزاج کے مطابق خاموش ہو گیا۔ اُس نے اس کے بعد کوئی اعتراض نہ کیا۔ ناگ پال کو اسی وقت شاہی مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔

OOO

ناگ پال کو محسوس ہوا کہ اُسے زبردستی شاہی محل کے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ وہ ہر گھڑی اس شاہی قید خانے سے نکلنے کے لئے بے چین رہنے لگا۔ اُس کے گیان دھیان میں بھی خلل پیدا ہو گیا تھا۔ وہ گیان دھیان کے واسطے سادھی لگا کر بیٹھتا تو اُس کا ذہن راجہ کے محل سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچنے لگتا۔ اُس نے ایک بار شہر کی چار دیواری کے باہر جنگل میں بہنے والی ندی پر جا کر اشنان کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر اُسے اس کی اجازت نہ مل سکی۔ ناگ پال، رانی کے علاج کے لئے صرف سیاہ سانپ لے کر وہاں آیا تھا جو پٹاری میں بند اُس کے پاس ہی رہتا تھا۔ مگر یہ سانپ بھی اُس کے فرار میں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ ناگ پال، شاہی مہمان خانے میں اپنی چوکی پر سادھی لگائے بیٹھا گیان دھیان میں مشغول ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ ناگ پال نے آنکھیں کھول کر دروازے کی طرف دیکھا اور کہا۔

''کنڈی نہیں لگی۔ اندر آ جاؤ!''

دروازہ آہستہ سے کھلا اور ایک عورت اندر داخل ہوئی جس نے سیاہ چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ رکھا تھا۔ کمرے میں آ کر اُس نے چہرے پر سے چادر ہٹا دی۔ ناگ پال نے اُسے پہچان لیا۔ یہ راجہ کی وہ چہیتی رانی تھی جس کا ناگ پال نے علاج کیا تھا۔ اندر آتے ہی رانی نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بڑے ادب سے ناگ پال کے سامنے بیٹھ گئی۔ ناگ پال کو بڑا تعجب ہوا کہ راجہ کی چہیتی رانی رات کے وقت اس کے پاس کیا لینے آ گئی ہے؟

اُس نے پُرسکون آواز میں پوچھا۔

''رانی جی! آپ کس لئے آئی ہیں؟''

رانی نے کہا۔ ''مہاراج! دیوتاؤں نے آپ کو بڑی شکتی دی ہے۔ میں مر رہی تھی، آپ نے مجھے بچا لیا۔ میری ایک اور بیماری ہے اس کو اپنی شکتی سے دُور کر دیں۔ میں ساری زندگی آپ کی سیوا کروں گی۔''

ناگ پال نے بے نیازی سے پوچھا۔

''کیا بیماری ہے آپ کو رانی جی؟''

رانی کہنے لگی۔ ''مہاراج! میں چاہتی ہوں کہ میری کوکھ سے لڑکا جنم لے جو راجہ کے بعد

راج گدی پر بیٹھ کر حکومت کرے۔ لیکن میرے کوئی اولاد نہیں ہو رہی۔ شاہی وید کہتے ہیں کہ میں کوکھ جلی ہوں۔ میرے ہاں کبھی اولاد نہیں ہو گی۔ آپ شکتی دان ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ کی دیوتاؤں والی شکتی میری جلی ہوئی کوکھ کو ہرا بھرا کر دے گی اور میرے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہو گا جو راج پاٹھ سنبھالے گا۔''

ناگ پال کی آنکھوں میں اُمید کی بجھی ہوئی شمع اچانک روشن ہو گئی۔ اُسے ایسے لگا جیسے ناگ دیوتا نے شاہی محل سے اُس کے فرار کی تدبیر پیدا کر دی ہے۔ اُس نے رانی سے کہا۔

''رانی جی! آپ کا علاج موجود ہے۔ آپ کی کوکھ ہری بھری ہو سکتی ہے اور آپ کے پیٹ سے لڑکا ہی پیدا ہو گا۔''

رانی تو یہ سن کر نہال ہو گئی۔ ناگ پال کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور بولی۔

''مہاراج! میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھے ایک لڑکا عطا کر دیجئے۔ آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔''

ناگ پال کے دماغ میں ایک تدبیر آ چکی تھی۔ اُس نے کہا۔

''مگر لگتا ہے دیوتاؤں کی مرضی نہیں ہے کہ تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہو۔''

رانی نے سر اُٹھا کر پریشان نگاہوں سے ناگ پال کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟''

ناگ پال بولا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں رانی جی! اس لئے کہ آپ کے علاج کے لئے جس جڑی بوٹی کی ضرورت ہے وہ جنگل میں ملتی ہے اور اسے صرف میں ہی پہچان کر لا سکتا ہوں۔ لیکن مجھے یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے آپ کا علاج ناممکن ہے۔''

رانی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''مہاراج! میں آپ کو محل سے باہر نکالوں گی اور اس طرح نکالوں گی کہ آپ کے باہر نکلنے اور دوبارہ محل میں آنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ آپ کہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلی چلوں گی۔''

ناگ پال نے جلدی سے کہا۔

''نہیں نہیں...... آپ کو ساتھ جانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اس خاص جڑی بوٹی پر آپ کا سایہ پڑ گیا تو اس کا اثر جاتا رہے گا۔ آپ شاہی محل میں ہی رہیں۔ میں اکیلا جنگل میں جا کر وہ جڑی بوٹی لے کر واپس آ جاؤں گا۔ اور اُسے پیس کر گائے کے دودھ کے ساتھ آپ کو اپنے ہاتھ سے دن میں تین بار کھلاؤں گا۔ اس کے ایک ماہ بعد آپ گربھ وتی ہو جائیں گی۔ آٹھ ماہ کے بعد آپ کے ہاں چاند سا لڑکا پیدا ہو گا۔''

رانی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ کہنے لگی۔ ''مہاراج! مجھ کوکھ جلی پر رحم کرتے ہوئے آپ ابھی جنگل میں جا کر وہ جڑی بوٹی لے آئیں۔''

ناگ پال یہی چاہتا تھا۔ اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ دیوتا اُس کے فرار کا اتنی جلدی انتظام کر دیں گے۔ مگر وہ اطمینان حاصل کر لینا چاہتا تھا کہ رانی نے اُس کے محل سے باہر نکلنے کا جو منصوبہ بنایا ہے اس میں اس کے پکڑے جانے کا خطرہ نہیں ہے۔ اُس نے رانی سے کہا۔

''تم کیسے مجھے اس محل سے باہر نکالو گی جہاں چاروں طرف پہرہ لگا ہوا ہے؟''

رانی بولی۔

''مہاراج! راجہ کے محل میں سے ایک خفیہ سرنگ شہر سے باہر جاتی ہے۔ اس خفیہ سرنگ کا راز صرف راجہ کو اور مجھے معلوم ہے۔ میں آپ کو ابھی اسی وقت اُس خفیہ سرنگ میں سے شہر کی فصیل سے باہر نکال دیتی ہوں۔ آپ فوراً جنگل میں جا کر وہ جڑی بوٹی لے آئیں۔''

ناگ پال کو اور کیا چاہئے تھا؟ فوراً تیار ہو گیا۔ رانی نے اپنی انگوٹھی اُتار کر ناگ پال کو دی اور کہا۔ ''مہاراج! احتیاط کے لئے اسے اپنے پاس رکھیں۔ یہ شاہی انگوٹھی ہے۔ اگر خفیہ سرنگ کے باہر کوئی پہرے دار موجود ہوا تو اُسے یہ انگوٹھی دکھا دیں۔''

ناگ پال نے شاہی انگوٹھی لے کر رکھ لی۔ انگوٹھی میں بے حد قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔ رانی، ناگ پال کو شاہی محل کی تاریک راہداریوں میں سے لیتی ہوئی خفیہ سرنگ کے دروازے پر آ گئی اور بولی۔

''مہاراج! یہ سرنگ آپ کو شہر کی چار دیواری کے باہر پہنچا دے گی۔ میں آپ کا شاہی مہمان خانے میں انتظار کروں گی۔''

ناگ پال نے کہا۔

''ہاں! تم شاہی مہمان خانے میں انتظار کرنا۔ میں بڑی جلدی جڑی بوٹی لے کر واپس آ جاؤں گا۔''

ناگ پال نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اُس وقت سے لے کر اب تک شاید پہلی بار جھوٹ بولا تھا۔ اُس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ سادھو سنت اور رشی منی نہیں بلکہ ایک حسین عورت چمپا کلی کا عاشق تھا۔ وہ اُس کی محبت میں ایسا کر رہا تھا اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔

وہ خفیہ سرنگ میں داخل ہو گیا۔ سرنگ سے باہر آ کر اُس نے ایک لمحے کے لئے رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ اگر وہاں کوئی پہریدار موجود ہو تو وہ اُسے رانی کی دی ہوئی شاہی انگوٹھی دکھا کر نکل جائے۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ رات کی تاریکی میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ناگ پال نے دل میں دیوتاؤں کا شکریہ ادا کیا کہ شاہی محل کی قید سے اُس کی جان چھوٹی۔

اس وقت اُسے خیال آیا کہ جلدی میں وہ اپنے ساتھ سیاہ سانپ کی پٹاری لانا بھول گیا ہے۔ لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ اُسے اب سیاہ سانپ کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ دن نکلنے سے پہلے پہلے اُسے وشالا شہر سے نکل جانا چاہئے تھا۔ دن نکلنے کے بعد راجہ کو اُس کے فرار کی خبر مل سکتی تھی اور وہ اُسے گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی چاروں طرف بھیج سکتا تھا کیونکہ اُس زمانے میں اگر کسی راجہ کے دربار کا کوئی شاہی نجومی، شاہی طبیب اور شاہی گویا بغیر اطلاع دیئے محل سے فرار ہو جاتا تھا تو اس سے رعایا میں راجہ کی بدنامی ہوتی تھی۔ رعایا سمجھتی تھی کہ ان کا راجہ کمزور ہو گیا ہے۔ محل میں اس کا حکم نہیں چلتا اور اب اسے راج گدی چھوڑ دینی چاہئے۔ چنانچہ جس شاہی وید، شاہی نجومی یا شاہی طبیب کو راجہ کے حکم سے دربار میں کرسی مل جاتی تھی پھر اُس کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔

وشالا کی بندرگاہ وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ ناگ پال رات کے اندھیرے میں ہی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔ اس وقت کوئی مسافر بردار بادبانی جہاز تو سری لنکا کی جانب نہیں جا رہا تھا لیکن ایک بڑی کشتی جس پر صرف ایک بادبان لگا ہوا تھا کچھ مسافروں کو لے کر سری لنکا جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ دس بارہ کالے کالے مزدور قسم کے مسافر کشتی میں ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر بیٹھے ہوئے تھے اور کشتی پر سامان لادا جا رہا تھا۔ ناگ پال نے کشتی کے بڑے ملاح سے کہا کہ وہ ناگ دیوتا کا پجاری ہے اور ناگ دیوتا کی پوجا کے لئے سری لنکا کے بڑے مندر جانا چاہتا ہے۔ ملاح نے ناگ دیوتا کا نام سن کر ناگ پال کو کشتی میں بٹھا لیا۔ کشتی دو ڈھائی گھنٹے کے سمندری سفر کے بعد سری لنکا کے ساحل سے جا کر لگ گئی۔ سری لنکا کا ملک ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جس کے چاروں طرف سمندر ہے۔ کشتی جزیرے کے شمال مشرقی ساحل پر جا کر لگی تھی جہاں پہلے سے کچھ بادبانی کشتیاں کھڑی تھیں جن میں سے مشعلوں کی روشنی میں سامان اُتارا جا رہا تھا۔

ناگ پال خاموشی سے ایک طرف کو چل پڑا۔

وہ ساحل سے بہت دُور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ اگر راجہ کے سپاہی اُس کی تلاش میں وہاں آئیں بھی تو ناگ پال کو گرفتار نہ کر سکیں۔ رات کا آخری پہر گزر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد صبح ہونے والی تھی۔ ناگ پال دل میں چمپاکلی کا خیال لئے چپ چاپ چلتا رہا۔ رات کے اندھیرے میں آس پاس کے تاڑ اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ سمندر کی طرف سے آنے والی ہواؤں میں آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔ یہ ساحلی علاقہ پتھریلا تھا۔ جگہ جگہ گڑھے اور چٹانیں تھیں۔ ناگ پال ان کے درمیان سے گزرتا گیا۔ وہ سمندر سے کافی دُور نکل آیا تھا۔ جب آسمان پر پو پھٹنے لگی اور صبح کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوئے تو ناگ پال ایک جنگل کے پاس آ کر رک گیا۔

وہ ایک چشمے کے پاس بیٹھ گیا۔ دن کی روشنی پھیلنے لگی۔ اُس نے چشمے پر منہ دھویا، پانی پیا اور چاروں طرف دیکھا۔ سامنے درختوں کی قطار تھی جس کے پیچھے گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ وہ ناریل کے درختوں کے نیچے بیٹھا تھا۔ کچھ تازہ ناریل زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔ ناگ پال نے ایک ناریل توڑ کر اُس کا میٹھا پانی پیا اور تھوڑی بہت گری کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ جنگل میں داخل ہو گیا۔

○

رانی وشالا کے شاہی مہمان خانے میں ناگ پال کے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ جب دن نکل آیا اور ناگ پال واپس نہ آیا تو وہ نا اُمید ہو کر واپس اپنے محل میں آ گئی۔ وہ یہی سوچ کر خاموش رہی کہ مہاراج جنگل میں جڑی بوٹی تلاش کر رہے ہوں گے۔ انہیں وہ خاص بوٹی نہیں ملی ہو گی۔ جیسے ہی ملی وہ واپس آ جائیں گے۔ لیکن دن کا ابھی پہلا پہر ہی گزرا تھا کہ راجہ کو ناگ پال کے فرار کی خبر مل گئی۔ راجہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا کہ شاہی محل کے اتنے کڑے پہرے میں سے اُس کا شاہی طبیب کیسے فرار ہو گیا؟ اسی وقت سپاہی ناگ پال کی تلاش میں دوڑا دیئے گئے۔ راجہ نے سختی سے منع کر دیا کہ محل سے شاہی طبیب کے نکل بھاگنے کی خبر رعایا تک نہ پہنچے۔ دوسری طرف اُس نے شاہی مہمان خانے کے باہر پہرہ دینے والے سپاہیوں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اعلان کر دیا کہ اگر ان پہرے دار سپاہیوں نے ناگ پال کے بارے میں یہ نہ بتایا کہ انہوں نے ہی اسے محل سے بھگایا ہے تو وہ ان کو قتل کر کے ان کی لاشیں شہر کے دروازے پر لٹکا دے گا۔ راجہ کی چہیتی رانی نے یہ سنا تو اُس کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ محض اُس کی وجہ سے بے گناہ پہریداروں کو قتل کیا جائے۔ اُس نے راجہ کے پاس جا کر سارا حال صاف صاف بیان کر دیا اور کہا کہ میں نے اولاد کی خاطر ناگ پال جی کو جڑی بوٹی لانے کے لئے محل کے خفیہ دروازے سے باہر نکالا تھا۔ اور اس بے وقوف رانی نے راجہ کو مزید یقین دلانے کی خاطر یہ بھی بتا دیا کہ اُس نے ناگ پال جی کو اپنی شاہی انگوٹھی بھی دی تھی تاکہ خفیہ سرنگ کے باہر اگر کوئی سپاہی اُسے روکے تو وہ شاہی انگوٹھی دکھا کر نکل جائے۔

راجہ کو رانی پر غصہ تو بہت آیا لیکن وہ اُس کی چہیتی رانی تھی۔ راجہ اُس سے محبت کرتا تھا، غصہ پی کر رہ گیا۔ لیکن رانی کو ڈانٹ کر اپنا تھوڑا بہت غصہ ضرور نکالا۔ اُس نے رانی کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

”تم نے بڑی نادانی کی۔ تمہیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ ناگ پال شاہی طبیب ہے اور اس کو ہم نے اپنے حکم سے باقاعدہ اعلان کر کے محل کا شاہی طبیب مقرر کیا ہے اور یہ کہ ناگ پال کا دل یہاں نہیں لگتا تھا اور اُس نے ہم سے درخواست بھی کی تھی کہ مجھے رخصت کر دیا جائے۔ اب اگر وہ نہ ملا اور رعایا کو خبر ہو گئی تو ہماری کس قدر بے عزتی ہو گی۔ رعایا ہم سے بدگمان ہو

جائے گی اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے خلاف سازشیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔''

رانی نے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے کہا۔

''مہاراج! مجھے شما کر دیں۔ مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔ لیکن میں نے صرف اولاد کی خاطر ایسا کیا ہے۔ میری التجا ہے کہ جن سپاہیوں کو آپ نے قید میں ڈالا ہے اُنہیں جان سے نہ ماریں۔ کیونکہ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور میرا ہے۔ میں نے ناگ پال جی کو محل کے خفیہ راستے سے نکالا ہے۔''

راجہ دونوں ہاتھ پیٹھ پر رکھے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ رانی کی التجا سن کر بولا۔

''اگر تم ہماری چہیتی رانی نہ ہوتیں، اگر ہمیں تم سے محبت نہ ہوتی تو دیوتاؤں کی قسم ہم اپنے ہاتھ سے تمہارا سر قلم کر دیتے۔ لیکن ہم مجبور ہیں۔ ہم تمہاری التجا قبول کرتے ہیں۔ ہم سپاہیوں کو قتل نہیں کریں گے۔ لیکن وہ ساری عمر قید خانے میں ہی بسر کریں گے۔''

راجہ نے سینا پتی یعنی وزیر جنگ سے مشورہ کیا اور کہا کہ شاہی طبیب ناگ پال کو گرفتار کر کے واپس لانا بہت ضروری ہے۔ یہ ہماری راج گدی کی عزت کا معاملہ ہے۔ سینا پتی نے کہا۔

''مہاراج! یہ شاہی طبیب ناگ پال ہمارے ملک سے نکل کر سری لنکا کے ملک کو ہی گیا ہوگا۔ سری لنکا کا راجہ آپ کا دوست ہے۔ اپنا سفیر بھیج کر اُسے سارے حالات کی خبر کریں اور کہیں کہ ناگ پال اس کے ملک میں جہاں کہیں بھی ہو اسے گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیا جائے۔''

راجہ نے کہا۔

''لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ناگ پال، سری لنکا کی طرف جانے کی بجائے اُوپر ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے شہروں کی طرف نکل گیا ہو۔ ایسی صورت میں ہم اُس کا کہاں تک پیچھا کر سکیں گے؟''

سینا پتی بولا۔ ''آپ چنتا نہ کریں۔ میں اپنے جاسوس بھیج کر پہلے یہ معلوم کرتا ہوں کہ ناگ پال محل سے نکلنے کے بعد کس طرف کو گیا ہوگا۔''

سینا پتی نے اپنے ایک خاص جاسوس کو فوراً وشالا کی بندرگاہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اُس جاسوس نے بندرگاہ پر پہنچتے ہی ماہی گیروں اور ملاحوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ آخر ایک ملاح نے کہا۔

''مہاراج! کل رات میں کچھ مسافر اور مال لے کر بڑی کشتی میں سری لنکا کی طرف روانہ ہونے لگا تو ایک نوجوان میرے پاس آیا تھا۔ اُس کا حلیہ سادھو جوگیوں والا تھا۔ کہنے لگا مجھے ناگ دیوتا کی پوجا کرنے سری لنکا جانا ہے۔ میں ناگ دیوتا کا پجاری ہوں۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میں نے اُسے اپنی کشتی میں بٹھا لیا تھا اور اُسے دوسرے مسافروں کے ساتھ ہی سری

لنکا پہنچا دیا تھا۔''

شاہی جاسوس نے ملاح سے اُس جوگی قسم کے آدمی کا حلیہ پوچھا تو اُس نے جو حلیہ بتایا وہ شاہی طبیب ناگ پال ہی کا تھا۔ شاہی جاسوس نے فوراً محل میں واپس آ کر سینا پتی کو بتایا کہ شاہی طبیب محل سے فرار ہو کر سری لنکا گیا ہے۔ سینا پتی نے راجہ کو یہ خبر سنا دی۔ جب وشالا کے راجہ کو یقین ہوگیا کہ شاہی طبیب ناگ پال سری لنکا ہی گیا ہے تو اُس نے اسی وقت سری لنکا کے راجہ کے نام ایک خط لکھوایا۔ خط میں لکھا۔

''میرے دوست اور متر راجہ دشام! میرے دربار کا ایک شاہی طبیب جس کا نام ناگ پال ہے میری رانی کی قیمتی ہیرے والی شاہی انگوٹھی چرا کر بھاگ گیا ہے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ یہ چور طبیب، جس نے رشی منیوں اور سادھو سنتوں والا حلیہ بنا رکھا ہے میرے ملک سے فرار ہو کر تمہارے ملک سری لنکا گیا ہے۔ میں تم سے ایک دوست ہونے کے ناطے درخواست کرتا ہوں کہ جیسے بھی ہو اپنے ملک میں اس چور رشی منی کو گرفتار کر کے زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس پہنچا دو۔ تا کہ میں رعایا کے آگے بے عزت ہونے سے بچ سکوں۔''

خط پر اپنے دستخط والی شاہی مہر لگا کر راجہ نے اپنے خاص سفیر کو خط دیا اور کہا کہ اسی وقت ملک لنکا کی طرف روانہ ہو جاؤ اور راجہ دشام کو جا کر یہ خط دے آؤ۔ شاہی سفیر اسی وقت ایک خاص کشتی میں سری لنکا کے ملک کی طرف روانہ ہوگیا۔ شاہی کشتی تیز رفتار تھی۔ اُسے بارہ غلام چپوؤں سے چلا رہے تھے اور دو بادبان بھی کھلے تھے۔ ایک گھنٹے میں ملک ہندوستان اور ملک سری لنکا کے درمیانی سمندر کو عبور کر کے شاہی سفیر کی کشتی سری لنکا کے ساحل پر پہنچ گئی۔ سفیر نے اسی لمحے سری لنکا کے اُس زمانے کے راجہ دشام کے محل میں جا کر راجہ کا خط پہنچا دیا۔

راجہ دشام نے اپنے دوست وشالا کے راجہ کا خط پڑھ کر سفیر سے کہا۔

''ہمارے دوست اور ہمارے متر کو جا کر ہمارا خاص پیغام دو کہ ہم اُس چور رشی منی کی کھوج لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے اور اُس نقلی رشی منی ناگ پال کو گرفتار کر کے زنجیروں میں جکڑ کر بہت جلد تمہاری خدمت میں پیش کر دیں گے۔''

سفیر کو رخصت کرنے کے بعد سری لنکا کے راجہ دشام نے اپنے خاص سپاہیوں اور خاص جاسوسوں کو ناگ پال کا وہ حلیہ جو وشالا کے راجہ کے سفیر نے بیان کیا تھا بتا دیا اور حکم دیا۔

''اس حلیے کا سادھو جوگی اور رشی منی جہاں کہیں بھی ملے اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ یہ چور رشی منی ہے اور وشالا کے راجہ کی رانی کی شاہی انگوٹھی چرا کر سری لنکا بھاگ آیا ہے۔''

سری لنکا کے شاہی سپاہیوں کا دستہ اور شاہی جاسوس، ناگ پال کی تلاش میں نکل پڑے۔

○

ناگ پال نے سری لنکا کے ملک میں داخل ہونے کے بعد ایک دُور دراز گنجان جنگل میں

ندی کے کنارے اپنی جھونپڑی بنالی تھی۔ یہاں جنگلی پھل بہت تھے۔ ناگ پال جنگلی پھل کھا کرتھوڑا بہت پیٹ بھرلیتا تھا۔ اُس کا ارادہ سری لنکا کے ملک میں زیادہ دیر رہنے کا نہیں تھا۔ کیونکہ اُسے خطرہ تھا کہ وشالا کے راجہ کے آدمی اُس کی تلاش میں اس کے پیچھے ضرور آئیں گے۔ کیونکہ وہ اس راجہ کے شاہی محل کی روایات سے واقف تھا کہ اگر شاہی دربار کا کوئی شاہی طبیب، شاہی نجومی یا شاہی گویا کسی وجہ سے فرار ہو جائے تو راجہ کو رعایا پر اپنا اعتماد بحال کرنے کے لئے اُس مفرور درباری کو ہر حالت میں گرفتار کرنا ہوتا ہے۔ ناگ پال کا خیال تھا کہ وہ کچھ روز سری لنکا کے ملک میں رہ کر چمپاکلی کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر اس کا کھوج نہ ملا تو کسی تجارتی جہاز میں سوار ہو کر دجلہ وفرات کی وادی کے کسی شہر کی طرف واپس چلا جائے گا۔

لیکن ایک رات ایسی بات ہوگئی کہ ناگ پال پر سری لنکا میں رُکنا لازم ہوگیا۔ ایسا ہوا کہ ایک رات وہ گیان دھیان کے بعد سو گیا تو خواب میں اُس نے ناگ دیوتا کو دیکھا کہ ناگ دیوتا بہت بڑے پھن والے سانپ کے روپ میں چاندی کے ایک تخت پر بیٹھا ہے اور ناگ پال ہاتھ باندھے سر جھکائے اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ چاروں طرف نیلے رنگ کی دُھند پھیلی ہوئی ہے۔ خواب میں ہی ناگ پال کو جیسے ناگ دیوتا کی آواز سنائی دی۔

''ناگ پال! تم ہمارے سچے پجاری ہو۔ تم ایک عورت سے بھی محبت کرنے لگے ہو۔ جب ہمارا پجاری ہمارے علاوہ کسی اور سے بھی محبت کرنے لگتا ہے تو ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن ہم نے تمہارے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا۔ اب ہماری بات غور سے سنو! اس ملک کو چھوڑ کر اور کہیں نہ جانا۔ تمہاری چمپاکلی تمہیں اسی ملک میں ملے گی۔''

خواب میں ہی ناگ پال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس پر رقت طاری ہوگئی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ خود ناگ دیوتا اُس کے خواب میں آئے ہوں۔ اُس نے کچھ کہنے کے لئے اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ اُس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ اپنی جھونپڑی میں چٹائی پر بالکل سیدھا لیٹا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اُس کے سینے پر تھے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی آنکھیں ابھی تک آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اُس کا دل ناگ دیوتا کی محبت میں لبریز ہو گیا تھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر سر کو جھکا دیا اور ناگ دیوتا کا تصور سامنے لا کر کہا۔

''ناگ دیوتا! میں تمہارا گناہگار پجاری ہوں۔ میں نے تمہاری محبت کے ساتھ چمپاکلی کی محبت کو ملا دیا۔ مجھے شما کر دینا۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ تو میرے دل کا حال جانتا ہے۔ مجھے معاف کر دینا۔''

ناگ پال دیر تک سر جھکائے بیٹھا ناگ دیوتا کے تصور میں اُس سے اپنے گناہوں کی

معافی مانگتا رہا۔ جب اُس کا جی ہلکا ہو گیا تو جھونپڑی سے نکل آیا۔ ندی پر جا کر اشنان کیا، رات کے بچا کر رکھے ہوئے ناریل اور جنگلی کیلوں کا تھوڑا سا ناشتہ کیا اور جھونپڑی کے اندر چٹائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

ایک مدت کے بعد ناگ پال کا دل سچی خوشی سے ہمکنار ہوا تھا۔ ناگ دیوتا نے اُسے چمپاکلی سے ملنے کی خوشخبری دی تھی۔ لیکن اس خیال سے اُس کا ذہن پریشان بھی ہو رہا تھا کہ اب اُسے ایک ایسے ملک میں رہنا پڑے گا جہاں وشالا کے راجہ نے اُس کی تلاش میں اپنے سپاہی بھیج دیئے ہوں گے۔ ان سپاہیوں کو راجہ نے ناگ پال کا حلیہ بھی بتا دیا ہوگا اور وہ اُسے جگہ جگہ تلاش کر رہے ہوں گے۔ ناگ پال کا حلیہ ایسا تھا کہ وہ دُور سے پہچانا جا سکتا تھا۔ ناگ پال نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ اُسے اپنا حلیہ بدل لینا چاہئے۔ ناگ پال نے اپنے سر کے بال اور داڑھی مونچھیں منڈوا کر رکھتا تھا۔ اُس نے طے کر لیا کہ اب وہ داڑھی مونچھیں اور سر کے بال بڑھائے گا اور رشی مُنی والا لباس بھی نہیں پہنے گا۔ لباس کے خیال سے اچانک اُسے راجہ وشالا کی رانی کی دی ہوئی شاہی انگوٹھی یاد آ گئی جو اُس نے ناگ پال کو محل سے نکلتے وقت دی تھی اور اُس نے وہ انگوٹھی اپنے لمبے کرتے کی بغلی جیب میں رکھ لی تھی۔ ناگ پال نے جلدی سے اپنے کرتے کی بغلی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

شاہی انگوٹھی جیب میں موجود تھی۔ اُس نے انگوٹھی باہر نکال کر اسے جھونپڑی میں جلتے دیئے کی روشنی میں غور سے دیکھا۔ انگوٹھی سونے کی تھی اور اس میں جڑا ہوا ہیرا ستارے کی طرح چمک رہا تھا۔ ناگ پال کو افسوس ہوا کہ اتنی قیمتی انگوٹھی خواہ مخواہ اس کے پاس ہی رہ گئی ہے۔ وہ انگوٹھی رانی کے لئے بڑی قیمتی ہوگی مگر ناگ پال کے لئے بے کار تھی۔ پہلے اُس نے انگوٹھی کو ندی میں پھینک دینے کا سوچا، پھر کچھ سوچ کر اُسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ انگوٹھی کے ساتھ ہی اُسے سیاہ سانپ یاد آ گیا جس کو ناگ پال نے انسانی جسم سے زہر چوس لینے کی تربیت دی تھی۔ وہ سانپ بھی پٹاری میں بند راجہ کے محل میں ہی رہ گیا تھا۔ ناگ پال کو چونکہ اب سری لنکا کے ملک میں ہی رہنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وشالا کے راجہ کے سپاہی یا جاسوس اُس کی تلاش میں یہاں ضرور پہنچ گئے ہوں گے اس لئے اُسے بڑی محتاط منصوبہ بندی کی ضرورت تھی جس پر عمل کرنے سے اُس کے کم از کم اُس وقت تک پکڑے جانے کا اندیشہ نہ رہے جب تک کہ وہ ناگ دیوتا کی خوشخبری کے مطابق چمپاکلی سے دوبارہ نہیں مل لیتا۔ چمپاکلی سے ملنے کے بعد تو اُس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ اُسے لے کر دجلہ فرات کی وادی سے بھی آگے کسی اور ملک کی طرف نکل جائے گا۔

جوگی سادھو اور ناگ دیوتا کے پجاری کی حیثیت سے تو ناگ پال کو اپنے کھانے پینے کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ وہ جہاں جا کر بیٹھ جاتا تھا لوگ اپنے آپ نذرانے وغیرہ لے کر اُس سے

ناگ دیوتا کے آگے پرارتھنا کروانے آجاتے تھے۔ مگر اب وہ اس حلیے میں نہیں ہوگا اور اسے زندہ رہنے کی خاطر کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑے گا۔ سانپوں کو پکڑنا، اُن کا زہر نکال کر راجاؤں مہاراجاؤں کے پاس جا کر فروخت کرنا ناگ پال کا جدی پشتی کام تھا۔ راجے مہاراجے منہ مانگی قیمت پر زہریلا سے زہریلا سانپ یا اُن کا زہر خرید لیتے تھے۔ کیونکہ محلات میں شروع ہی سے یہ روایت چلتی آرہی تھی کہ تخت پر قبضہ کرنے کے لئے شاہی محلات میں سازشیں ہوتی رہتی تھیں اور راجے مہاراجے تخت پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرتے ہی رہتے تھے۔ اور کسی راجہ کو تیزی سے اثر کرنے والا زہر دے کر ہلاک کرنا سب سے آسان کام تھا۔ اس لئے شاہی محلات کے راجے یا وزیر امیر یا شہزادے سانپوں کا زہر خرید لیتے تھے۔ مگر ناگ پال یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے لئے آسان کام یہ تھا کہ وہ جنگل سے سانپ پکڑے، اُنہیں کسی پٹاری میں بند کرے اور لوگوں کو سانپوں کا تماشہ دکھا کر پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے تھوڑا بہت کما لیا کرے۔

سری لنکا کے ملک میں اُس زمانے میں بھی بڑی بارشیں ہوا کرتی تھیں اور چونکہ آبادی بے حد کم تھی اس لئے جنگلات کے درخت اتنے زیادہ نہیں کاٹے جاتے تھے اور جنگل آج کے مقابلے میں بڑے گھنے ہوتے تھے اور ان گھنے جنگلوں میں بہت سانپ پائے جاتے تھے۔ ان جنگلوں میں ناگ پال کو آسانی سے سانپ مل سکتے تھے۔ سب سے پہلے اس امر کی ضرورت تھی کہ اُس کے سر کے اور داڑھی مونچھ کے بال اتنے بڑھ آئیں کہ اگر وہ جنگل سے نکل کر شہر یا کسی گاؤں کا رُخ کرے تو کوئی اسے پہچان نہ سکے۔ اس کے لئے وقت درکار تھا۔ یعنی ناگ پال کو جنگل میں چھپ کر کچھ وقت گزارنا تھا۔ کیونکہ بال ایک دو دن میں بڑے نہیں ہو جاتے۔ ناگ پال نے اپنے آپ کو اسی جنگل والی جھونپڑی تک محدود کر لیا جہاں وہ چھپ کر بیٹھا تھا۔ یہاں جنگلی پھلوں کی فراوانی تھی۔ وہ آسانی سے زندہ رہ سکتا تھا۔

دو مہینے گزر گئے۔ اس دوران ناگ پال کے سر اور داڑھی مونچھ کے بال اتنے نکل آئے تھے کہ کوئی آسانی سے اُسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ تب وہ ایک روز جنگل سے نکل کر ساحل سمندر کے قریبی قصبے میں گیا جہاں کسی دیوی دیوتا کی پوجا ہوتی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ بے شمار بتوں کو دیوی دیوتا بنا کر اُن کی پوجا کرتے تھے۔ ناگ پال اُس مندر کے باہر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

لوگ پوجا کرنے آتے تو ناگ پال کو اپنے دیوی دیوتا کا پجاری سمجھ کر اُس کے آگے بھی اس ملک کے چند ایک سکے رکھ جاتے۔ دو تین دنوں میں ناگ پال کے پاس اتنے پیسے ہو گئے کہ وہ اپنے لئے نئے حلیے کے کپڑے وغیرہ خرید سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک روز قصبے میں گیا۔ اُس نے اپنے لئے اُس زمانے کے عام شہری کے پہننے والا ایک تہمد اور دو تین آدھے بازوؤں

والے صدری کے طرز کے کرتے خریدے۔ کندھے پر لٹکانے والا ایک کپڑے کا تھیلا خریدا۔ تین بانس کی تیلیوں سے بنائی گئی پٹاریاں خریدیں۔ ایک اُس زمانے کا چپل کی وضع کا جوتا خریدا۔ ایک لکڑی کی کنگھی خریدی اور اپنی جنگل والی جھونپڑی میں واپس آ گیا۔ سب سے پہلے اُس نے جنگل میں گھوم پھر کر چار پانچ مختلف طرح کے چھوٹے بڑے سانپ پکڑ کر پٹاری میں بند کئے اور پٹاری، جھونپڑی میں لا کر رکھ دی۔ وہ مزید ایک مہینہ جھونپڑی میں ہی رہا۔ اب اُس کے سر کے بال کافی لمبے ہو گئے تھے اور داڑھی مونچھیں بھی بڑھ گئی تھیں۔ اُس نے ندی میں جھک کر اپنی شکل دیکھی۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو نہ پہچان سکا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ وہ چمپا کلی کی جستجو میں جنگل سے باہر نکلے۔ کیونکہ اتنا اُسے معلوم تھا کہ چمپا کلی اُسے جنگل میں بیٹھے بٹھائے نہیں ملے گی۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے اسے اس ملک میں گھومنا پھرنا ہو گا۔ جنگلوں کے علاوہ دُور دراز چھوٹے چھوٹے گاؤں کی آبادیوں اور شہروں میں بھی جانا ہو گا۔

چنانچہ ناگ پال نے جنگل میں سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔ جس روز صبح صبح اُسے جنگل سے ایک گاؤں کی طرف جانا تھا اُس روز شام کے وقت وہ جھونپڑی کے باہر بیٹھا تھا کہ اُسے سانپ کی پھنکار کی آواز سنائی دی۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ اُس نے جو سانپ پکڑ کر پٹاری میں بند کئے ہوئے ہیں یہ ان میں سے کسی کی پھنکار تھی۔ مگر جو پھنکار اُس نے سنی تھی وہ اُسے جانی پہچانی لگی۔ دوسری بار پھر وہی پھنکار کی آواز آئی۔ ناگ پال نے گردن موڑ کر اپنی دائیں جانب دیکھا تو وہاں ایک سیاہ رنگ کا درمیانے سائز کا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ ناگ پال نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی سانپ تھا جس کو اُس نے انسان کے جسم میں سے زہر چوس لینے کی تربیت دی تھی۔ ناگ پال اُسے دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ اُس کا پرانا دوست بھی اُس سے آن ملا ہے۔ اُس نے سانپ کو بڑی محبت سے اُٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور بولا۔

''دوست! مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہیں ساتھ لانا بھول گیا تھا۔ تمہارے آ جانے سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ مگر تم اتنی دُور سے سمندر پار کر کے کیسے آ گئے؟''

سانپ، ناگ پال کو ٹکٹکی باندھے تک رہا تھا اور بار بار اپنی پتلی دو شاخہ زبان باہر نکال رہا تھا۔ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ اگر بول سکتا تو ناگ پال سے ضرور گلہ کرتا کہ وہ اُسے شاہی محل میں اکیلا کیوں چھوڑ آیا تھا؟ اور اُسے بتاتا کہ کس طرح وہ اُس کی تلاش میں رات کے اندھیرے میں راجہ کے محل سے نکلا اور اُس کے جسم کی بو سونگھتا سونگھتا بندرگاہ پر پہنچا۔ وہاں سے چھپ چھپا کر ایک بادبانی جہاز میں چڑھ گیا اور سری لنکا پہنچ گیا۔ کیونکہ اُسے اس جزیرے کی طرف سے اپنے مالک ناگ پال کی بو آتی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر سانپ بے چارہ بول نہیں سکتا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ لیکن ناگ پال اس حقیقت کو جانتا تھا کہ سانپ اپنے مالک کے جسم کی بو دُور

سے محسوس کر لیتا ہے۔ بلکہ بعض سانپ تو سینکڑوں میل دُور سے اپنے مالک کے جسم یا اس کے کپڑوں کی بو محسوس کر لیتے ہیں۔

ناگ پال نے اپنے دوست کالے سانپ کو پٹاری میں بند کرنے کی بجائے اپنی صدری نما قمیض کی جیب میں رکھ لیا، سانپوں کی پٹاری کو جھولا نما تھیلے میں ڈالا، تھیلے کو کندھے پر لٹکایا اور سانپوں کا تماشہ دکھانے اور حقیقت میں چمپاکلی کی تلاش کی مہم کا آغاز کرتے ہوئے قریبی گاؤں کی طرف نکل گیا۔

دوسری طرف راجہ وشالا نے ناگ پال کی تلاش میں سپاہیوں کا جو خاص دستہ سری لنکا بھیجا تھا وہ جگہ جگہ مندروں وغیرہ میں ناگ پال کو تلاش کرتا رہا۔ جب ناگ پال کے حلیے کا آدمی اُنہیں کہیں نظر نہ آیا تو سپاہیوں کا یہ دستہ راجہ کے حکم سے واپس آ گیا۔ مگر راجہ وشالا کے دو خاص جاسوس جنہوں نے ناگ پال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا سری لنکا میں ہی رہ کر ناگ پال کی کھوج میں لگے رہے۔ چونکہ راجہ وشالا نے سری لنکا کے راجہ اور اپنے دوست راجہ دشام کو خط لکھ کر ناگ پال کی گرفتاری کی تاکید کر دی تھی اور سری لنکا کے راجہ دشام نے اُسے یقین دلایا تھا کہ ناگ پال اُس کے ملک کی سرزمین میں جہاں کہیں بھی ہوگا اُسے ڈھونڈ نکالے گا اور زنجیروں میں جکڑ کر وشالا کے شاہی محل میں پہنچا دے گا۔ اس لئے راجہ وشالا مطمئن ہو گیا تھا۔

راجہ وشالا کے دونوں جاسوس جو ناگ پال کی شکل صورت سے واقف تھے، وہ بھی سری لنکا کے راجہ دشام کے خاص جاسوسوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور یہ مل کر ناگ پال کی کھوج میں لگ گئے تھے۔ سری لنکا کے راجہ دشام کا محل ساحل سمندر پر اس ملک کے سب سے بڑے شہر میں تھا۔ یہ شہر اُس زمانے کے ملک سری لنکا کی راجدھانی تھا اور اس کا نام بعض مورخین نے جلگام بتایا ہے۔ یہ شہر اسی جگہ پر واقع تھا جہاں آج کل سری لنکا کا دارالحکومت کولمبو ہے۔ ہم اس شہر کا نام جلگام ہی لکھیں گے کیونکہ اس کے کسی دوسرے نام کا کسی جگہ بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔ موتنگا سوداگر کی حویلی بھی اسی شہر جلگام میں تھی جہاں چمپاکلی موتنگا کی چہیتی کنیز کی حیثیت سے ایک قیدی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اُسے بھی سوداگر موتنگا کی پسند کی دوسری خاص کنیزوں کی طرح حویلی سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ چمپاکلی نینور شہر کے سوداگر کی قید سے نکلنے کے بعد سری لنکا کے ملک میں آ کر ایک دوسرے سوداگر موتنگا کی حویلی میں قید کر دی گئی تھی۔ وہ دن رات ناگ پال کو یاد کرتی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت ناگ پال کا تصور قائم رہتا تھا۔ وہ اس اُمید پر زندہ تھی کہ ایک نہ ایک دن دیوتا اسے ضرور ناگ پال سے ملا دیں گے۔

اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اپنے جس محبوب کی یاد میں وہ دن رات تڑپتی رہتی ہے وہ اسی

ملک میں پہنچ چکا ہے جس ملک میں وہ رہ رہی ہے۔ ناگ پال نے جس جنگل میں اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا اس جنگل کے آس پاس جتنے گاؤں اور قصبے تھے وہاں کا کونا کونا ناگ پال نے سانپوں کا تماشہ دکھانے والے سپیرے کے بھیس میں چھان مارا تھا۔ مگر چمپاکلی کا اُسے کہیں کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ چنانچہ اُس نے جنگل میں سے اپنا ڈیرہ اُٹھایا، سانپوں کی پٹاری اپنے جھولے میں ڈالی اور جھولا کندھے پر لٹکایا اور سری لنکا کی راجدھانی جلگام کی طرف جانے والے ایک قافلے میں شامل ہو گیا۔ قافلے کے لوگ چھکڑوں پر سوار تھے جنہیں بیل کھینچ رہے تھے۔ راستے میں پہاڑی ٹیلے اور گھنے جنگل پڑتے تھے۔ بارش آ جاتی تو قافلہ کسی ٹیلے کے دامن میں پڑاؤ ڈال لیتا۔ بارشیں اس ملک میں بہت ہوتی تھیں۔ بارشوں کی وجہ سے ایک تو اس ملک میں سبزہ بہت تھا دوسرے اس ملک کی مٹی گلابی رنگ کی تھی۔ لوگ اناج کی بجائے چاول زیادہ کھاتے تھے۔ ناریل، آم اور اناس کی فراوانی تھی۔ اس زمانے میں چائے ابھی دریافت نہیں ہوئی تھی۔ لوگ چائے کی جگہ کوکو کے بیج پانی میں پکا کر پیتے تھے۔ قافلہ دن میں سفر کرتا اور رات کو لوگ آرام کرتے۔ لوگوں کے رنگ گہرے نسواری اور کالے تھے۔ قد چھوٹے اور بال گھنگھریالے اور گھنے ہوتے تھے۔ تہمد عام پہناوا تھا۔ دیہاتی اور جنگل میں رہنے والے دیہاتی لوگ تہمد کو نیچے سے گھٹنوں تک لا کر کمر میں اڑس دیتے تا کہ چلنے پھرنے اور کام کرنے میں تہمد کی وجہ سے رُکاوٹ پیدا نہ ہو۔ دیہات میں بہت کم لوگ جوتے پہنتے تھے۔ یہ قافلہ چھ سات دن گھنے دُشوار گزار پہاڑی جنگلوں میں سفر کرنے کے بعد سری لنکا کے اُس زمانے کے سب سے بڑے ساحلی شہر اور سری لنکا کی اُس زمانے کی راجدھانی کولمبو پہنچ گیا۔

اُس زمانے میں کولمبو کا نام کچھ اور تھا جس کی تاریخ کی کتابوں سے تصدیق نہیں ہو سکی اس لئے ہم جس طرح اس ملک کا نیا نام سری لنکا لکھ رہے ہیں ویسے ہی ہم اپنی داستان کی سہولت کی خاطر راجہ دشام کی راجدھانی کا نام بھی کولمبو ہی لکھیں گے تا کہ ہمارے محترم قارئین کو محل وقوع کا علم ہوتا رہے۔ یہ ملک سری لنکا اُس زمانے میں بڑا خوشحال تھا۔ اس ملک کا اپنا تجارتی مال بھی بادبانی جہازوں کے ذریعے جنوب مغربی ملکوں کو جاتا تھا۔ اور مغرب کی جانب اُس عہد میں جو ملک آباد تھے اُن کے مال تجارت سے لدے ہوئے جہاز بھی سری لنکا آتے تھے اور بھاری محصول ادا کرتے تھے۔ ناگ پال کولمبو آ گیا۔ جزیرے کے مشرقی علاقے میں جتنے دیہات اور چھوٹے چھوٹے شہر تھے وہاں اُس نے چمپاکلی کو کافی تلاش کیا تھا اور اب اس خیال سے بڑے شہر کولمبو آیا تھا کہ شاید یہاں اُسے اپنی محبوبہ اور اپنی پتنی چمپاکلی کا کچھ سراغ مل جائے۔

اُس نے بندرگاہ سے دُور شہر کے جنوبی حصے میں سمندر سے کچھ فاصلے پر جنگلی ناریل اور اُس کے جھنڈوں میں اپنے لئے ایک جھونپڑی بنا لی اور شہر میں چل پھر کر چمپاکلی کا کھوج

لگانے لگا۔ اُس نے سپیروں کی روایت کے مطابق ایک بین حاصل کر لی تھی۔ آبادیوں میں سے گزرتے ہوئے اُسے بجاتا اور جہاں زیادہ مکان ہوتے وہاں سانپوں کا تماشہ دکھانے بیٹھ جاتا۔ بین بجاتے اور سانپوں کا تماشہ دکھاتے ہوئے اُس کی آنکھیں برابر آس پاس کے مکانوں کا جائزہ لیتی رہتیں جہاں گھر کی عورتیں مکانوں کے دروازوں اور کھڑکیوں میں سے سانپ کا تماشہ دیکھ رہی ہوتی تھیں۔ کولمبو شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں سراغ رسانی کرنے کے بعد ناگ پال نے شہر کے جنوب مشرقی علاقے کا رُخ کیا جہاں شہر کے اُمراء اور دولت مند سوداگروں کے شاندار مکان اور حویلیاں تھیں۔ وہ اپنی جھونپڑی سے نکل کر روزانہ کبھی دن کے وقت اور کبھی شام کے وقت اس علاقے میں آتا، مختلف جگہوں پر بین بجا کر سانپوں کا تماشہ دکھاتا، گہری نگاہوں سے اِردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتا اور واپس اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیتا۔

ایک دن ناگ پال کسی امیر آدمی کی حویلی کے باہر سے بین بجاتے ہوئے گزر رہا تھا کہ حویلی میں سے ایک نوکرانی نکل کر آئی۔ اُس نے ناگ پال کو روک کر پوچھا۔

''ناگی بابا! تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ تمہارے رنگ روپ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس ملک کے سپیرے نہیں ہو۔''

ناگ پال کے سر کے بال اور داڑھی مونچھوں کے بال کافی لمبے ہو چکے تھے اور اُس کا کوئی جاننے والا بھی اُسے آسانی سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ وہ رُک گیا اور نوکرانی سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''بہن! تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں اس ملک کا رہنے والا نہیں ہوں، دوسرے ملک سے یہاں روزی کمانے آیا ہوں۔''

نوکرانی نے پوچھا۔

''تمہارے پاس تو طرح طرح کے سانپ ہوں گے۔''

''ہاں......'' ناگ پال آہستہ سے بولا۔ ''ہر طرح کے سانپ رکھنے پڑتے ہیں۔ تماشہ جو دکھانا ہوتا ہے۔''

''سانپ تمہیں کاٹتے نہیں بابا؟'' نوکرانی نے پوچھا۔

ناگ پال نے جواب دیا۔ ''بی بی! ہم نے اُن کا زہر نکالا ہوتا ہے۔''

نوکرانی نے کہا۔ ''ہم نے تو سنا ہے کہ سانپ کا زہر نکالدیا جائے تو ایک دو دن کے بعد زہر پھر پیدا ہو جاتا ہے۔''

''تم نے ٹھیک سنا ہے بی بی......!'' ناگ پال نے جواب دیا۔ ''ہم دوبارہ زہر نکال دیتے ہیں۔''

''کیا تم وہ زہر جمع کر لیتے ہو بابا؟''

نوکرانی کے اس سوال پر ناگ پال کو تھوڑا سا تعجب ضرور ہوا لیکن یہ سوچ کر اُس نے کوئی خیال نہ کیا کہ یہ کوئی باتونی عورت ہے۔ اُسے جواب دینا ہی پڑ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

''ہمیں زہر جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے بی بی؟ ہم اُسے پھینک دیتے ہیں۔''

''ناگی بابا!'' نوکرانی نے سوال کیا۔ ''تم کہاں رہتے ہو؟''

ناگ پال اُس عورت سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اُس نے کہہ دیا۔

''سمندر کے کنارے جنوب مغرب میں ناریل بانس کے جھنڈوں میں میری جھونپڑی ہے۔ وہیں رہتا ہوں۔''

نوکرانی نے جیب سے ایک سکہ نکال کر ناگ پال کو دیا اور کہا۔

''معاف کرنا بابا! میں جلدی میں ہوں۔ سانپوں کا تماشہ نہیں دیکھ سکتی۔ یہ تمہیں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔''

سکہ چاندی کا تھا۔ نوکرانی واپس حویلی میں چل دی۔ ناگ پال نے شکر ادا کیا کہ ایک باتونی عورت سے جان چھوٹی۔ وہ بین بجاتا آگے چل دیا اور آگے جہاں دو چار حویلیاں ساتھ ساتھ بنی ہوئی تھیں وہاں بیٹھ کر پٹاری کھولی، ایک سانپ باہر نکالا اور بین بجا کر اسے نچانے لگا۔ حویلیوں میں سے کچھ بچے اور نوجوان نوکرانیاں نکل کر ناگ پال کے سامنے ایک طرف بیٹھ گئیں اور سانپ کا ناچ دیکھنے لگیں۔ حویلیوں کی کھڑکیاں بند تھیں۔ ناگ پال کی نظریں چمپا کلی کا چہرہ دیکھنے کے لئے کھڑکیوں اور حویلیوں کے دروازوں کا جائزہ لے رہی تھیں مگر یہ چہرہ اُسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر تماشہ دکھانے کے بعد ناگ پال آگے چل دیا۔ اسی طرح تین جگہوں پر تماشہ دکھانے اور چمپا کلی کا کھوج لگانے کی ناکام کوشش کے بعد ناگ پال اپنی جھونپڑی کی طرف واپس چل پڑا۔

باقی دن اُس نے اپنی جھونپڑی میں ہی گزار دیا۔ ایک بات کا ناگ پال خاص طور پر خیال رکھتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ راجہ کے جاسوس یا اُس کے سپاہی اُسے زیادہ تر دیوی دیوتاؤں کے مندروں میں اور اُن کے آس پاس ہی تلاش کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ اُنہیں معلوم ہے کہ ناگ پال، ناگ دیوتا کا پجاری ہے اور وہ ناگ دیوتا کے پجاریوں کے حلیے میں ہے۔ اس وجہ سے وہ مندروں کے آس پاس ہی کہیں ملے گا۔ چنانچہ ناگ پال کبھی کسی بھی مندر کے قریب نہیں جاتا تھا۔ وہ شہری آبادیوں میں رہ کر سانپ کا تماشہ دکھاتا اور شہر کی آبادیوں میں ہی چمپا کلی کو تلاش کرتا تھا۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ شام کا سرمئی دُھندلکا آہستہ آہستہ ساحل سمندر اور بانس ناریل کے درختوں میں پھیل رہا تھا۔ ناگ پال اپنی جھونپڑی کے باہر چٹائی بچھا کر بیٹھا تھا۔ اُس کا ذہن چمپا کلی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ ناگ دیوتا نے کہا ہے تو

چمپا کلی اُسے اسی شہر میں، اسی ملک میں کہیں نہ کہیں ایک نہ ایک دن ضرور مل جائے گی۔ ناگ پال میں صبر کا زبردست مادہ تھا۔ اگرچہ محبت کا تقاضہ تھا کہ چمپا کلی اُسے فوراً کسی جگہ اچانک مل جائے لیکن وہ ایک تپسوی کی حیثیت سے صبر کے ساتھ انتظار بھی کر سکتا تھا۔ وہ جھونپڑی کے باہر بیٹھا دُور سمندر پر گہرے ہوتے شام کے دُھندلکے کو دیکھ رہا تھا کہ اُسے دو عورتیں اپنی طرف آتی نظر آئیں۔ پہلے تو اُس کو خیال آیا کہ وہ کسی دوسری طرف جا رہی ہیں لیکن اُن کا رُخ ناگ پال کی جھونپڑی کی طرف ہی تھا۔

عورتیں قریب آئیں تو ناگ پال نے ایک عورت کو پہچان لیا۔ یہ وہی نوکرانی تھی جو دن کے وقت ایک حویلی کے باہر اُسے ملی تھی اور جس نے سانپوں کے بارے میں اُس سے مختلف سوال پوچھے تھے۔ اُس کے ساتھ جو عورت تھی اُس نے کالی چادر سے اپنا جسم ڈھانپ رکھا تھا اور اُس کا پورا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ دونوں عورتیں ناگ پال کے سامنے تھوڑے فاصلے پہ بیٹھ گئیں۔ جو عورت نوکرانی تھی اُس نے ناگ پال سے کہا۔

''ناگی بابا! یہ میری سہیلی ہے۔ اس کا نام انجلی ہے۔ یہ بیچاری بڑی مصیبت میں ہے۔ اس کی مصیبت دُور کر دو۔ یہ تمہیں منہ مانگا انعام دے گی۔''

پھر اُس نے اپنی سہیلی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''انجلی! ناگی بابا کو تم اپنی مصیبت کا حال خود بتا دو۔''

انجلی نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''بابا! تم سے میں کچھ نہیں چھپا سکتی۔ میری بوڑھی ماں کو نشے کی لت پڑ گئی ہے۔ پہلے وہ تاڑی کا نشہ کرتی تھی۔ جب تاڑی سے اُس کا نشہ پورا نہ ہوتا تو وہ بچھو پکڑ کر اُسے بھونتی، اُس کو کوٹ کر اُس کی راکھ کو پانی کے ساتھ نگل جاتی۔ جب اس سے بھی اُس کا نشہ پورا نہ ہوا تو اُس نے ایک اور کام شروع کر دیا۔ وہ جنگل میں جا کر سانپ پکڑتی اور اس سے اپنے آپ کو ڈسواتی۔ اس کے خون میں پہلے ہی نشے کا بہت زہر شامل ہو چکا تھا جس کی وجہ سے سانپ کا زہر اُسے ہلاک نہ کرتا بلکہ اُس کے زہر کا نشہ اُس پر چڑھ جاتا۔ میری ماں کی یہ عادت اب بھی قائم ہے۔ وہ دن میں ایک سانپ سے ضرور ڈسواتی ہے جس کے لئے اُسے جنگل میں سارا دن در بدر پھرنا پڑتا ہے۔ مجھ سے اُس کی یہ در بدری دیکھی نہیں جاتی۔ ناگی بابا! میں تمہارے پاس یہ ارداس لے کر آئی ہوں کہ مجھے کوئی ایسا زہریلا سانپ دے دو جو میری ماں کا نشہ گھر بیٹھے پورا کر دیا کرے۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔ میں اس کے عوض تمہیں منہ مانگا انعام دُوں گی۔''

ناگ پال کو دل میں بڑا افسوس ہوا کہ نشہ انسان کو کس عبرتناک حالت تک پہنچا دیتا ہے۔ پہلے تو اُس نے اُس عورت سے کہا کہ وہ کسی طریقے سے اپنی ماں کی نشے کی عادت چھڑانے

کی کوشش کرے۔ جب انجلی نے کہا کہ میں بہت کوشش کر چکی ہوں، میری ماں کی نشے کی عادت چھڑانا ناممکن ہے تو ناگ پال کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے بی بی! میں تمہیں ایک زہریلا سانپ دے دیتا ہوں۔ لیکن اگر تمہاری بے احتیاطی کی وجہ سے میرے سانپ نے کسی دوسرے انسان کو ڈس دیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔''

انجلی نے کہا۔ ''ناگی بابا! اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں اپنے ساتھ چھوٹی پٹاری لائی ہوں۔''

اور انجلی نے اپنی کالی چادر کے اندر سے ایک چھوٹی پٹاری نکال کر ناگ پال کے آگے رکھ دی اور کہا۔ ''میں سانپ کو اس پٹاری میں بند کر کے لے جاؤں گی اور بند کی بند پٹاری اپنی ماں کو دے دُوں گی جو اُسے اپنی کوٹھڑی میں سنبھال کر رکھ دے گی۔ اور جب اُسے سانپ سے ڈسوانا ہو گا تو پٹاری میں ہاتھ ڈال کر اُس سے ڈسوا لیا کرے گی......''

یہاں نوکرانی نے انجلی کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اور یہ پٹاری میری سہیلی کی ماں کی کوٹھڑی میں ہی رہے گی۔ وہاں سے باہر نہیں لائی جائے گی۔''

ناگ پال بولا۔

''میں اب بھی تمہیں یہی کہوں گا بی بی! کہ میرے زہریلے سانپ کو اپنے گھر میں نہ لے جاؤ۔ ذرا سی بے احتیاطی ہو گئی تو سانپ، کوٹھڑی سے نکل کر دوسرے لوگوں کو ڈس سکتا ہے۔''

انجلی نے کہا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتی ہوں ناگی بابا! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔''

ناگ پال خاموش ہو گیا۔ اُس نے اُس عورت کی پٹاری اپنے قریب کر لی، پھر اُس کا ڈھکن ہٹا دیا۔ اس کے بعد اپنی پٹاری میں سے سب سے زہریلے سانپ کو گردن سے پکڑ کر باہر نکالا اور اس عورت انجلی کی چھوٹی ٹوکری میں ڈال کر پٹاری کو بند کر دیا اور بولا۔

''میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر تم نے اپنی بوڑھی ماں کی جو حالت بتائی ہے اس کے سامنے مجبور ہو گیا ہوں۔''

انجلی نے پٹاری، نوکرانی کے حوالے کی جس نے اُسے کپڑے کے ایک تھیلے میں ڈال کر تھیلا بڑی احتیاط سے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ انجلی نے چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر موتیوں کا ایک ہار نکال کر ناگ پال کو انعام کے طور پر دینا چاہا مگر ناگ پال نے ہار لینے سے انکار کر دیا۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کسی لالچ کے لئے تمہارا کام نہیں کیا۔ یہ ہار تم اپنے پاس ہی رکھو۔ لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا کہ تم یہ راز صرف اپنے تک ہی رکھو گی کسی کو نہیں بتاؤ گی کہ یہ سانپ میں نے تمہیں دیا تھا۔''

انجلی نے اپنے ملک کے سب سے بڑے دیوتا کی قسم کھاتے ہوئے کہا۔

''میں امبر کے نیلے مور دیوتا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں اور میری سہیلی یہ راز کسی پر ظاہر

نہیں کریں گی۔"

ناگ پال نے کہا۔"اب تم جاؤ!"

نوکرانی اور اُس کی سہیلی انجلی نے ناگ پال کے چرن چھوئے، ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اور سانپ کی پٹاری لے کر وہاں سے رخصت ہو گئیں۔ اُن کے جانے کے بعد ناگ پال دیر تک سوچتا رہا کہ نشے کی عادت انسان کو کس قدر مجبور اور بے بس کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ نشہ کرنے والا کبھی کبھی انسانیت کے مقام سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔

ناگ پال سے سانپ لے کر نوکرانی اور اُس کی سہیلی انجلی شہر کے ساحلی علاقے کی ایک حویلی کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہو گئیں۔ دونوں حویلی کے ایک کمرے میں آ گئیں جہاں دیواروں پر ریشمی پردے پڑے تھے اور ایک شاندار پلنگ بچھا ہوا تھا۔ نوکرانی کی سہیلی نے جس کا نام نوکرانی نے انجلی بتایا تھا، سانپ کی پٹاری پلنگ پر رکھی اور چادر اُتار دی۔ چادر اُتر جانے کے بعد یہ راز کھلا کہ یہ عورت انجلی نہیں تھی بلکہ سری لنکا کے دولت مند سوداگر موتنگا کی پہلی کنیز سندری تھی...... اور یہ حویلی سوداگر موتنگا کی تھی جہاں چمپا کلی رہتی تھی۔

سندری نے نوکرانی سے کہا۔

"دُلاری! جوگی سپیرے کے ساتھ ہم نے جو وعدہ کیا ہے ہمیں اس کا پالن کرنا ہوگا۔ یہ راز سوائے تمہارے اور میرے اور کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔"

نوکرانی کا نام دُلاری تھا۔ دُلاری نے کہا۔

"مالکن! میں اتنی بیوقوف بھی نہیں ہوں کہ یہ راز کسی کے آگے کھولوں۔"

سندری نے دُلاری کو شاباش دیتے ہوئے کہا۔"ہماری کامیابی بھی اسی میں ہے۔"

سندری نے سانپ کی پٹاری لکڑی کے بڑے صندوق کے پیچھے چھپا کر رکھ دی اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر انتقامی جذبے کی لکیریں اُبھر آئی تھیں۔ اُس نے کہا۔

"یہ نئی کنیز چمپا کلی سوچ رہی ہوگی کہ وہ میرے مالک موتنگا کے دل سے میری محبت نکال کر اپنی محبت کا جادو کر دے گی اور اس حویلی کی مالکن بن جائے گی۔"

نوکرانی دُلاری نے سندری کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"اسے پتہ ہی نہیں کہ اس کی زندگی کے بس ایک دو دن ہی باقی رہ گئے ہیں۔"

سندری نے کہا۔

"لیکن ہمیں یہ کام بڑی احتیاط سے کرنا ہوگا۔ تا کہ کسی کو ہم پر شک تک نہ پڑے۔"

نوکرانی دُلاری کہنے لگی۔"مالکن! کیسے شک پڑ سکتا ہے؟ سانپ تو یہاں نکلتے ہی رہتے ہیں اور لوگوں کو ڈستے ہی رہتے ہیں۔ سب یہی سمجھیں گے کہ حویلی میں ایک سانپ آ گیا تھا جس نے چمپا کلی کو ڈس دیا۔"

سندری بولی۔"یہ کام کل رات کو ہو جانا چاہئے۔"

دُلاری نے کہا۔"کیوں مالکن! آج رات کیوں نہیں؟ میں آج ہی رات کو سانپ، چمپا کلی کے سونے والے کمرے میں چھوڑ آؤں گی۔"

سندری نے کہا۔"نہیں...... آج رات چمپا کلی اپنے سونے والے کمرے میں نہیں ہوگی۔ مجھے معلوم ہے وہ آج کی رات ہمارے مالک موتنگا جی کی خواب گاہ میں بسر کرے گی۔"

"تو پھر کل رات کو سہی۔" دُلاری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

سندری اُسے سمجھانے لگی۔

"جوگی سپیرے نے کہا تھا کہ سانپ بہت زہریلا ہے۔ اسے بڑی احتیاط کے ساتھ چمپا کلی کے کمرے میں چھوڑنا۔ کہیں یہ تمہیں نہ ڈس لے۔"

"اس کی فکر نہ کریں مالکن!" دُلاری نے جواب دیا۔

ہمارے قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ چمپا کلی کے خلاف یہ سازش سندری کی تیار کی ہوئی تھی جو پہلے روز ہی سے چمپا کلی سے حسد کرنے لگی تھی۔ جس وقت اُس نے چمپا کلی کو پہلی بار اپنے مالک موتنگا کے ساتھ پالکی پر بیٹھے دیکھا تھا تو سندری جل بھن کر کوئلہ ہو گئی تھی۔ سندری کو احساس تھا کہ اب اُس کے جسم میں شباب کی تازگی نہیں رہی اور مالک اُس کی جگہ موہنجوڈرو کی ایک اور کنیز لے آیا ہے جو سندری کے مقابلے میں جوان بھی ہے اور خوبصورت بھی ہے۔ سندری کو جلاپا تو تھا ہی لیکن اُسے یہ خطرہ بھی تھا کہ چمپا کلی مالک کے دل پر قبضہ کر لے گی اور حویلی کی مالکن بن کر بیٹھ جائے گی اور پھر حویلی میں اُسی کا حکم چلے گا۔ اس سے پہلے کہ ایسا ہو، سندری نے چمپا کلی کا قصہ ہی پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چمپا کلی کے کانٹے کو اپنے راستے سے کیسے ہٹائے؟ نوکرانی دُلاری اُس کی رازدار تھی۔ اُس نے سجھاؤ دیا۔

"مالکن! کیوں نہ ہم چمپا کلی کو کسی زہریلے سانپ سے ڈسوا کر مار ڈالیں؟ اس طرح کسی کو ہم پر ذرا سا بھی شک نہیں ہوگا۔"

سندری کو دلاری کی یہ تجویز پسند آئی مگر کچھ سوچ کر اُس نے دُلاری سے کہا۔

"مگر یہ زہریلا سانپ آئے گا کہاں سے؟"

تب نوکرانی دُلاری نے سندری کو بتایا کہ ایک سپیرا سمندر کے کنارے جنگل میں رہتا ہے۔ وہ چل پھر کر سانپ کا تماشہ بھی دکھاتا ہے۔

"ہم کسی طریقے سے اُس سے بات کرتی ہیں اور اُس سے کوئی زہریلا سانپ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔"

پھر اُن دونوں نے ایک منصوبہ تیار کیا اور سیدھی سمندر کنارے ناگ پال کی جھونپڑی میں

جا پہنچیں اور اُس کو جھوٹی کہانی سنا کر ایک زہریلا سانپ حاصل کر لیا۔ اُنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ چمپا کلی کا حویلی یا حویلی کے مالک کے دل پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ وہ تو خود حویلی سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچتی رہتی ہے۔ سندری نے دُلاری سے کہا۔

''اب تم بھی جا کر آرام کرو۔ میں بھی کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

چمپا کلی کو وہ رات سوداگر موتنگا کی خواب گاہ میں بسر کرنا تھی۔ چمپا کلی ایک پل کے لئے بھی سوداگر موتنگا کے قریب نہیں جانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ اُس کی زرخرید کنیز تھی۔ اُس کے حکم کے آگے مجبور تھی۔ چمپا کلی کی حالت زار اُس بلبل کی سی تھی جس کو صیاد نے اُس کے گلشن سے پکڑ کر پنجرے میں ڈال کر قید کر دیا ہو۔ وہ پنجرے میں سوائے پھڑ پھڑانے اور اپنے پروں کو زخمی کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

شام ہوتے ہی حویلی کی بوڑھی کنیزوں نے چمپا کلی کو سولہ سنگھار سے آراستہ کرنا شروع کر دیا اور رات کے وقت اُسے سوداگر موتنگا کی خواب گاہ میں چھوڑ آئیں۔ چمپا کلی کا دل ناگ پال کی یاد میں خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

دوسرے دن وہ دیر تک اپنے کمرے میں پڑی رہی۔ دوسری طرف سندری اور دُلاری نے ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ وہ رات چمپا کلی نے اپنے کمرے میں ہی بسر کرنی تھی۔ چنانچہ تھوڑا بہت کھانا زہر مار کرنے کے بعد چمپا کلی اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر لیٹ گئی اور ناگ پال کو یاد کر کے آنسو بہانے لگی۔ پھر نہ جانے کس وقت اُسے رحم دل نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

جب رات آدھی گزر گئی اور سندری کو یقین ہو گیا کہ چمپا کلی اب سو گئی ہو گی تو اُس نے دُلاری سے کہا۔ ''اب وقت ہو گیا ہے..... جاؤ اور جا کر اپنا کام کرو۔''

نوکرانی دُلاری، سندری کے کمرے میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ دُلاری نے صندوق کے پیچھے جا کر ناگ پال کے دیئے ہوئے زہریلے سانپ کی پٹاری اُٹھا لی اور اُسے اپنی چادر میں چھپا لیا۔

سندری اُس کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

''سانپ کو چمپا کلی کے کمرے میں چھوڑنے کے بعد اس پٹاری کو غائب کر دینا۔ یہ پٹاری کسی کو نہیں ملنی چاہئے۔''

دُلاری بولی۔ ''چنتا نہ کریں مالکن! میں اسے اپنی کوٹھڑی کی کھڑکی میں سے حویلی پیچھے جو گہری کھائی ہے اس میں پھینک دُوں گی۔ کسی کو خبر تک نہ ہو گی۔''

سندری نے کہا۔ ''حویلی کی نوکرانیوں اور نوکروں کا خیال رکھنا۔ کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔''

دُلاری بولی۔ ''مالکن! میں راہ داری والی کھڑکی میں سے سانپ کو اندر پھینک دُوں گی۔ وہاں رات کے وقت کوئی نہیں ہوتا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب جاؤ! واپس سیدھی میرے پاس آ کر بتانا کہ تم نے اپنا کام کر دیا ہے۔ میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں گی۔''

نوکرانی دُلاری سانپ کی پٹاری اپنی چادر میں چھپائے کمرے سے نکل گئی۔ ایک باغیچے میں سے گزری جہاں کونے میں دو چار مشعلیں جل رہی تھیں۔ دُلاری منہ سر چادر میں لپیٹے باغیچے میں سے نکل کر حویلی کی پرلی جانب آئی جہاں چمپا کلی کا کمرہ تھا۔ وہ کمرے کے دروازے کی طرف جانے کی بجائے اُس کے پیچھے سے جو تنگ و تاریک راہداری گزرتی تھی اس طرف آ گئی۔ راہداری اندھیرے میں سنسان پڑی تھی۔ چمپا کلی کے کمرے کی ایک کھڑکی اُس راہداری میں کھلتی تھی۔ اس کھڑکی میں سلاخیں لگی تھیں۔ اندر کی جانب پردہ گرا ہوا تھا۔ دُلاری دبے پاؤں چلتی کھڑکی کے پاس آ کر رُک گئی۔ مُڑ کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ دُلاری نے پٹاری، چادر میں سے نکال کر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لی۔ کھڑکی کی سلاخوں میں سے پردے کو ذرا سا ہٹا کر دیکھا۔ کمرے میں زیتون کے چراغ کی دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی اور چمپا کلی اپنے پلنگ پر سو رہی تھی۔ مگر چمپا کلی سو نہیں رہی تھی۔ وہ جاگ رہی تھی مگر آنکھیں بند کئے پڑی تھی اور ناگ پال کو یاد کر رہی تھی کہ نہ جانے وہ کہاں ہو گا؟ کس حال میں ہو گا؟ جانے اب کبھی اُس سے ملنا ہو گا یا نہیں؟ دُلاری نے یہی سمجھا کہ چمپا کلی سو رہی تھی۔ اُس کو معلوم تھا کہ سانپ کو کھڑکی کی سلاخوں میں سے اندر پھینکنے میں اگر اُس نے ذرا سی بھی بے احتیاطی سے کام لیا تو سب سے پہلے سانپ اسے ڈس دے گا۔ دُلاری نے سانپ کی پٹاری کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اُسے کھڑکی کی سلاخوں کے پاس کیا، پھر ایک جھٹکے سے پٹاری کا ڈھکن اُٹھایا اور پٹاری کا منہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر سانپ کو کمرے میں جھٹک دیا۔ وہ خود حیران رہ گئی تھی کہ جس کام میں اس کی جان کو خطرہ تھا وہ کام اس نے اتنی سرعت کے ساتھ اور کامیابی سے کر ڈالا تھا۔

سانپ کو کھڑکی کی سلاخوں میں سے اندر پھینکنے کے فوراً بعد دُلاری نے خالی پٹاری کو چادر میں چھپایا اور تیز تیز قدم اُٹھاتی راہ داری میں آگے نکل گئی۔ سب سے پہلے وہ اپنی کوٹھڑی میں گئی اور خالی پٹاری کو کھڑکی میں سے نیچے حویلی کی گہری کھائی میں گرا دیا۔ اس کے بعد وہ سندری کے کمرے میں واپس آ گئی۔ سندری بے چینی سے دُلاری کی واپسی کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اُسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اُس نے پوچھا۔

''کام ہو گیا؟''

دُلاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مالکن! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی نوکرانی دُلاری کوئی کام کرنا چاہے اور وہ کام نہ ہو۔ میں نے سانپ، چمپا کلی کے کمرے میں ڈال دیا ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ سمجھ لیں

کہ آپ کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دُور ہوگئی ہے۔ اب صبح اُس کمرے میں چمپا کلی کی لاش ملے گی۔''

سندری کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے دُلاری کو سینے سے لگا لیا اور اپنا قیمتی ہار گلے سے اُتار کر اُسے دیا اور بولی۔

''یہ تمہارا انعام ہے۔''

پھر فکر مند ہو کر دُلاری سے مخاطب ہوئی۔

''تمہیں یقین ہے سانپ چمپا کلی کو ڈس لے گا؟ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ سانپ کمرے کے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ جائے اور چمپا کلی کو کچھ نہ ہو۔''

نوکرانی دُلاری کہنے لگی۔

''ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن سانپوں کے بارے میں، میں نے یہی سنا ہے کہ اگر انہیں کسی اجنبی جگہ پر، خاص طور پر کسی بند کمرے میں پھینک دیا جائے تو وہ گھبرا جاتے ہیں۔ آرام سے بیٹھنے کی بجائے کمرے کے چکر لگانے لگتے ہیں اور بڑے غصے میں ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں وہاں کوئی انسان نظر آ جائے تو اسے اپنا دشمن سمجھ کر فوراً کاٹ لیتے ہیں۔''

سندری بولی۔

''کاش ایسا ہی ہو۔ میں صبح چمپا کلی کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں۔''

دُلاری نے پورے وشواش کے ساتھ سندری کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''مالکن! آپ صبح چمپا کلی کی لاش ہی دیکھیں گی۔ میری بات کا وشواش کریں۔ اچھا! اب میں اپنی کوٹھڑی میں جاتی ہوں۔ اس وقت میرا آپ کے کمرے میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔''

اور دُلاری، سندری کو اُمید و بیم کے عالم میں چھوڑ کر اپنی کوٹھڑی کی طرف چل دی۔ ایک ہلکا سا شک دُلاری کے دل میں تھا کہ شاید سانپ کسی کونے کھدرے میں ڈر کے مارے چھپا رہے اور چمپا کلی کو نہ ڈسے۔

چمپا کلی بستر پر پڑی آنکھیں بند کئے ناگ پال کو یاد کر رہی تھی کہ اچانک اُسے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں اور لیٹے لیٹے ہی غور کرنے لگی کہ یہ آواز کیسی تھی؟ آواز ایسی تھی جیسے کسی نے آہستہ سے پھنکار ماری ہو۔ اچانک چمپا کلی کو سانپ کا خیال آ گیا۔ وہ ایک دم سے پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب جو منظر اُس نے دیکھا اُسے دیکھ کر اُس کے پسینے چھوٹ گئے۔ خوف سے بدن ٹھنڈا پڑ گیا۔ اُس کے پلنگ پر پائنتی کی طرف اُس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر ایک سانپ پھن کھولے بیٹھا تھا اور اُسے اپنی سرخ نگینہ ایسی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور بار بار اپنی زبان نکال رہا تھا۔ چمپا کلی میں جیسے جان ہی نہ رہی۔ وہ پلنگ سے چھلانگ لگا کر بھاگ جانا چاہتی تھی مگر وہ جیسے پتھر ہو گئی تھی۔ ایسے پہلے اُس کی زندگی میں

کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ناگ مندر میں جب رقص کیا کرتی تھی تو سانپوں کو گود میں لے کر بعد میں خود دودھ پلاتی تھی اور سانپوں سے اُسے ذرا ڈر نہیں لگتا تھا۔ لیکن نہ معلوم اس سانپ میں کیا بات تھی کہ چمپا کلی کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ناگ مندر اور سانپوں سے دُور رہتے ہوئے اُسے ایک مدت گزر گئی تھی اور اُس کے اندر کا حیوانی خوف بیدار ہو گیا تھا۔

اچانک سانپ نے پھنکار ماری۔ چمپا کلی پلنگ سے چھلانگ لگانے والی تھی کہ سانپ نے لپک کر اُس کی ران پر ڈس دیا...... چمپا کلی کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ اُس کی چیخ کی آواز سن کر دروازے کے باہر پہرہ دیتی عورت دوڑ کر اندر آ گئی۔ اُس نے دیکھا کہ چمپا کلی اپنی ران کو ایک جگہ دونوں ہاتھوں سے پکڑے پسینے میں شرابور ہے۔ چمپا کلی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔''

ساری حویلی میں شور مچ گیا کہ حویلی کے مالک کی چہیتی کنیز چمپا کلی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ نوکر، نوکرانیاں جاگ پڑیں اور آنکھیں ملتی چمپا کلی کے کمرے کی طرف دوڑیں۔ شور سن کر سوداگر موتنگا بھی جاگ پڑا۔ اُس نے پوچھا۔

''یہ شور کیسا ہے؟''

اُس کی خواب گاہ کے باہر پہرہ دیتے نوکر نے کہا۔

''مالک! چمپا کلی جی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔''

سوداگر موتنگا کا جی ابھی چمپا کلی سے بھرا نہیں تھا۔ ابھی وہ اُس کی چہیتی کنیز تھی۔ ابھی وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ پریشانی کی حالت میں دوڑتا ہوا چمپا کلی کے کمرے میں آیا۔ دیکھا کہ چمپا کلی پلنگ پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی ہے۔ اُس نے فوراً چمپا کلی کی ٹانگ پر اُوپر کی جانب ریشمی ڈوری باندھ دی مگر زہر اس وقت تک اثر کر چکا تھا اور چمپا کلی دیکھتے دیکھتے بے ہوش ہو گئی۔ سوداگر موتنگا نے اسی لمحے دو غلام شہر کے سب سے بڑے طبیب کو بلانے کے لئے دوڑائے۔ ایک غلام نے کہا۔

''مالک! چمپا جی کا علاج اب طبیب کے پاس نہیں ہو گا۔ سانپ کا زہر اپنا اثر دکھا چکا ہے۔ میری مانیں، ساحل پر میں ایک جوگی سپیرے کو جانتا ہوں۔ اُسے بلایا جائے۔ سپیروں کے پاس سانپ کا منکا ہوتا ہے۔ یہ منکا جہاں سانپ نے کاٹا ہو وہاں رکھ دیا جائے تو سارا زہر چوس لیتا ہے اور آدمی بچ جاتا ہے۔''

یہ سن کر سوداگر موتنگا نے اس غلام کو حکم دیا کہ وہ فوراً جائے اور جتنی رقم وہ سپیرا مانگے اُسے دے کر حویلی میں لے آئے۔ غلام اسی وقت آندھی اور طوفان کی طرح بھاگتا ہوا سمندر کے

کنارے بانسوں کے جھنڈ میں ناگ پال کی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔ ناگ پال شب زندہ دار رشیوں منیوں کے خاندان سے تھا۔ اس وقت جاگ رہا تھا۔ غلام نے جاتے ہی ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''مہاراج! ہمارے مالک کی رانی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ ہم پر رحم کیجئے اور میرے ساتھ چل کر اسے اچھا کر دیجئے۔ میرا مالک آپ کی جھونپڑی ہیرے جواہرات سے بھر دے گا۔''

ناگ پال بولا۔ ''بھائی! ہم جوگی لوگ ہیں۔ ہمیں تمہارے مالک کے ہیرے جواہرات کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہمیں یہ بتاؤ تمہارے مالک کی رانی ابھی زندہ ہے یا مر گئی ہے؟''

غلام بولا۔ ''مہاراج! وہ بے ہوش پڑی ہے۔ ابھی زندہ ہے۔''

ناگ پال کا دل انسانوں کی خدمت کے جذبے سے معمور تھا۔ اُس کے گورو دیو سکھ پال نے اُسے پہلا سبق یہ دیا تھا کہ بیٹا! جہاں تک ہو سکے دُکھی انسانوں کی مدد کرنا۔ اُن کے کام آنا۔ اُن کی خدمت کرنا۔ اور سانپ کے کاٹے کا علاج ناگ پال کے پاس موجود تھا اس لئے وہ فوراً چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ اُس نے زہر چوسنے والے کالے سانپ کو پٹاری میں سے نکال کر چھوٹی تھیلی میں ڈالا اور غلام کے ساتھ سوداگر موتنگا کی حویلی میں پہنچ گیا۔

حویلی کے بڑے دروازے کے دونوں جانب دو بڑی بڑی مشعلیں روشن تھیں اور نیزہ بردار دو پہرے دار کھڑے تھے۔ غلام کے ساتھ جوگی سپیرے کو آتا دیکھ کر پہرے داروں نے دروازہ کھول دیا۔ دروازے کو دیکھتے ہی ناگ پال نے حویلی کو پہچان لیا۔ یہی وہ حویلی تھی جس کے باہر وہ ایک دن پہلے سانپ کا تماشہ دکھا رہا تھا اور حویلی سے نکل کر ایک نوکرانی اُس کے پاس آئی تھی اور سانپوں کے بارے میں باتیں پوچھنے لگی تھی اور پھر اُسی رات کو وہ نوکرانی اپنی ایک سہیلی کو جس کا نام اُس نے انجلی بتایا تھا اپنے ساتھ لے کر ناگ پال کی جھونپڑی میں آئی تھی اور ایک زہریلا سانپ یہ کہہ کر لے گئی تھی کہ اُس کی ماں سانپ کے زہر کا نشہ کرتی ہے اور اسے ایک سانپ کی ضرورت ہے۔

ناگ پال کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ قدرت اُسے اس حویلی میں محض اس لئے لائی ہے کہ وہ اپنی بچھڑی ہوئی پتنی سے مل سکے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس عورت کو سانپ نے کاٹا ہے اور جس کا وہ علاج کرنے جا رہا ہے وہ چمپا کلی ہے۔ جیسے ہی وہ غلام کے ساتھ چمپا کلی کے کمرے میں داخل ہوا تو زیتون کے چراغوں کی روشنی میں پلنگ پر چمپا کلی کو بے ہوش پڑے دیکھ کر ششدر ہو کر رہ گیا۔ ایک لمحے کے لئے وہ بھول گیا کہ وہ کہاں پر ہے؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے چمپا کلی کو دیکھ رہا ہے۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور سوداگر موتنگا سے پوچھا۔

''سانپ نے اسے کہاں کاٹا ہے؟''

سوداگر نے جواب دیا۔

''مہاراج! اس کی ٹانگ پر کاٹا ہے۔''

ناگ پال نے جلدی سے کپڑا ہٹا کر چمپا کلی کی ٹانگ کو دیکھا۔ جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہ جگہ نیلی پڑ گئی ہوئی تھی۔ چمپا کلی کے دل کی دھڑکن بہت مدھم ہو گئی تھی مگر وہ ابھی زندہ تھی۔ ناگ پال نے فوراً تھیلی میں سے کالا سانپ نکالا اور اُس کا منہ چمپا کلی کی ٹانگ پر سانپ کی ڈسی ہوئی جگہ پر رکھ کر کہا۔

''ناگ دیوتا کے حکم سے اس عورت کے جسم میں سے سانپ کا سارا زہر چوس کر پھینک دے۔''

سوداگر موتنگا، نوکرانیاں، غلام اور دوسری کنیزیں تجسّس اور حیرت کے عالم میں کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ اُن میں سندری بھی کھڑی تھی۔ مگر ناگ پال اُسے نہیں پہچان سکا تھا کیونکہ سندری ناگ پال کی جھونپڑی میں منہ سر کپڑے میں چھپا کر آئی تھی اور اُس نے سندری کی شکل صورت نہیں دیکھی تھی۔ سانپ نے فوراً چمپا کلی کے جسم میں سے سانپ کا زہر چوسنا شروع کر دیا۔ وہ تھوڑا تھوڑا زہر چوس کر پھینکتا جا رہا تھا۔ وہاں پر موجود سب لوگ حیرت زدہ ہو کر یہ انوکھا کھیل دیکھ رہے تھے۔ جب سانپ نے چمپا کلی کے جسم میں سے سانپ کا سارا زہر چوس کر پھینک دیا اور سانپ کے منہ میں چمپا کلی کا خون آنا شروع ہو گیا تو ناگ پال نے سانپ کو پکڑ کر تھیلی میں ڈال دیا اور چمپا کلی کی گردن پر ایک طرف اُنگلی رکھ کر دیکھا کہ چمپا کلی کے دل کی دھڑکن آہستہ آہستہ معمول پر آنے لگی تھی۔ ناگ پال نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر تصور ہی تصور میں ناگ دیوتا کے روبرو جھکا دیا اور خاموش زبان میں دل ہی دل میں کہا۔

''ناگ دیوتا! تیری شکتی مہان ہے۔ میں تجھے نمو نمو کرتا ہوں۔ تیرے آگے سر جھکاتا ہوں۔ تیرا کہا پورا ہوا۔ تو نے مجھے میری پتنی سے ملا دیا۔''

چمپا کلی کے جسم کا رنگ جو نیلا پڑ گیا تھا آہستہ آہستہ اپنی اصلی حالت میں آ رہا تھا۔ اُس نے دو ایک بار اپنے سر کو ذرا سا ہلایا۔ ناگ پال اپنے سانپ کی تھیلی پکڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے وہاں پر موجود حویلی کے مالک کی نوکرانیوں میں سب سے پیچھے کھڑی اُس نوکرانی جس کا نام دُلاری تھا کو دیکھ لیا تھا۔ اگرچہ وہ نوکرانیوں سے پیچھے اپنا منہ چھپا رہی تھی تاکہ ناگ پال اُسے دیکھ نہ لے مگر ناگ پال کی روشن نگاہوں نے نوکرانی دُلاری کو دیکھ لیا تھا اور فوراً سمجھ گیا تھا کہ چمپا کلی اس حویلی میں ہونے والی کسی خونی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ اسے اس سانپ سے ڈسوایا گیا ہے جو سانپ یہ نوکرانی ناگ پال سے لے گئی تھی۔ ناگ پال اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد جیسے ہی چمپا کلی اپنے سامنے اسے دیکھے گی اس کے منہ سے بے اختیار ناگ پال کا نام نکل جائے گا اور وہاں پر موجود سب کو معلوم ہو جائے گا کہ

یہی وہ ناگ پال ہے جس کو وشالا کے راجہ کے جاسوس سری لنکا میں جگہ جگہ تلاش کر تے پھر رہے ہیں۔ اگرچہ ناگ پال کی داڑھی اور سر کے بال بڑھے ہوئے تھے لیکن چمپا کلی نے اس بدلے ہوئے حلیے میں بھی ناگ پال کو پہچان لینا تھا۔ چنانچہ وہ چمپا کلی کے ہوش میں آنے سے پہلے پہلے سوداگر کی حویلی سے نکل جانا چاہتا تھا۔ سوداگر موتنگا کو ناگ پال نے کہا۔

''اس کے جسم سے میرے سانپ نے سارا زہر چوس لیا ہے۔ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آ جائے گا۔ اب میں جاتا ہوں۔''

سوداگر موتنگا نے اُسے ہیرے جواہرات انعام میں دینے چاہے لیکن ناگ پال نے کچھ لینے سے انکار کر دیا۔

OOO

ناگ پال اس بھیانک حقیقت سے آگاہ ہو گیا تھا کہ اس حویلی میں چمپا کلی کے خلاف کوئی گہری سازش چل رہی ہے جس کے تحت اسے مار ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ کوشش دوبارہ بھی کی جا سکتی تھی۔ اس اعتبار سے چمپا کلی کی جان خطرے میں تھی۔ ناگ پال اس حیثیت میں نہیں تھا کہ چمپا کلی کو حویلی سے نکال کر اپنے ساتھ لے جا سکتا۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی دیر تک وہ چمپا کلی کو وہاں سے نکال لے جانے کی تدبیر نہیں کرتا اتنی دیر تک چمپا کلی حویلی میں بالکل محفوظ رہے اور اس کی جان کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ ایک ترکیب اُس کے ذہن میں آ گئی۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے سوداگر موتنگا سے کہا۔

''تم میرے ساتھ آؤ! میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔''

ناگ پال سوداگر موتنگا کو کمرے سے باہر لے گیا۔ باہر آ کر ناگ پال نے کہا۔

''اس عورت کو کسی بہت ہی زہریلے سانپ نے ڈسا تھا۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو اس کا بچنا ناممکن تھا۔ لیکن ابھی اس عورت کی جان خطرے سے باہر نہیں ہے۔''

سوداگر موتنگا نے کہا۔

''مہاراج! چمپا میری سب سے بڑھ کر چہیتی کنیز ہے۔ میں اُس کی جان بچانے کے لئے آپ کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دوں گا۔ جیسے بھی ہو سکے اسے موت کے منہ میں جانے سے بچا لیجئے۔''

ناگ پال نے سخت لہجے میں کہا۔

''تم دولت مند لوگ ہر شے کو دولت کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن یہاں تمہاری دولت تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔''

سوداگر موتنگا نے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔

''مہاراج! مجھے شما کر دیجئے۔ آپ حکم کریں۔ آپ جو کہیں گے میں کروں گا۔''

ناگ پال بولا۔

''میں اسی لئے تمہیں کمرے سے باہر لے آیا ہوں۔ سنو! اگرچہ چمپا کے جسم سے میں نے سانپ کا سارا زہر نکال دیا ہے۔ لیکن زیادہ دیر ہو جانے سے زہر کا اثر ابھی اس کے جسم میں باقی ہے۔ اس کو ختم کرنے کے لئے مجھے ہر رات خود آ کر چمپا کلی کے جسم پر کچھ منتر پڑھ کر

پھونکنے پڑیں گے۔ لیکن اس دوران تم چمپا کو کمرے میں اس طرح بند کر کے رکھنا کہ سوائے تمہارے دوسرا کوئی آدمی یا عورت چمپا کے کمرے میں داخل نہ ہونے پائے۔ اگر تمہارے سوا کوئی دوسرا آدمی یا عورت چمپا کلی کے کمرے میں داخل ہوا تو یاد رکھو پھر میرے منتر بھی چمپا کلی کو موت کے منہ میں جانے سے نہ بچا سکیں گے۔''

سوداگر موتنگا کے سر پر ابھی چمپا کلی کے جسم کی محبت کا بھوت تازہ تازہ سوار ہوا تھا۔ فوراً بولا۔ ''مہاراج! میں آپ کو وشواش دلاتا ہوں کہ جیسا آپ نے کہا ہے میں اس پر پورا پورا عمل کروں گا اور سوائے میرے چمپا کے کمرے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ میں ابھی جا کر سب لوگوں کو کمرے سے نکال دیتا ہوں۔''

ناگ پال کی تسلی ہو گئی۔ اُس نے کہا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔''

سوداگر موتنگا بولا۔

''مہاراج! مجھے اپنی خدمت کرنے کا تو موقع دیں۔ مجھے اتنی اجازت دیں کہ میرے غلام آپ کو پالکی میں بٹھا کر آپ کی جھونپڑی تک چھوڑ آئیں۔''

ناگ پال بولا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بغیر پالکی کے بھی جا سکتا ہوں۔ میں کل رات اسی وقت چمپا کے جسم پر منتر پھونکنے آؤں گا۔ ہو سکتا ہے مجھے یہ منتر پھونکنے تین چار راتیں آنا پڑے۔ اس وقت چمپا کے کمرے میں سوائے تمہارے اور کسی کو نہیں ہونا چاہئے۔''

سوداگر موتنگا ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''سوائے میرے اور کوئی نہیں ہو گا مہاراج!''

ناگ پال نے کہا۔ ''میں حویلی کے بڑے دروازے سے آؤں گا۔ حویلی کے دربانوں کو بتا دینا کہ جب میں آؤں تو دروازہ فوراً کھول دیں۔''

سوداگر موتنگا بولا۔ ''میں ابھی سب دربانوں کو خبردار کر دوں گا مہاراج! آپ کو دُور ہی سے آتا دیکھ کر دربان حویلی کا دروازہ کھول دیں گے۔''

ناگ پال کے دل میں اچانک ایک خیال آ گیا۔ اُس نے سوداگر موتنگا سے کہا۔

''ایک ضروری بات جو میں کہنا بھول گیا تھا یہ ہے کہ چمپا کو سانپ کے ڈسنے اور میرے یہاں آنے اور چمپا کے جسم سے سانپ کا زہر نکالنے کا راز کم از کم پندرہ دن تک اس حویلی سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ اگر یہ راز حویلی سے باہر کسی کو معلوم ہو گیا تو جس سانپ نے چمپا کو کاٹا تھا وہ دوبارہ آ کر اسے ڈس دے گا۔ اور پھر میں بھی اس کا علاج نہیں کر سکوں گا۔ سب سے بھیانک بات یہ ہو گی کہ وہ سانپ باری باری ایک ایک کر کے حویلی میں رہنے والے سارے انسانوں کو ڈس کر ہلاک کر ڈالے گا۔''

یہ سن کر سوداگر موتنگا ڈر گیا۔ کہنے لگا۔ ''مہاراج! میں وشواش دلاتا ہوں کہ یہ راز اس حویلی

سے باہر نہیں نکلے گا۔ خواہ اس کے لئے مجھے پندرہ دنوں کے لئے حویلی کے سارے نوکروں اور کنیزوں کو حویلی میں قید کیوں نہ کرنا پڑے۔''

''ایسا ہی کرنا۔'' ناگ پال نے کہا۔ ''ورنہ سانپ تم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔''

ایسا ناگ پال نے آنے والی ایک بہت بڑی مصیبت کو کم از کم پندرہ دن کے لئے ٹالنے کے لئے کہا تھا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ سوداگر موتنگا کی کنیز چمپا کو سانپ کے ڈسنے اور پھر ایک جوگی سپیرے کے اس کے جسم سے اپنے سانپ کے ذریعے زہر نکال کر باہر پھینکنے کی خبر شہر میں نہ پھیلے۔ شہر میں نہ صرف وشالا کے راجہ کے جاسوس بلکہ سری لنکا کے راجہ کے خاص جاسوس بھی ناگ پال کو پکڑنے کے لئے کھوج لگاتے پھر رہے تھے۔ راجہ وشالا نے ناگ پال کی خاص نشانی جاسوسوں کو یہ بتائی تھی کہ وہ ناگ دیوتا کا ایسا پجاری ہے جو اپنے ایک خاص سانپ کی مدد سے سانپ کے ڈسے ہوئے انسان کے جسم سے زہر نکال کر اس انسان کو مرنے سے بچا لیتا ہے۔ یہ ایسی حیرت انگیز بات تھی کہ اس کا شہر بھر میں پھیلنا قدرتی امر تھا۔ یہ خبر راجہ دُشام کے جاسوسوں تک فوراً پہنچ جاتی اور پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ناگ پال گرفتار ہونے سے بچ جاتا۔ اگر وہ اکیلا ہوتا تو بڑی آسانی کے ساتھ روپوش ہو سکتا تھا۔ لیکن اب چمپا کلی کو اُس نے دیکھ لیا تھا اور چمپا کلی کو حویلی سے نکال کر ساتھ لے جانا ضروری تھا اور اس کے لئے تھوڑی سی منصوبہ بندی کی ضرورت تھی جس کی خاطر اُس نے سوداگر موتنگا کے دل میں موت کا خوف ڈال کر اُسے اس راز کو پندرہ یوم کے لئے حویلی کے اندر چھپائے رکھنے کی تاکید کر دی تھی۔ ناگ پال کو یقین تھا کہ پندرہ دن کیا وہ تین دن کے اندر اندر چمپا کلی کو سوداگر کی حویلی سے بھگا کر لے جائے گا۔

سوداگر موتنگا نے ناگ پال کے جانے کے بعد حویلی کے باہر جانے والے سارے چھوٹے اور بڑے دروازے بند کروا دیئے اور حکم جاری کر دیا کہ پندرہ دن تک نہ کوئی حویلی سے باہر جائے گا اور نہ کوئی باہر سے حویلی کے اندر آئے گا۔ اس زمانے کے لوگ کیا، آج کے زمانے کے لوگوں میں بھی توہم پرستی پائی جاتی ہے۔ لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانے میں تو توہم پرستی لوگوں کا مذہب بن چکی تھی۔ اور چونکہ اس زمانے میں بھی سری لنکا اور بھارت کے جنوبی علاقوں میں سانپوں کو دیوتاؤں کے اوتار سمجھ کر اُن کی پوجا کی جاتی تھی اس لئے لوگ سپیروں سے ڈرتے بھی تھے اور ان کی باتوں پر دیوتاؤں کا حکم سمجھ کر عمل بھی کرتے تھے۔ یہاں چونکہ سوداگر موتنگا کو خود اپنی جان کا خطرہ تھا اس لئے اُس نے ناگ پال کی ہدایت پر سختی سے عمل کیا اور حویلی کے سارے لوگوں کو ایک طرح سے حویلی کی چار دیواری میں قید کر دیا۔ یہ قید ایسی تھی کہ حویلی میں اُن سے ملنے کوئی باہر سے بھی نہیں آ سکتا تھا۔

لیکن ناگ پال انسان کی اور خاص طور پر عورتوں کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا

کہ عورت کوئی حیرت انگیز چیز یا کوئی واقعہ دیکھ لے تو اُسے دوسری عورتوں کو سنانے کے لئے بے چین ہو جاتی ہے۔ اور سوداگر کی حویلی میں ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ ہوا تھا کہ جو حویلی میں موجود لوگوں نے ساری زندگی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ اس بات کا امکان تھا کہ کوئی نوکرانی یا نوکر کسی طریقے سے حویلی سے باہر نکل کر یہ بات کسی دوسری عورت کو بتا دے۔ افواہ اور اس قسم کی حیرت پیدا کر دینے والے واقعے کی خبر بڑی برق رفتاری سے سفر کرتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ناگ پال اپنی چتی اور محبوبہ چمپا کلی کو حویلی سے کسی محفوظ جگہ پر لے جانے کی منصوبہ بندی کرے، وہ پکڑا جائے۔

ان تمام خدشات اور امکانات کو سامنے رکھتے ہوئے ناگ پال نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ اب جبکہ چمپا کلی کی نشاندہی ہوگئی ہے تو اسے سوداگر کی حویلی سے جتنی جلدی ہو سکے نکال لے جانا چاہئے۔ دوسرے دن آدھی رات کو ناگ پال، سوداگر موتنگا کی حویلی میں پھر آ گیا۔ حویلی کا بڑا دروازہ بند تھا۔ دربانوں نے اُسے مشعلوں کی روشنی میں آتے دیکھ کر فوراً دروازہ کھول دیا۔ سوداگر موتنگا جاگ رہا تھا اور حویلی کے برآمدے میں ناگ پال کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر ناگ پال کو ہاتھ باندھ کر پرنام کر کے اور اُس کے پاؤں چھو کر خیر مقدم کیا۔ ناگ پال نے کہا۔

''کنیز چمپا کہاں ہے؟''

سوداگر نے جواب دیا۔ ''مہاراج! وہ اپنے کمرے میں ہے۔''

ناگ پال نے کہا۔ ''اُس کے پاس کون ہے؟''

''کوئی نہیں ہے مہاراج! وہ بالکل اکیلی ہے۔'' سوداگر موتنگا نے کہا۔

ناگ پال نے پوچھا۔ ''اب اُس کی طبیعت کیسی ہے؟''

''اب وہ بالکل ٹھیک ہے مہاراج!'' سوداگر موتنگا نے جواب دیا۔ وہ ناگ پال کو لے کر چمپا کلی کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ چمپا کلی کے کمرے کے بند دروازے پر پہنچ کر ناگ پال رُک گیا۔ اُس نے سوداگر سے کہا۔

''جب تک میں کنیز چمپا پر منتر پھونکوں، کمرے میں کوئی داخل نہ ہو۔''

سوداگر موتنگا نے فوراً کہا۔ ''کوئی نہیں آئے گا کمرے میں مہاراج!''

''اس کمرے کے کوئی قریب بھی نہ آئے۔''

ناگ پال نے ان لوگوں کو کمرے سے اور دُور کر دیا اور خود آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ چمپا کلی کو اب تک یہ علم نہیں تھا کہ جس جوگی سپیرے نے اُس کا علاج کیا ہے اور اسے موت کے منہ سے بچا لیا ہے وہ ناگ پال ہی ہے۔

کمرے میں زیتون کے چراغ کی شمع جل رہی تھی جس کی روشنی زیادہ نہیں تھی۔ جس پلنگ

پر چمپا کلی دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹی تھی وہاں چراغ کی روشنی بہت کم پڑ رہی تھی اور ہلکا ہلکا اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔ ناگ پال دبے پاؤں کمرے میں چلتا پلنگ کے پاس آ کر رُک گیا۔ چمپا کلی ابھی تک دوسری طرف منہ کئے لیٹی تھی۔ اُسے بتا دیا گیا تھا کہ آدھی رات کو جوگی سپیرا اس پر منتروں کا جاپ کرنے آئے گا۔ مگر اس وقت اُس پر غنودگی سی طاری ہوگئی تھی اور اُسے جوگی سپیرے کے کمرے میں داخل ہونے کا پتہ نہ چل سکا تھا۔ ناگ پال پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ غنودگی کی حالت میں ہی دوسری طرف منہ کر کے لیٹی چمپا کلی کو ایک بڑی مانوس سی خوشبو کا احساس ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ خوشبو کس کی ہو سکتی ہے۔ چمپا کلی نے چونک کر گردن موڑی اور دیکھا کہ اُس کے پلنگ پر ایک گھنی داڑھی اور لمبے بالوں والا جوگی بیٹھا ہے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ پہلی نظر میں اُس نے ناگ پال کو نہیں پہچانا۔ پچھلی رات جب ناگ پال نے اُس کا علاج کیا تھا تو وہ بے ہوش تھی۔

چمپا کلی کو کسی ہیجانی کیفیت سے بچانے کی خاطر ناگ پال کے لئے اپنا آپ فوراً ظاہر کر دینا بڑا ضروری تھا۔ چنانچہ اُس نے کہا۔

''چمپا کلی! مجھے پہچانا نہیں؟ میں تمہارا ناگ پال ہوں۔''

چمپا کلی کو ایسے لگا جیسے اُس کی آنکھوں کے آگے بجلی کی چمک لہرا گئی ہو۔ اب اس نے ناگ پال کو پہچان لیا تھا۔ وہ بے اختیار ناگ پال سے لپٹ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ناگ پال اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

''مجھے ناگ دیوتا نے خواب میں خوشخبری دی تھی کہ میری چمپا مجھے اسی شہر میں ملے گی۔ اور ناگ دیوتا کا کہا سچ ہوا۔''

چمپا کلی کو اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ناگ پال کے سینے کے ساتھ لگی بچوں کی طرح سسکیاں بھر رہی تھی۔ یہ کیفیت ان دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ناگ پال نے دبی زبان میں کہا۔

''چمپا! یہ رونے دھونے کا وقت نہیں ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو! ہم ایک دوسرے سے مل ضرور گئے ہیں لیکن ہمارے پھر سے جدا کر دیئے جانے کا خطرہ ابھی موجود ہے۔''

یہ سن کر چمپا کلی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ناگ پال کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تم اتنی مدت مجھ سے دُور کیوں رہے ناگ پال؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گی؟ کل مجھے ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔ کہتے ہیں کسی سپیرے نے مجھے بچا لیا تھا اور وہ سپیرا آج رات بھی آنے والا ہے۔ اُس کے آنے سے پہلے پہلے مجھے یہاں سے نکال کر لے چلو ناگ پال!''

ناگ پال نے دھیمی آواز میں کہا۔

''وہ سپیرا کوئی اور نہیں تھا۔ وہ میں ہی تھا۔ میں نے ہی ایک سانپ کی مدد سے تمہارے جسم سے سانپ کا زہر نکال دیا تھا۔''
چمپا کلی نے اپنا سر ناگ پال کے سینے سے لگا دیا۔
''ناگ دیوتا نے مجھے موت کے منہ سے نکالنے کے لئے تمہیں بھیج دیا۔ اور ہم ایک دوسرے سے دوبارہ مل گئے۔''
چمپا کلی نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''تم سے جدا ہونے کے بعد میرا جو حال ہوا تمہیں بتا نہیں سکتی۔ تمہیں اپنے پاس دیکھ کر میں وہ سب کچھ بھول گئی ہوں۔ مگر یہ حویلی میرے لئے دوزخ کے برابر ہے۔ مجھے یہاں سے نکال کر لے چلو ناگ پال!''
ناگ پال نے بڑی مشکل سے چمپا کلی کو سکون کی حالت میں کیا اور مختصر لفظوں میں وہ تمام حالات بیان کر دیئے جن حالات میں سے وہ گزر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔
''تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں گا؟ میری زندگی کا اس وقت ایک ہی مقصد ہے کہ کسی طریقے سے تمہیں یہاں سے بھگا کر لے جاؤں۔ مگر حالات بڑی خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں، وشالا کے راجہ نے میرے پیچھے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ اُن سے بچنے کے لئے میں نے داڑھی اور سر کے بال بڑھا لئے تھے۔ ہمیں جو قدم بھی اُٹھانا ہو گا بڑا سوچ سمجھ کر اُٹھانا ہو گا۔ اس حویلی کا مالک تمہیں اتنی آسانی سے یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔''
چمپا کلی نے مضطرب ہو کر کہا۔
''لیکن ناگ پال! اب مجھ سے ایک پل بھی یہاں نہیں رہا جائے گا۔''
ناگ پال نے چمپا کلی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔
''اگر ہم نے جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم اُٹھا لیا تو تمہارے ساتھ میں بھی پکڑا جا سکتا ہوں۔ اور پھر ہو سکتا ہے ہم کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔''
چمپا کلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی۔ ''اب ہم ایک دوسرے سے کبھی الگ نہیں ہوں گے۔ ہم کسی دور دراز جزیرے میں چلے جائیں گے۔ پھر کبھی شہری آبادیوں میں نہیں آئیں گے۔ لیکن مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جانا ناگ پال!''
ناگ پال نے چمپا کلی کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بولا۔
''چمپا کلی! میری بات دھیان سے سنو۔ جس قسم کی باتیں تم کر رہی ہو کچھ دیر کے لئے انہیں اپنے دل سے نکال دو اور عقل اور ہوش مندی سے کام لو۔ میرے جانے کے بعد تم نے

یہی ظاہر کرنا ہے کہ تم مجھے نہیں جانتیں۔ تمہارے لئے میں ایک عام جوگی سپیرا ہوں۔ مجھے اتنا موقع دو کہ میں تمہیں اس حویلی سے نکال لے جانے کی کوئی تدبیر سوچ سکوں۔''
پھر ناگ پال نے چمپا کلی کو بتا دیا کہ کس طرح اُس نے سانپ کے زہر چوسنے کے راز کو حویلی سے باہر نہ نکلنے کی خاطر سوداگر موتنگا کو ہدایت کر دی ہے کہ اگر یہ راز حویلی سے باہر نکل گیا تو ان سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ اور سوداگر موتنگا نے حویلی کے اردگرد سخت پہرہ لگا دیا ہے۔ تاکہ نہ باہر کا کوئی آدمی حویلی میں آ سکے اور نہ حویلی کے اندر کا کوئی آدمی باہر نکل سکے۔
''یہ سب کچھ میں نے صرف تمہیں یہاں سے نکال کر لے جانے کے لئے کیا ہے۔''
چمپا کلی نے غم زدہ ہو کر پوچھا۔ ''کیا تم چلے جاؤ گے؟''
ناگ پال نے کہا۔
''میں اس لئے جاؤں گا کہ دوسری بار آ کر تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں۔ لیکن اس کے لئے کوئی طریقہ نکالنا پڑے گا۔ میں روز رات کو تم پر منتر پھونکنے کے بہانے آؤں گا۔ میں نے حویلی کے مالک سے کہہ دیا ہے کہ مجھے پندرہ راتیں تم پر منتر پھونکنے ہوں گے۔''
''تو کیا میں پندرہ دن اور یہاں قید رہوں گی؟'' چمپا کلی نے بے چین ہو کر کہا۔
ناگ پال نے ایک بار پھر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''میں نے یہ کب کہا ہے کہ تم پندرہ دن تک یہیں رہو گی۔ ہو سکتا ہے میں کل ہی کوئی طریقہ سوچ کر تمہیں یہاں سے لے جاؤں۔ ہو سکتا ہے اس میں دو ایک دن اور لگ جائیں۔ لیکن وشواش کرو! میں جتنی جلدی ہو سکا تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ بس مجھے زیادہ سے زیادہ کل کا دن دے دو۔''
اس کے فوراً بعد ناگ پال پلنگ سے اُٹھ کر پلنگ کے پاس رکھی ہوئی لکڑی کی بڑی چوکی پر بیٹھ گیا اور بلند آواز میں منتروں کا جاپ شروع کر دیا۔ چمپا کلی پلنگ پر بیٹھی خاموش پیار بھری نظروں سے ناگ پال کو تکتی رہی۔ وہ زندگی میں پہلی بار اُسے داڑھی اور سر کے بڑھے ہوئے گنجان بالوں کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اس حلیے میں بھی ناگ پال اُسے بہت پیارا لگ رہا تھا۔ لیکن وہ یہ سوچ کر پریشان بھی ہو رہی تھی کہ اگر وہ دونوں حویلی سے فرار ہوتے ہوئے پکڑے گئے تو پھر کیا ہو گا؟ ناگ پال کو وشالا کے راجہ کے سپاہی پکڑ کر لے جائیں گے اور وہ خود حویلی کے تہہ خانے میں ڈال دی جائے گی۔ بلکہ ہو سکتا ہے حویلی کا مالک طیش میں آ کر اسے قتل کر ڈالے۔
کچھ دیر جھوٹ موٹ کے منتروں کا جاپ کرنے کے بعد ناگ پال، چمپا کلی کو تسلیاں دے کر اور دوسری رات آنے کا وعدہ کر کے چمپا کلی کے کمرے سے باہر آ گیا۔ ناگ پال کی

ہدایت کے مطابق کمرے کے باہر کوئی نہیں تھا۔ کچھ فاصلے پر سوداگر موتنگا نیم تاریک راہ داری میں اکیلا ٹہل رہا تھا۔ جیسے ہی ناگ پال اُس کے قریب پہنچا، سوداگر موتنگا نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''مہاراج! کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی نا؟''

''کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔'' ناگ پال بولا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔ کل رات اسی وقت منتر پھونکنے آؤں گا۔''

ناگ پال نے جاتے ہوئے سوداگر کو ایک بار پھر تاکید کر دی کہ کنیز چمپا کلی کی صحت یابی کے راز کی پوری حفاظت کی جائے اور جس کے جواب میں سوداگر موتنگا نے کہا۔

''مہاراج! میں نے حویلی کے باہر سخت پہرہ لگا دیا ہے۔ جتنے دن آپ چمپا پر منتروں کا جاپ کریں گے نہ کوئی باہر سے غیر آدمی اندر آئے گا، نہ حویلی سے کسی کو باہر جانے کی اجازت ہوگی۔''

اگلی رات ناگ پال، چمپا کلی پر منتروں کا جھوٹ موٹ جاڑ پھونک کرنے دوبارہ سوداگر کی حویلی میں پہنچ گیا۔ چمپا کلی بڑے اشتیاق کے ساتھ اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس خیال سے کہ ہوسکتا ہے سوداگر دروازے سے کان لگائے ہوئے ہو، ناگ پال کچھ دیر تک منتروں کو اونچی آواز میں پڑھتا رہا۔ اس دوران چمپا کلی بے چینی کی حالت میں پلنگ پر بیٹھی رہی۔ جب منتروں کا جاپ ختم ہوا اور ناگ پال اُس کے پاس آ کر پلنگ پر بیٹھ گیا تو اُس نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور شکستہ آرزوؤں کی آواز میں پوچھا۔

''ناگ پال! مجھے آج یہاں سے لے جاؤ گے نا؟''

ناگ پال کے ذہن میں ایک منصوبہ ضرور تھا مگر ابھی اس کی شکل پوری طرح سے واضح نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔

''آج نہیں چمپا کلی! لیکن کل تک ضرور میں کوئی طریقہ ڈھونڈ لوں گا۔''

چمپا کلی نے مایوس ہو کر کہا۔ ''میں تمہارے بغیر کل تک کیسے زندہ رہوں گی؟''

ناگ پال بولا۔ ''جہاں اتنے دن گزارے ہیں وہاں کل کا دن بھی گزار لو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقت میں تمہیں ایک خاص چیز دینا چاہتا ہوں۔''

اور ناگ پال نے اپنی سپیروں کی وضع کی صدری میں ہاتھ ڈال کر ملک وشالا کے راجہ کی بانجھ رانی کی دی ہوئی ہیرے کی شاہی انگوٹھی نکال کر چمپا کلی کو دکھائی۔ چمپا کلی انگوٹھی لے کر اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔ انگوٹھی کا آلو چے جتنا بڑا سفید ہیرا چمک رہا تھا۔ اُس نے پوچھا۔

''یہ انگوٹھی تمہیں کہاں سے ملی ناگ پال؟''

ناگ پال نے جواب دیا۔ ''جن دنوں مجھے وشالا شہر کے راجہ وشالا نے شاہی سپیرا طبیب

کے طور پر زبردستی اپنے محل میں رکھا ہوا تھا اور میں وہاں سے نکل بھاگنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا تو ایک دن راجہ وشالا کی ایک رانی جس کے اولاد نہیں ہو رہی تھی، میرے پاس آئی اور اُس نے مجھ سے کہا کہ آپ اتنے بڑے طبیب ہیں۔ آپ نے اپنے سانپ کو حکم دیا اور اس نے میرے بدن سے سانپ کا سارا زہر چوس لیا۔ اب مجھ پر ایک اور کرپا کرو۔ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے جو راجہ کے تخت پر بیٹھ کر راج کرے۔ یہ سن کر مجھے فرار کی ایک ترکیب سوجھ گئی۔ میں نے اُسے کہا کہ تمہارا علاج ایک خاص جڑی بوٹی سے ہوسکتا ہے۔ مگر اس جڑی بوٹی کو حاصل کرنے کے لئے مجھے محل سے نکل کر جنگل میں جانا پڑے گا اور محل کے چاروں طرف راجہ نے میرے لئے پہرہ بٹھا دیا ہے۔

رانی نے کہا مہاراج! میرے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ مجھے محل کے ایک خفیہ راستے کا پتہ ہے۔ آپ وہاں سے نکل کر جنگل میں جائیں اور میرے علاج کے واسطے جڑی بوٹی لے کر آ جائیں۔ میں بہت خوش ہوا کہ دیوتاؤں نے اپنے آپ میرے فرار ہونے کا انتظام کر دیا ہے۔ جب میں جانے لگا تو رانی نے اپنی انگوٹھی اُتار کر مجھے دی اور کہا۔ اگر فرض کیا خفیہ راستے کے باہر کوئی پہرے دار موجود ہو تو یہ انگوٹھی اُسے دکھا دیجئے گا۔ وہ کچھ نہیں کہے گا۔ میں نے وہ انگوٹھی لے کر اپنے پاس رکھ لی اور یوں وہاں سے فرار ہو گیا۔ وہاں سے میں رات کے وقت ایک بادبانی کشتی میں بیٹھ کر اس ملک سری لنکا پہنچ گیا۔ یہ انگوٹھی اُس وقت سے میرے پاس ہی ہے۔ اسے تم اپنے پاس رکھ لو۔ ہوسکتا ہے یہاں سے فرار ہونے کے بعد ہمیں اس کو فروخت کرنے کی ضرورت پڑ جائے۔''

چمپا کلی نے ہیرے کی شاہی انگوٹھی اپنی قمیض کے اندر چھپا لی اور ناگ پال سے کہا۔

''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔''

ناگ پال نے چمپا کلی کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔

''اس حویلی کے پیچھے ایک گہری کھائی ہے۔ میں آج رات کے پچھلے پہر کسی طرح سے حویلی کی چھت پر چڑھ کر کھائی میں کود جاؤں گی۔ تم وہاں سے مجھے نکال لینا۔ پھر ہم یہاں سے بھاگ چلیں گے۔''

ناگ پال بولا۔

''اس میں خطرہ ہے کہ تم زخمی ہو جاؤ گی۔ میں کل آ کر تمہیں ایک ترکیب بتاؤں گا۔ اس پر عمل کرتے ہوئے ہم دونوں اس حویلی سے ہی نہیں بلکہ اس ملک سے بھی نکل جائیں گے۔''

چمپا کلی تھوڑی مطمئن ہو گئی۔ لیکن اُس کی فکر مندی دُور نہیں ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔

''ناگ پال! میں کل کے بعد اس حویلی میں نہیں رہنا چاہتی۔ کل مجھے یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے چلنا۔''

ناگ پال نے دوسری رات چمپا کلی کو حویلی سے نکال لے جانے کا وعدہ کر لیا۔ معمول کے مطابق کچھ دیر تک دوبارہ منتروں کا جاپ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ سوداگر موتنگا اُس کے انتظار میں راہداری میں موجود تھا۔ ناگ پال نے سوداگر سے کہا۔

''سب کام ٹھیک ہو رہا ہے۔ چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کل رات پھر آؤں گا۔''

ناگ پال اپنی بانسوں اور ناریل کے جھنڈ والی جھونپڑی میں واپس آ گیا۔ اُس نے چمپا کلی کا دل رکھنے کے لئے اُسے کہہ دیا تھا کہ وہ فرار کے ایک منصوبے پر غور کر رہا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ ابھی تک چمپا کلی کو سوداگر کی حویلی سے نکالنے کی کوئی ترکیب اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور وہ کافی پریشان تھا۔ اُسے کوئی ایسا بہانہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا سوائے اس کے کہ وہ سوداگر موتنگا سے یہ کہہ کر چمپا کلی کو حویلی سے نکال کر اپنی جھونپڑی میں لے آئے کہ اب اُس کا باقی علاج میں اپنی جھونپڑی میں کروں گا۔ سوداگر موتنگا اس کو فوراً مان جائے گا۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ اس کے دل میں شک پیدا ہو جائے اور وہ خفیہ طور پر اپنے کچھ آدمی چمپا کلی کی حفاظت کی خاطر پیچھے لگا دے۔ لیکن اس کے سوا ناگ پال کو دوسرا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ کل رات وہ سوداگر موتنگا سے کہے گا کہ چمپا کلی کا باقی علاج میں اپنی جھونپڑی میں یا ندی کے کنارے بیٹھ کر کروں گا۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ناگ پال نے یہ بھی سوچ لیا کہ اگر چمپا کلی کو بھگا کر لے جاتے وقت سوداگر کے آدمیوں نے خفیہ جگہوں سے نکل کر انہیں پکڑنے کی کوشش کی تو وہ اپنی پٹاری کے زہریلے جنگلی سانپ ان پر چھوڑ دے گا۔ ان سانپوں کو دیکھ کر یا تو سوداگر کے آدمی وہاں سے بھاگ جائیں گے اور اگر نہ بھاگے تو سانپوں کے ڈسنے سے مارے جائیں گے۔

ناگ پال نے اپنی طرف سے ایک منصوبہ بنا لیا تھا جس کی کامیابی کا اُسے سو فیصد یقین تھا۔ لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ تقدیر نے اُس کے لئے ایک اور ہی منصوبہ تیار کر رکھا ہے۔ ہوا یوں کہ جب سوداگر موتنگا کی پکی عمر کی کنیز سندری کی خونی سازش ناکام ہو گئی اور وہ چمپا کلی کو سانپ سے ڈسوا کر راستے سے نہ ہٹا سکی تو وہ اندر ہی اندر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ لیکن وہ ہار ماننے والی عورت نہیں تھی۔ اُس کے دماغ میں چمپا کلی کو ہلاک کرنے کی ایک اور ترکیب آ گئی۔ سری لنکا کی راجدھانی میں سندری کی ایک جاننے والی عورت رہتی تھی جو جادو ٹونہ کرتی تھی اور جس کا جادو ٹونہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ سندری خود تو اُس کے پاس نہیں جا سکتی تھی کیونکہ سوداگر موتنگا نے حویلی کے اردگرد پہرہ لگوا دیا تھا اور کسی کو پندرہ یوم تک کے لئے حویلی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔

سندری نے اپنی رازدار نوکرانی ڈلاری سے بات کی اور اُسے کہا۔

''تم چندرانی کے پاس جاؤ اور اُسے میری طرف سے ساری بات سمجھا کر کہو کہ مجھے کوئی ایسا جادو ٹونہ بتائے کہ میں چمپا کلی کو اپنے راستے سے ہٹا سکوں۔''

اُس جادو ٹونہ کرنے والی عورت کا نام چندرانی تھا۔ ڈلاری نے کہا۔

''مالکن! میں حویلی سے باہر کیسے نکلوں گی؟ حویلی کے باہر تو پہرہ بیٹھا ہے۔''

سندری نے اس کا علاج پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ اُس نے کہا۔

''میرے کمرے کی کھڑکی کے باہر ناریل کا جو درخت ہے اس کا تنا کھڑکی کے بالکل ساتھ لگا ہوا ہے۔ تم رات کے اندھیرے میں اس درخت کے تنے کو پکڑ کر نیچے اُتر جانا اور چندرانی سے جادو ٹونہ معلوم کر کے واپس آ جانا۔''

ڈلاری کا دل تو نہیں چاہتا تھا مگر مالکن کے حکم کے آگے وہ مجبور تھی۔ چنانچہ جب رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا تو ڈلاری، سندری کے کمرے میں آ گئی۔ سندری پہلے سے وہاں موجود تھی۔ اُس نے دلاری سے کہا۔

''تمہیں دن کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے واپس آ جانا ہو گا۔''

سندری نے خود کھڑکی کھول کر ڈلاری کو سہارا دے کر درخت کے تنے تک پہنچایا۔ اور ڈلاری تنے کے سہارے نیچے اُتر کر حویلی سے باہر آ گئی۔ جادو ٹونہ کرنے والی چندرانی کا مکان ڈلاری نے دیکھ رکھا تھا۔ وہ اسی طرف کو چل دی۔ راستے میں ڈلاری کے بڑے بھائی کا مکان پڑتا تھا۔ ڈلاری کو اپنے بھائی سے ملے بہت دن ہو گئے تھے۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اپنے بھائی سے ملتی جائے۔ اور وہ اپنے بھائی کے گھر آ گئی۔ اُس کے بھائی نے دلاری کو دیکھا تو پوچھا۔

''رات کے وقت کیسے آنا ہوا؟''

عورت ہونے کے ناطے ڈلاری کسی نہ کسی کو کنیز چمپا کلی کے بدن سے سانپ کے زہر چوسنے کا واقعہ سنانے کو بے قرار ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے بھائی کو ایک رات پہلے حویلی میں کنیز چمپا کو سانپ کے ڈسنے اور پھر ایک جوگی سپیرے کا اپنے سانپ کی مدد سے کنیز کے بدن سے زہر کو باہر نکال دینے کا سارا واقعہ خوب نمک مرچ لگا کر سنا دیا۔

سارا واقعہ سنانے کے بعد اُس نے بھائی سے کہا۔ ''بھائی! میں نے تو تمہیں یہ واقعہ سنا دیا ہے۔ مگر تم اسے اپنے تک ہی رکھنا۔ آگے کسی کو نہ بتانا۔''

اُس کے بھائی نے کہا۔ ''نہیں نہیں...... میں اس کا کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔''

اپنے بھائی کو سب کچھ بتانے کے بعد ڈلاری کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور وہ وہاں سے سیدھی جادو ٹونہ کرنے والی چندرانی کے مکان پر آ گئی اور اُسے سندری کا پیغام دیا۔

چندرانی نے کہا۔ ''سندری سے کہنا کہ میں نے ایک ہفتے کے لئے اگنی دیوی کا برت رکھا

ہوا ہے۔ ان دنوں میں، میں کوئی جادو ٹونہ نہیں کرتی۔ لیکن برت ختم ہوتے ہی میں اُسے ایک ایسا جادو بتاؤں گی جس کو کرنے سے اس کے راستے کی ساری رُکاوٹیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گی۔''

واپس جا کر دُلاری نے سندری کو چندرانی کا جوابی پیغام پہنچا دیا۔ سندری ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔''ٹھیک ہے...... میں ایک ہفتہ انتظار کر لوں گی۔''

دُلاری نے اگرچہ اپنے بھائی کو تاکید کی تھی کہ وہ کنیز چمپا کے بدن سے جوگی سپیرے کے سانپ کا زہر نکال ڈالنے والی بات آگے کسی کو نہ بتائے اور اُس نے بھی وعدہ کر لیا تھا کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا۔ لیکن یہ بات ایسی ہی تھی کہ اسے اس کا بھائی بھی ہضم نہ کر سکا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے اپنے ایک دوست کو سارا قصہ سنا دیا اور ساتھ ہی تاکید کر دی۔

''میں نے تو یہ بات تمہیں بتا دی ہے۔ مگر تم اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا۔ آگے کسی کو نہ بتانا۔''

اپنے جس دوست کو دُلاری کے بھائی نے چمپا کلی والا قصہ سنایا تھا وہ ایسا آدمی تھا کہ جسے ہر لمحے ہیجان پیدا کرنے والی نئی نئی خبروں کی تلاش لگی رہتی تھی تاکہ وہ انہیں لوگوں کو سنا کر فخر سے اپنا سر بلند کر سکے اور اُن سے داد وصول کر سکے۔ چنانچہ اُس نے پہلی فرصت میں یہ قصہ کئی لوگوں کو سنا ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوپہر تک ساری راجدھانی میں یہ حیرت انگیز قصہ ہر ایک کی زبان پر تھا کہ سوداگر موتنگا کی ایک کنیز کو رات سانپ نے ڈس لیا تھا۔ وہ مرنے والی تھی کہ ایک جوگی سپیرے نے آ کر اپنے سانپ کی مدد سے کنیز کے جسم میں پھیلا ہوا سانپ کا سارا زہر نکال کر پھینک دیا اور کنیز بچ گئی۔

وشالا کے راجہ کے علاوہ سری لنکا کی راجدھانی کے راجہ دُشام نے بھی، جو راجہ وشالا کا دوست تھا، ناگ پال کی تلاش میں اپنے جاسوس راجدھانی میں چھوڑ رکھے تھے کہ وہ اس جوگی سپیرے کو جہاں بھی ہو گرفتار کر کے لائیں جس کے پاس ایک ایسا سانپ ہے جو آدمی کے بدن سے سانپ کا سارا زہر چوس لیتا ہے۔ ناگ پال کی یہ نشانی راجہ وشالا کے جاسوسوں نے راجہ دُشام کو بتائی تھی۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ یہ بات جو سارے شہر میں گردش کر رہی تھی راجہ کے جاسوسوں تک نہ پہنچتی؟ چنانچہ جب اُنہوں نے یہ سنا کہ راجدھانی میں ایک ایسا سپیرا رہتا ہے جس کے پاس ایک سانپ ہے جو سانپ کے ڈسے ہوئے آدمی کے بدن سے سارا زہر چوس لیتا ہے تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ وہی جوگی سپیرا ہے جس کی اُنہیں تلاش تھی۔ اُنہوں نے اُس جوگی سپیرے یعنی ناگ پال کی تلاش شروع کر دی۔ ایک جاسوس ناگ پال کا کھوج لگاتے لگاتے اُس کی ساحل سمندر والی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر اُسے سخت مایوسی ہوئی کہ ناگ پال کی جھونپڑی خالی تھی۔ اصل میں ناگ پال ایک مشتبہ شخص کو دُور سے اپنی

جھونپڑی کی طرف آتے دیکھ کر درختوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا تھا۔ جاسوس نے جھونپڑی کی تلاشی لی۔ باہر نکل کر وہ کچھ دیر ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا کہ جوگی سپیرا یعنی ناگ پال آئے تو وہ اُسے وہیں قابو کر لے۔ ناگ پال بانس کے ایک جھنڈ کی اوٹ میں سے جاسوس کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ وہ بھی خاموشی سے چھپ کر جاسوس کو دیکھتا رہا۔

کافی دیر تک ناگ پال کا انتظار کرنے کے بعد جاسوس مایوس ہو کر چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد ناگ پال جھونپڑی میں آ گیا۔ لیکن وہ زیادہ دیر وہاں نہ رہا۔ رات ہو چکی تھی، اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ آدھی رات تک جنگل میں کسی محفوظ جگہ پر چھپا رہے اور پھر وہیں سے سوداگر کی حویلی میں چمپا کلی سے ملنے چلا جائے گا۔

اس دوران جاسوس سری لنکا کے راجہ کے پاس جا کر اُسے ساری رُوداد سنا چکا تھا۔ راجہ دُشام نے پوچھا۔

''کیا تمہیں اُس جوگی سپیرے کے کسی دوسرے ٹھکانے کا علم ہے؟''

جاسوس بولا۔''مہاراج! مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ جوگی سپیرا اپنی جھونپڑی میں ہی رہتا ہے۔ میں وہاں دیر تک بیٹھا رہا ہوں مگر جوگی سپیرا نہیں آیا۔ میرا خیال ہے اُس نے مجھے دیکھ لیا ہو گا اور وہاں سے بھاگ گیا۔''

راجہ دُشام نے کہا۔

''سوداگر موتنگا کو اُس جوگی سپیرے کے سب ٹھکانوں کا پتہ ہو گا۔ کیونکہ اُس نے سوداگر کی کنیز کا علاج کیا تھا۔ فوراً سوداگر موتنگا کو ہمارے پاس حاضر کیا جائے۔''

راجہ کا حکم پاتے ہی چار سپاہی بیلوں پر سوار ہو کر سوداگر موتنگا کی حویلی میں پہنچ گئے اور اُسے راجہ کا حکم سنا کر کہا۔

''تمہیں ابھی ہمارے ساتھ شاہی محل میں چلنا ہو گا۔ مہاراج کا حکم ہے۔''

سوداگر موتنگا کا یہ سن کر رنگ اُڑ گیا۔ ہونٹ خشک پڑ گئے۔ پوچھا۔

''کوئی بات ہو گئی ہے کیا؟ مہاراج نے کیسے یاد کیا اپنے غلام کو؟''

سپاہی نے کہا۔''وہاں چل کر سب معلوم ہو جائے گا۔ ہمارے ساتھ چلو۔''

سوداگر موتنگا اسی وقت اپنے بیل پر سوار ہوا اور سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ مہاراج نے پہلے تو کبھی نہیں بلایا۔ وہ اپنے کاروبار کا پورا پورا ٹیکس ادا کرتا ہے۔ کبھی کوئی چوری کا مال نہیں خریدا۔ پھر ایسی کون سی بات ہو گئی ہے؟ انہی خیالات میں گم وہ راجہ دُشام کے محل میں پہنچ گیا۔ اُسے راجہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

راجہ دُشام دیوان پر بیٹھا تھا۔ اُس کا سینا پتی اُس کے دائیں جانب کھڑا تھا۔ سوداگر موتنگا

دل میں سخت خوفزدہ تھا کہ خدا جانے اس کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے؟ اُس نے جاتے ہی جھک کر مہاراج کو نمسکار کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ پوچھے مجھے کس لئے طلب فرمایا گیا ہے؟

مہاراج نے کہا۔ ''تم ہی سوداگر موتنگا ہو؟''

موتنگا نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں مہاراج! میں آپ کا سیوک سوداگر موتنگا ہی ہوں۔''

راجہ نے دوسرا سوال کیا۔

''تمہاری کسی کنیز کو سانپ نے ڈس لیا تھا؟''

''جی ہاں مہاراج!'' سوداگر موتنگا نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

راجہ نے کہا۔ ''اور اس کا علاج کسی جوگی سپیرے نے کیا تھا؟''

''جی ہاں مہاراج! اُس کے پاس ایک سانپ تھا۔ جس نے کنیز کے جسم میں سے سارا زہر چوس لیا تھا۔''

راجہ دُشام نے سینا پتی کی طرف دیکھا۔ پھر راجہ نے سوداگر موتنگا سے کہا۔

''اب ہم تم سے جو کچھ پوچھیں اُس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ اگر جھوٹ بولا تو ابھی تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔''

سوداگر موتنگا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''مہاراج! میری کیا مجال کہ میں آپ کے سامنے جھوٹ بولوں؟''

راجہ دُشام نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں پتہ ہے وہ جوگی سپیرا کہاں رہتا ہے؟''

موتنگا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

''مہاراج! مجھے اُس کے ٹھکانے کا تو پتہ نہیں۔ لیکن وہ روز رات کو میری کنیز پر منتر پھونکنے آتا ہے۔ آج رات بھی آئے گا۔''

راجہ دُشام کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اُس نے سوداگر موتنگا سے کہا۔

''ہمیں اُس جوگی سپیرے کی ضرورت ہے۔''

سوداگر موتنگا نے فوراً کہا۔

''مہاراج! میں اُس جوگی سپیرے کو لے کر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

راجہ نے کہا۔

''ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے سپاہیوں کا دستہ تمہارے ساتھ جائے گا۔ رات کو جب جوگی سپیرا آئے گا تو ہمارے سپاہی خود اُسے لے کر ہمارے پاس پہنچا دیں گے۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

سوداگر موتنگا کی جان میں جان آئی کہ سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ سینا پتی کے حکم سے سپاہیوں کا ایک دستہ سوداگر موتنگا کے ساتھ ہو لیا۔ جانے سے پہلے سینا پتی نے سوداگر موتنگا کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔

''یاد رکھو! اُس جوگی سپیرے کو کسی طرح بھی یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ تمہاری حویلی میں راجہ کے سپاہی موجود ہیں اور تم بھی اُسے کچھ نہ بتانا۔ اپنی زبان بند رکھنا۔''

سوداگر موتنگا نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''مہاراج! آپ جیسا کہتے ہیں آپ کا یہ سیوک ویسا ہی کرے گا۔''

راجہ کے سپاہیوں نے سوداگر موتنگا کی حویلی میں جاتے ہی حویلی کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور حویلی کے اندر بھی سپاہی جگہ جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔ یہ سب کچھ اتنے خفیہ طریقے سے ہوا کہ حویلی میں سوائے چند ایک پہرے داروں کے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو سکی۔ سوداگر موتنگا کو بھی راجہ کی طرف سے حکم تھا کہ وہ حویلی میں سپاہیوں کی موجودگی کا نوکروں نوکرانیوں میں سے کسی کو علم نہ ہونے دے۔ چمپا کلی بھی راجہ کے اس خطرناک اقدام سے بے خبر رہی۔ سوداگر موتنگا نے اپنے اُن پہریداروں کو جنہیں سپاہیوں کی موجودگی کا علم ہونا ہی تھا، سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اپنی زبان بند رکھیں۔

رات جب آدھی گزر گئی تو ناگ پال معمول کے مطابق حویلی کی طرف چل پڑا۔ وہ یہ منصوبہ بنا کر آیا تھا کہ آج رات وہ سوداگر موتنگا کو یہ کہہ کر چمپا کلی کو اپنے ساتھ حویلی سے نکال کر لے جائے گا کہ باقی کے منتروں کا جھاڑ پھونک وہ چمپا کلی پر اپنی جھونپڑی میں لے جا کر کرے گا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ سوداگر کی حویلی میں تقدیر نے اُس کو پکڑوانے کے لئے جال پھیلا رکھا ہے۔ ناگ پال بڑے سکون سے قدم اُٹھاتا حویلی کے بڑے دروازے پر آیا تو پہریداروں نے اُسے دیکھتے ہی سوداگر موتنگا کی ہدایت کے مطابق دروازہ کھول دیا اور ناگ پال حویلی میں داخل ہو گیا۔ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی احساس نہ ہوا کہ وہ ایک ایسے قید خانے میں داخل ہو گیا ہے جہاں نہ صرف یہ کہ وہ چمپا کلی سے محروم ہو جائے گا بلکہ جہاں زندگی کے تمام اذیت ناک روز و شب اور رُوح کو ہلا کر رکھ دینے والی مصیبتیں اُس کا انتظار کر رہی ہیں۔ پہلے ناگ پال کا وجدان یا اُس کی چھٹی حس اُسے آنے والے خطرات سے آگاہ کر دیا کرتی تھی اور اُس کے عقیدے کے مطابق دیوتا اُسے عین مصیبت میں سے نکال کر لے جایا کرتے تھے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوا تھا۔ اب اُس کی چھٹی حس نے اُسے آنے والے خطرے سے بالکل آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے ناگ پال کی رُوح پر عورت کی محبت اتنی غالب نہیں تھی۔ پہلے اُس کے دل میں چمپا کلی کی محبت کا اتنا ہی خیال ہوتا تھا جتنا ایک سچی اور پاک محبت کرنے والے غیر دنیا دار انسان کو ہوتا ہے۔ تب اُس کے گیان دھیان میں بھی خلل

نہیں پڑتا تھا اور اُس کا وجدان چھٹی حس کے ذریعے ناگ پال کو آنے والی اچھی بری باتوں سے آگاہ کر دیتا تھا۔ لیکن اب چمپا کلی کی محبت اُس کے وجدان پر غالب آ چکی تھی۔ اُس کے دل میں چوبیس گھنٹے چمپا کلی کا ہی خیال رہتا تھا۔ گیان دھیان میں بھی اُس کا من نہیں لگتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ مالک حقیقی سے لو لگائے اُس کا ذہن چمپا کلی کی شکل بار بار اُس کی آنکھوں کے سامنے لے آتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ کائنات کی لطیف دنیا سے ناگ پال کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ اُس کے وجدان کو زنگ لگ گیا تھا اور اُس کی چھٹی حس نے اُسے آنے والے واقعات کے اشارے دینے بند کر دیئے تھے۔

چنانچہ ناگ پال جب سوداگر موتنگا کی حویلی میں داخل ہوا تو اُس کا دل اس مسرت افزا خیال سے مسرور تھا کہ آج کی رات وہ چمپا کلی کو حویلی کے قید خانے سے نکال کر لے جائے گا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ چمپا کلی کو قید سے نکالنے کی بجائے وہ خود قید ہو جائے گا۔ روز کی طرح سوداگر موتنگا حویلی کے برآمدے میں ناگ پال کے انتظار میں کھڑا تھا۔ مگر آج سوداگر موتنگا کی نظریں ناگ پال کو کسی اور ہی انداز سے دیکھ رہی تھیں۔ سینا پتی کی ہدایت کے مطابق سوداگر موتنگا نے ناگ پال کو چمپا کلی کے کمرے میں لے جانے کی بجائے ایک دوسرے کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا۔ ناگ پال نے خالی کمرے کا جائزہ لیا اور سوداگر سے پوچھا۔

''چمپا کہاں ہے جس پر ہمیں منتر پھونکنے ہیں؟''

سوداگر بولا۔

''مہاراج! وہ اشنان کر رہی ہے۔ آپ یہاں بیٹھیں میں ابھی اُسے لے کر آتا ہوں۔''

سوداگر کمرے سے نکل گیا۔ اُس کے نکلتے ہی کمرے میں دو آدمی داخل ہوئے۔ یہ دونوں جاسوس تھے۔ ان میں ایک جاسوس وشالا کے راجہ کا تھا جس نے وشالا کے محل میں ناگ پال کو دیکھا ہوا تھا۔ دوسرا جاسوس سری لنکا کے راجہ دُشام کا تھا۔ راجہ وشالا کے جاسوس نے ناگ پال کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور اُس نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ساتھی جاسوس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''یہی وہ جوگی سپیرا ہے۔''

ناگ پال حیران ہو کر اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ لیکن اُس کے اندر خطرے کی گھنٹی بج گئی تھی۔ اُس نے بڑے جلالی لہجے میں پوچھا۔

''تم لوگ کون ہو؟''

راجہ دُشام کے جاسوس نے کہا۔ ''ابھی بتاتے ہیں ہم کون ہیں؟''

یہ الفاظ سنتے ہی ناگ پال سمجھ گیا کہ وہ جال میں پھنس گیا ہے۔ راجہ دُشام کے جاسوس

نے اُونچی آواز میں کہا۔

''سپاہیو! اندر آ جاؤ۔''

ایک دم سے چار سپاہی نیزے اور خنجر ہاتھ میں لئے کمرے میں گھس آئے اور اُنہوں نے ناگ پال کو قابو کر کے اُس کے ہاتھ پیچھے کر کے رسّی سے باندھے۔ ایک رسّی اُس کی گردن میں ڈالی اور اُسے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔

راجہ دُشام کے سپاہی، ناگ پال کو گرفتار کر کے راجہ کے پاس لے گئے۔ دونوں جاسوس بھی اُن کے ساتھ تھے۔ راجہ وشالا کے جاسوس نے سر کو جھکا کر کہا۔

''مہاراج! یہی وہ سپیرا ہے جس کی ہمارے مہاراج وشالا کو تلاش تھی۔ اور جس کی گرفتاری کے لئے ہمارے مہاراج نے آپ کو خط لکھا تھا۔''

راجہ دُشام نے تصدیق کی خاطر پوچھا۔

''کیا تمہیں پورا وشواش ہے کہ یہی وہ سپیرا ہے جس کو پکڑنے کے لئے ہمارے دوست راجہ وشالا نے ہمیں خط لکھا تھا؟''

وشالا کا جاسوس بولا۔

''مجھے پورا وشواش ہے مہاراج! میں اس سپیرے کو شاہی محل میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔''

راجہ دُشام نے اسی وقت حکم دیا کہ اس سپیرے یعنی ناگ پال کو زنجیروں میں جکڑ کر ہندوستان کے راجہ وشالا کے محل میں پہنچا دیا جائے۔ سینا پتی بھی وہاں موجود تھا۔ راجہ دُشام کے سینا پتی سے مخاطب ہو کر کہا۔

''سینا پتی جی! آپ اس سپیرے کو اپنی نگرانی میں لے کر وشالا جائیں گے۔ وہاں جا کر ہمارے دوست راجہ وشالا سے کہنا کہ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اس کے مجرم کو پکڑ کر اس کے حوالے کر رہے ہیں۔''

ناگ پال کو زنجیروں میں جکڑ کر راتوں رات ایک شاہی بادبانی جہاز میں بٹھا کر ہندوستان کے جنوبی ساحل کے شہر وشالا کے راجہ کے محل میں پہنچا دیا گیا...... راجہ وشالا، ناگ پال کو اپنے سامنے دیکھ کر خوش ہوا کہ رعایا اور شاہی دربار کی نظروں میں اُس کی عزت اور وقار پامال ہونے سے بچ گیا ہے۔ اور جس شخص کو اس نے خود دربار میں شاہی طبیب اور شاہی وید کا منصب عطا کیا تھا وہ فرار ہونے کے بعد واپس اس کے پاس پہنچا دیا گیا ہے۔

راجہ وشالا نے حکم دیا کہ اس شاہی وید کی زنجیریں کاٹ دی جائیں۔ اور اس خیال سے کہ کہیں یہ شاہی وید یعنی ناگ پال دوبارہ فرار نہ ہو جائے یہ حکم بھی دیا کہ شاہی وید کو محل کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے۔ لیکن اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے۔

○

دوسری طرف چمپا کلی، ناگ پال کے انجام سے بے خبر تھی۔ وہ سخت پریشان تھی کہ رات آدھی سے بھی زیادہ گزر چکی ہے، ناگ پال ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ اتنے میں ایک لونڈی دوڑی ہوئی آئی اور اُس نے چمپا کلی کو یہ خبر سنائی کہ راجہ کے سپاہی، جوگی سپیرے کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ چمپا کلی وہیں دل پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سمجھ گئی کہ دشمن اپنی سازش میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اب شاید ناگ پال سے کبھی ملنا نہ ہو...... اُس نے اپنا سر پیچھے پلنگ کی پشت سے لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کی بند آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ناگ پال نے اُسے بتا دیا تھا کہ راجہ وشالا کے سپاہی اُس کی تلاش میں سری لنکا پہنچ گئے ہیں اور اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور وہ کسی بھی وقت پکڑا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ناگ پال جتنی جلدی ہو سکے چمپا کلی کو لے کر اس ملک سے کسی دُور دراز ملک کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن قسمت نے اُس کا ساتھ نہ دیا اور عین وقت پر گرفتار ہو گیا۔

چمپا کلی تو پہلے ہی سے سوداگر کی حویلی میں قید و بند کی صعوبتیں اُٹھا رہی تھی۔ اب ناگ پال کا غم بھی اس میں شامل ہو گیا۔ چمپا کلی کی زندگی میں ناگ پال کے مل جانے سے اُمید کی جو ایک کرن روشن ہوئی تھی وہ بھی بجھ گئی تھی۔ چمپا کلی کو اپنے اردگرد اندھیرے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن اب ایک نیا خطرہ اُسے پریشان کر رہا تھا۔ یہ حقیقت اُس پر کھل چکی تھی کہ اس حویلی میں سندری جو کبھی سوداگر موتنگا کی چہیتی کنیز تھی اور جسے اب سوداگر موتنگا منہ نہیں لگاتا تھا، چمپا کلی کی جان کی دشمن ہو گئی تھی۔ اور اُسی نے اُسے سانپ سے ڈسوا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ دوبارہ بھی اُس کی جان لینے کی کوشش کر سکتی تھی۔ چمپا کلی نے محلاتی سازشوں کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اور ان سازشوں سے نمٹنے کی اس میں کافی سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی تھی۔ وہ حویلی سے باہر نہیں جا سکتی تھی اور اسی حویلی میں اُس کی جان کی دشمن سندری بھی موجود تھی۔ دریا میں رہ کر وہ مگرمچھ سے بیر نہیں رکھ سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے مگرمچھ سے دوستی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلے چمپا کلی، سندری کو دیکھ کر منہ دوسری طرف کر لیتی تھی۔ اب اُس نے سندری کی طرف سے اپنا رویہ بدل لیا۔ وہ اُسے خندہ پیشانی سے ملتی۔ چمپا کلی حویلی میں بند ضرور تھی مگر سوداگر موتنگا اُس کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ تجارت کا سامان لے کر آتا تو چمپا کلی کے لئے خوشبوئیں اور قسم قسم کے ریشمی کپڑے لے کر آتا۔ چمپا کلی نے ایک روز سندری کو خوشبویات اور ریشمی کپڑوں کا تحفہ دیا تو سندری نے چمپا کلی کی طرف ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''چمپا! یہ تم اچانک مجھ پر اتنی مہربان کیسے ہو گئی ہو؟ چند دن پہلے تو تم مجھے دیکھ کر منہ دوسری طرف کر لیا کرتی تھیں۔''

چمپا کلی نے بڑی سیاست سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''سندری! میں سمجھے ہوئی تھی کہ تم مجھ سے حسد کرتی ہو۔ مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ بس پھر میں بھی تم سے دُور رہنے لگی۔ لیکن کچھ دن ہوئے میرے گورو جی میرے سپنے میں آئے۔ اُنہوں نے کہا چمپا کلی! سندری تمہاری دشمن نہیں ہے۔ وہ تمہاری خیر خواہ ہے۔ اس سے نفرت کرنا چھوڑ دے۔ تب مجھے بڑا پچھتاوا لگا کہ میں تمہیں کتنا غلط سمجھ رہی تھی۔ اب میرے دل میں تمہارے لئے سوائے محبت، پیار کے اور کچھ نہیں ہے۔''

سیاست میں سندری، چمپا کلی سے دس قدم آگے تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ چمپا کلی جھوٹ بول رہی ہے اور محض اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے ایسا کہہ رہی ہے۔ سندری نے یہی ظاہر کیا کہ اُسے چمپا کلی کی وضاحت پر دل سے یقین آ گیا ہے۔ اُس نے چمپا کلی کو آگے بڑھ کر اپنے گلے سے لگا لیا اور کہا۔

''میں بھی کتنی نادان تھی کہ خواہ مخواہ تم سے حسد کرنے لگی۔ اب میرا دل بھی تمہاری طرف سے صاف ہو گیا ہے۔ ہم دونوں آج سے پکی سہیلیاں ہیں۔''

عجیب بات ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے گلے مل رہی تھیں، دونوں ایک دوسری کو یقین دلا رہی تھیں کہ ان کے دل صاف ہو گئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ دونوں کے دل ایک دوسری کے لئے صاف نہیں تھے۔ سندری اپنے اس فیصلے پر قائم تھی کہ چمپا کلی کو ہر حال میں اپنے راستے سے ہٹانا ہے۔ اور چمپا کلی نے بھی سندری سے چوکس رہنے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔

ناگ پال کی گرفتاری کے بعد سوداگر موتنگا کی حویلی میں رہنے والوں پر آنے جانے کی پابندی لگائے رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ حویلی میں پھر سے آزادی کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اور ہر کوئی آ جا سکتا تھا۔ صرف چمپا کلی کو حویلی سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ سوداگر موتنگا کا شروع ہی سے اصول رہا تھا کہ جب وہ باہر کے کسی ملک سے کوئی کنیز یا لونڈی خرید کر لاتا تو اُس وقت تک اُس لونڈی کو حویلی کی چار دیواری میں پابند کر دیتا تھا جب تک کہ اُس کا جی اس لونڈی سے بھر نہیں جاتا تھا۔ سندری نے جادو ٹونہ کرنے والی اپنی پرانی سہیلی چندرانی سے باقاعدہ رابطہ رکھا ہوا تھا۔ وہ اُس سے چمپا کلی کے خلاف کوئی ایسا جادو ٹونہ کروانا چاہتی تھی کہ اس کے اثر سے چمپا کلی آہستہ آہستہ گھل گھل کر مرے، ایک دم سے موت نہ آئے۔ تا کہ اس پر کوئی شک نہ کر سکے۔ اب سندری حویلی کے باہر جا سکتی تھی اس لئے وہ خود چھپ کر جادو ٹونہ کرنے والی چندرانی سے جا کر ملی اور اُسے سارا حال بتایا۔

چندرانی نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔

''میں سمجھ گئی ہوں سندری تم کیا چاہتی ہو۔ میرے پاس ایک ایسا ٹونہ ہے جس کے اثر سے چمپا کلی کو ایک دم موت نہیں آئے گی۔ پہلے اسے ہلکا ہلکا بخار رہنے لگے گا۔ کسی دوا سے یہ بخار ختم نہیں ہو گا۔ اس کے بعد چمپا کلی کے پیٹ میں درد رہنے لگے گا۔ پیٹ کا یہ درد بھی کسی

دوائی سے دُور نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی چمپاکلی اندر ہی اندر گھلنے لگے گی۔ کچھ مہینوں کے بعد وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جائے گی اور سوداگر موتنگا خود ہی اُسے حویلی سے نکال کر جنگل میں پھنکوا دے گا۔ تمہیں اس کو ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور تمہارے راستے کی رُکاوٹ بھی ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے گی۔''

سندری کو چندرانی کی یہ تجویز دل سے پسند آئی۔ کہنے لگی۔

''تم فوراً مجھے یہ جادو ٹونہ بتاؤ!''

چندرانی نے ایک بُغچی میں سے مٹی کا ایک گھوگھو نکالا۔ یہ اس قسم کا گھوگھو تھا کہ جس کو اُس زمانے کے بچے پھونک مار کر بجاتے اور اُس سے کھیلتے تھے۔ اُس زمانے کے غریب بچوں کے یہی کھلونے ہوا کرتے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس قسم کے گھوگھو کچھ عرصہ پہلے ہمارے محلوں میں گھوگھو گھوڑے بیچنے والی عورتیں بیچا کرتی تھیں۔ اس کھلونے کا سائز چھوٹے بچے کی بند مٹی کے برابر تھا۔ چندرانی نے مٹی کا کھلونا اپنے سامنے رکھا اور اس پر جادو ٹونے کے منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔ کچھ دیر تک وہ منتر پھونکتی رہی، پھر اُسے کپڑے میں لپیٹ کر سندری کو دیا اور کہنے لگی۔

''اسے چمپاکلی کے پلنگ کے نیچے کسی جگہ چھپا کر رکھ دو اور خاموشی سے اس کا اثر دیکھو۔''

سندری نے پوچھا۔ ''اس کا اثر کب ظاہر ہونا شروع ہو گا؟''

چندرانی بولی۔ ''اگر آج رات تم اسے چمپاکلی کے پلنگ کے نیچے چھپا دو گی تو ایک ہفتے کے بعد یہ اثر کرنا شروع کر دے گا۔''

سندری جادو ٹونے والا کھلونا لے کر حویلی میں واپس آ گئی۔ اس رات اُسے چمپاکلی کے کمرے میں جا کر کھلونا پلنگ کے نیچے چھپانے کا موقع نہ مل سکا۔ اُس نے یہ کام دوسرے دن پر ڈال دیا۔

دوسری طرف چمپاکلی بھی سندری سے غافل نہیں تھی۔ وہ خوب جانتی تھی کہ سندری اُسے ہلاک کرنے کے لئے کوئی نئی منصوبہ بندی ضرور کرے گی۔ چنانچہ وہ بڑی محتاط ہو گئی تھی سندری کی نقل و حرکت پر برابر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ اگر سندری اُس کے واسطے کچھ کھانے پینے کو لاتی تو وہ جی خراب ہونے کا یا کوئی بہانہ بنا کر کہتی۔

''پیاری بہن! اس وقت کسی چیز کو دل نہیں چاہتا۔ رکھ دو، میں تھوڑی دیر بعد کھا لوں گی۔''

اور جب سندری چلی جاتی تو چمپاکلی وہ شے اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتی۔ حویلی میں گوپی نام کی ایک نوکرانی چمپاکلی کی گہری سہیلی بن گئی تھی۔ چمپاکلی نے گوپی کو بتا دیا تھا کہ سندری اُس سے دشمنی رکھتی ہے اور بہانے بہانے سے اُسے زہر دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ گوپی نے کہا تھا۔

''مالکن! تم کیوں فکر کرتی ہو؟ میں سندری کی نگرانی کرتی رہوں گی۔''

چنانچہ دوسرے روز چمپاکلی کے کمرے کو خالی دیکھ کر سندری کپڑے میں لپٹا ہوا جادو ٹونے والا کھلونا لے کر اُس کے کمرے میں آ گئی۔ چمپاکلی کی سہیلی اُسے چھپ کر دیکھ رہی تھی۔ جب وہ چمپاکلی کے کمرے میں چلی گئی تو گوپی جلدی سے راہداری والی کمرے کی کھڑکی کے پاس آ گئی اور اس کے بند کواڑوں کی ایک درز میں سے اندر دیکھنے لگی۔

سندری نے رُومال میں لپٹا ہوا کھلونا نکالا اور چمپاکلی کے پلنگ کے نیچے ایک طرف سے قالین کا کونہ اُٹھا کر اُسے اچھی طرح سے اس کے نیچے چھپا دیا۔ جب سندری مطمئن ہو گئی کہ کھلونا باہر سے نظر نہیں آئے گا تو وہ دبے پاؤں کمرے سے نکل گئی۔ اس وقت چمپاکلی حویلی کے تالاب پر اشنان کرنے گئی ہوئی تھی۔ جب وہ اشنان کر کے اپنے کمرے میں واپس آئی تو گوپی بھی اُس کو پھول دینے کے بہانے آ گئی۔ چمپاکلی پھولوں کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔

''کتنے سندر ہیں پھول۔''

گوپی نے پھولوں کا گلدستہ چمپاکلی کو دیا اور اُس کے سامنے قالین پر بیٹھ گئی اور بولی۔

''چمپا جی! پھول دینے کا تو ایک بہانہ تھا۔ میں آپ کو ایک اور بات بتانے آئی ہوں۔''

چمپاکلی نے پوچھا۔ ''کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے؟''

گوپی بولی۔

''جب آپ اشنان کرنے گئی ہوئی تھیں تو میں نے سندری کو آپ کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ اُس نے کمرے میں جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ میں دوڑ کر آپ کے کمرے کی راہ داری میں کھلنے والی کھڑکی کی درز میں سے جھانک کر دیکھنے لگی۔''

''کیا دیکھا تم نے؟'' چمپاکلی نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

گوپی نے کہا۔

''میں نے دیکھا کہ سندری نے کپڑے میں لپٹا ہوا مٹی کا ایک کھلونا نکالا اور اسے آپ کے پلنگ کے نیچے قالین کا کونہ اُٹھا کر اندر چھپا دیا اور پھر کمرے سے نکل گئی۔ آپ ذرا پلنگ کے نیچے قالین کا کونہ اُٹھا کر پلنگ کے سرہانے کی طرف دیکھیں۔''

چمپاکلی جلدی سے پلنگ سے اُٹھی اور سرہانے کی جانب بیٹھ کر فرش پر بچھے ہوئے بھاری قالین کا کونہ اُٹھایا تو اس کے نیچے مٹی کا ایک گھگھو پڑا تھا۔ گوپی بولی۔

''مالکن! اس کھلونے پر سندری نے ضرور کوئی جادو ٹونہ کیا ہے۔''

چمپاکلی پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ اس پر جادو ٹونہ کیا ہوا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ بچوں کے کھیلنے کا عام کھلونا لگتا ہے۔''

گوپی بڑی ہوشیار لڑکی تھی۔ کہنے لگی۔

''مالکن! میرا ایک چچا ہے۔ وہ جادو ٹونے کا کام کرتا ہے۔ میں کھلونا اُسے جا کر دکھاتی ہوں۔ اگر سچ مچ اس پر جادو ٹونہ کیا ہوا ہے تو وہ بتا دے گا۔''

چمپا کلی کچھ سوچنے لگی۔ پھر اُس نے گوپی سے کہا۔

''پہلے تم ایک کام کرو۔ بازار جا کر اسی طرح کا ایک مٹی کا کھلونا لا کر مجھے دو۔ میں اسے قالین کے نیچے چھپا دوں گی تا کہ اگر سندری اپنی تسلی کرنے اسے چھپ کر آ کر دیکھے تو وہ مطمئن ہو جائے کہ کھلونا اپنی جگہ پر موجود ہے۔ پھر تم سندری کا رکھا ہوا مٹی کا یہ کھلونا اپنے چچا کو جا کر دکھاؤ۔''

گوپی بولی۔ ''مالکن! آپ نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔ میں ابھی بازار جا کر ایسا ہی ایک کھلونا لے آتی ہوں۔''

گوپی اُٹھ کر چلی گئی۔ چمپا کلی نے سندری والا مٹی کا کھلونا واپس قالین کے نیچے چھپا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گوپی بازار سے واپس آئی تو اُس نے اپنی چادر کے اندر سے مٹی کا ویسا ہی کھلونا نکال کر چمپا کلی کو دیا جیسا سندری نے جادو کروا کر چمپا کلی کے پلنگ کے نیچے چھپایا تھا۔ چمپا کلی نے مٹی کا نیا کھلونا پلنگ کے نیچے قالین تلے چھپا دیا اور جادو کیا ہوا مٹی کا کھلونا گوپی کو دے کر کہا۔

''اسے دکھا کر معلوم کرو کہ اس پر کس قسم کا جادو ٹونہ کیا گیا ہے؟''

گوپی اسی وقت چلی گئی۔ گوپی کے چچا کا گھر راجدھانی میں حویلی سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ گوپی نے چچا کو جا کر سندری والا مٹی کا کھلونا یعنی گھگھو دکھایا اور کہا۔

''چچا! کسی دشمن نے یہ کھلونا میری مالکن کے پلنگ کے نیچے چھپا کر رکھ دیا تھا۔ مالکن کو شبہ ہے کہ اس پر جادو ٹونہ کیا ہوا ہے۔ تم ذرا دیکھ کر بتاؤ کہ کیا سچ مچ اس پر جادو کیا ہوا ہے؟''

چچا جادو ٹونے کا بڑا ماہر تھا۔ وہ اُڑتے پرندے کو دیکھ کر بتا دیتا تھا کہ اس پرندے پر کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔ اُس نے سندری والے مٹی کے کھلونے کو غور سے اُلٹ پلٹ کر دیکھا، پھر اُس پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا تو مٹی کا کھلونا ہلنے لگ گیا۔ جادوگر چچا کچھ دیر ٹکٹکی باندھے کھلونے کو ہلتے دیکھتا رہا۔ جب کھلونا ہلتے ہلتے رُک گیا تو اُس نے گوپی سے کہا۔

''بیٹی! تمہاری مالکن کے کسی دشمن نے اس پر ایسا خطرناک جادو ٹونہ کیا ہے کہ اس کے اثر سے تمہاری مالکن کو پہلے بخار چڑھتا، پھر اس کے پیٹ میں درد شروع ہو جاتا اور پھر چند مہینوں کے اندر اندر وہ گھل گھل کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جاتی۔ اسے فوراً سمندر میں پھینک آؤ۔''

''میں ایسا ہی کروں گی چچا!''

اتنا کہہ کر گوپی مٹی کا کھلونا لے کر حویلی میں آ گئی۔ اُس نے چمپا کلی سے کہا۔

''مالکن! آپ کا شک درست نکلا۔ اس کھلونے پر سندری نے کسی سے جادو ٹونہ کرایا ہوا ہے۔ چچا نے اس پر منتر پڑھ کر پھونکا تو یہ ہلنے لگا۔ چچا نے کہا ہے کہ اس پر جو ٹونہ کیا گیا ہے اس کے اثر سے آدمی کو پہلے ہلکا بخار چڑھتا ہے، پھر اس کو پیٹ درد کی بیماری لگ جاتی ہے اور اس کے بعد وہ آدمی دیکھتے دیکھتے اندر ہی اندر گھل کر ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاتا ہے۔ میرے چچا نے کہا ہے کہ اسے فوراً سمندر میں غرق کر دو۔''

چمپا کلی نے گوپی سے کہا کہ وہ جادو ٹونے والے کھلونے کو جا کر فوراً سمندر میں پھینک آئے۔ سمندر حویلی سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ گوپی نے مٹی کے کھلونے کو اپنی چادر کے اندر چھپایا اور سمندر کی طرف چل پڑی۔ ایک جگہ سمندر کی بڑی بڑی موجیں دُور دُور سے آ کر ایک چٹان سے ٹکراتی تھیں۔ گوپی چٹان کے اُوپر چڑھ گئی اور اُس نے سندری والا مٹی کا گھگھو سمندر میں پھینک دیا۔

چمپا کلی، سندری پر یہی ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ اس پر کھلونے کے جادو کا اثر ہونا شروع ہو گیا ہے، تا کہ سندری اطمینان سے بیٹھی رہے اور چمپا کلی پر کوئی دوسرا مہلک وار کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے ساتھ ہی چمپا کلی نے اس حویلی سے فرار ہونے کا پکا فیصلہ کر لیا۔ اب چمپا کلی صبح شام یہی سوچتی رہتی کہ حویلی سے کیسے فرار ہوا جائے؟ اس حویلی میں ایک ہی ایسی عورت تھی جس سے وہ اپنے دل کی بات کر سکتی تھی اور وہ گوپی تھی۔ مگر اس نے گوپی کو بھی نہ بتایا کہ وہ حویلی سے فرار ہونے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر کہیں گوپی کی زبان سے یہ بات غلطی سے بھی نکل کر کسی دوسرے کے کان میں پڑ گئی تو پھر شاید وہ کبھی اس حویلی کی قید سے آزاد نہ ہو سکے۔ اس حویلی میں چمپا کلی دل میں صرف یہی ایک اُمید لئے بیٹھی تھی کہ شاید کبھی ناگ پال سے اُس کا ملاپ ہو جائے۔ اب یہ اُمید بھی جاتی رہی تھی۔ اب حویلی کی چار دیواری اُسے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ اور پھر اس حویلی میں ایک عورت اُس کی جان کی دشمن بن کر بیٹھ گئی تھی۔ اب چمپا کلی کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ اس حویلی سے جتنی جلدی ہو سکے چھٹکارا حاصل کر لے۔

لیکن اس کے لئے اُسے وقت چاہئے تھا اور اس دوران وہ سندری کو اس شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس پر جادو والے مٹی کے کھلونے کا اثر نہیں ہو رہا۔ چمپا کلی نے گوپی کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

''گوپی! میں نہیں چاہتی کہ سندری کو یہ پتہ چلے کہ اس کے جادو ٹونے والے کھلونے کا مجھ پر اثر نہیں ہو رہا۔ چنانچہ کل سے میں جھوٹ موٹ کا بخار چڑھا لوں گی۔ اس طرح سندری کو یقین ہو جائے گا کہ اس کے جادو نے اثر کرنا شروع کر دیا ہے۔''

گوپی نے کہا۔

''لیکن مالکن! یہ ناٹک آپ کب تک کر سکیں گی؟ ایک نہ ایک دن تو سندری پر یہ راز کھل جائے گا کہ اس کے کھلونے کا جادو اثر نہیں دکھا رہا۔ کیونکہ بخار میں بھی آپ ویسے کی ویسی صحت مند رہیں گی۔''

چمپا کلی نے گوپی کو یہ نہ بتایا کہ اُسے حویلی سے نکل بھاگنے کے لئے کچھ وقت چاہئے تاکہ وہ وہاں سے فرار کا کوئی کارگر طریقہ سوچ سکے۔ اُس نے کہا۔

''تم ایسا کرنا کہ اس عرصے میں اپنے چچا سے کہنا کہ وہ مجھے کوئی جادو ٹونہ بتا دے جس سے میں سندری کے جادو کا توڑ کر سکوں۔''

یہ بات گوپی کی سمجھ میں آ گئی۔ کہنے لگی۔

''لیکن آپ اپنے اُوپر بخار کیسے چڑھائیں گی؟''

چمپا کلی نے کہا۔

''میں نے ایک سادھو کی زبانی سنا تھا کہ اگر آدمی دن میں چھ سات کچے پیاز کھا لے تو اس کے جسم کی حرارت تیز ہو جاتی ہے اور اسے بخار ہو جاتا ہے۔ میں کل صبح سے شام تک چھ کچے پیاز کھا جاؤں گی۔''

چنانچہ چمپا کلی نے ایسا ہی کیا۔ اُس نے صبح سے شام تک چھ کچے پیاز کھا لئے۔ رات کو اُسے بخار ہو گیا۔ سوداگر موتنگا نے اُسی وقت ایک طبیب کو بلا کر چمپا کلی کی نبض دکھائی۔ طبیب نے کہا۔ ''گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ معمولی بخار ہے۔ میں دوائی دے دیتا ہوں۔ یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

طبیب نے ایک پسی ہوئی جڑی بوٹی کا سفوف دیا اور چمپا کلی سے کہا۔

''اسے پانی کے ساتھ دن میں چار بار کھا لینا۔''

سوداگر موتنگا نے دوائی کی ایک خوراک خود چمپا کلی کو کھلائی اور اس کی خاص نوکرانی گوپی کو تاکید کی کہ باقی کی دوائی وقت پر چمپا کو کھلا دینا۔ چمپا کلی نے دوائی کی ایک ہی خوراک کھائی اور باقی چھپا دی۔ مگر دوسرے دن اُس نے دوبارہ چار پانچ کچے پیاز کھا لئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کا بخار کم نہ ہوا۔ سندری کو چمپا کلی کے بخار کی خبر ہوئی تو وہ بڑی خوش ہوئی کہ جادو نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔ بس اب چمپا کلی اس حویلی میں چند روز کی مہمان ہے۔ اس کے بعد سندری کا ہی راج ہوگا۔

حالات اگر معمول کے مطابق ہوں اور صورت حال سنگین نہ ہو تو انسان کسی منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر اچھی طرح سے غور و فکر کرتا ہے۔ لیکن جب موت کا مرحلہ درپیش ہو تو انسان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے منصوبے کی پیچیدگیوں کی طرف توجہ دے سکے۔ چمپا کلی کو بھی زندگی اور موت کا مرحلہ درپیش تھا۔ ناگ پال اُس سے نہ

معلوم مدت کے لئے جدا ہو چکا تھا اور حویلی میں ایک زہریلا دشمن چمپا کلی کو ہلاک کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا۔ موت چمپا کلی کے سر پر کھڑی تھی۔ اُس کے پاس غور و فکر کرنے کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہ جان کی بازی لگا کر بھی سوداگر کی خونی حویلی سے نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے فرار کا کسی سے مشورہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اُسے جو کچھ کرنا تھا اکیلی کو ہی کرنا تھا۔

چمپا کلی نے ایک لمحے کے لئے حویلی کے معمولات کا جائزہ لیا۔

حویلی میں بہت کم لوگوں کا آنا جانا تھا۔ کھانے پینے اور روزمرہ استعمال کی چیزیں حویلی کے بھنڈار میں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ سوداگر موتنگا اپنے کاروبار کے سلسلے میں بہت کم حویلی سے باہر نکلتا تھا۔ اہم کاروباری امور پر بات کرنے کے لئے چھوٹے موٹے تاجر خود اُس سے ملنے حویلی میں آ جاتے تھے۔ جھوٹا بخار چڑھا کر چمپا کلی بھی اپنے کمرے میں لیٹی رہتی تھی۔ پیاز کھانے کی وجہ سے اُس کو ہلکی حرارت ضرور ہو جاتی تھی لیکن اُسے کمزوری ایک لمحے کے لئے بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

رات کو وہ اپنے بستر پر اکیلی لیٹی تھی۔ کھڑکی کی سلاخوں میں سے آسمان پر نکلا ہوا چاند نظر آ رہا تھا۔ اچانک چمپا کلی کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا وہ بستر سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کر اُس کا جائزہ لینے لگی۔ کھڑکی میں چھ آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اُس نے چہرہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر نیچے دیکھا۔ یہ دوسری منزل کی کھڑکی تھی۔ نیچے وہی کھائی تھی جو سندری کی کھڑکی کے نیچے سے ہوتی ہوئی چمپا کلی کے کمرے کی کھڑکی کے نیچے سے ہو کر آگے ساحل سمندر کی طرف نکل جاتی تھی۔ چمپا کلی نے ایک سلاخ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ سلاخ بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ پر لگی ہوئی تھی۔ وہ بستر پر واپس آ کر لیٹ گئی۔ اُس کا ذہن کھڑکی کی سلاخوں کے بارے میں بڑی تیزی سے سوچنے لگا تھا۔ اگر کسی طرح کھڑکی کی تین سلاخیں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو چمپا کلی اس کھڑکی میں سے نیچے اُترنے کی کوئی تدبیر کر سکتی تھی۔

جب آدمی کی جان پر بنی ہو تو وہ سلاخیں کیا پہاڑ بھی کاٹ سکتا ہے۔

کھڑکی پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ اگر چمپا کلی ایک دو سلاخیں کاٹنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو پردہ آگے کر دینے سے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ چمپا کلی نے پہلے تو سلاخوں کو کاٹنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہوئی۔ اب اُس نے تین چار سلاخوں کو چن لیا اور انہیں اپنی جگہ سے اُکھاڑنے کی کارروائی شروع کر دی۔ ایک دو راتوں کی کوشش کے بعد وہ کھڑکی کی تین سلاخیں اپنی جگہ سے اُکھاڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ سلاخیں اُوپر اُٹھا کر وہ کھڑکی میں سے نیچے کھائی میں اُتر سکتی تھی۔

اس کے بعد چمپا کلی نے اگلی ہی رات حویلی سے فرار کا فیصلہ کر لیا !

بستر کی دو چادریں پھاڑ کر اُن کا ایک رسہ بنایا اور ایک طرف چھپا کر رکھ دیا۔ اگلی رات اُسے فرار ہونا تھا۔ روپے پیسے کی چمپا کلی کے پاس کمی نہیں تھی۔ اُس نے مخمل کی ایک تھیلی میں سونے کے سکوں کے علاوہ ناگ پال کی دی ہوئی راجہ وشالا کی بانجھ رانی کی ہیرے کی انگوٹھی بھی رکھ لی۔ لباس اُس نے سیاہ رنگ کا منتخب کیا تاکہ رات کے وقت وہ اپنے آپ کو چھپا سکے۔ سری لنکا کی بندرگاہ سے رات کے وقت بھی بڑی کشتیاں تجارت کا سامان لے کر ہندوستان کی ساحلی بندرگاہ کو جاتی تھیں۔ اس بارے میں چمپا کلی نے پوری معلومات حاصل کر رکھی تھیں۔ جس رات اُسے حویلی سے نکلنا تھا اُس رات وہ شام کو ہی بخار کا بہانہ بنا کر بستر پر لیٹ گئی۔ سوداگر موتنگا کچھ دیر کے لئے اُس کی عیادت کو آیا اور تھوڑی دیر اُس کے پاس ٹھہر کر چلا گیا۔ سندری بھی منہ رکھنے کو اُس کی عیادت کے لئے آئی۔ اوپر سے چمپا کلی کی بیماری پر بڑی تشویش کا اظہار کر رہی تھی مگر اندر سے خوش تھی کہ اُس کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا ہے۔ اور اس کا جادو ٹونہ چمپا کلی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ کھڑکی پر پردہ گرا ہوا تھا۔ چمپا کلی کو یہ فکر تھی کہ سندری کہیں اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی تو اُسے اُکھڑی ہوئی تین سلاخیں صاف نظر آ جائیں گی۔ چنانچہ اُس نے سندری کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگائے رکھا اور اُس کی تعریف کرتی رہی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے سندری جیسی سہیلی مل گئی ہے۔ سندری بھی کچھ دیر رُکنے کے بعد چلی گئی۔ نوکرانی گوپی چمپا کلی کے پاس ہی تھی۔ جب رات گہری ہوگئی تو چمپا کلی نے اُسے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ مجھے نیند آ رہی ہے اب تم بھی جا کر آرام کرو۔

گوپی بھی چلی گئی۔ جب چمپا کلی کمرے میں تنہا رہ گئی تو وہ بستر سے اُٹھ کر دبے پاؤں کھڑکی کے پاس گئی۔ پردہ ہٹا کر اُکھڑی ہوئی سلاخوں کو دیکھا اور واپس بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ شہر میں آدھی رات گزرنے کا گجر بجتا تھا۔ چمپا کلی کو اس کا انتظار تھا۔ جب رات آدھی گزری تو گجر بجنے کی آواز چند سیکنڈ کے لئے گونج کر خاموش ہوگئی۔ چاروں طرف ایک سکوت چھا گیا۔ چمپا کلی کی خواب گاہ میں زیتون کے تیل کا چاندی کا چراغ جل رہا تھا جس کی لو اُس نے دھیمی کر رکھی تھی۔ چمپا کلی کے فرار کا وقت ہو گیا تھا۔ بستر سے اُٹھ کر اُس نے پلنگ کے نیچے سے بٹی ہوئی بستر کی چادروں کا رسا نکالا اور اُس کا ایک سرا کھڑکی کی باقی تین سلاخوں کے ساتھ پکا کر کے باندھ دیا۔ مخمل کی چھوٹی تھیلی جس میں اُس نے سونے کے کچھ سکے اور کچھ قیمتی موتی اور وشالا کے راجہ کی بانجھ رانی کی ہیرے کی انگوٹھی رکھی ہوئی تھی اسے اچھی طرح سے اپنی ساڑھی کے اندر چھپا کر رکھ لیا۔ ایک نظر کھڑکی کے نیچے ڈالی، نیچے گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ واضح طور پر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اُسے معلوم تھا کہ دوسری منزل کے بعد نیچے گہری کھائی ہے۔ اُس نے چادر کا رسا کھڑکی کے باہر لٹکا دیا۔ سفید رسا نیچے کچھ دُور تک نظر آ رہا تھا۔

چمپا کلی نے آنکھیں بند کر کے اپنے دیوتاؤں کو یاد کیا اور رسے کا ایک بل اپنی کمر کے گرد ڈال کر اُسے پکڑ کر بڑی احتیاط کے ساتھ کھڑکی میں سے نکل کر نیچے لٹک گئی۔ اُس کے دونوں ہاتھوں پر اُس کے جسم کا پورا بوجھ پڑ رہا تھا۔ چمپا کلی نے دونوں پاؤں دیوار کے ساتھ ٹکا دیئے اور آہستہ آہستہ نیچے اُترنا شروع کر دیا۔ وہ رُک رُک کر رسا چھوڑتی جا رہی تھی اور نیچے اُترتی جا رہی تھی۔ اس طرح وہ ایک منزل نیچے اُتر گئی، پھر دوسری منزل بھی اُتر گئی۔ جہاں دوسری منزل ختم ہوتی تھی وہاں حویلی کی دیوار کے ساتھ پتھروں کو جوڑ کر تین فٹ چوڑا راستہ بنا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں چمپا کلی کو کچھ علم نہیں تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ سیدھی کھائی میں اُترے گی۔ اب جو اُس نے پتھروں کی بنی دیکھی تو کھائی میں اُترنے کی بجائے رسا چھوڑ کر دیوار کو پکڑ کر تین فٹ چوڑے راستے پر چلنے لگی۔ رات کی تاریکی میں وہ بے حد سنبھل سنبھل کر قدم اُٹھا رہی تھی۔ کیونکہ اُس کی ایک طرف گہری کھائی تھی۔ ذرا سی بے احتیاطی اُسے گہری کھائی میں گرا سکتی تھی۔ کھائی کی تاریک گہرائی میں سے جھینگروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ حویلی کی دیوار سے چمٹی قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ جہاں دیوار ایک طرف گھوم گئی تھی وہاں کھائی کے اُوپر تختے ڈال کر پُل سا بنایا ہوا تھا۔ چمپا کلی جھک کر تیز تیز قدم اُٹھاتی پُل کے اُوپر سے گزر گئی۔ آگے ناریل کے درختوں کے نیچے سے بندرگاہ کی طرف ایک راستہ جاتا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں کے ساتھ اندھیرے میں اُس راستے پر چل پڑی۔

○○○

بندرگاہ پر کہیں کہیں بڑی مشعلیں روشن تھیں۔

اُن کی روشنیوں میں تجارتی جہاز کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ اُن کے بادبان اپنے اپنے مستولوں کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے اور وہ سمندر کی موجوں پر آہستہ آہستہ ڈول رہے تھے۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ دُور تک پھیلے ہوئے سمندر پر گہرا سکوت طاری تھا۔ اس خاموشی میں ایک جانب سے لوگوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چمپاکلی اُس طرف چلنے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس طرف سے رات کے وقت روزمرہ کے استعمال کے سامان سے لدی ہوئی بڑی کشتیاں ہندوستان کے تکونی ساحل کی طرف جاتی ہیں۔ یہ کشتیاں اُس زمانے کے کولمبو کی بندرگاہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے ہندوستان کی جنوبی تکون تک پہنچتی تھیں۔

ایک بڑی کشتی پر سامان لادا جا رہا تھا۔

کچھ مسافر بھی اس پر سوار تھے جن میں عورتیں بھی تھیں۔ ایک آدمی اپنی نگرانی میں سامان لدوا رہا تھا۔ چمپاکلی نے اُس سے بات کی اور چاندی کا ایک سکہ بطور کرایہ دے کر وہ بھی کشتی میں بیٹھ گئی۔ کشتی کے وسط میں اُونچا مستول لگا تھا جس کے ساتھ بادبان لپٹا ہوا تھا۔ جب کشتی روانہ ہونے لگی تو بادبان کھول دیا گیا۔ بادبان میں جیسے ہی خشکی کی جانب سے سمندر کی طرف چلنے والی ہوا بھری، کشتی چل پڑی۔ باقی کی ساری رات کشتی سری لنکا کے ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں سفر کرتی رہی۔ دن کا اُجالا ہوا تو کشتی ہندوستان کے جنوبی ساحل کی بندرگاہ کے ساتھ جا کر لگ گئی۔ چمپاکلی کے لئے یہ علاقہ اجنبی تھا۔ مگر یہاں کے لوگ اجنبی نہیں تھے۔ یہ لوگ بھی دراوڑ تھے۔ چمپاکلی بھی دراوڑ تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جو ہندوستان کے شمال میں ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے گرد ونواح سے وقت کے ساتھ ساتھ نقل وطن کر کے بھارت کے جنوب میں آ کر آباد ہوتے رہے تھے۔ یہ بھی وہی زبان بولتے تھے جو موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ چمپاکلی کی زبان بھی یہی تھی۔

یہ لوگ بھی مختلف مظاہر فطرت کی پوجا کرتے تھے۔ مظاہر فطرت کے علاوہ قدیم دراوڑوں کی طرح یہ لوگ ناگ دیوتا کی بھی پرستش کرتے تھے۔ چمپاکلی ہندوستان کے جس ساحلی شہر میں وارد ہوئی تھی یہ وشالا تھا۔ جہاں راجہ وشالا حکومت کرتا تھا اور جس کے محل میں ناگ پال سری لنکا سے گرفتار کر کے لایا گیا تھا اور اب بار، قید و بند کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اُس کی

حیثیت شاہی وید ہی کی تھی۔ لیکن اس ڈر سے کہ ناگ پال دوبارہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے اور راجہ کی عزت اور وقار پر حرف نہ آئے اور وہ اپنی رعایا کی نظروں میں گر نہ جائے، راجہ نے ناگ پال کو قید میں ڈال رکھا تھا اور اُس کی سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ ان تمام باتوں کا چمپاکلی کو علم تھا۔ ناگ پال نے اُسے بتایا ہوا تھا کہ وشالا کے راجہ کے جاسوس اُس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اگر وہ پکڑا گیا تو اُسے وشالا کے راجہ کے محل میں لے جا کر قید میں ڈال دیا جائے گا۔

اب چمپاکلی کے سامنے دو بڑے اہم کام تھے۔ پہلا کام اس اجنبی شہر میں اپنے لئے رہنے کا انتظام کرنا تھا۔ دوسرا کام کسی تدبیر سے ناگ پال تک پہنچنا اور اُسے راجہ کی قید سے نکالنا تھا۔ پہلے کام کا مرحلہ چمپاکلی نے بڑی آسانی سے طے کر لیا۔ وہ سیدھی شہر کے ناگ مندر میں پہنچ گئی اور وہیں مندر کے باہر یاتریوں کی ایک خالی کوٹھڑی میں ڈیرا جما لیا۔ وہ ناگاپورم شہر کے سب سے بڑے ناگ دیوتا کے مندر کی شاہی رقاصہ تھی اور اُسے وہ ناگ رقص بھی آتا تھا جو خاص خاص موقعوں پر صرف ناگ دیوتا کی مورتی کے آگے ہی کیا جاتا تھا اور جو کوئی کوئی دیوداسی ہی کر سکتی تھی۔ چمپاکلی کے لئے وشالا شہر کے ناگ مندر میں اپنا مقام بنانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ اُس نے ناگ دیوتا کی پجارن یاتری کی حیثیت سے شام کی پوجا کے وقت ناگ دیوتا کی مورتی کے آگے رقص کیا تو اُس کے رقص کی سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ وشالا شہر کی تہذیب اور زبان اگرچہ ہڑپہ اور موہنجوڈرو کی تہذیب اور کلچر کی ایک شاخ ہی تھی لیکن یہ دونوں شہر ہندوستان کے اس جنوبی شہر وشالا سے سینکڑوں میل کی مسافت پر واقع تھے۔ اور اس زمانے میں لوگ قافلوں کے ساتھ بیل گاڑیوں اور چھکڑوں پر سفر کرتے ہوئے کئی مہینوں میں یہاں پہنچتے تھے۔ طویل فاصلے اور راستے کے جنگلوں اور دریاؤں اور پہاڑوں کے دُشوار گزار سفر کے باعث ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے لوگ شاذ و نادر ہی اس شہر کا رُخ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے چمپاکلی کے پہچانے جانے کا خطرہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ویسے بھی چمپاکلی نے یہاں اپنا اصلی نام نہیں چھپایا تھا۔ چمپاکلی کے ناگ رقص کی وجہ سے وشالا کے ناگ مندر میں پوجا کرنے والے مرد اور عورتیں بڑھ چڑھ کر آنا شروع ہو گئیں اور مندر کے بڑے پجاری کی آمدنی میں ایک دم اضافہ ہو گیا۔ مندر کے بڑے پجاری کا نام سندرم تھا۔ سندرم نے چمپاکلی کو مندر میں ایک بڑی اعلیٰ جگہ رہائش کے لئے مہیا کر دی اور اُسے مندر کی خاص رقاصہ بنا لیا۔

چمپاکلی بھی یہی چاہتی تھی۔ اُس کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ اس شہر میں ناگ رقاصہ کے طور پر مشہور ہو جائے اور اس کی شہرت ناگ پال تک بھی پہنچ جائے۔ اسی وجہ سے اُس نے اپنا اصلی نام چمپاکلی نہیں چھپایا تھا تاکہ ناگ پال فوراً سمجھ جائے کہ اُس کی چمپاکلی وشالا شہر میں

پہنچ گئی ہے اور وہ کسی بہانے اس سے ملنے کی کوئی تدبیر کرے۔ علاوہ ازیں چمپا کلی نے اپنے طور پر بھی ناگ پال تک پہنچنے کی منصوبہ بندی پر سوچنا شروع کر دیا تھا۔ وشالا کے شاہی محل کی لونڈیاں اور نوکر چاکر اور اُن کی بیویاں ناگ مندر میں پوجا کرنے آتی تھیں۔ چمپا کلی نے کھوج لگانا شروع کیا کہ محل سے آنے والی عورتوں اور مردوں میں کن کا تعلق محل کے شاہی قید خانے سے ہے۔

بہت جلد اُس نے ایک ادھیڑ عمر عورت کا کھوج لگا لیا۔ اس عورت کا نام چندنی تھا اور وہ سینا پتی یعنی سلطنت کے وزیر جنگ کی بیوی کی خاص نوکرانی تھی۔ یہ عورت چندنی، چمپا کلی کے کام آ سکتی تھی۔ چمپا کلی کے لئے اس عورت سے تعلقات بڑھانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ناگ مندر میں اُس نے ناگ دیوتا کے سامنے اپنے ناگ رقص کی وجہ سے خاص مقام حاصل کر لیا تھا اور عورتیں چمپا کلی کو ناگ دیوتا کی دیوی سمجھ کر اس کی بھی پوجا کرتی تھیں۔ چندنی، مندر میں پوجا کرنے آتی تو چمپا کلی کو بھی ماتھا ٹیکتی اور پوجا کے پھول رکھتی۔ ایک روز وہ آئی تو چمپا کلی نے چندنی سے کہا۔

''چندنی! تم بڑی بھاگوان ہو۔ تمہارا اگلا جنم دیوی کا ہوگا۔''

چندنی کا تو چہرہ کھل اُٹھا۔ خوشی سے آنسو اُمڈ آئے۔ چمپا کلی کے پاؤں پڑ گئی۔ چمپا کلی نے اُسے اشیر واد دیا اور کہا۔

''تمہاری مالکن سینا پتی کی پتنی ہے نا؟''

''ہاں دیوی جی!'' چندنی ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''میرا بڑا خیال رکھتی ہے۔ پر افسوس وہ بے اولاد ہے۔ بڑے علاج کروائے مگر گود ہری نہیں ہوئی۔''

یہ سن کر چمپا کلی کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اُسے ایسے لگا جیسے وہ کنجی اس کے ہاتھ آ گئی ہے جس سے شاہی قید خانے کا دروازہ کھلتا ہے۔ اُس نے چندنی سے کہا۔

''اپنی مالکن سے کہنا مجھے آ کر ملے۔ میں ناگ دیوتا سے پرارتھنا کروں گی۔ ناگ دیوتا اُس کی گود ہری کر دیں گے۔''

چندنی نے فوراً سینا پتی کی بیوی کو جا کر یہ خوشخبری سنائی۔ سینا پتی کی بیوی درشنی اسی لمحے مٹھائی اور پھل پھول لے کر چمپا کلی کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ چمپا کلی کے چرن چھوئے اور ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئی۔ چمپا کلی نے کہا۔

''درشنی! تیرے سارے پاپ کٹ گئے ہیں۔ تیرے اچھے دن ضرور آئیں گے۔''

درشنی نے عاجزی سے کہا۔ ''دیوی جی! میری گود ہری ہو جائے۔ میں ساری زندگی آپ کی سیوا کرتے گزار دوں گی۔''

چمپا کلی بولی۔

''درشنی! میری بات دھیان سے سنو۔ جو میں تمہیں کہوں اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا''

درشنی نے چمپا کلی کے پاؤں کو دونوں ہاتھ لگا کر کہا۔

''دیوی! آپ جو کہیں گی میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ آپ مجھے حکم دیں۔''

چمپا کلی نے کہا۔

''سنو! ناگ دیوتا رات کو میرے سپنے میں آتے ہیں اور مجھے درشن دیتے ہیں۔ آج رات جب وہ میرے سپنے میں آئیں گے تو میں اُن سے ارداس کروں گی کہ درشنی کی گود ہری کر دیجئے۔ ناگ دیوتا میری بات نہیں ٹالیں گے۔ تمہارے ضرور بچہ ہوگا۔''

درشنی نے تو اپنا سر چمپا کلی کے پاؤں پر رکھ دیا اور خوشی اور عقیدت سے اس پر رقت طاری ہو گئی۔ چمپا کلی نے کہا۔

''اب تم جاؤ! کل اسی وقت آ جانا۔ رات ناگ دیوتا مجھے جو کچھ کہیں گے وہ تمہیں بتا دوں گی۔ اب تم جاؤ۔''

چمپا کلی یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کر رہی تھی۔ اُسے اتنی جلدی اپنی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ دوسرے روز درشنی پھل پھول اور مٹھائی کی ٹوکریاں لے کر چمپا کلی کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ چمپا کلی نے پھل پھول اور مٹھائی کی ٹوکریاں ناگ مندر کے بڑے پجاری کو پہنچا دیں اور درشنی کو اپنی کوٹھڑی میں لے گئی۔ خود تخت پوش پر بیٹھ گئی اور درشنی کو سامنے چوکی پر بٹھا دیا اور کہا۔

''درشنی! میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ ناگ دیوتا میری ارداس کبھی نہیں ٹالیں گے۔''

درشنی خوشی سے نہال ہو گئی۔ وہ کچھ بولنے لگی مگر چمپا کلی نے اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور کہا۔ ''ناگ دیوتا نے کہا ہے کہ درشنی کو یہ خوشخبری دو کہ اگلے برس اس کے ہاں چاند سا بیٹا پیدا ہوگا۔''

درشنی نے فرطِ مسرت سے بے اختیار ہو کر چمپا کلی کے پیروں پر سر رکھ دیا اور آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ چمپا کلی نے کہا۔

''لیکن ناگ دیوتا نے ایک شرط لگائی ہے۔''

درشنی نے اپنا سر اُٹھا کر چمپا کلی کو دیکھا اور ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''میں ناگ دیوتا کی ہر شرط پوری کروں گی دیوی جی! حکم کریں۔ ناگ دیوتا نے کیا کہا ہے؟''

چمپا کلی نے رازداری سے پوچھا۔ ''محل کے قید خانے میں کیا کوئی شاہی وید بھی قید ہے؟ ناگ دیوتا نے مجھے اس کا نام ناگ پال بتایا ہے اور کہا ہے کہ زہر چوسنے والے سانپ سے سانپ کے کاٹے کا علاج کرتا ہے۔''

درشنی نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں دیوی جی! محل کے تہہ خانے میں ایک شاہی وید قید میں ہے۔ صرف اُسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن وہاں اُسے ہر قسم کی آسائش میسر ہے۔ وہ زہر چوسنے والے سانپ سے سانپ کے کاٹنے کا علاج بھی کرتا ہے۔''

چمپا کلی کا ہر تیر نشانے پر لگ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ ناگ دیوتا اپنے آپ اُس کے راستے کی رکاوٹیں دور کرتے جا رہے ہیں۔ چمپا کلی نے درشنی سے کہا۔

''ناگ دیوتا نے یہ شرط لگائی ہے کہ اُس شاہی وید ناگ پال کے پاس شیش ناگن کا ایک خاص منتر ہے۔ مجھے وہ منتر ناگ پال سے لے کر تم پر پھونکنا ہوگا۔ تب تیرے ہاں چاند سا لڑکا پیدا ہوگا۔ ناگ دیوتا نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ سارا کام رازداری سے ہونا چاہئے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے۔ یہاں تک کہ تمہارے پتی دیو سیناپتی کو بھی اس کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ کیا تم یہ رازداری برت سکو گی؟''

درشنی کی تو سوکھی کھیتی ہری ہو رہی تھی۔ ہاتھ باندھ کر بولی۔

''دیوی جی! میں یہ راز اپنی جان کے ساتھ لگا کر رکھوں گی۔ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ میں آج ہی شاہی قید خانے میں جا کر ناگ پال جی سے شیش ناگن کا منتر حاصل کرتی ہوں۔''

چمپا کلی نے کہا۔

''بالکل نہیں ایسا نہ کرنا۔ سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔''

درشنی ڈر گئی۔ چمپا کلی نے کہا۔

''یہ منتر مجھے خود ناگ پال سے معلوم کرنا ہوگا۔ کسی تیسرے شخص کو یہ منتر معلوم ہو گیا تو اس کا سارا اثر جاتا رہے گا اور تم ساری زندگی بانجھ ہی رہو گی۔''

درشنی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اوپر اُٹھائے اور کہا۔ ''میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ آپ جو حکم دیں گی، وہی کروں گی۔''

''تمہیں میری اور شاہی وید ناگ پال کی ملاقات کا خفیہ طریقے سے انتظام کرنا ہوگا۔ کیا تم ایسا کر سکو گی درشنی؟'' چمپا کلی نے جلالی لہجے میں پوچھا۔

درشنی اولاد کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔ کہنے لگی۔ ''دیوی جی! ناگ پال جی کو شاہی محل سے باہر لانا میرے بس میں نہیں ہے۔ اگر میں جان کی بازی لگا کر انہیں محل سے باہر لانے میں کامیاب بھی ہو گئی تو یہ راز، راز نہیں رہے گا۔ لیکن میں محل کے قید خانے میں آپ کی ناگ پال جی سے خفیہ ملاقات کرا سکتی ہوں۔''

چمپا کلی کے ذہن میں اُسی لمحے ایک اور ترکیب آ گئی۔ اُس نے درشنی سے کہا۔

''لیکن شاہی محل کے کسی شخص کو اس کی خبر نہیں ہونی چاہئے۔''

''کسی کو خبر تک نہیں ہو گی دیوی جی! میں سیناپتی کی پتنی ہوں۔ قید خانے کے پہریدار اور

سپاہی جیسا میں کہوں گی ویسے ہی کریں گے۔''

چمپا کلی نے کہا۔

''پھر سمجھ لو کہ اگلے برس تمہاری گود میں چاند سا بچہ کھیل رہا ہوگا۔''

درشنی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ چمپا کلی کے پاؤں پکڑ کر بولی۔

''دیوی جی! مجھ پر رحم کریں۔ آپ آج رات ہی ناگ پال جی سے مل کر شیش ناگن کا منتر معلوم کر لیں۔ میں آپ کے پاؤں پکڑتی ہوں۔''

چمپا کلی بھی یہی چاہتی تھی۔ لیکن اُسے ڈر تھا کہ یہ عورت جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اُٹھا لے۔ اُس نے کہا۔ ''کیا تمہیں پورا وشواش ہے کہ اتنی جلدی تم ناگ پال جی سے میری خفیہ ملاقات کا انتظام کر لو گی؟''

درشنی نے بڑے وثوق سے کہا۔

''دیوی جی! میرے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ آپ تیار رہیں۔ میں آدھی رات کو آ کر آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں دیوی جی! انکار نہ کرنا۔''

چمپا کلی کیسے انکار کر سکتی تھی؟ وہ تو خود تیار بیٹھی تھی۔ کہنے لگی۔

''تمہاری خاطر میں ضرور چلوں گی۔ تم رات کو آ جانا۔ میں جاگ رہی ہوں گی۔''

''میں ضرور آؤں گی دیوی جی!'' درشنی نے چمپا کلی کے پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے چھو کر نمسکار کیا اور چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد چمپا کلی نے اپنی ساڑھی کے اندر سے مخمل کی تھیلی نکالی، اُس میں سے ہیرے کی وہ خاص انگوٹھی نکال کر دیکھنے لگی جو وشالا کے راجہ کی رانی نے ناگ پال کو دی تھی۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا۔

''یہ انگوٹھی ایک بار پھر ناگ پال کے کام آ سکتی ہے۔''

راجہ وشالا کے محل کے تہہ خانے میں قید ناگ پال تک چمپا کلی کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ چمپا کلی کی یہ سوچ بڑی کارگر ثابت ہوئی تھی کہ وشالا کی سرزمین میں پہنچنے اور ناگ مندر میں آنے کے بعد اُس نے اپنا اصلی نام نہیں چھپایا تھا۔ چمپا کلی کے اچانک وشالا کی نگری میں آ جانے سے ناگ پال کو یقین ہو گیا تھا کہ دیوتا ان دونوں کے ملاپ کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اگرچہ اُسے راجہ کے محل میں ہر قسم کی آسائشیں اور آرام میسر تھا۔ ایک نوکرانی ہر وقت اُس کی خدمت پر مامور تھی۔ لیکن اُسے محل کے تہہ خانے سے اپنی مرضی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب کسی وقت راجہ کو اس کی ضرورت ہوتی تھی تو دو شاہی اہلکار ناگ پال کو تہہ خانے سے نکال کر لے جاتے تھے اور واپس بھی وہی چھوڑ جاتے تھے۔ چمپا کلی کی آمد کی خبر ملنے کے بعد ناگ پال کا ذہن وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں بڑی تیزی سے سوچنے لگا تھا۔

اُدھر سیناپتی کی پتنی رات کے اندھیرے میں سیاہ لباس میں ملبوس چمپا کلی کے پاس پہنچ گئی

اور چمپا کلی کے ساتھ شاہی محل کی جانب روانہ ہوگئی۔ شاہی محل وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ درمیان میں سیاہ چٹانوں کا اونچا نیچا علاقہ تھا جس میں کہیں کہیں تاڑ اور ناریل کے درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ درشنی ایک کم فاصلے والے مختصر راستے سے چمپا کلی کو ساتھ لئے جا رہی تھی۔ شاہی محل کی فصیل ایک دیو پیکر پہاڑ کی طرح اندھیرے میں کھڑی تھی۔ سینا پتی کی بیوی ایک چٹان کی اوٹ سے نکل کر شاہی محل کی دیوار کے پاس آ گئی۔ یہاں محل کی چار دیواری کے اندر جانے والا ایک تنگ دروازہ تھا جس کے باہر ایک زرہ پوش سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ سینا پتی کی بیوی کو دیکھتے ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں دروازے میں سے گزر گئیں۔

چمپا کلی سینا پتی کی بیوی درشنی کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ شاہی محل کی چار دیواری کے اندر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ درشنی ان روشنیوں سے بچ کر دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ چمپا کلی نے اپنی تسلی کی خاطر اس سے پوچھا۔

''شاہی وید ناگ پال کا تہہ خانہ اسی طرف ہے کیا؟''

درشنی نے ادب سے عرض کی۔ ''ہم وہیں جا رہے ہیں دیوی جی!''

ایک جگہ ناریل کے درختوں کا جھنڈ آ گیا۔ اس جھنڈ میں ایک سرنگ نما راستے کا دہانہ بنا ہوا تھا۔ وہاں بھی ایک سپاہی پہرے پر کھڑا تھا۔ مگر سینا پتی کی بیوی کو دیکھنے کے بعد وہ بھی ایک طرف ہوگیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ درشنی نے ان سب کو اعتماد میں لے لیا ہوا تھا۔ وہ راستہ محل کے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ اس راستے میں مشعلیں روشن تھیں تاکہ آنے جانے والوں کو روشنی میں نظر آ جائے۔ یہ خفیہ راستہ ہنگامی حالات میں فوج کے محفوظ دستوں کی نقل و حرکت کے لئے بنایا گیا تھا۔ ناگ پال کے تہہ خانے کے دروازے پر بھی ایک پہرے دار موجود تھا۔ مگر سینا پتی کی پتنی کو دیکھ کر اس نے بھی دروازہ کھول دیا۔ سینا پتی کی بیوی چمپا کلی کو لے کر تہہ خانے میں داخل ہوگئی۔

یہ ایک کشادہ کمرہ تھا جس کا فرش قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ دیواروں پر ریشمی پردے پڑے تھے۔ دیواروں پر آمنے سامنے زیتون کے تیل کے فانوس روشن تھے۔ ایک بڑے پلنگ پر بستر لگا ہوا تھا جس پر ناگ پال سو رہا تھا۔ چمپا کلی نے درشنی سے کہا۔

''اب تم دروازے کے باہر ہی ٹھہرو۔ میں خود شاہی وید کو جگا کر اس سے شیش ناگن کا خفیہ منتر معلوم کرتی ہوں۔''

''جو حکم دیوی جی!'' اتنا کہہ کر درشنی دروازے سے باہر چلی گئی۔

چمپا کلی نے دروازہ بند کر دیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی پلنگ کے پاس آ کر رک گئی۔ فانوس کی روشنی ناگ پال کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ چمپا کلی اس کے

پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔ ناگ پال نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بیوی چمپا کلی کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کا چہرہ کنول کے پھول کی طرح کھل گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی پتنی کو گلے لگا لیا۔ پھر کہا۔

''وشالا شہر میں تمہارے وارد ہونے کی خبر مجھ تک بھی پہنچ گئی تھی۔ مگر تم خود یہاں میرے پاس پہنچ جاؤ گی اس کا تو مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا۔ تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

چمپا کلی نے کہا۔

''یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے میری بات غور سے سنو! میں اس وقت شہر کے پرانے ناگ مندر کی آخری کوٹھڑی میں رہ رہی ہوں۔ میں تم سے ملنے تو آ سکتی ہوں مگر تمہیں یہاں سے نکال کر نہیں لے جا سکتی۔ یہ کام تمہیں اپنے آپ کرنا ہوگا۔''

ناگ پال بولا۔

''چمپا کلی! میری محبت کی شکتی پتھر کی دیواریں توڑ کر بھی مجھے تمہارے پاس پہنچا دے گی۔''

چمپا کلی نے اپنے لباس کے اندر سے مخمل کی تھیلی نکالی، اس میں سے وشالا کی رانی کی ہیرے کی شاہی انگوٹھی نکال کر ناگ پال کو دی اور کہا۔

''یہ انگوٹھی تمہیں یہاں سے نکلنے میں مدد دے گی۔''

ناگ پال نے انگوٹھی کو پہچان لیا تھا۔ کہنے لگا۔

''اچھا ہوا اسے تم نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ یہ میری بڑی مدد کر سکتی ہے۔ اب مجھے یہاں سے نکلنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اور میں جب بھی یہاں سے نکلا رات کے اندھیرے میں نکلوں گا۔''

اس کے جواب میں چمپا کلی بولی۔

''میں ہر رات تمہارا انتظار کروں گی۔ لیکن زیادہ تاخیر سے کام نہ لینا۔ اگر یہاں کے راجہ کو یہ علم ہو گیا کہ میں سری لنکا کے راجہ کے ایک سوداگر کی مفرور کنیز ہوں تو اس کے سپاہی مجھے گرفتار کر کے واپس سری لنکا پہنچا دیں گے۔''

ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ چوم کر کہا۔

''میں یہاں سے فرار ہونے کے لئے تم سے زیادہ بے چین ہوں۔''

چمپا کلی پوچھنے لگی۔ ''یہاں سے نکل کر ہم کس طرف جائیں گے ناگ پال؟ ہم اپنے شہر ناگا پورم نہیں جا سکتے۔ وہاں کا راج گورو تو پہلے ہی ہماری جان کا دشمن ہے۔''

ناگ پال بولا۔ ''یہ یہاں سے نکلنے کے بعد سوچ لیں گے۔ دھرتی بڑی وشال ہے۔ ہم ملک ایران کی طرف نکل جائیں گے۔ وہاں نہیں تو ہمالیہ کے پہاڑوں میں چلے جائیں گے۔ وہاں کسی خوبصورت وادی میں باقی کی زندگی آرام سکون کے ساتھ بسر کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' چمپا کلی نے کہا۔ ''اب میں جاتی ہوں۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ یہ انگوٹھی سنبھال کر رکھنا۔''

''اس کی تم فکر نہ کرو۔'' ناگ پال نے کہا۔

چمپا کلی اُٹھ کر دروازے کے پاس آئی اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ باہر سیناپتی کی بیوی درشنی اُس کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی۔ چمپا کلی کو دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر بولی۔

''منتر مل گیا دیوی جی؟''

''ہاں..... منتر مل گیا ہے۔ اب سمجھو تمہارا کام ہو گیا۔ اب مجھے محل سے باہر تک چھوڑ آؤ۔'' چمپا کلی نے کہا۔ درشنی بولی۔

''دیوی جی! میں آپ کو مندر تک چھوڑ کر آؤں گی۔''

اور درشنی، چمپا کلی کو چھوڑنے ناگ مندر تک گئی۔

دوسرا دن ناگ پال نے اس سوچ بچار میں گزارا کہ شاہی انگوٹھی کو کس طریقے سے استعمال میں لائے؟ ایک ہی ترکیب تھی جس پر وہ عمل کر سکتا تھا۔ چنانچہ دوسری رات اُس نے اس ترکیب کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی اور بجلی بار بار چمک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ ناگ پال کی خادمہ رات کو ناگ پال کے واسطے کھانے کا خوان لے کر آتی تھی۔ جب وہ کھانا لے کر آئی تو ناگ پال نے اُسے کمرے کی صفائی کے کام پر لگا دیا اور خود اُٹھ کر دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ پہرے دار اُسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ناگ پال جانتا تھا کہ وہ اسے وہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس نے رانی کی شاہی انگوٹھی نکال کر پہرے دار کو دکھائی۔

''رانی جی نے خادمہ کے ہاتھ اپنی انگوٹھی بھجوائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں فوراً ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ ان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔''

شاہی انگوٹھی دیکھنے کے بعد پہرے دار کی جرأت نہیں تھی کہ وہ ناگ پال کو جانے سے روکتا۔ اس انگوٹھی پر شاہی نشان بنا ہوا تھا۔ وہ آگے سے ہٹ گیا۔ ناگ پال تیزی سے گزر گیا۔ آگے جا کر وہ محل کے اوپر جانے والے زینے پر چڑھنے کی بجائے خفیہ راستے والی سرنگ کی طرف ہو گیا۔ سرنگ کے دہانے پر جو سپاہی کھڑا تھا اُس نے ناگ پال کو روکا تو ناگ پال نے اُسے بھی شاہی انگوٹھی دکھا کر کہا۔

''رانی جی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ میں ان کے علاج کے واسطے جنگل سے جڑی بوٹی لینے جا رہا ہوں۔''

شاہی انگوٹھی یہاں بھی کام کر گئی اور سپاہی کو جرأت نہ ہوئی کہ ناگ پال کو روکتا۔ اب ناگ پال شاہی محل کی چار دیواری سے باہر تھا۔ بجلی چمک رہی تھی۔ بادل زور سے گرجا۔ ناگ

پال نے بجلی کی چمک میں وہ راستہ دیکھ لیا تھا جو سیاہ چٹانی جنگل میں سے گزر کر شہر کے مندر کو جاتا تھا۔ وہ جتنی تیز چل سکتا تھا رات کے اندھیرے میں بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک میں اُس راستے پر چلنے لگا۔ اس وقت ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہو گئی تھی۔ ناگ پال چلتا رہا۔ ناگ مندر پر پہنچ کر وہ اس کے احاطے میں بنی ہوئی سب سے آخری کوٹھڑی کی طرف ہو گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ ناگ پال نے دروازے پر دستک دی اور آہستہ سے کہا۔

''چمپا کلی!''

دروازہ کھل گیا۔ اُس کے سامنے چمپا کلی کھڑی تھی۔ پتی اور پتنی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ ناگ پال نے کہا۔

''یہاں سے فوراً نکل چلو چمپا کلی! ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمارا پول کسی بھی وقت کھل سکتا ہے۔''

بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک اور بونداباندی میں یہ دونوں پتی پتنی ناریل کے درختوں میں گھرے ہوئے اُس راستے پر چل پڑے جو ساحل سمندر کی طرف جانے کی بجائے شمال کے جنگلوں اور نیم پہاڑی علاقے کی طرف جاتا تھا۔ چمپا کلی نے وہ تھیلی جس میں سونے چاندی کے سکے اور قیمتی موتی تھے ناگ پال کو دے دی تھی۔ اُن کے پیچھے شہر وشالا اور شاہی محل کی مشعلوں کی ٹمٹماتی روشنیاں دور سے دور ہوتی چلی گئیں۔ چمپا کلی اس علاقے سے ناواقف تھی۔ ناگ پال اس سرزمین کے نشیب و فراز سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا کیونکہ وہ اپنے گورو دیو سکھ پال سے جدا ہونے کے بعد ایک قافلے میں شامل ہو کر انہی علاقوں سے گزر کر جنوب کے شہر وشالا پہنچا تھا۔ اتنا اُسے یاد تھا کہ شہر سے باہر جنگل کے کنارے ایک کارواں سرائے ہے جہاں قافلے آ کر ٹھہرا کرتے ہیں۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج دیکھ کر لگتا تھا کہ بڑی موسلا دھار بارش ہو گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بادلوں کی گرج چمک کے ساتھ بونداباندی بھی رک گئی اور بادل آگے نکل گئے۔ نیم پہاڑی راستوں میں سے گزرتے ہوئے دونوں محبت کرنے والے جنگل کے کنارے کارواں سرائے میں پہنچ گئے۔ دیکھا کہ وہاں اس وقت کوئی قافلہ شمال کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ وہ وہاں رک نہیں سکتے تھے۔ کارواں سرائے پر سناٹا چھایا تھا۔ دیوار کے پاس ایک آدمی آگ روشن کئے سو رہا تھا۔ ناگ پال نے اُسے جگا کر پوچھا کہ شمال کی طرف جانے والا قافلہ یہاں سے کب روانہ ہو گا؟ اُس آدمی نے بتایا کہ دو دن کے بعد ایک قافلہ ہڑپہ، موہنجودڑو کی طرف جائے گا۔ مگر ناگ پال اور چمپا کلی وہاں دو دن تک ٹھہرے رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ناگ پال کو ایک تدبیر سوجھی۔ اُس نے آدمی سے پوچھا۔

''کیا یہاں کوئی چھکڑا اور بیل مل جائیں گے؟ ہم انہیں سونے کے دو سکوں کے عوض خرید

نیں گے؟''

وہ آدمی سونے کے دو سکوں کا سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ ''میری بیلوں کی جوڑی اور چھکڑا خرید لو۔ چھکڑا خراب حالت میں نہیں ہے۔ بیل بھی صحت مند ہیں۔''

چمپا کلی نے ناگ پال سے کہا۔ ''چھکڑا خریدنے کا کیا فائدہ؟''

ناگ پال بولا۔ ''ہم چھکڑے میں سوار ہو کر دو دن میں یہاں سے کافی دور نکل جائیں گے۔ اور پھر وہاں کسی جگہ رک کر پیچھے سے آنے والے قافلے کا انتظار کریں گے۔''

انہوں نے چھکڑا خرید لیا۔ یہ چھکڑا ایسا تھا کہ اس پر گولائی میں چھت پڑی ہوئی تھی، آگے دو بیل جتے تھے۔ چھکڑے کے مالک نے کہا۔

''یہ بیل گھاس پات کھا کر بھی گزارہ کر لیتے ہیں۔ دن میں ایک بار انہیں جنگل میں ضرور کھلا چھوڑ دیا کریں۔''

ناگ پال اور چمپا کلی چھتے ہوئے چھکڑے میں سوار ہو کر چل پڑے۔ ناگ پال گدی پر بیٹھا تھا اور بیلوں کی باگ اس کے ہاتھ میں تھی۔ باقی کی ساری رات چھکڑا دو جنگلوں کے درمیان بنائے گئے راستے پر چلتا رہا۔ قافلے اسی راستے پر آیا جایا کرتے تھے۔ دن کے وقت وہ ایک پڑاؤ پر آ کر رک گئے۔ بیلوں کو چرنے کے لئے کھول دیا۔ ناگ پال کہنے لگا۔

''سامنے کچھ جھونپڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ کوئی گاؤں ہے۔ وہاں سے کچھ کھانے کو مل جائے گا۔''

ناگ پال، گاؤں کی طرف چل دیا۔ چمپا کلی چھکڑے سے اتر کر درختوں کے نیچے ٹہلنے لگ گئی۔ کچھ دیر بعد ناگ پال کچھ کھانے پینے کو لے آیا۔ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد دونوں چھکڑے پر سوار ہوئے اور آگے چل پڑے۔

جنگل میں تین دن کے سفر کے بعد وہ ایک کارواں سرائے میں آ گئے۔ وشالا شہر سے آنے والے قافلے کو یہاں ایک دن قیام کرنا تھا۔ تین چار دن کے بعد یہ قافلہ آ گیا۔ ایک دو دن قیام کے بعد جب قافلہ شمال کی جانب اپنے طویل اور دشوار گزار سفر پر روانہ ہوا تو ناگ پال اور چمپا کلی بھی اپنے چھکڑے پر سوار قافلے کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ جو سفر آج کے زمانے میں ریل گاڑی میں بیٹھ کر آدمی دو ڈھائی دنوں میں طے کر لیتا ہے وہ سفر اس زمانے میں تین ساڑھے تین مہینوں میں طے ہوتا تھا۔ راستے میں جنگلی درندوں کے حملے کے علاوہ اور بھی کئی خطرے ہوتے تھے۔ ڈاکے بھی پڑتے تھے، سیلاب بھی آتے تھے، دلدلی جنگلوں میں سے بھی گزرنا پڑتا تھا، موسلا دھار بارشوں میں سفر کرنا ہوتا تھا، طرح طرح کی بیماریاں حملہ آور ہوتی تھیں۔ کئی مسافر سفر کی صعوبتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مر جاتے تھے۔ یہ قافلہ بھی انہی آفات کا مقابلہ کرتا سفر کرتا رہا۔

تین مہینوں کے بعد قافلہ اس زمانے کے پنجاب کے علاقے میں داخل ہو گیا ... یہاں قافلے کا پہلا اہم ترین پڑاؤ ہڑپہ کا شہر تھا۔ ناگ پال اور چمپا کلی کے لئے یہ سب سے خطرناک علاقہ تھا۔ ان کا شہر ناگا پورم، ہڑپہ اور موہنجودڑو کے درمیان میں واقع تھا۔ یہ ناگ پال اور چمپا کلی کا دشمن شہر تھا۔ ناگا پورم کا راجہ راج گورو مارا اور شہر کا سب سے بڑے ناگ مندر کا بڑا مہنت دیوا ان دونوں کے خون کے پیاسے تھے۔ ناگ پال اور چمپا کلی اپنی جانیں بچا کر اس شہر سے فرار ہوئے تھے اور ناگا پورم کے راجہ راج گورو مارا کے سپاہی اور خفیہ جاسوس ان دونوں کی تلاش میں تھے اور وہ ہڑپہ کی کارواں سرائے میں رکنے والے قافلے کی ضرور سراغ رسانی کرتے ہوں گے کہ شاید انہیں کہیں چمپا کلی اور ناگ پال نظر آ جائیں۔ چنانچہ قافلہ ہڑپہ شہر کے گرد و نواح میں پہنچا تو ناگ پال اور چمپا کلی قافلے سے الگ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا چھکڑا قافلے میں سے نکال لیا اور ہڑپہ شہر کی حدود سے دور رہتے ہوئے موہنجودڑو کی جانب سفر شروع کر دیا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہونی ہو کر رہتی ہے۔ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد جب دور سے انہیں ناگا پورم شہر کی اونچی فصیل دکھائی دی تو چمپا کلی نے آہ بھر کر ناگ پال سے کہا۔

''کبھی میں اس شہر کی شاہی رقاصہ تھی اور ہیرے جواہرات سے جڑا زرتار لباس پہن کر دیویوں کی شان کے ساتھ ناگ دیوتا کے سامنے ناگ رقص کیا کرتی تھی۔ شاہی محل میں میرا حکم چلتا تھا۔ لیکن وقت بدل گیا۔ آج یہی شہر میرے خون کا پیاسا ہے۔''

ناگ پال نے کہا۔

''اس شہر نے ہمیں اتنا سکھ نہیں دیا جتنا دکھ دیا ہے۔ اس شہر کو یاد کر کے آنسو بہانے سے کیا فائدہ جس کے در و دیوار ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور جو فسق و فجور اور گناہوں کی دلدل میں ڈوب رہا ہے۔''

چمپا کلی سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔ بیل، چھکڑے کو لئے ویران بنجر ٹیلوں کے درمیان سے گزرتے چلے گئے۔ وہ ناگا پورم شہر کے پہلو میں جو سنگلاخ ٹیلوں کا سلسلہ تھا ان میں سے گزر رہے تھے۔ ناگ پال کا خیال تھا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں اور انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط تھا۔ ہڑپہ کی کارواں سرائے میں جب بھی جنوب سے کوئی قافلہ آتا تھا تو راج گورو مارا کے حکم سے اس کے دو جاسوس جو چمپا کلی اور ناگ پال کو پہچانتے تھے بھیس بدل کر کارواں سرائے کے علاوہ گرد و نواح میں بھی پھیل جاتے تھے۔ راجہ کے خاص سپاہیوں کا ایک دستہ ان جاسوسوں کی مدد کے لئے ان کے پیچھے ایک جگہ موجود رہتا تھا۔ جن بنجر ٹیلوں میں چمپا کلی اور ناگ پال سفر کر رہے تھے، ایک جاسوس سپاہیوں کے ساتھ ان ٹیلوں میں بھی موجود تھا۔ اس

جاسوس نے دُور سے ایک چھکڑا آتے دیکھا تو ایک ٹیلے کی اوٹ میں سپاہیوں کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھ گیا۔

چھکڑا قریب آیا تو جاسوس نے ناگ پال اور چمپاکلی کو فوراً پہچان لیا۔ یہ اُس جاسوس کی بہت بڑی فتح تھی۔ ناگ پال اور چمپاکلی کی گرفتاری کے بعد جاسوس کو راجہ کی طرف سے گراں قدر انعام ملنے والا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اُس نے چمپاکلی اور ناگ پال کو چھکڑے میں بیٹھے دیکھا، اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

''ان دونوں کو فوراً گرفتار کرلو......!''

چھ سات سپاہی گھات میں سے نکل کر نیزے لہراتے ناگ پال اور چمپاکلی کی طرف دوڑ پڑے۔ جاسوس اُن کے ساتھ تھا۔ چمپاکلی اور ناگ پال نے سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو چمپاکلی نے غم زدہ لہجے میں ناگ پال سے کہا۔

''ہونی ہوکر رہی ناگ پال! یاد رکھنا مرتے سمے میری زبان پر تمہارا نام ہوگا۔''

راجہ کے سپاہیوں نے فوراً چمپاکلی اور ناگ پال کو گرفتار کر لیا۔ ان کے ہاتھ پیچھے کر کے رسیوں سے باندھے اور ناگاپورم کے راجہ کے محل کی طرف چل پڑے جس کی فصیل دُور سے دکھائی دے رہی تھی۔

جب ناگ پال اور چمپاکلی کو راج گورو راجہ مارا کے سامنے پیش کیا گیا تو راجہ نے اپنی کلائی سے لپٹے ہوئے سانپ کا منہ چوم کر سانپ والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور خوشی کی ایک ایسی فلک شگاف چیخ اُس کے حلق سے نکلی کہ شاہی محل کے در و دیوار ہل گئے۔ راج گورو مارا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ نہ صرف یہ کہ اُس کے دونوں ذاتی دشمن اس کے قبضے میں آ گئے تھے بلکہ ان دونوں کے فرار سے رعایا میں اس کی جو بدنامی ہوئی تھی اس کا داغ بھی دُھل گیا تھا اور شاہی محل کے ارکانِ سلطنت میں اس کا اعتماد بحال ہوگیا تھا۔ اس نے فوری طور پر دو حکم صادر کئے۔ پہلا حکم یہ تھا کہ ناگ پال اور چمپاکلی کو زنجیروں میں جکڑ کر محل کے تہہ خانے میں قید کر دیا جائے۔ اور دوسرا حکم یہ دیا کہ جس جاسوس نے ان دونوں کو پکڑا ہے اس کو اس کے وزن کے برابر سونا تول کر دے دیا جائے۔

ناگ مندر کے بڑے مہنت پجاری دیوا کو ناگ پال اور چمپاکلی کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ بھاگا بھاگا راج گورو راجہ مارا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ڈنڈوت بجا لا کر تعظیم کی اور راجہ کو مبارکباد دی اور کہا۔

''مہاراج! آج آکاش کے سارے دیوتا آپ پر خوش ہیں۔ انہوں نے آپ کے دشمنوں کو آپ کے چرنوں میں لا کر پھینک دیا ہے۔ آپ کو بہت بہت بدھائی ہو۔''

راج گورو راجہ مارا نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور کہا۔

''دیوا! ابھی میرے سینے کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ میں اپنے ان دشمنوں کو ایسی سزا دینا چاہتا ہوں کہ یہ سسک سسک کر تڑپتے رہیں اور انہیں موت نہ آئے۔''

کینہ پرور منتقم مزاج دیوا نے کہا۔

''مہاراج! اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ان دونوں کو پنجروں میں بند کر کے شہر کے بڑے دروازے کے باہر لٹکا دیا جائے۔ جہاں یہ بند پنجروں کے اندر سسک سسک کر دم توڑیں اور رعایا کو بھی معلوم ہو جائے کہ راجہ اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔''

راجہ مارا کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔ اسی وقت اُس نے حکم دیا کہ دو پنجرے فوراً تیار کئے جائیں۔ حکم کی دیر تھی کہ شاہی کارکنان نے لکڑی کے دو پنجرے تیار کر دیئے۔ یہ پنجرے صرف اتنے ہی بڑے تھے کہ ایک انسان اس میں بیٹھ سکتا تھا، اُٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ چمپاکلی اور ناگ پال کو ان پنجروں میں الگ الگ بند کر کے پنجروں کو شہر کے صدر دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ ناگ پال اور چمپاکلی نے اپنے المناک انجام کو دیوتاؤں کی مرضی سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور اب وہ دُور دُور سے ایک دوسرے کو دیکھتے اور اپنی موت کی دُعائیں مانگتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں بند پنجروں میں آنے والی اذیت ناک موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

○

ناگاپورم شہر پر فسق و فجور اور شرمناک الحال اور حیا باختہ سنگین گناہوں کی سیاہ گھٹائیں چھا چکی تھیں۔ راجہ سے لے کر شہر کے معمولی آدمی تک ہر کوئی گناہ کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ جو نیک اور عاقبت اندیش لوگ تھے وہ اپنے بال بچوں کو لے کر شہر سے نکل گئے تھے۔ شہر کے ہر بازار میں شراب خانے کھلے تھے جہاں لوگ سرِ عام شراب پی کر ننگے ڈانس کرتے تھے۔ طوائفوں نے ان محلوں میں بھی چکلے کھول رکھے تھے جن محلوں کی شرافت کی کبھی لوگ مثالیں دیا کرتے تھے۔ ان محلوں کے شرفاء شہر چھوڑ کر جا چکے تھے اور ان کے مکانوں میں بے حیا طوائفوں نے آ کر ڈیرا جما لیا تھا۔ لوگ بدمعاش عورتوں سے سرِ عام بوس و کنار کرتے اور اگر کوئی انہیں منع کرتا تو اسے وہیں قتل کر دیتے تھے۔ چوری، ڈکیتی، راہزنی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ وہ غریب اور شریف لوگ جو اپنے کم وسائل کی وجہ سے شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہ جا سکے تھے گھروں میں اپنی عزتیں سمیٹ کر دُبک کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی خواتین تو گھروں سے باہر قدم نہیں نکالتی تھیں۔ آدھی آدھی رات تک شہر کے بازاروں میں بدمعاشوں اور شرابیوں کی للکاریں گونجتی رہتی تھیں۔ راجہ مارا نے اپنے محل کو شہر کی خوبصورت طوائفوں سے بھر لیا تھا۔ ناگ مندر کے بڑے پجاری دیوا، نے بھی دوسرے مندروں کی حسین اور جوان دیوداسیوں کو چن چن کر اپنے ناگ مندر میں جمع کر لیا تھا اور اب ناگ مندر میں

پوجا پاٹھ کم اور عیاشی زیادہ ہونے لگی تھی۔

اب ایسا ہوا کہ جس روز ناگ پال اور چمپا کلی کو لوہے کے پنجروں میں بند کر کے شہر کے صدر دروازے پر لٹکایا گیا اُسی روز آدھی رات کے وقت شہر کے گناہ آلود سناٹے میں ایک بلند آواز گونج اُٹھی۔ یہ کسی مرد درویش کی آواز تھی۔ اس میں حکم بھی تھا اور انتباہ بھی تھا۔ عیاشیوں میں غرق شہر کی بیشتر آبادی نشے میں دُھت مدہوش پڑی تھی۔ لیکن جو بچے کھچے شریف مگر غریب اور بے وسائل لوگ شہر میں باقی رہ گئے تھے وہ اس آواز کو سنتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اس آواز پر کان لگا دیئے جو لگتا تھا کہ جیسے آکاش کا سینہ چیر کر زمین پر آ رہی ہے۔ اس آواز کو ناگ پال اور چمپا کلی نے بھی سنا۔ یہ آواز کہہ رہی تھی .....

''وہ وقت آ گیا ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ زمین پر خدا کے قہر کی نشانیاں ظاہر ہو گئی ہیں۔ لیکن گناہگارو! توبہ کا دروازہ تم پر ابھی بند نہیں ہوا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور نیک زندگی پر واپس آ جاؤ۔ خدا تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ اگر تم نے گناہوں کے راستوں کو نہ چھوڑا تو وہ زمین پھٹ پڑے گی جس پر تمہارا یہ شہر کھڑا ہے اور تمہارا یہ شہر زمین میں ایسا غرق ہو گا کہ پھر اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ لوگو! ابھی وقت ہے گناہوں سے توبہ کر لو......!''

کسی مرد درویش کی یہ آواز عجیب پُراسرار تھی۔ ابھی ناگا پورم شہر کے ایک کونے سے بلند ہوتی تو اس کے فوراً بعد شہر کے دوسرے کونے سے سنائی دینے لگتی۔ بدکاروں کے تو کان بند ہو چکے تھے۔ وہ گناہ کے نشے میں بے ہوش تھے۔ جو غریب اور عاقبت اندیش لوگ اپنی شرافت اور عزتوں کو سینے سے لگائے گھروں میں دُبک کر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے یہ آواز سنی تو اُن پر قدرتِ خداوندی کی ہیبت طاری ہو گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ اس شہر پر قہر خداوندی نازل ہونے والا ہے۔ انہوں نے قہر خداوندی سے بچنے کی خاطر اپنے بال بچوں کو لے کر رات کی تاریکی میں ایک ایک کر کے شہر سے نکلنا شروع کر دیا۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ شہر کے راجہ اور عیاشیوں اور بدکاریوں کی اصل جڑ راج گورو مارا اور ناگ مندر کے بڑے پجاری دیوا تک یہ آواز نہ پہنچتی۔ انہوں نے بھی یہ آواز سنی تھی۔ راجہ مارا غضبناک ہو گیا۔ اس نے اپنے سینا پتی کو بلا کر اُسے کہا۔

''سینا پتی! آدھی رات کو یہ کون ہے جو ہماری رعایا میں ہمارے خلاف بغاوت پھیلا نے اور انہیں بد دِل کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

سینا پتی نے کہا۔

''مہاراج! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آواز میں نے بھی سنی ہے۔ یہ کوئی دیوانہ لگتا ہے جو شراب پی کر غل غپاڑہ کرتا ہے۔''

راجہ مارا نے حکم دیا کہ اس دیوانے کو پکڑ کر فوراً اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ سینا پتی نے اسی وقت اپنے سپاہی شہر کے چاروں طرف پھیلا دیئے۔

مرد درویش کی آواز صرف آدھی رات کے بعد آتی تھی۔ سینا پتی کے سپاہی دن کے علاوہ رات کے وقت بھی گشت لگا کر اس مرد درویش کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن وہ حیران تھے کہ مرد درویش کی آواز اُن کے بالکل قریب سے سنائی دیتی ہے لیکن خود وہ مرد درویش کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جس طرف سے آواز اچانک سنائی دیتی سپاہی ننگی تلواریں لئے اس طرف کو دوڑتے۔ مگر پتہ چلتا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ ایسے لگتا تھا کہ یہ کوئی غیبی آواز ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

ناگ پال اور چمپا کلی نے بھی یہ آواز سنی۔ اُن کے پنجرے شہر کے صدر دروازے پر ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر لٹکے ہوئے تھے۔ چمپا کلی نے ناگ پال سے کہا۔

''تم یہ آواز سن رہے ہو ناگ پال؟''

اس وقت رات آدھی گزر چکی تھی اور مرد درویش کی آواز ابھی ابھی شہر کی جنوبی سمت سے بلند ہو کر خاموش ہوئی تھی۔ ناگ پال اپنے بند پنجرے میں آلتی پالتی مارے جیسے گیان دھیان میں مگن تھا۔ کہنے لگا۔

''چمپا کلی! اس گناہوں کی بستی کا انجام قریب آ گیا ہے۔''

چمپا کلی پر خوف طاری تھا۔ کہنے لگی۔ ''کیا اس کے ساتھ ہم بھی ختم ہو جائیں گے؟''

ناگ پال نے جواب دیا۔

''اگر ہم نے کوئی گناہ کیا ہے تو اس کی سزا ہمیں بھی ضرور مل کر رہے گی۔''

چمپا کلی خاموش ہو گئی۔ شہر پر دہشت ناک خاموشی طاری تھی۔ یہ خاموشی کسی خوفناک طوفان کی آمد سے پہلے کی خاموشی تھی۔ چمپا کلی اپنے پنجرے کی سلاخوں کے ساتھ لگ کر بیٹھی حسرت ناک نگاہوں سے آسمان کے تاروں کو دیکھ رہی تھی۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے لیکن ان کی چمک میں ایسی جھلملاہٹ تھی جیسے انہیں کسی قیامت خیز طوفان کی آمد کی خبر ہو گئی ہو اور اُن پر لرزہ طاری ہو۔ کچھ اوباش اور بدکار مرد اور عورتیں نشے میں دُھت قہقہے لگاتے صدر دروازے کے نیچے سے گزر گئے۔ چمپا کلی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ یہ آنے والی قیامت کی نشانیاں تھیں۔

اتنے میں مرد درویش کی آواز گونجی..... اس بار یہ آواز شہر کے صدر دروازے کے قریب سے بلند ہوئی تھی۔

''گناہ کرنے والے کو اپنے ایک ایک گناہ کا حساب چکانا پڑے گا۔ تم لوگوں نے اپنے اعمال کی کھیتیوں کو گناہوں کے زہر آلود پانی سے سیراب کیا ہے۔ تمہارے گناہوں کے

پھندے تمہاری گردنوں میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ وقت آن پہنچا ہے... وقت آن پہنچا ہے...''

اُسی رات کے پچھلے پہر شہر کو آنے والی قیامت کا پہلا جھٹکا لگا..... گناہوں کے نشے میں مدہوش پڑے شہر کے لوگوں کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ لیکن اس جھٹکے سے شہر کے مندروں کے بت گر کر پاش پاش ہو گئے۔ شراب خانوں میں اُم الخبائث سے بھرے ہوئے مٹکے گر کر ٹوٹ گئے اور شراب گلی کوچوں کی گندی نالیوں میں بہنے لگی۔ اس جھٹکے کے ساتھ ہی ناگ پال اور چمپا کلی کے پنجرے جھولنے لگے تھے۔ چمپا کلی نے گھبرا کر پنجرے کی سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ناگ پال کو آواز دی۔ ناگ پال اپنے پنجرے میں اسی طرح آسن جمائے بیٹھا تھا۔ لیکن پوری طرح ہوشیار تھا۔ اُس نے چمپا کلی کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ غیبی آواز سچی تھی۔ حساب کتاب شروع ہو چکا ہے۔''

ناگا پورم کا شہر بھونچال کا پہلا جھٹکا کھا کر ایسے ساکت ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ شراب خانوں کے مٹکے ٹوٹ گئے تھے۔ شراب نالیوں میں بہہ گئی تھی۔ لیکن بچے ہوئے مٹکوں کو تہہ خانوں کے گوداموں میں لے جانے والے شراب میں دُھت ہو کر پڑے تھے۔ اُنہیں کوئی خبر نہ ہوئی تھی۔ اس جھٹکے نے کچھ مندروں کے بت ضرور توڑ دیئے تھے لیکن ناگ دیوتا کے بڑے مندر میں ناگ دیوتا کا بت اپنے استھان پر بدستور موجود تھا۔ اُس کا بڑا پھن ایک دو جگہ سے تڑخ ضرور گیا تھا لیکن وہ گرا نہیں تھا۔ مندر کا بڑا پجاری عیاش طبع دیوا، سوم رس پی کر مدہوش دیوداسیوں کے درمیان بے سدھ پڑا تھا۔ اُسے کچھ بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

ناگ پال نے اپنے پنجرے میں دوبارہ آسن جما لیا تھا اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چمپا کلی ضرور گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ پنجرے کی دیواروں کو پکڑے دہشت زدہ آنکھوں کے ساتھ کبھی نیچے صدر دروازے کی طرف دیکھتی، کبھی سامنے دائیں بائیں درختوں کو تکنے لگتی۔ شہر پر ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ فضا ایسے دم بخود ہو گئی تھی جیسے شہر نے اپنا سانس روک لیا ہو۔

اچانک کچھ پرندے اپنے اپنے گھونسلے چھوڑ کر درخت پر سے اُڑ گئے۔ چمپا کلی نے نیچے کی طرف دیکھا۔ صدر دروازے کی دونوں جانب مشعلیں جل رہی تھیں۔ اُن کی روشنی میں چمپا کلی کو دو بلیاں اور ایک خرگوش شہر کے اندر سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگتے دکھائی دیئے۔ وہ سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ پچھلی رات کے سناٹے میں شہر کے اندر سے کسی کتے کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ چمپا کلی کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اُس نے ناگ پال کو آواز دی۔

''ناگ پال! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

ناگ پال نے اپنے پنجرے میں سے جواب دیا۔

''کاش! میں اپنے پنجرے میں سے نکل کر تمہارے پاس آ سکتا۔''

ناگ پال نے جملہ ختم ہی کیا تھا کہ شہر سے باہر اُونچے اُونچے بنجر پہاڑوں میں بھاری مگر مدھم خوفناک گڑگڑاہٹ کی گونج سنائی دی۔ یہ خوفناک گڑگڑاہٹ زمین کے اندر ہی اندر بڑھتی پھیلتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی زمین آہستہ آہستہ ہلنے لگی..... شاہی محل کی طرف سے عورتوں کی چیخ و پکار بلند ہوئی۔ شہر کی عمارتیں لرزنے لگ گئیں..... عورتیں اور مرد حواس باختہ ہو کر گھروں سے نکل کر شہر کے دروازوں کی طرف دوڑ پڑے کہ جنگل میں جا کر پناہ لیں۔ شہر کے پہلو میں بہنے والے دریا کی موجوں میں طوفانی ہیجان پیدا ہو گیا۔ دریا کی موجیں سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کی طرح شہر کی فصیل سے ٹکرانے لگیں۔ شہر کے سارے کتے بلیاں گھبرا گھبرا کر مکانوں اور گلی محلوں سے نکل نکل کر اپنی منحوس ڈراؤنی آواز میں روتے ہوئے جنگل کی طرف بھاگنے لگے۔ دُور اُونچے پہاڑوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی۔ زمین زیادہ زور سے ہلنے لگی تھی..... شہر میں ایک واویلا مچا تھا۔ ایک ہاہا کار مچ گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں لوگ جانیں بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زلزلے اور خوفناک گڑگڑاہٹ اور دھم دھم کی مسلسل آوازوں نے انہیں حواس باختہ کر دیا ہے۔ وہ اندھے ہو گئے ہیں اور انہیں شہر کے باہر جانے کا راستہ نہیں مل رہا۔ اب ایک ایک کر کے شہر کے گنجان گلی کوچوں کے مکان گرنا شروع ہو گئے۔ ناگ پال اور چمپا کلی کے پنجرے زور زور سے کبھی دائیں بائیں، کبھی آگے پیچھے کو جھول رہے تھے۔ گڑگڑاہٹ کی گونج قیامت خیز شور کی شکل اختیار کر رہی تھی۔ دریا میں سیلاب آ گیا تھا۔ دریا کی موجیں بپھر بپھر کر شہر کی فصیل سے سر پھوڑ رہی تھیں۔ اور دیکھتے دیکھتے فصیل میں بہت بڑا شگاف پیدا ہو گیا اور دریا کا سیلابی ریلا شہر کے گلی کوچوں میں داخل ہو گیا..... اور بدحواس لوگ رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے کو سنبھالتے، ایک دوسرے کو آوازیں دیتے، روتے چیختے چلاتے پانی میں غوطے کھانے لگے۔

ناگ پال اور چمپا کلی کے پنجروں نے ایک زور کا جھولا کھایا اور اُن کے کنڈے ٹوٹ گئے اور دونوں پنجرے زمین پر دھڑام سے آن گرے..... زمین پر گرتے ہی پنجروں کے دروازے کھل گئے۔ ناگ پال پنجرے سے نکل کر چمپا کلی کے پنجرے کی طرف دوڑا۔ چمپا کلی پنجرے میں نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی تھی۔ ناگ پال نے اُسے سنبھالا دے کر باہر نکالا۔ زلزلے کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ گڑگڑاہٹ کی گونج میں تیز آندھی کی چیخیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ ناگ پال نے بلند آواز میں چمپا کلی سے کہا۔

''جیسے بھی ہو میرے ساتھ بھاگو.....!''

پنجرے کے زمین کے ساتھ ٹکرانے سے چمپا کلی کے جسم کو چوٹیں لگی تھیں۔ مگر وہ قیامت کی گھڑی تھی۔ وہ اپنی چوٹوں کو بھول کر اٹھی اور ناگ پال کے ساتھ دوڑنے لگی۔ ناگ پال

اور چمپا کلی پہلے ہی شہر کی فصیل سے باہر گرے تھے۔ ناگ پال نے ناگ مندر کی طرف رُخ کرلیا۔ زمین جھولے کی طرح جھول رہی تھی۔ دھاؤں دھاؤں کی ایسی آوازیں بار بار بلند ہو رہی تھیں جیسے زمین کے اندر چٹانیں ٹوٹ پھوٹ رہی ہوں۔ ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ زمین کے جھکولا کھانے سے بار بار گرتے اور اُٹھ کر دوبارہ دوڑنا شروع کر دیتے۔ دن کا اُجالا نمودار ہو رہا تھا۔ گناہوں کی بستی ناگاپورم پر قیامت کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ زلزلہ، گڑگڑاہٹ، لال خوفناک آندھی کی دل دہلا دینے والی چیخیں، عمارتوں کے گرنے کے دھماکے، انسانوں کی دبی دبی المناک چیخ و پکار، جو مر گئے تھے اُن کی لاشیں مکانوں کے ہزاروں من ملبے کے نیچے دب گئی تھیں۔ جو جان بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے اُنہیں شہر سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اُنہیں سیلاب کا پانی ڈبو رہا تھا اور اُن کے اُوپر شہر کے بچے کھچے مکان دھڑام دھڑام کی آوازوں کے ساتھ گر رہے تھے۔

ناگ مندر کی چار دیواری زمین کے اندر دھنس چکی تھی۔ یاتریوں کے لئے بنائی گئی کوٹھڑیاں ملبے کا ڈھیر بن گئی تھیں۔ مندر کے صدر دروازے کی چھت غائب تھی۔ مندر کے در و دیوار زلزلے کے جھٹکوں کے ساتھ دائیں بائیں جھول رہے تھے...... چمپا کلی نے چیخ کر کہا۔

''یہاں کیوں آ گئے ہو؟ جنگل کی طرف چلو!''

ناگ پال نے اُونچی آواز میں چمپا کلی کو جھڑک دیا۔

''تم خاموش کیوں نہیں رہتیں؟ میں جو کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں۔''

چمپا کلی کا ہاتھ پکڑ کر خود بھی دوڑتا اور اُسے بھی اپنے ساتھ دوڑاتا ناگ پال، ناگ دیوتا کی مورتی کے استھان پر پہنچ گیا۔ کوئی غیبی طاقت اُسے ناگ دیوتا کی مورتی کے پاس لے آئی تھی۔ ناگ دیوتا کی مورتی کا چوکھا سر ٹوٹ کر فرش پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پڑا تھا۔ باقی بچی ہوئی مورتی بھی بھونچال کے جھٹکوں اور زمین کے آگے پیچھے جھولنے سے ٹوٹ پھوٹ رہی تھی۔ چمپا کلی دہشت کے مارے آنکھیں بند کئے ناگ پال کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔ ناگ پال اُسے لے کر ناگ دیوتا کی مورتی کے نیچے بنائے گئے تہہ خانے کی طرف بڑھا۔ ایک ہاتھ سے اُس نے چمپا کلی کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے مندر کی دیوار کو پکڑ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ جھولتی زمین پر وہ ایک قدم چلتا تو دو قدم پیچھے آ جاتا۔ بڑی مشکل سے ناگ پال، مندر کے پوجا بھون سے نکلنے کے بعد تہہ خانے کے دروازے کے پاس آیا تو وہاں دو ستونوں کے نیچے مندر کے بڑے پجاری مہنت دیوا کی خون آلود لاش کچلی ہوئی حالت میں پڑی تھی۔ اُس کے پاس ہی دو دیوداسیوں کی بھی خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں پڑی تھیں۔ لگتا تھا کہ وہ دیوداسیوں کو ساتھ لے کر جان بچانے کی خاطر تہہ خانے کی طرف بھاگا لیکن اُس کے گناہوں نے اسے اتنی مہلت نہ دی اور زلزلے کے جھٹکے سے سینکڑوں من وزنی پتھر کے دونوں ستون ٹوٹ کر ان

کے اُوپر گرے اور انہیں کچل کر رکھ دیا۔

ایک تنگ و تاریک زینہ نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ ناگ پال، چمپا کلی کو ساتھ چمٹائے زینے پر سے نیچے اُتر گیا۔ تہہ خانے کی دیواریں لرز رہی تھیں۔ ڈول رہی تھیں۔ جیسے سمندری طوفان کی زد میں آیا ہوا جہاز دائیں بائیں اور آگے پیچھے اور اوپر نیچے ڈولتا ہے۔ چمپا کلی ناگ پال کے ساتھ چمٹی آنکھیں بند کئے، دانتوں میں ساڑھی کا پلو دبائے فرطِ ہیبت سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے تہہ خانہ اپنے اُوپر کی ہر شے کو ساتھ لئے ہزاروں فٹ نیچے زمین کی گہرائیوں میں اُترتا جا رہا ہے۔ ناگاپورم شہر بہت بڑا گنجان آباد شہر تھا۔ اس آفت سماوی میں اُس کی سینکڑوں عمارتیں زمین بوس ہو چکی تھیں اور سینکڑوں ابھی گر رہی تھیں۔ ان کے گرنے کے دھماکے مسلسل سنائی دے رہے تھے۔ ہزاروں سالوں سے گہری نیند سوئے ہوئے بنجر چٹانی پہاڑ پھٹ پڑے تھے۔ ان کے ہزاروں من کے پتھر، لاکھوں من کی چٹانی سلیں آتش فشاں کی طرح پھٹ کر اُوپر کو اُڑیں اور پھر قیامت خیز دھماکوں کے ساتھ زمین پر گریں اور اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو، درختوں جھاڑیوں، ریت کی ڈھیریوں اور مکانوں کو ملبہ بناتے ہوئے آندھی کی رفتار سے پھیلتی ہوئی شہر کی گرتی، اُچھلتی اور زمین بوس ہوتی عمارتوں، دُکانوں، مکانوں غریبوں کی جھونپڑیوں اور شاہی محلات کو تنکوں کی طرح اُڑاتی ہوئی دیواروں کے ملبے میں آ کر مخلوط ہو گئیں اور ہر تباہ شدہ شے کو اپنی لپیٹ میں لے کر ہمیشہ کے لئے انہیں زمین کی ٹھنڈی تاریکیوں میں دفن کرتی چلی گئیں۔..

پھر ایک دھماکہ ہوا جیسے آسمان پھٹ پڑا ہو...... جیسے ہزاروں لاکھوں آسمانی بجلیاں ایک ساتھ مل کر کڑکی ہوں اور ایک ساتھ کسی ایک ہی جگہ گری ہوں..... تہہ خانے کی دیواریں جیسے ایک دوسری سے ٹکرا گئیں۔ چمپا کلی کے حلق سے چیخ نکل گئی اور وہ ناگ پال کے ساتھ لگی بے ہوش ہو گئی۔ یہ صور اسرافیل کی آواز تھی یا قیامت کی آواز تھی.... جو بھی تھی، اس آواز نے باقی بچی پہاڑیوں اور چٹانوں کو اپنی جگہ سے سینکڑوں فٹ اُوپر اُچھال کر ریزہ ریزہ کر دیا...... یہ قیامت کی آواز تھی یا مرنے سے پہلے ناگاپورم شہر کی آخری چیخ تھی۔ اس قیامت کی آواز نے جو خلا پیدا کیا اسے پُر کرنے کے لئے اردگرد کے جنگلوں، صحراؤں سے ہوا برق رفتار ہلاکت خیز طوفانی آندھیاں بن کر شہر کی طرف اُمڈیں اور ان آندھیوں نے تباہ کن بگولے کی شکل اختیار کر کے گرتے، ٹوٹتے، بکھرتے، زمین میں دھنستے ہوئے ناگاپورم شہر کو موت کی لپیٹ میں لے لیا۔ دس میل قطر کے اس بگولے کے اندر اینٹ، پتھر، عمارتوں کے دروازے، چھتوں کی کڑیاں، درختوں کے تنے اور چٹانوں کے ٹکڑے سینکڑوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہے تھے اور اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو فنا کرتے چلے جا رہے تھے۔

اس کے بعد ایک اور دھماکہ ہوا۔

یہ دھماکہ کیا تھا، ایک شورِ قیامت تھا۔ جیسے ہزاروں لاکھوں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں..... اور گناہ کی بستی فسق و فجور میں ڈوبا ہوا شہر ناگاپورا پورے کا پورا اپنے کھنڈرات اور کروڑوں ٹن ملبے کو لئے ایک دم زمین کے اندر ہزاروں فٹ کی گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا۔ معدوم ہو گیا۔ جہاں پہلے ایک شہر آباد تھا وہاں اب سات میل کی گولائی میں پھیلا ہوا ایک تاریک گڑھا عبرت کا نشان بن کر رہ گیا تھا..... لیکن قدرت کے قہر نے اس نشانِ عبرت کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ آس پاس کے ریت کے ٹیلوں کی ریت اور رہی سہی پہاڑیوں کے بڑے بڑے پتھر لڑھک لڑھک کر، پھسل پھسل کر اس گڑھے میں گرنے اور اسے بھرنے لگے۔ یہاں تک کہ جہاں ظلم کا، گناہ کا ایک شہر تھا وہاں ایک گہرا گڑھا بنا اور پھر وہاں ریت اور ملبے کا ایک ٹیلہ بن گیا.....

جب ناگاپورم شہر زمین میں غرق ہوا تو ناگ پال کو لگا کہ تہہ خانے کی زمین پھٹ گئی ہے اور وہ بے ہوش چمپاکلی کو سینے سے چمٹائے نیچے کو گر رہا ہے..... شاید زندگی میں پہلی بار ناگ پال کے حلق سے بھی چیخ نکل گئی اور اس کے بعد اُسے کچھ ہوش نہ رہا۔ وہ کب تک بے ہوش رہا؟ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے چمپاکلی کو دیکھا کہ وہ ناگ دیوتا کے پرانے استھان کے پاس بے ہوش پڑی ہے۔ ناگ دیوتا کا یہ پرانا استھان ایک چبوترے کی شکل میں تھا۔ کسی زمانے میں دُور دُور سے ناگ دیوتا کو ماننے والی رشی مُنی یہاں آتے اور اس تہہ خانے کے چبوترے پر آسن جما کر ناگ دیوتا کا چلہ کاٹا کرتے تھے۔ لیکن جب ناگاپورم شہر گناہوں کی دلدل میں ڈوب گیا اور ناگ دیوتا کا مندر عیاشیوں کا اڈہ بن گیا تو رشی مُنی یاتریوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا۔ تب سے یہ تہہ خانہ ویران پڑا تھا۔

ناگ پال، چمپاکلی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چمپاکلی نے آنکھیں کھول کر ناگ پال کو دیکھا۔ تہہ خانے میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایسی خاموشی اور سکوت تھا جیسا قبر میں ہوتا ہو گا۔ اس گھپ اندھیرے میں بھی ناگ پال اور چمپاکلی کو ایک دوسرے کے چہروں کے دُھندلے دُھندلے خاکے سے نظر آ رہے تھے۔ چمپاکلی کا حلق خشک تھا۔ ہونٹ خشک تھے۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''ناگ پال! کیا ہم مرنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں؟''

ناگ پال نے کہا۔ ''نہیں چمپاکلی! ہم زندہ ہیں۔ شہر سارے کا سارا غرق ہو گیا ہے۔ کوئی زندہ نہیں بچا۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ تہہ خانہ بھی زمین کے اندر دھنس چکا ہے۔''

چمپاکلی پر ابھی تک دہشت کے اثرات نمایاں تھے۔ کہنے لگی۔

''ہم یہاں دم گھٹنے سے مر جائیں گے ناگ پال! یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔''

ناگ پال نے کہا۔

''میرا خیال ہے ہم یہاں سے کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔ پھر بھی کوشش کرتا ہوں۔''

ناگ پال اُٹھ کر تہہ خانے کے دروازے کے پاس گیا جہاں سے زینہ اُوپر کو جاتا تھا۔ وہاں اب نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ کوئی زینہ ہی تھا۔ ملبے کا ڈھیر تھا جو زمین سے لے کر چھت تک چلا گیا تھا۔ وہ مایوسی کے عالم میں چمپاکلی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

''دروازے کے آگے ملبے کی دیوار آ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارا آخری وقت آ گیا ہے۔''

چمپاکلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے ناگ پال کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''پتی دیو! وعدہ کرو۔ مرنے کے بعد ہمارا دوسرا جنم ایک ساتھ ہو گا۔''

ناگ پال نے چمپاکلی کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بولا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ مگر یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہمارا دوسرا جنم ہمارے کرموں کا نتیجہ ہو گا۔ جیسے ہم نے کرم کئے ہیں ویسے ہی ہم دوسرا جنم لیں گے۔''

چمپاکلی نے کہا۔

''لیکن ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں..... پریم کرتے ہیں۔ اور شاستروں میں لکھا ہے کہ دو سچے پریمیوں کا دوسرا جنم ایک ساتھ ہوتا ہے۔''

ناگ پال بولا۔ ''ہاں..... شاستروں میں یہی لکھا ہے۔''

چمپاکلی نے اپنا سر ناگ پال کے سینے سے لگایا اور کمزور آواز میں کہا۔ ''ہم پتی پتنی بھی ہیں اور ایک دوسرے کے پریمی بھی ہیں۔ ہم اکٹھے مریں گے اور اکٹھے دوسرا جنم لیں گے۔''

ناگ پال نے اپنا سر چمپاکلی کے سر کے ساتھ لگایا۔ دونوں کی آنکھیں بند تھیں۔ دونوں پر آہستہ آہستہ نقاہت طاری ہونے لگی۔ تہہ خانے میں اتنی آکسیجن نہیں تھی کہ وہ زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتے۔ کچھ ہی دیر بعد اُن دونوں کو سانس لینے میں دقت محسوس ہونے لگی۔ سانس رُک رُک کر آنے لگا۔ چمپاکلی نے کچھ کہنا چاہا مگر نقاہت کے باعث اُس کی آواز نہ نکل سکی۔ ناگ پال کا بھی یہی حال تھا۔ اُس پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ شاید یہ موت سے پہلے کی غنودگی تھی۔ اُن کے جسموں نے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تھوڑی حرکت کی اور پھر ساکت ہو گئے..... بے حس و حرکت ہو گئے..... سانسیں بند ہو گئیں۔ سر نیچے کو ڈھلک گئے..... شاید یہ موت کا سکوت تھا..... خاموشیوں کی خاموشی تھی، اندھیروں کا اندھیرا تھا۔ لب بند تھے۔ نظریں بند تھیں۔ نہ کوئی سنانے والا تھا، نہ کوئی سننے والا تھا۔ نہ کوئی دیکھنے والا تھا، نہ کچھ دیکھنے کو تھا۔ آرزوئیں، حسرتیں، خوشیاں اور غم، ملال، پچھتاوے، ندامتیں، محبتیں، نفرتیں، عداوتیں کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کا سب چھوٹ گیا تھا۔ ایک ایک کر کے حواس خمسہ کے تحت کام کرنے والے سارے جذبے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ نہ آغاز کی خبر تھی، نہ انجام کا احساس تھا۔

عین اُسی وقت تہہ خانے کی تاریکی میں ناگ دیوتا کے شکستہ چبوترے پر روشنی کی ایک لکیر پتھروں میں سے پھوٹ کر نکلی اور تہہ خانے میں روشنی ہوگئی۔ روشنی کی یہ دُھندلی سی لکیر غائب ہوگئی مگر اس کی روشنی غائب نہ ہوئی۔ چمپا کلی اور ناگ پال کے ساکت بے حس جسم ایک دوسرے کے ساتھ لگے فرش پر پڑے تھے۔ اچانک روشنی کی لکیر دوبارہ پھوٹی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی چمپا کلی اور ناگ پال کے ساکت جسموں کو چھو کر غائب ہوگئی۔ اس کے غائب ہوتے ہی چمپا کلی اور ناگ پال کے جسموں نے دو سانپوں کی شکل اختیار کر لی اور اُن میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی..... سانپ کے رُوپ میں آنے کے بعد سب سے پہلے ناگ پال نے اپنا سر اُٹھایا اور پھن کھول کر چمپا کلی پر نگاہ ڈالی۔ اسی لمحے چمپا کلی کے جسم نے بھی، جو سانپ کا رُوپ اختیار کر چکا تھا، تھوڑی سی حرکت کی۔ اس نے بھی سر اُٹھایا اور اپنا پھن کھول دیا۔ اب دونوں محبت کرنے والے، چمپا کلی اور ناگ پال، ایک دوسرے کو سانپ کے رُوپ میں دیکھ رہے تھے۔ چمپا کلی نے کہا۔

''کیا یہ ہمارا دوسرا جنم ہے؟'' اُس کی آواز سرگوشی کی طرح تھی۔

ناگ پال نے سرگوشی کی آواز میں ہی جواب دیا۔

''ہاں چمپا کلی! شاید یہ ہمارا دوسرا جنم ہے۔''

اچانک ایک زبردست پھنکار سے تہہ خانے کی فضا گونج اُٹھی..... دونوں سانپوں، یعنی چمپا کلی اور ناگ پال نے اپنے اپنے پھن گھما کر شکستہ چبوترے کی طرف دیکھا جہاں ایک سفید سانپ کا پھن آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو گئے۔ سفید سانپ کا پھن چبوترے سے دو فٹ بلند ہو چکا تھا۔ پھر ایک آواز بلند ہوئی جس نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے انسانی آواز میں کہا۔

''ناگ پال! چمپا کلی! میں ناگ دیوتا ہوں۔ اور یہ تمہارا دوسرا جنم ہے۔ تمہاری سچی محبت نے تمہیں دوسرے جنم میں دوبارہ ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔ تم دونوں نے زندگی میں جو تھوڑے بہت پاپ کئے ہیں ان کی وجہ سے تمہارا دوسرا جنم سانپ کے رُوپ میں ہوا ہے۔ اگر تم یہ گناہ نہ کرتے تو تمہیں دیوی دیوتاؤں کا استھان ملتا اور تم جنم جنم کے چکر سے آزاد ہو جاتے۔ ایسا نہ ہو سکا۔ تم موہ مایا اور حرص و ہوس کے بوجھ میں بھی پھنسے رہے۔ اس کا حساب چکانے کے لئے تمہیں ایک جنم کا چکر سانپ کے رُوپ میں پورا کرنا پڑے گا۔ اور تمہارے جنم کا یہ چکر ایک لاکھ سال کا بھی ہو سکتا ہے اور دس لاکھ سالوں کا بھی ہو سکتا ہے۔''

ناگ دیوتا خاموش ہو گیا۔ تب ناگ پال نے اپنا سر جھکا دیا اور انسانی آواز میں پوچھا۔

''میرے دیوتا! کیا میں اور چمپا کلی اس نئے جنم میں کبھی انسانی رُوپ میں ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے؟''

ناگ دیوتا نے کہا۔

''تم دونوں میرے سچے پجاری رہے ہو، اس کی مجھے خوشی ہے۔ میں نے شیش ناگ دیوتا سے تمہارے لئے خاص اجازت لے لی ہے۔ تم یہاں سے باہر جا سکو گے اور ٹیلے میں کوئی جگہ پسند کر کے وہاں رہو گے۔ ہر ماہ پونم کی رات کو جب آسمان پر پورا چاند روشن ہوگا، چمپا کلی میرے اس استھان پر آ کر انسانی شکل میں ناگ دیوتا کا خاص رقص کیا کرے گی۔ اس وقت ناگ پال! تم بھی انسانی رُوپ میں ہو گے۔ رقص کے بعد تم سانپ کے رُوپ میں واپس آ جاؤ گے اور اپنے ٹیلے والے گھر میں واپس چلے جاؤ گے۔ لیکن اس کی دو شرطیں ہیں۔''

''کون سی میرے دیوتا؟ آپ حکم کریں۔ ہم ان کا پالن کریں گے۔''

ناگ دیوتا نے کہا۔

''پہلی شرط یہ ہے کہ تم یہاں سے باہر نکل کر ٹیلے کے آس پاس بیس فٹ کے اندر اندر ہی رہو گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تم باہر کی زندہ لوگوں کی دنیا والوں کے ساتھ کوئی بات نہیں کرو گے۔ کیا تم یہ دونوں شرطیں قبول کرتے ہو؟''

ناگ پال نے کہا۔ ''میں دونوں شرطیں قبول کرتا ہوں میرے دیوتا!''

ناگ دیوتا نے اب اپنا پھن چمپا کلی کے پھن کی طرف موڑا اور اُس سے پوچھا۔

''چمپا کلی! کیا تمہیں بھی یہ شرطیں منظور ہیں؟''

چمپا کلی نے اپنا پھن جھکا کر کہا۔ ''مجھے منظور ہیں دیوتاؤں کے دیوتا!''

ناگ دیوتا نے کہا۔

''اب تم دونوں یہاں سے باہر جاؤ اور ٹیلے میں اپنے رہنے کے لئے کوئی جگہ بناؤ۔ جب پونم کی رات آئے تو تم دونوں یہاں آؤ گے اور چمپا کلی میرے سامنے عورت کی شکل میں ناگ دیوتا کا رقص کرے گی۔''

اتنا کہہ کر ناگ دیوتا نے اپنا سفید پھن سمیٹا اور چبوترے کے اندر غائب ہو گیا۔ ناگ پال اور چمپا کلی، سانپوں کے رُوپ میں اپنا اپنا پھن کھولے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ چمپا کلی کہنے لگی۔

''یہ بڑے سوبھاگیہ کی بات ہے ناگ پال! کہ ہم مہینے میں ایک رات جو پورے چاند کی رات ہو گی، انسانی شکل میں ایک دوسرے سے مل سکیں گے، ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر انسانی رُوپ میں ایک دوسرے سے محبت کی باتیں کر سکیں گے۔''

ناگ پال بولا۔

''ہاں چمپا کلی! یہ سچ مچ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ کاش! ہم نے موہ مایا کے لوبھ میں آ کر وہ گناہ بھی نہ کئے ہوتے جس کے نتیجے میں ہمیں سانپ کا جنم بھگتنا پڑے گا۔''

چمپا کلی نے کہا۔
''ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ ہمارے بھاگ میں جو لکھا تھا وہ ہو رہا ہے۔ مگر اتنی خوشی کیا کم ہے کہ اس جنم میں ہمارا ملاپ ہو گیا ہے۔''
ناگ پال بولا۔
''چلو..... یہاں سے باہر نکل کر دیکھتے ہیں کہ باہر کا کیا حال ہے اور ہمیں اس جنم میں آتے آتے وقت کتنا گزر چکا ہے۔''
وہ دونوں سانپ کے رُوپ میں تہہ خانے کے بند دروازے کے ملبے میں جگہ بناتے بناتے باہر نکل آئے۔ باہر دن کی تیز روشنی میں ایک لمحے کے لئے اُن کی آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ سب سے پہلی تبدیلی اُنہوں نے یہ دیکھی کہ جہاں پہلے ناگ دیوتا کے مندر کی عظیم الشان عمارت ہوتی تھی وہاں اب اینٹوں اور مٹی کا ایک ڈھیر ہی رہ گیا تھا۔ ناگا پورم شہر، جس کی عالی شان عمارتیں اور شاہی محلات کے برج دُور سے چمکتے نظر آیا کرتے تھے، صفحہ ہستی سے غائب ہو گیا تھا۔ نہ شاہی محلات تھے، نہ شہر کی فصیل باقی تھی، نہ اُچھلتے فواروں والے سرسبز باغ باقی تھے۔ ہر طرف ریت اور مٹی کی ڈھیریاں پڑی عبرت کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ ہر جانب موت کا سناٹا طاری تھا۔ شہر کی فصیل کے ساتھ جو دریا بہتا تھا وہاں اب سوائے ریت کے کچھ بھی نہیں تھا۔ چمپا کلی نے کہا۔
''ناگ پال! یقین نہیں آتا کہ ایک ہنستا بستا شہر آن کی آن میں ایسا فنا ہوا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔''
ناگ پال نے کہا۔
''یہ قہر خداوندی ہے چمپا! انسان کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔''
چمپا کلی نے ٹیلے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں دریا بہتا تھا۔ تمہیں یاد ہے نا؟''
''کیسے یاد نہیں ہوگا۔ یہ گھاگرا دریا تھا۔'' ناگ پال نے جواب دیا۔
چمپا کلی بولی۔
''شہر کے ساتھ دریا بھی زمین میں دھنس گیا ہے۔''
''ایسا ہونا ہی تھا۔'' ناگ پال نے کہا۔ ''جب گناہ حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو قدرت کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اس غضب اور قہر کے آگے جو شے آتی ہے فنا ہو جاتی ہے۔''
چمپا کلی نے اپنا ناگن والا پھن چاروں طرف گھما کر ماحول کا جائزہ لیا اور بولی۔
''شہر کے باہر جو ٹیلے تھے وہ بھی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ دیکھو! ان کے پتھر جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔''
ناگ پال نے کوئی جواب نہ دیا۔ چمپا کلی نے پوچھا۔

''تمہارے خیال میں کتنا وقت گزر چکا ہوگا؟''
ناگ پال نے کہا۔ ''لگتا ہے شہر کو تباہ و برباد ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ چلو ٹیلے میں اپنے رہنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں۔''
وہ دونوں ٹیلے کی ڈھلان کے ساتھ ساتھ رینگتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ایک جگہ اُنہیں شگاف دکھائی دیا۔ وہ شگاف میں گھس گئے۔ شگاف کے اندر ایک قدرتی غار تھا۔ جہاں یہ غار ختم ہوتا تھا وہاں چھوٹا سا قدرتی دالان سا تھا۔ دونوں نے اسی جگہ رہنے کا فیصلہ کر لیا..... !

○○○

چمپاکلی اور ناگ پال سانپ کے رُوپ میں تھے۔ وہ اس لئے بھی زیادہ دیر تک کھلی فضا میں رہنا نہیں چاہتے تھے کہ کسی انسان سے اُن کا آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ کیونکہ ناگ دیوتا نے اُن پر دو شرطیں عائد کی تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ وہ ٹیلے کے آس پاس پندرہ بیس فٹ کے اندر اندر ہی رہیں گے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ وہ کسی انسان سے کوئی بات چیت نہیں کریں گے۔ ناگ پال نے یہی بہتر سمجھا تھا کہ دوسری شرط پوری کرنے کے لئے یہی بہتر ہے کہ اُن کا کسی انسان سے آمنا سامنا ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس بات کا امکان تھا کہ اگر کوئی انسان اچانک اُن کے سامنے آ گیا تو وہ اس سے کوئی بات کرنے کی غلطی کر بیٹھیں گے اور ناگ دیوتا کی شرط کی خلاف ورزی ہو جائے گی اور ان پر ناگ دیوتا کا کوئی قہر نازل ہو جائے گا۔

پونم کی رات یعنی پورے چاند کی رات کو ابھی دس دن رہتے تھے۔ اس دوران ناگ پال اور چمپاکلی، ناگ ناگن کے رُوپ میں ٹیلے کے اندر پڑے رہے۔ وہاں اُنہوں نے رہنے کے لئے ایک جگہ بنالی تھی۔ وہیں چپ چاپ دن رات پڑے رہتے۔ وہ ساری زندگی عورت اور مرد کے رُوپ میں ایک دوسرے سے ملتے رہے تھے، ایک دوسرے سے محبت بھری باتیں کرتے رہے تھے۔ اب وہ سانپ کے رُوپ میں تھے۔ ناگ اور ناگن کے رُوپ میں تھے۔ اُنہیں ایک دوسرے سے محبت بھری باتیں کرتے ہوئے عجیب سا لگتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی انسانی شکل دیکھنے کو ترستے تھے۔ مگر وہ صرف پونم کی رات کو ہی انسانی شکل میں ایک دوسرے سے مل سکتے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے چاند رات کا انتظار کر رہے تھے۔ ناگ اور ناگن کے رُوپ میں وہ ایک دوسرے سے بہت کم اور اشد ضرورت کے وقت ہی بات کرتے تھے۔ نہ چمپاکلی اپنا انسانی سر ناگ پال کے سینے کے ساتھ لگا سکتی تھی اور نہ ناگ پال چمپاکلی کا انسانی ہاتھ محبت سے تھام سکتا تھا۔ یوں وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے جدا تھے۔ اُنہیں حسرت ہی تھی کہ کاش وہ انسانی رُوپ میں ہوتے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والے انسانوں کی طرح بات کرتے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اسے بوسہ دیتے۔ یہ حسرت ان کے گناہوں کی سزا کا حصہ تھی۔

آخر چاند رات آ گئی ....!

چمپاکلی اور ناگ پال سانپ کے رُوپ میں ٹیلے کے غار سے نکلے اور رینگتے ہوئے ناگ

دیوتا کی گپھاہ کی طرف چل پڑے۔ غرق شدہ ناگ مندر کے تہہ خانے کو وہ اپنی زبان میں ناگ دیوتا کی گپھاہ ہی کہتے تھے۔ چنانچہ ہم بھی اسے گپھاہ ہی لکھیں گے۔ ان دونوں کو اس حقیقت کا علم نہیں تھا کہ وقت کتنا گزر چکا ہے؟ تاریخ اپنی کتاب کے کتنے ورق اُلٹ چکی ہے؟ حقیقت یہ تھی کہ جب وہ دونوں شہر کے غرق ہونے اور اس کی تباہی کے بعد ناگ مندر کے تہہ خانے (گپھاہ) میں آ کر بے ہوش گئے تھے اور پھر بے ہوشی میں ہی موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا تھا اور موت کے بعد ناگ اور ناگن کی شکل میں اُن کا دوسرا جنم شروع ہوا تھا تو اُن کی بے ہوشی اور موت کے وقفے کے دوران پوری ایک صدی گزر چکی تھی جس کا احساس اُنہیں تب ہوا جب پورے چاند کی رات کو اُنہوں نے چاندنی میں آس پاس نگاہ ڈالی تو جہاں ریت کے ٹیلے ہوا کرتے تھے اب وہاں چٹیل میدان نظر آیا اور جہاں کبھی چٹیل میدان تھا وہاں اُنہیں مٹی کے بڑے بڑے تودے دکھائی دیئے۔ وقت نے ایک صدی میں بہت کچھ توڑ پھوڑ دیا تھا۔ بہت کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔

آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا۔ آج ان دونوں کے انسانی شکل میں ملن کی رات تھی۔ وہ بڑی بے تابی سے اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے جب وہ سانپ کا رُوپ چھوڑ کر اپنی انسانی شکلوں میں واپس آ جائیں گے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو انسانی رُوپ میں دیکھ سکیں گے، ایک دوسرے کے انسانی جسم کو چھو سکیں گے۔ جب چمپاکلی ناگ پال کی سیاہ موتیوں کی طرح چمکتی آنکھوں کو دیکھ سکے گی اور جب ناگ پال چمپاکلی کے سنہری بالوں پر ہاتھ پھیر سکے گا۔ دونوں ناگ اور ناگن کے رُوپ میں یہی کچھ سوچ رہے تھے، مگر چپ تھے۔ وہ رینگتے ہوئے ناگ مندر کے کھنڈر کے تہہ خانے کی گپھاہ کے قریب آ گئے۔ ایک صدی گزر جانے پر وہاں جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اُگ چکی تھیں۔ ان جھاڑیوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ بن گیا ہوا تھا جو تہہ خانے یعنی گپھاہ میں جاتا تھا۔

دونوں گپھاہ میں داخل ہو گئے۔ گپھاہ کے تہہ خانے کا چھوٹا سا چبوترہ قائم تھا۔ اس کے اوپر ناگ دیوتا کی مورتی ٹوٹ پھوٹ کر معدوم ہو چکی تھی۔ اُن کے سانپ کے رُوپ میں آنے سے پہلے وہاں چبوترے پر چھوٹی چھوٹی اینٹیں جوڑ کر دو ڈھائی فٹ اُونچا ایک ستون سا بنا دیا گیا تھا جو ناگ دیوتا کی مورتی کی علامت تھا اور جس کی وہ دونوں یعنی چمپاکلی اور ناگ پال، ناگ دیوتا کی مورتی سمجھ کر پوجا کرتے تھے۔ تہہ خانے کی گپھاہ کی چھت کے اُوپر پڑے ہوئے تباہ شدہ ناگ مندر کے سینکڑوں مَن ملبے کے اینٹ پتھر زلزلوں اور صحرائی جھکڑوں میں وقت کے ساتھ ساتھ اُکھڑ اُکھڑ کر بکھرتے رہے تھے اور وہاں ایک سوراخ سا بن گیا تھا۔ چبوترے پر بھی امتدادِ زمانہ سے ناگ دیوتا کی مورتی کی علامت جو چھوٹا سا اینٹیں جوڑ کر ستون بنایا گیا تھا وہ بھی پرانی اینٹوں کی چھوٹی سی ڈھیری میں تبدیل ہو چکا تھا۔ تہہ خانے میں

بھی چھت کی اینٹیں گرنے سے دو تین جگہوں پر اینٹوں کی ڈھیریاں لگی ہوئی تھیں۔

سانپوں کا جوڑا یعنی چمپا کلی اور ناگ پال، ناگ ناگن کے رُوپ میں تہہ خانے کی گپھاہ میں داخل ہونے کے بعد مورتی کے استھان کی اوٹ میں ہو گئے۔ استھان کے پیچھے چند لمحوں کے بعد سانپوں کی دو زبردست پھنکاریں تہہ خانے کی خاموشی میں گونج اُٹھیں۔ اس کے ساتھ ہی چمپا کلی اور ناگ پال، ناگ اور ناگن کی شکل میں رینگتے ہوئے ناگ دیوتا کی مورتی والے چبوترے کے عقب سے نکل کر سامنے آ گئے۔ دونوں اپنے پھن کھولے ایک دوسرے کے آمنے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھے تھے اور ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ اُن کے پھن آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔ پھر ڈھولک اور بین بجنے کی دھیمی دھیمی آواز آنے لگی۔ اس کے ساتھ شہنائی کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ آوازیں اتنی دھیمی اور پراسرار تھیں کہ لگتا تھا قدیم زمانے کے مندروں میں سے نکل کر آ رہی ہیں۔ ڈھولک اور بین کی آواز پر ناگ اور ناگن ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور اُنہوں نے رقص کرنا شروع کر دیا۔ کبھی وہ ایک دوسرے کی گردن میں گردن ڈال دیتے، کبھی ایک دم ایک دوسرے سے الگ ہو کر زور سے پھنکارتے اور ایک دوسرے کے پیچھے گول دائرے میں چکر لگانے لگتے۔

ٹھیک اس لمحے پوری رات کا چاند گپھاہ کے تہہ خانے سے باہر اس کی چھت کے عین اُوپر اس جگہ پر آ گیا تھا جہاں چھت کے اینٹ پتھر اُدھڑ چکے تھے اور ایک سوراخ بن گیا تھا۔ چاند کی کرنیں سوراخ میں سے ہو کر تہہ خانے میں اُتر پڑیں۔ جیسے ہی چاند کی کرنیں سوراخ میں سے گزر کر تہہ خانے میں آئیں، ناگ اور ناگن کا جوڑا رقص ادھورا چھوڑ کر مورتی کے استھان کے سامنے ساکت ہو گیا۔ چاندنی کی کرن بے معلوم حرکت کے ساتھ آہستہ آہستہ اینٹوں کی ڈھیری کے اوپر سے کھسک کر ناگ اور ناگن کی طرف آ رہی تھی۔ ناگ اور ناگن یعنی ناگ پال اور چمپا کلی اپنے پھن کھولے بے حس و حرکت ہو کر اپنی جگہ کنڈلی مارے خاموش بیٹھے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔

وہ چاندنی کی کرن کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی چاندنی کی کرن آہستہ آہستہ کھسکتی ہوئی ان دونوں پر آ کر پڑی وہ پلک جھپکتے میں اپنی اپنی انسانی شکلوں میں واپس آ گئے..... اب وہاں ناگ اور ناگن کی بجائے چمپا کلی اور ناگ پال ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ چمپا کلی، شاہی رقاصہ کے زریں لباس میں تھی جس پر ہیرے جواہرات چمک رہے تھے۔ اُس کی نیلی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سر پر ہیرے جواہرات کا تاج تھا۔ ناگ پال بھی اپنے اصلی رُوپ میں واپس آ کر ایک کشیدہ قامت خوبرو جوان کی شکل میں چمپا کلی کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ گلے میں قیمتی سرخ و سبز پتھروں کی مالا تھی۔ بانہوں میں ہیرے جواہرات کے مرصع بازو بند تھے۔ کمر کے گرد

سنہری پٹکا بندھا تھا۔ ڈھولک اور شہنائی کی دھیمی آواز میں دونوں محبت کرنے والے پتی پتنی ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہے تھے۔

اتنے میں ایک اور سانپ کی پھنکار بلند ہوئی۔ پھنکار کی آواز سنتے ہی ناگ پال مورتی کے استھان کے قریب آسن جما کر بیٹھ گیا۔ چمپا کلی نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور اپنا چہرہ مورتی والے استھان کی طرف کر لیا۔ پھنکار کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مورتی کے استھان کے عقب سے ناگ دیوتا سفید پھن دار سانپ کی شکل میں نمودار ہوا۔ چمپا کلی اور ناگ پال نے اپنے اپنے سر جھکا دیئے۔ ناگ دیوتا مورتی کی جگہ پر کنڈل مار کر بیٹھ گیا۔

چمپا کلی نے آہستہ آہستہ اپنی سنہری بالوں اور ہیرے جواہرات کے تاج والا سر اُوپر اُٹھایا، ہاتھ جوڑ کر ایک بار پھر سر کو جھکا کر ناگ دیوتا کو پرنام کیا اور اپنے دونوں بازو کھول کر ساکت ہو گئی۔ پھر ایک دم سے غیب سے آنے والی ڈھولک کی آواز بلند ہوئی۔ اس کے ساتھ شہنائی اور بین کی آوازیں بھی بلند ہوتی چلی گئیں۔ چمپا کلی کے جسم نے کھڑے کھڑے تھرکنا شروع کر دیا۔ تھرکتے تھرکتے وہ غیر معلوم انداز میں ناگ دیوتا کی طرف بڑھی۔ قریب جا کر تھرکتے بدن کے ساتھ اُسے تین بار جھک کر تعظیم کی اور ایک جھٹکے سے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور اُس کا بدن رقص کے شعلہ جوالا میں تبدیل ہو گیا۔ وہ ناچتے ہوئے رقص کا ایک چکر پورا کرتی اور ہر بار ناگ دیوتا کے سفید سانپ کے سامنے آ کر ہاتھ باندھ کر اُسے نمسکار کرتی۔ رقص کے بارہ چکر پورے کرنے کے بعد وہ زمین پر سر آگے کو ڈال کر بیٹھ گئی۔ سازوں کی لے ایک دم سے بدل کر تیز ہو گئی۔ شہنائی کی آواز دھیمی ہو گئی اور سپیرے کی بین کی آواز بلند ہو گئی۔ بین کی رُک رُک کر بلند ہوتی آواز کے ساتھ ہی چمپا کلی نے ناگ دیوتا کا خاص رقص شروع کر دیا۔ وہ بازوؤں کو لہراتی جھومتی ہوئی اُٹھی اور بین کی لے کے ساتھ سانپ کی طرح بل کھانے لہرانے لگی۔ کبھی وہ ناچتے ناچتے زمین پر سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ جاتی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر پھن کی شکل بناتی۔ کبھی زمین پر اوندھی لیٹ کر بے قرار ناگن کی طرح تڑپ تڑپ کر رینگنے لگتی۔ پھر ایک دم سے اُٹھتی اور ڈھولک کی تھاپ اور بین کی آواز پر تھرکتی، لہراتی ناگ دیوتا کے سامنے آ کر اُسے پرنام کرتی۔ اس دوران ناگ پال زمین پر آسن جمائے بیٹھا رہا۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور اُس کا چہرہ ناگ دیوتا کے سفید سانپ کی جانب تھا۔ جب چمپا کلی کا ناگ رقص ختم ہوا تو وہ ہاتھ باندھ کر ناگ دیوتا کے سامنے گئی۔ تین بار جھک کر پرنام کیا اور اُلٹے پاؤں واپس چل کر ناگ پال کے پہلو میں آسن جما کر بیٹھ گئی۔

تب ناگ دیوتا کی آواز آئی۔

''چمپا کلی! ہم تمہارے رقص سے بہت خوش ہوئے۔ تم نے ہمیشہ ہمیں اپنے رقص سے خوش

کیا ہے۔ تم نے ہماری بہت سیوا کی ہے۔ ہم تمہارا دوسرا جنم سانپ کے رُوپ میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر تم نے اپنے جیون میں جو برے کرم کئے تھے ان کے بدلے تمہیں سانپ کا رُوپ ملا۔ ناگ پال! تم نے اپنا جیون نیکی کر کے گزارا۔ لیکن چمپا کلی کی محبت میں تم نے بھی کچھ ایسے گناہ کئے جس کے بدلے تمہیں دوسرے جنم میں سانپ کا رُوپ دیا گیا۔ یاد رکھو! اس سنسار میں ایسا کوئی انسان نہ پیدا ہوا ہے نہ ہو گا جس کو اپنے اچھے برے کرموں کا نتیجہ نہ بھگتنا پڑے۔ یہ تم دونوں کا پتی پتنی کی حیثیت سے پریم ہے جس کا پھل تمہیں یہ ملا ہے کہ تم دوسرے جنم میں بھی ایک ساتھ رہو گے اور مہینے میں ایک رات جب آسمان پر پورا چاند روشن ہو گا تم پھر سے انسانی شکل میں آ کر ایک دوسرے سے پیار کر سکو گے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا تمہارے اپنے کرموں، تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوا۔ اس میں ناگ دیوتا کا، آکاش کے کسی دیوتا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اب میں اپنی طرف سے تمہیں ایک انعام دینا چاہتا ہوں۔''

چمپا کلی اور ناگ پال ایک دوسرے کے پہلو میں آسن جمائے بیٹھے بڑی عقیدت سے ناگ دیوتا کی گفتگو سن رہے تھے۔ ناگ دیوتا کے سفید سانپ نے اپنا پھیلا ہوا پھن آگے کیا اور اپنے منہ میں سے ہیرے جیسا ایک چمکیلا موتی نکال کر اینٹوں پر رکھ دیا، پھر کہا۔

''چمپا کلی! ناگ پال! یہ ناگ دیوتا کا ناگ رتن ہے۔ اس ناگ رتن میں بڑی شکتی ہے بڑی طاقت ہے۔ تم اس طاقت سے بڑا کام لے سکتے ہو۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔ تم دونوں کے جنم کا چکر بڑا لمبا ہے۔ تمہیں ابھی ان گنت صدیوں تک ناگ ناگن کے رُوپ میں زندہ رہنا ہو گا۔ یہ ناگ رتن تم دونوں کو اکٹھا رکھے گا۔ اس ناگ رتن کی شکتی سے تم بڑی سے بڑی مصیبت کا مقابلہ کر سکو گے۔ کٹھن سے کٹھن بپتا میں بھی یہ ناگ رتن تم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دے گا۔ لیکن اگر تم نے یہ ناگ رتن گم کر دیا تو پھر تم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ گے۔ تم دونوں میں جدائی پڑ جائے گی۔ ایسی جدائی ہو گی کہ پھر شاید اگلے کسی جنم میں بھی تم ایک دوسرے سے نہ مل سکو گے۔ ناگ پال! تم مرد ہو۔ تم اس کی حفاظت کر سکتے ہو۔ یہ ناگ رتن اُٹھا لو!''

ناگ دیوتا کے حکم کے مطابق ناگ پال نے اُٹھ کر ناگ رتن اُٹھا لیا اور اُسے اپنی پوشاک کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا۔ ناگ پال نے جھک کر عرض کی۔

''ناگ دیوتا! ہمیں صرف مہینے میں ایک رات کو انسانی جسم ملے گا۔ میں اور چمپا کلی سال کی صرف بارہ راتوں میں ہی ایک دوسرے سے انسانی رُوپ میں مل سکیں گے۔ باقی کے سارے دن ہمیں سانپ کے رُوپ میں بسر کرنے ہوں گے۔ انسانی رُوپ میں تو ناگ رتن میری جیب میں محفوظ ہو گا۔ لیکن جب ہم سانپ کا رُوپ بدلیں گے تو یہ ناگ رتن کہاں ہو گا؟''

ناگ دیوتا نے کہا۔

''جب تم سانپ کا رُوپ اختیار کرو گے تو یہ ناگ رتن اپنے آپ تمہارے منہ میں چلا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح سانپ کے منہ میں اس کا منکا ہوتا ہے۔''

چمپا کلی کا چہرہ کچھ اُداس اُداس نظر آنے لگا۔ ناگ دیوتا نے اُس کی اُداسی کو محسوس کر لیا تھا۔ اُس نے چمپا کلی سے پوچھا۔

''چمپا کلی! ہم نے تمہیں اپنا سب سے قیمتی انعام ناگ رتن کی شکل میں دیا ہے۔ کیا تم ہمارے انعام سے خوش نہیں ہو؟''

چمپا کلی نے سر جھکا کر عرض کی۔ ''ناگ دیوتا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ناگ دیوتا مجھے انعام سے نوازیں اور میں خوش نہ ہو جاؤں۔''

ناگ دیوتا نے کہا۔ ''پھر تمہارے چہرے پر یہ اُداسی کیوں ہے؟''

چمپا کلی نے عرض کی۔

''وشال ناگ دیوتا! مجھے یہ غم لگ گیا ہے کہ اگر ناگ پال سے یہ ناگ رتن گم ہو گیا تو ہم جنم جنم کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔''

''اگر تم اتنے کمزور ہو کہ اپنی سب سے بڑی طاقت، اپنی سب سے بڑی شکتی کی حفاظت نہیں کر سکتے تو پھر تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

اتنا کہہ کر ناگ دیوتا سفید سانپ کے رُوپ میں جس طرف سے آیا تھا اُسی طرف کو چلا گیا۔ اُس کے جانے کے کچھ دیر بعد تک چمپا کلی اور ناگ پال پر ناگ دیوتا کی ہیبت طاری رہی۔ جب اس ہیبت کا طلسم ٹوٹا تو ناگ پال نے چمپا کلی سے کہا۔

''ناگ دیوتا نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ قدرت انسان کو جو صلاحیت عطا کرتی ہے، جو طاقت دیتی ہے اگر وہ انسان اس صلاحیت کی، اپنی اس طاقت کی حفاظت نہیں کر سکتا تو وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردہ ہوتا ہے۔ چمپا کلی! ہم ناگ رتن کی دل و جان سے حفاظت کریں گے۔''

گپھا کی چھت کے سوراخ میں سے آتی چاندنی کی کرن سامنے والی دیوار کے قریب پہنچ گئی تھی۔ چمپا کلی نے چاندنی کی کرن کو اُداس نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''ناگ پال! جب یہ کرن دیوار کو چھو لے گی اور غائب ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی ہم انسانی رُوپ سے سانپ کی شکل میں آ جائیں گے۔ اس وقت کو ضائع نہ کرو۔ مجھ سے پریم محبت کی باتیں کرو۔ کیونکہ اس کے آگے ایک مہینے کی لمبی جدائی ہے۔''

ناگ پال نے چمپا کلی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما اور دونوں محبت کرنے والے پتی پتنی محبت کے راز و نیاز میں محو ہو گئے۔ اُن کے سچے عشق میں ڈوبے ہوئے لمحے وقت سے

بے نیاز تھے۔ مگر وقت اُن سے بے نیاز نہیں تھا۔ وقت زمین کی گردش کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ چھت کے سوراخ سے آتی چاندنی کی کرن دیوار کے قریب پہنچ گئی۔ اور جیسے ہی چاندنی کی کرن نے دیوار کو چھوا، وہ غائب ہوگئی۔ کرن کے غائب ہوتے ہی چمپا کلی اور ناگ پال کو ایک بے معلوم سا جھٹکا محسوس ہوا اور وہ انسانی رُوپ سے سانپ کے رُوپ میں واپس آ گئے۔ جہاں ایک سیکنڈ پہلے میاں بیوی کا جوڑا بیٹھا ایک دوسرے سے پیار محبت کی باتیں کر رہا تھا وہاں اب دو سانپ ایک دوسرے کی گردن میں گردن ڈالے پڑے تھے۔

دونوں جلدی سے الگ ہو گئے۔ چمپا کلی نے حسرت بھری آواز میں کہا۔

''ہماری جدائی کے دن شروع ہو گئے ہیں۔''

ناگ پال نے کمزوری آواز میں کہا۔''یہ تقدیر کا لکھا ہے...... ہمیں بھگتنا پڑے گا۔''

اُن کی آوازوں میں وہ طاقت، وہ زور اور وہ چمک دمک نہیں تھی جو اس وقت اُن کی آوازوں میں تھی جب وہ انسانی شکل میں تھے۔ اب اُن کی آواز سرگوشیوں میں نکلتی تھی۔ یہ کمزور اور نحیف آواز تھی۔ بولنے میں اُنہیں وقت ہوتی تھی۔ چپ رہنے میں سکون ملتا تھا۔ چمپا کلی نے تھکی تھکی آواز میں ناگ پال سے پوچھا۔

''ناگ رتن تمہارے منہ میں آ گیا ہے یا نہیں؟''

ناگ پال نے اپنے سانپ والے منہ کے اندر زبان پھیری اور آہستہ سے سرگوشی کی آواز میں کہا۔''ہاں...... ناگ رتن میرے منہ کی تھیلی میں موجود ہے۔''

اس کے بعد چمپا کلی نے کوئی بات نہ کی۔ ناگ پال کا بھی کوئی بات کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے رینگتے ہوئے تہہ خانے کی گپھا سے نکل کر اپنے ٹیلے والے ٹھکانے کی طرف چل دیئے۔

○

وقت کی گردش جاری رہی...... وقت کا کبھی نہ تھمنے والا پہیہ گھومتا چلا گیا...... چمپا کلی اور ناگ پال پورے چاند کی ہر رات کو اپنے ٹھکانے سے ناگ ناگن کے رُوپ میں نکل کر ناگ دیوتا کی گپھا میں آتے اور دیوتا کے ٹوٹے پھوٹے استھان کے سامنے کنڈل مار کر پھن کھول کر بیٹھ جاتے۔ باہر آسمان پر چاند کا سفر جاری رہتا۔ اور جب چاندنی کی کرن چھت کے سوراخ میں سے نکل کر آہستہ آہستہ کھسکتی ہوئی ان کے سانپوں کے جسم پر پڑتی تو وہ ایک جھٹکے کے ساتھ انسانی رُوپ اختیار کر لیتے۔ اس وقت چمپا کلی شاہی رقاصہ کے زرق برق لباس میں ہوتی۔ ناگ پال بھی شاہی پجاریوں کی شاہانہ پوشاک میں ملبوس ہوتا۔ پھر ناگ دیوتا سفید سانپ کی شکل میں استھان کے چبوترے پر نمودار ہوتا اور دونوں سر جھکا کر، ہاتھ باندھ کر ناگ دیوتا کو پرنام کرتے۔ اور پھر چمپا کلی کا ناگ رقص شروع ہو جاتا۔ رقص کرتے کرتے وہ پسینے

میں شرابور ہو جاتی۔ جب رقص ختم ہوتا تو ناگ دیوتا اُنہیں اپنا اشیرواد دے کر رخصت ہو جاتا۔ اُس کے جانے کے بعد دونوں پتی پتنی، چمپا کلی اور ناگ پال محبت کے راز و نیاز میں محو ہو جاتے۔ جب چاند کی کرن اُن کی عقبی دیوار پر پڑتی تو ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ دونوں انسانی رُوپ سے سانپوں کی شکل میں واپس آ جاتے اور شکستہ دل ہو کر ایک دوسرے سے الگ ہوتے اور خاموشی سے رینگتے ہوئے اگلی چاند رات کا انتظار کرنے اپنے ٹیلے والے ٹھکانے کی طرف چلے جاتے۔

وقت گزرتا چلا گیا...... وادیٔ سندھ میں موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے شہروں کی دراوڑی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ ہڑپہ کے قرب و جوار میں واقع ناگا پورم کا شہر اپنے گناہوں کی سزا پا کر صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو چکا تھا۔ اب وہاں ملبے اور اینٹ پتھروں کی بکھری ہوئی ڈھیریوں کے سوا اور کچھ باقی نہیں تھا۔ جہاں اس شہر کا سب سے بڑا ناگ مندر ہوتا تھا وہاں صرف ایک ٹوٹا پھوٹا ٹیلہ نشانِ عبرت بن کر رہ گیا تھا جس کے نیچے ایک جانب دفن شدہ ناگ مندر کا شکستہ استھان تھا۔ جہاں ہر چاند رات کو چمپا کلی، ناگ پال کے ساتھ ناگ ناگن کے رُوپ میں آتی اور کچھ دیر کے لئے شاہی رقاصہ کی انسانی شکل اختیار کر کے ناگ دیوتا کے آگے ناگ رقص کی چوکی بھرتی اور اپنا وقت پورا ہونے کے بعد دونوں محبت کرنے والے پتی پتنی سانپ کا رُوپ اختیار کر کے واپس چلے جاتے۔ اس دوران وقت کے ساتھ ساتھ موہنجوداڑو اور ہڑپہ شہروں کی تہذیب پھلتی پھولتی رہی اور وہاں کے لوگ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

اس اثنا میں دجلہ وفرات کی وادی زمانے کے خونی انقلابات کی زد میں آتی رہی۔ موجودہ عراق کے شہر موصل کے قریب خورس آباد شہر کے گرد و نواح میں قدیم اشوری قوم کا شہر نینوا آباد تھا۔ سارغون ثانی اس شہر کا اشوری حکمران تھا۔ یہ شہر اپنی تہذیب اور ترقی کے عروج پر تھا کہ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے حملہ کر کے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور بابل کی مملکت دجلہ وفرات کی وادی سے نکل کر شام، مصر اور ایران تک پھیل گئی۔ لیکن وقت نے ایک اور کروٹ لی اور ایران کے بادشاہ نے بابل کے قدیم ترین شہر کو بھی حملہ کر کے تباہ و برباد کر دیا اور اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ ایرانی تہذیب اور ان کا جاہ و جلال، شان و شکوہ اپنے نقطہ عروج پر تھا کہ مغرب کی طرف سے ایک اور آندھی اُٹھی۔ یہ آندھی مقدونیہ کا نوجوان سپہ سالار سکندر اعظم اپنے ساتھ لے کر دنیا کو فتح کرنے نکلا تھا۔ ایران اس آندھی کی لپیٹ میں آ گیا اور کچھ وقت کے لئے ایرانی تہذیب بھی زوال کا شکار ہوگئی۔

سکندر اعظم کے عروج سے بہت پہلے یعنی سکندر اعظم اور بابل کے حکمران بخت نصر کے درمیانی عہد میں وسط ایشیاء سے آریا قوم کا سیلابِ بے پناہ اُٹھا اور اپنی راہ میں آئی ہوئی ہر شے کو، ہر شہر کو، ہر مملکت کو روندتا ہوا اُس زمانے کے سارے تہذیب یافتہ علاقوں پر چھا گیا۔

آریا قوم کے لوگ وسط ایشیاء سے نکل کر سب سے پہلے وادیٔ سندھ اور پنجاب میں داخل ہوئے۔ یہ دراز قد، چوڑے چکلے، بہادر اور جنگجو لوگ تھے۔ یہ پنجاب اور سندھ کے ترقی یافتہ شہروں ہڑپہ اور موہنجوداڑو پر حملہ آور ہوئے اور ان دونوں شہروں کو تہس نہس کر کے کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔ دونوں شہروں کے دراوڑی باشندے بھاگ کر ہندوستان کے جنوب کی طرف چلے گئے جہاں حیدر آباد دکن یعنی آج کے صوبہ آندھرا پردیش اور اس سے نیچے صوبہ تامل ناڈو میں یہ لوگ آج بھی آباد ہیں۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے شہر ایسے برباد ہوئے کہ پھر آباد نہ ہو سکے۔ ان شہروں کے کھنڈر قریب سے گزرنے والے قافلوں کو ایک مدت تک عبرت کا درس دیتے رہے۔ وقت کی شکست و ریخت، زلزلوں اور آندھیوں اور دریا کے سیلابوں نے ان کھنڈروں کو بھی گرا دیا۔ مہندم کر دیا۔ صدی کے بعد صدی گزرتی چلی گئی۔ صحراؤں اور میدانوں میں آندھیوں کے طوفان اُٹھتے رہے۔ طوفانی بگولوں کے چکر چلتے رہے۔ اور موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے منہدم شدہ کھنڈروں پر وقت کی مٹی اور ریت پڑتی رہی.... آندھیوں اور بگولوں کے یہ چکر کوئی ایک سال کے نہیں تھے، دو سال کے نہیں تھے۔ یہ سینکڑوں سالوں کے چکر تھے.... مٹی اور ریت نے ان دونوں شہروں کو لاکھوں کروڑوں ٹن مٹی کے نیچے دفن کر دیا۔ جہاں کبھی موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے ترقی یافتہ، تہذیب یافتہ شہر آباد تھے وہاں مٹی اور ریت کے دو دیو پیکر ٹیلوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

وقت کی اس شکست و ریخت، اس کے ہیبت ناک عروج و زوال کا چمپا کلی اور ناگ پال پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ کیونجہ وہ اپنے دوسرے جنم کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور اُن کے دیو مالائی عقیدے کے مطابق دوسرے جنم کا یہ چکر ایک لاکھ سال کا تھا۔ وہ دونوں ہڑپہ شہر کے نواح میں دفن شدہ غرق شدہ شہر ناگا پورم کے مدفون ناگ مندر کی گپھاہ میں چاند رات کو آتے، چمپا کلی ناگ دیوتا کے استھان کے آگے ناگ رقص کی چوکی بھرتی۔ طے شدہ وقت تک دونوں انسانی رُوپ میں ایک دوسرے سے پیار محبت کی، دُکھ سکھ کی، زمانے کے انقلابات کی، صدیوں کے گزرتے چلے جانے کی باتیں کرتے۔ اور جب ان کا وقت ختم ہو جاتا اور چاندنی کی کرن گپھاہ کی دیوار کو چھو کر غائب ہو جاتی تو دونوں ناگ اور ناگن کے رُوپ میں واپس آ جاتے اور خاموشی سے رینگتے ہوئے اپنے ٹیلے والے قدیم ٹھکانے پر واپس آ جاتے۔

کئی قومیں اپنے عروج کو پہنچ کر ختم ہو گئیں۔ کئی شہر تہذیب و تمدن کے بلند ترین مقام تک پہنچے اور وقت کے سیلاب میں بہہ کر ایسے معدوم ہوئے کہ پھر ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ کئی تہذیبیں اُبھریں اور مٹ گئیں۔ کئی مینارِ بابل بنے اور ریزہ ریزہ ہو کر صحراؤں کی ریت میں سما گئے۔ کیسے کیسے معلق باغات شاہی محلات کی چھتوں پر تعمیر ہوئے اور مٹی کا ڈھیر بن گئے۔ بادشاہ آئے، شہنشاہ آئے، خدائی کے دعوے کئے، بڑے جاہ و جلال کے ساتھ تخت نشین

ہوئے، ملکوں پر ملک فتح کئے، ہنستے بستے شہروں پر شہر تاخت و تاراج کئے، گلی کوچوں میں قتل عام کیا، انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنوائے، پھر خود بھی مر گئے اور تاریخ کے اوراق میں گم ہو کر ایسے فنا ہوئے کہ آج اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں۔

چمپا کلی اور ناگ پال، دو محبت کرنے والے وقت کی گردشوں سے آزاد رہ کر اپنے دوسرے جنم کے چکروں کو پورا کرنے میں لگے رہے۔ چار ساڑھے چار ہزار برس کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔ اُن کے گردا گرد دنیا ہی بدل گئی تھی۔ سمیری، اشوری، کلدانی، قدیم مصری، یونانی، رُومی اور بابل و نینوا اور اُندلس و غرناطہ کی عظیم تہذیبیں ختم ہو چکی تھیں۔ ان عظیم تہذیبوں کے علوم و فنون سے روشنی لے کر یورپ کی قومیں علوم و فنون کے نئے چراغ روشن کر رہی تھیں۔ سائنس کے ہر شعبے میں نئی نئی دریافتیں ہو رہی تھیں۔ ستاروں کی پیائش کی جا رہی تھی۔ بادبانی جہازوں کی جگہ سمندر میں دُخانی جہاز چلنے لگے تھے۔ بیل گاڑیوں کی جگہ لوگ ریل گاڑیوں میں سفر کرنے لگے تھے۔

اور پھر مشہور ماہر آثارِ قدیمہ سرجان مارشل نے ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے ویران ٹیلوں کی کھدائی کر کے ساڑھے چار، پانچ ہزار سالوں سے دفن شہروں کو کھود نکالا۔ یہ سن 1924ء عیسوی کا زمانہ تھا۔ لیکن ہڑپہ کے نواح میں واقع ناگا پورم کے غرق شدہ زمین میں دھنسے ہوئے شہر کی طرف کسی کا اس لئے دھیان نہ گیا کہ امتدادِ زمانہ کی گردشوں نے اس دفن شدہ شہر کی کہیں کہیں سطح زمین پر بکھری ہوئے ملبے کی ڈھیریوں کے نشان بھی مٹا دیئے تھے۔ صرف ایک چھوٹا سا پتھریلا ٹبہ رہ گیا تھا جس کے نیچے ناگ مندر کی ٹوٹی پھوٹی گپھاہ پر ماہر آثارِ قدیمہ سرجان مارشل کی 1924ء میں نظر نہیں پڑی تھی۔ اگر ہندوستان میں انگریز رہتے تو ہو سکتا تھا کہ ناگ مندر کی گپھاہ کے مدفون تہہ خانے کی کھدائی سے ناگا پورم شہر کا گمشدہ سراغ بھی لگ جاتا۔ لیکن انگریز چلے گئے اور اس کے بعد کسی نے قدیم آثاروں کی کھدائی کی طرف توجہ نہ دی۔

اب ناگا پورم شہر کی مدفون نشانی صرف یہ گپھاہ ہی باقی رہ گئی تھی۔ جس کے بارے میں مقامی لوگوں کو صرف اتنا ہی علم تھا کہ یہاں چاندنی راتوں میں ناگ ناگن کا ایک جوڑا نکلتا ہے۔ کبھی کوئی مسافر دُھوپ یا بارش سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لینے کے لئے رُک جاتا تو کبھی کبھار اُسے تانبے کا کوئی زنگ آلود سکہ یا کسی ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن کا کوئی ٹکڑا مل جاتا۔ چونکہ یہ گپھاہ جو اب ایک شکستہ ویران غار کی شکل اختیار کر چکی تھی، قدیم دریافت شدہ شہروں موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے کھنڈروں کے درمیان واقع تھی۔ اس لئے جب اس گپھاہ میں سے کبھی کبھار ملنے والے پرانے سکوں اور مٹی کے برتنوں کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے ملنے کی خبر یورپ میں پہنچی تو انگلستان کی مشہورِ زمانہ نیشنل جیوگرافک سوسائٹی نے ماہرین آثارِ قدیمہ کی

ایک ٹیم یہاں بھیجی۔ ان لوگوں نے یہاں کچھ وقت رہ کر گپھاہ کے آس پاس تھوڑی بہت کھدائی کی مگر انہیں کچھ نہ ملا۔ کیونکہ ناگاپورم کا شہر زمین کے اندر سینکڑوں بلکہ ہزاروں فٹ کی گہرائی میں دھنسا ہوا تھا۔ نامور ماہر آثارِ قدیمہ سر جان مارشل اس وقت زندہ نہیں تھا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ہو سکتا ہے وہ ناگاپورم شہر کو کھود نکالتا اور تاریخ کے اس گمنام اور پراسرار غرق شدہ شہر کے راز کو بے نقاب کر دیتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

لندن کی نیشنل جیوگرافک سوسائٹی کے انگریزی کے رسالے نیشنل جیوگرافک میں اس گپھاہ کے بارے میں مضمون چھپا۔ یہ مضمون اس ٹیم کے تجربات کی روشنی میں لکھا گیا تھا جو گپھاہ کے سروے کا کام کرنے گئی تھی۔ اس مضمون میں صرف اتنا ہی بیان کیا گیا تھا کہ ایسے لگتا ہے کہ یہاں آج سے ساڑھے چار یا پانچ ہزار برس پہلے کوئی قصبہ آباد تھا جہاں کے باشندے موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے قبیلے کے لوگ تھے اور کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اس کے بعد کسی نے اس موضوع پر ریسرچ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کچھ وقت گزرنے پر ایک جرمن ماہر آثارِ قدیمہ کا گزر وادیٔ سندھ سے ہوا۔ وہ ناگ مندر کی زمین دوز گپھاہ بھی دیکھنے آیا۔ وہ کئی روز تک یہاں رہا۔ لیکن اُسے بھی گمشدہ شہر ناگاپورم کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ واپس جا کر اُس نے نیشنل جیوگرافک رسالے میں ایک مضمون لکھا جس میں سر جان مارشل کے حوالے سے اُس نے صرف اتنا ہی بتایا کہ ایسے لگتا ہے کہ یہاں کوئی قصبہ آباد تھا جو اچانک کسی قدرتی آفت کی زد میں آ کر زمین دوز ہو گیا۔ اس قصبے کے پاس ایک دریا بہتا تھا۔ وہ دریا بھی اس قصبے یا شہر کے ساتھ ہی زمین میں دھنس گیا ہو گا۔

یہ مضمون صوبے کی متعلقہ یونیورسٹی کے شعبہ تحقیق آثارِ قدیمہ کے سربراہ پروفیسر جمالی کی نظر سے بھی گزرا۔ پروفیسر جمالی ان دنوں وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر تحقیقی کام کر رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے ہونہار طلباء شکیل اور نازلی کو بھی یہ مضمون پڑھایا اور کہا کہ ہمیں اس پر ریسرچ کرنی چاہئے۔ بلکہ اگر ہم اس پر تحقیقی مقالہ لکھ سکیں تو موہنجوڈرو اور ہڑپہ کی طرح یہ بھی ایک عظیم دریافت ہو گی۔ اور ہو سکتا ہے ہمیں اس کارنامے پر نوبل پرائز سے بھی نوازا جائے۔ ساتھ ہی پروفیسر جمالی نے یہ بھی کہا کہ ہمیں اس کام کو ایک سربستہ راز کی طرح رکھنا ہو گا۔ طالب علم شکیل اور نازلی نے اس تجویز کو بے حد سراہا اور پروفیسر جمالی نے یونیورسٹی کے چانسلر کی اجازت سے اس موضوع پر کام شروع کر دیا اور ایک دن پروفیسر صاحب اپنے دونوں سٹوڈنٹس شکیل اور نازلی کو ساتھ لے کر ناگ مندر کی زمین دوز گمنام گپھاہ کی تلاش میں نکل پڑے۔

اس داستان کے آغاز میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ گمشدہ شہر کی گپھاہ کی تلاش میں پروفیسر جمالی اپنے سٹوڈنٹس شکیل اور نازلی کے ہمراہ ہڑپہ کے کھنڈرات کے اردگرد پھرتے رہے۔ پھر

اُنہیں پالی نام کا شتربان ملا جس نے اُنہیں بتایا کہ ہم نے بڑے بوڑھوں کی زبانی سنا ہے کہ یہاں ہزاروں برس پہلے ایک شہر آباد تھا جس کے باشندے ناگ دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ پھر پتہ نہیں اُن پر کون سی ایسی آفت آئی کہ سارے کا سارا شہر زمین میں دھنس گیا۔ بوڑھے شتربان پالی نے پروفیسر جمالی کو یہ بھی بتایا کہ ہمارے لوک گیتوں میں بھی ایک شہر کا ذکر ملتا ہے جو دریا کے کنارے بستا تھا۔ لیکن پھر اچانک غائب ہو گیا۔ اس شتربان پالی نے انہیں یہ بھی بتایا تھا کہ یہاں کالی پہاڑی کے قریب ایک ٹبہ ہے۔ اس کے اندر ایک ویران گپھاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس گپھاہ میں چاند رات کو ناگ ناگن کا ایک جوڑا آتا ہے۔ مگر اُسے کسی نے دیکھا نہیں ہے۔ اس نوع کی ادھوری معلومات کی روشنی میں پروفیسر جمالی اپنے طلباء شکیل اور نازلی کے ساتھ آخر اُس گپھاہ کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں سے اُنہیں ایک پرانی مُہر بھی ملی جس پر سانپ کا سر بنا ہوا تھا۔ لیکن ناگ ناگن کے نمودار ہونے والی بات پر پروفیسر جمالی نے یقین نہیں کیا تھا۔ اُنہوں نے شکیل اور نازلی سے کہا تھا۔

''یہ سب افسانوی باتیں ہیں۔ فرض کیا کہ اگر سانپوں کا کوئی جوڑا آتا بھی ہو گا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ اس قسم کے ویرانوں میں سانپ نکلتے ہی رہتے ہیں۔ اور پھر اس سے ہماری ریسرچ کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن شکیل اور نازلی نے ناگ ناگن کے جوڑے کو چاند رات کو نمودار ہوتے دیکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے پروفیسر صاحب کو اپنے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ پروفیسر جمالی کچھ روز ہڑپہ کے کھنڈروں میں اور اس کے اردگرد کے ویران پہاڑی ٹیلوں اور ٹبوں میں گمشدہ شہر کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اُنہیں کوئی سراغ نہ ملا۔ اس کے بعد اُنہوں نے اس ریسرچ کو بے ثمر سمجھ کر تقریباً ختم کر دیا۔ انہوں نے شکیل اور نازلی سے کہا۔

''مجھے یقین ہو گیا ہے کہ گمشدہ شہر کی باتیں محض افسانوی باتیں ہیں۔ اس گمشدہ شہر کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ سب قیاس آرائیاں ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ نیشنل جیوگرافک جیسا مستند ادارہ بھی دھوکہ کھا گیا۔''

پروفیسر جمالی نے تو گمشدہ شہر کی تلاش اور اُس پر ریسرچ کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنے سٹوڈنٹس شکیل اور نازلی کو مشورہ دیا کہ وہ کسی دوسرے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی کوشش کریں۔ نازلی کا جوش و خروش بھی ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ خاص طور پر اُس رات کے بعد تو جب چاند رات تھی اور وہ دونوں ویران گپھاہ کے اندر ناگ ناگن کے جوڑے کے نکلنے کا دیر تک انتظار کرتے رہے تھے مگر وہ جوڑا نمودار نہیں ہوا تھا۔ نازلی کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ محض لوک داستانوں والی افسانوی باتیں ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر شکیل کا دل کہتا تھا کہ لوک کہانیوں کی باتیں بعض اوقات بالکل سچی ثابت ہوتی ہیں۔ اور ناگ ناگن کا جوڑا

چاندرات کو گپھاہ میں ضرور آتا ہوگا۔ چنانچہ اُس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ نازلی کے بغیر اکیلا ہی اگلی چاندرات کو ویران گپھاہ میں ضرور جائے گا۔

اُس روز چاند کی تیرہ تاریخ تھی۔ شکیل نے اپنے دوست کی جیپ پکڑی اور ہڑپہ شہر کے کھنڈرات کی طرف روانہ ہوگیا۔ پروفیسر جمالی اور نازلی کو اُس نے یہی بتایا کہ وہ اپنے ڈیڈی ممی سے ملنے دوسرے شہر جا رہا ہے، دو دن کے بعد آئے گا۔ سہ پہر کے قریب وہ ہڑپہ کے کھنڈرات کے قرب و جوار میں پہنچ گیا۔ وہاں سے گمشدہ شہر ناگاپورم کا ویران ٹبہ زیادہ دُور نہیں تھا۔ شکیل نے ٹبے کے قریب جیپ ایک طرف کھڑی کی اور جیپ سے اُتر کر جھاڑیوں کے بیچ میں سے قدیم زمانے کی گپھاہ کو جانے والے سرنگ نما راستے کے پاس آکر رُک گیا۔ مُڑ کر پیچھے ایک نظر ڈالی اور سرنگ میں داخل ہوگیا۔ سرنگ میں سے گزرنے کے بعد وہ ناگ مندر کی ہزاروں سال پرانی اس گپھاہ میں آگیا جہاں چاندرات کو چمپاکلی اور ناگ پال، ناگ دیوتا کی ناگ رقص کی چوکی بھرنے آیا کرتے تھے۔ آرکیالوجی کے سٹوڈنٹ شکیل نے ان دونوں کو سانپ یا انسان کے رُوپ میں بالکل نہیں دیکھا تھا۔ اُس کو تو بوڑھے شتر بان پالی نے اتنا ہی بتایا تھا کہ اس گپھاہ میں پورے چاند کی رات کو ناگ ناگن کا ایک جوڑا نمودار ہوتا ہے اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلا جاتا ہے۔ شتر بان پالی نے یہ بھی بتایا تھا کہ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ یہ ناگ اور ناگن گمشدہ شہر کے سب سے بڑے ناگ دیوتا کے مندر کے پجاری اور پجارن تھے جو ناگ دیوتا کی بددُعا لگنے سے انسان سے سانپ بن گئے تھے۔ یہی تجسس شکیل کو وہاں لے آیا تھا۔ وہ ناگ ناگن کے اُس جوڑے کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔

گپھاہ میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گپھاہ کی چھت میں کوئی شگاف تھا جہاں سے دن کی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ ہزاروں سال گزر گئے تھے۔ چھت کی اینٹیں اُکھڑ اُکھڑ کر اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ دیواریں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ ان کے نقش و نگار وقت نے مٹا دیئے تھے۔ سامنے والی دیوار پر رقص کرتی دیوداسی کی منقش تصویر کے رنگ بھی اُڑ چکے تھے اور تصویر کا دُھندلا سا خاکہ ہی باقی رہ گیا تھا۔ گپھاہ میں سناٹا طاری تھا۔ یہ ساڑھے چار ہزار سالوں کی خاموشی تھی۔ اس میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کی آوازیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو چکی تھیں۔ یہ بعد از مرگ کا سکوت تھا جو انسان کو موت کی طرف لے جاتا ہے۔ شکیل گھبرا کر گپھاہ سے باہر نکل آیا۔ باہر تازہ ہوا میں آتے ہی اُسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی بند قبر سے باہر نکل آیا ہے۔ جیپ میں بیٹھ کر اُس نے تھیلے میں سے برگر نکال کر کھائے، تھرماس میں سے چائے نکال کر پی اور جیپ کی سیٹ پر نیم دراز ہوگیا۔ دن آہستہ آہستہ ڈھلنے لگا تھا۔ اُس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور پھر اُس کی آنکھ لگ گئی۔ جب اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے دیکھا کہ رات ہو چکی تھی۔ آسمان پر تیرھویں رات کا چاند روشن ہوگیا تھا۔ اُس نے کلائی پر بندھی گھڑی

پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ چاند کی تیرھویں تاریخ کو اس خیال سے آگیا تھا کہ شاید ناگ ناگن کا جوڑا چاند کی تیرھویں رات کو گپھاہ میں نمودار ہو۔ پچھلی دفعہ جب وہ نازلی کے ساتھ پورے چاند کی رات کو آیا تھا اور وہ دونوں گپھاہ میں چھپ کر ناگ ناگن کے جوڑے کے نکلنے کا انتظار کرتے رہے تھے تو یہ جوڑا نمودار نہیں ہوا تھا اور نازلی کے مجبور کرنے پر شکیل مایوس ہو کر گپھاہ سے چلا آیا تھا۔ اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد چمپاکلی اور ناگ پال، ناگ ناگن کے رُوپ میں گپھاہ میں نمودار ہو گئے تھے۔

شکیل نے تھیلے میں سے ایک برگر نکال کر کھایا، تھرماس میں سے چائے نکال کر پی اور سوچنے لگا ابھی آدھی رات ہونے میں کافی دیر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے جیپ میں ہی دوبارہ نیند آ جائے اور اس کے سوتے میں ہی رات گزر جائے۔ اسے چلتے پھرتے رہنا چاہئے۔ اچانک اسے بوڑھے شتر بان پالی کا خیال آ گیا۔ شتر بان کی جھونپڑی وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھی۔ شکیل نے سوچا کہ اسی کے پاس چلتے ہیں۔ وقت بھی جاگتے ہوئے گزر جائے گا اور بوڑھے شتر بان سے کچھ مزید باتیں بھی معلوم ہو جائیں گی۔ اُس نے جیپ سٹارٹ کی اور جنگلی جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتا اُس کھلی جگہ پر آ گیا جہاں کھجور کے درختوں کے چھوٹے سے جھنڈ کے سائے میں بوڑھے شتر بان کی جھونپڑی تھی۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر لالٹین روشن تھی۔ شکیل نے جیپ کا انجن بند کیا تو اُسے اکتارے کی آواز سنائی دی۔ اکتارے کی آواز کے ساتھ بوڑھے شتر بان کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ وہی پرانا لوک گیت گا رہا تھا جو اُس نے ایک بار پروفیسر جمالی، نازلی اور شکیل کی موجودگی میں سنایا تھا اور جس میں گمشدہ شہر کا ذکر تھا۔ چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ شکیل جھونپڑی کی طرف بڑھا تو اکتارے کے ساتھ گانے کی آواز رُک گئی۔ بوڑھے شتر بان نے ایک انسان کو جھونپڑی کی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ شکیل نے جھونپڑی کے دروازے پر رُک کر آواز دی۔

''پالی بابا!''

''کون ہے؟ اندر آ جاؤ!'' شتر بان نے جھونپڑی کے اندر سے کہا۔

شکیل جھونپڑی میں چلا گیا۔ اُس نے سلام کیا اور بولا۔

''میں شکیل ہوں پالی بابا! میں پروفیسر صاحب کے ساتھ تمہیں مل چکا ہوں۔''

بوڑھے شتر بان نے اکتارہ ایک طرف رکھ دیا اور شفقت آمیز لہجے میں بولا۔

''ہاں بیٹا! مجھے یاد ہے۔ آؤ بیٹھو۔''

شکیل اُس کے سامنے صف پر بیٹھ گیا۔ شتر بان نے کہا۔

''تم ضرور ناگ ناگن کے جوڑے کی تلاش میں آئے ہو گے۔''

شکیل بولا۔ ''اُسی کی کھوج میں آیا ہوں۔''
شتر بان نے کہا۔ ''تم لوگ پچھلی چاند رات کو بھی تو ناگ ناگن کو دیکھنے گپھاہ میں گئے تھے۔ کیا ہوا پھر؟''
شکیل نے کہا۔ ''کوئی بھی سانپ نہیں نکلا۔ ہم کافی دیر وہاں انتظار کرتے رہے، پھر واپس آ گئے۔''
شتر بان بولا۔ ''مگر وہ تو چاند رات تھی۔ ہم تو یہی سنتے آئے ہیں کہ چاند رات کو ناگ ناگن کا جوڑا وہاں آتا ہے۔''
شکیل نے کہا۔ ''پتہ نہیں...... اُس رات کو کچھ نہیں ہوا۔''
''آج رات پھر وہاں جاؤ گے؟'' شتر بان نے پوچھا۔ ''مگر آج تو چاند رات نہیں ہے۔''
شکیل نے کہا۔ ''سوچتا ہوں شاید سانپوں کا جوڑا چاند کی تیرھویں تاریخ کو آتا ہو۔''
بوڑھا شتر بان مسکرا دیا۔ اپنی داڑھی کو سہلاتے ہوئے بولا۔
''جا کر دیکھ لو...... شاید آ جائے۔''
شکیل، بوڑھے شتر بان کے پاس کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا۔
''بابا! تم جو گیت گا رہے تھے وہ مجھے بڑا اچھا لگتا ہے۔ کیا مجھے سناؤ گے؟''
اکتارہ اُٹھا کر بوڑھے شتر بان نے گود میں رکھا اور اُس کے تار کو مضراب سے چھیڑا۔ اکتارے میں سے ایک دردناک سُر اُبھرا، پھر اُس نے اکتارہ بجاتے ہوئے ایک لے قائم کی اور اپنی پُر درد خشک آواز میں قدیم لوک گیت گانے لگا......

''آسمان پر پورا چاند چمک رہا ہے
ہم قافلے کے آگے صحرا میں چلتے رہتے ہیں
سات ندیاں بہتی تھیں اس صحرا میں
وہ سات بہنیں تھیں
سب سے بڑی بہن کا نام گھاگرا تھا
گھاگرا مر گئی
شہر میں کالا دھواں پھیل گیا
سات بہنیں ناگ دیوتا کی پجارنیں تھیں
اگم پوری۔ اگم پوری۔ ناگا پوری
آہ! شہر کو زمین کھا گئی
سات بہنیں بچھڑ گئیں''

گیت ختم ہو گیا۔ بوڑھے پالی نے اکتارہ ایک طرف رکھ دیا۔ گیت کے دردناک سُر ابھی

تک فضا میں گونج رہے تھے۔ صدیوں پرانے اس لوک گیت میں ہزاروں برس کے انسانی غموں اور دُکھوں کی درد انگیز کہانی چھپی ہوئی تھی۔ بوڑھا پالی خاموش تھا۔ شکیل کے ہونٹوں پر بھی خاموشی کی مُہر ثبت تھی۔ جھونپڑی کے دروازے میں سے باہر صحن میں چاندنی جیسے سفید چادر اوڑھے مُہر بلب تھی۔ کائنات پر جیسے ایک سوگوار طلسم چھا گیا تھا...... بوڑھا شتر بان سر جھکائے جیسے گم شدہ شہر کی تلاش میں ہزاروں برس پرانے صحراؤں میں نکل گیا تھا۔
کچھ لمحے اسی حالت سکوت میں گزر گئے...... پھر بوڑھے شتر بان نے سر اُٹھا کر بے اختیار تین بار اللہ اللہ کہا اور اپنی گھنی داڑھی پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے بعد کہنے لگا۔
''گپھاہ میں جاؤ گے تو ایک بات کا خیال رکھنا۔ سانپوں کا جوڑا نکل آیا تو اُنہیں بالکل نہ چھیڑنا۔ چھپ کر اُنہیں دیکھنا۔ اُنہیں پتہ نہ چلے کہ تم گپھاہ میں موجود ہو۔''
شکیل نے کہا۔ ''بابا! میں تمہاری ہدایت پر پورا پورا عمل کروں گا۔''
بوڑھا شتر بان بولا۔ ''میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تم وہاں نہ جاؤ۔ ناگ اور ناگن جب تنہائی میں ملتے ہیں تو بڑے خطرناک ہو جاتے ہیں۔''
شکیل نے کہا۔ ''بابا! میں چھپ کر اُنہیں ایک نظر دیکھوں گا اور فوراً واپس چلا آؤں گا۔''
بوڑھے شتر بان نے کوئی جواب نہ دیا۔ شکیل بولا۔ ''اچھا بابا! اب میں چلتا ہوں۔''
اور شکیل سلام دُعا لے کر جھونپڑی سے نکل آیا۔
ابھی آدھی رات ہونے میں کافی وقت تھا۔ صبح سے برگر اور سینڈوچز کھاتے کھاتے شکیل تنگ آ گیا تھا۔ وہ جیپ میں بیٹھا اور اس کا رُخ قریبی قصبے کی طرف کر دیا۔ قصبہ وہاں سے جیپ میں دس پندرہ منٹ کی مسافت پر تھا۔ شکیل کی جیپ شتر بان کی جھونپڑی سے چل کر گپھاہ کے قدیمی کھنڈر کے عقبی ٹیلے کے قریب سے گزر گئی۔ یہ وہی ٹیلہ تھا جس کے پرانے غار میں چمپا کلی اور ناگ پال پونے پانچ ہزار برس سے ناگ اور ناگن کے رُوپ میں رہ رہے تھے۔ شکیل کی جیپ ٹیلے کے قریب سے شور مچاتی گزری تو اُس وقت چمپا کلی اور ناگ پال دونوں سانپ کے رُوپ میں کنڈلی مارے اپنے اپنے سر، زمین پر رکھے پڑے تھے۔ جیپ کی آواز پر اچانک چمپا کلی نے اپنا ناگن والا سر اُٹھایا۔ اُس کے بدن پر ایک انجانی سی گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ ناگ ناگن کے رُوپ میں چمپا کلی اور ناگ پال بہت کم ایک دوسرے سے بات کرتے تھے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ پوری آواز اور پورے جذبات کے ساتھ نہیں بول سکتے تھے۔ دوسرے اُن کی آواز سرگوشیوں میں نکلتی تھی اور اُنہیں ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی سے ڈر کر یا چھپ کر باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن چمپا کلی کو اچانک سر اُٹھاتے دیکھ کر ناگ پال نے بھی اپنا سانپ کا سر اُٹھایا اور پوچھا۔
''کیا بات ہے چمپا؟''

چمپاکلی کی ناگنوں والی زبان بار بار اُس کے منہ سے لہراتی ہوئی باہر نکل رہی تھی۔ وہ شکیل کی جیپ کی آواز کو دُور جاتے محسوس کر رہی تھی۔ سانپ کے کان نہیں ہوتے۔ سانپ اپنی زبان کو باہر نکال نکال کر اردگرد کی آوازوں کو سنتا یا محسوس کرتا ہے۔ یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ سانپ اپنی دوشاخہ زبان باہر نکال کر فضا میں پیدا ہونے والی موسمی تبدیلیوں اور آواز کی لرزش کو صرف محسوس ہی نہیں کرتا بلکہ آواز کو سنتا بھی ہے۔ بعض سپیروں کا کہنا ہے کہ سانپ کا جسم بھی اسے آوازوں کو سننے میں مدد دیتا ہے۔ چمپاکلی نے کہا۔

''مجھے کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی ہے۔''

ناگ پال نے کچھ پریشان سا ہو کر پوچھا۔

''اچانک گھبراہٹ کیوں محسوس ہونے لگی ہے؟ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

چمپاکلی نے انسانی آواز کی سرگوشی میں کہا۔ ''میں خود حیران ہوں۔''

چمپاکلی رینگ کر ناگ پال کے قریب آ گئی۔ اُسے بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ کہنے لگی۔

''ناگ پال! ایسے لگ رہا ہے جیسے کوئی غیبی طاقت ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہے۔''

اب ناگ پال بھی گھبرا گیا۔ اُس نے اپنا سانپ والا سر چمپاکلی کے سر کے ساتھ لگا دیا اور کہا۔ ''یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو چمپا؟ ہمارا جنم تو ایک لاکھ سال کا ہے۔ ہم ایک لاکھ سال تک ساتھ رہیں گے۔''

چمپاکلی نے ایک ہلکی سی آہ بھری اور بولی۔ ''مجھے معلوم ہے۔ پھر بھی مجھے...... مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری جدائی قریب ہے۔''

ناگ پال نے اُسے دلاسہ دیا اور کہا۔ ''یہ محض تمہارا وہم ہے چمپاکلی! ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ ہم اپنے اس جنم کا چکر ایک ساتھ پورا کریں گے۔''

''کاش! ایسا ہی ہو۔'' چمپاکلی نے آزردہ لہجے میں کہا اور خاموش ہو گئی۔

○

شکیل نے قصبے کی ہوٹل نما دُکان سے کھانا وغیرہ کھایا اور کچھ دیر وہیں دُکان کے باہر چاندنی میں کرسی پر بیٹھا رات کے بارہ بجنے کا انتظار کرتا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب دُکان بند ہونے لگی تو وہ جیپ میں بیٹھ کر قدیم گپھاہ کے کھنڈر والے ٹیلے کے عقب میں آ گیا۔ جیپ اُس نے ایک درخت کے نیچے کھڑی کی۔ تھرماس میں سے چائے نکال کر پی اور اپنے فلیش گن والے چھوٹے کیمرے کو چیک کیا۔ وہ ناگ ناگن کے جوڑے کی ایک دو تصویریں ضرور اُتار کر لے جانا چاہتا تھا۔ جب اُس کی کلائی کی گھڑی نے رات کے بارہ بجائے تو اُس نے کیمرہ جیب میں ڈالا اور جیپ سے اُتر کر گپھاہ کی طرف چل پڑا۔ چاند آسمان کے وسط میں

چمک رہا تھا۔ اگرچہ یہ تیرھویں کا چاند تھا مگر چودھویں کے چاند کی مانند لگ رہا تھا۔ جیبی ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے وہ گپھاہ کی سرنگ میں سے گزر کر بوسیدہ تہہ خانے کے کھنڈر میں آ کر اینٹوں کے ایک ڈھیر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ چھوٹی جیبی ٹارچ کی روشنی ڈال کر گپھاہ کے شکستہ چبوترے کے استھان کو دیکھ لیتا تھا۔ اُسے وہاں بیٹھے کافی وقت گزر گیا لیکن سانپوں کا جوڑا نمودار نہ ہوا۔ لیکن وہ بیٹھ کر انتظار کرتا رہا۔ جب رات کے دو بج گئے اور ناگ ناگن کا جوڑا وہاں نہ آیا تو شکیل کو یقین ہو گیا کہ یہ جوڑا ضرور چاند کی چودھویں رات کو ہی آتا ہے۔ وہ اُٹھ کر گپھاہ سے نکل آیا اور جیپ میں ہی لیٹ کر سو گیا۔

دوسری رات شکیل اس یقین کے ساتھ آیا کہ آج پورے چاند کی رات ہے اور ناگ ناگن کا جوڑا ضرور آئے گا۔ وہ آدھی رات سے ایک گھنٹہ پہلے ہی گپھاہ میں اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اینٹوں کا یہ ڈھیر سرنگ سے باہر جانے والے تنگ راستے کی اندر کی جانب دیوار سے ذرا ہٹ کر تھا جہاں سے شکیل خطرے کی صورت میں آسانی سے جان بچا کر بھاگ سکتا تھا۔ خطرہ صرف ایک ہی تھا کہ ناگ ناگن کا جوڑا تنہائی میں ملاپ کر رہا ہو گا اور ایسی حالت میں کسی انسان کی موجودگی سے غضبناک ہو کر وہ شکیل کو ڈس سکتا تھا۔ ٹارچ شکیل کے ہاتھ میں تھی۔ فلیش گن والا چھوٹا الیکٹرانک کیمرہ اُس کے کندھے پر لٹک رہا تھا جس میں اُس نے پوری نئی فلم چڑھا رکھی تھی۔ وہ ناگ ناگن کے جوڑے کی تصویریں ضرور بنانا چاہتا تھا تاکہ واپس جا کر پروفیسر جمالی صاحب اور نازلی کو وہ تصویریں دکھا سکے۔

اُس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ابھی رات کے بارہ بجنے میں آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ ہزاروں برس پرانی گپھاہ کے کھنڈر میں موت کا سکوت طاری تھا۔ یہاں تک کہ کسی کونے کھدرے میں چھپے ہوئے جھینگر کی آواز بھی اس سکوت میں مخل نہیں ہو رہی تھی۔ اس گہری ساکت خاموشی نے شکیل پر غنودگی سی طاری کر دی۔ اُس کا سر نیچے کو جھک گیا۔ وہ سو نہیں رہا تھا لیکن جاگ بھی نہیں رہا تھا۔ عالم غنودگی میں تھا۔ اس دوران آدھی رات ہو گئی اور باہر آسمان پر چمکنے والا پورا چاند گپھاہ کے کھنڈر کے ملبے کے بالکل اُوپر آ گیا اور اُس کے سوراخ میں سے چاندنی کی کرن نکل کر گپھاہ کے استھان پر پڑی۔ گپھاہ کی تاریکی میں غبار آلود دُھندلی روشنی ہو گئی۔ اور پھر گپھاہ کے کونے میں سے چمپاکلی اور ناگ پال، ناگ اور ناگن کے رُوپ میں نمودار ہوئے اور آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے استھان کے چبوترے کے سامنے آ کر ایک دوسرے کے پہلو میں کنڈلی مار کر پھن کھول کر بے حس و حرکت ہو کر بیٹھ گئے۔ اُن کے چہرے استھان کے شکستہ چبوترے کی طرف تھے۔ چبوترے کے عقب سے اسی لمحے ناگ دیوتا سفید سانپ کی شکل میں نمودار ہوا اور ہلکی سی پھنکار کی آواز بلند ہوئی۔

چمپاکلی کا دل ناگن کے رُوپ میں بھی تیز تیز دھڑکنے لگا۔ کل رات سے چمپاکلی پر ایک

نامعلوم سی گھبراہٹ طاری تھی۔ اُسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی انہونی بات ہونے والی ہے۔ ناگ پال، سانپ کے رُوپ میں اُس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔شکیل اُن سے دس پندرہ فٹ پیچھے اینٹوں کے ڈھیر کے عقب میں چھپا ہوا تھا۔لیکن وہ اس حالت میں تھا کہ اس پر غنودگی طاری تھی۔ اُس کی گردن ڈھیلی ہو کر نیچے کو جھک گئی تھی۔ وہ ناگ ناگن کے جوڑے اور ناگ دیوتا کے سفید سانپ کی آمد سے بالکل بے خبر تھا۔ ناگ دیوتا کا سفید سانپ خلافِ معمول پتھر کی مورتی بنا بیٹھا تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ناگ دیوتا کو علم ہو گیا ہے کہ کوئی ناگہانی بات ہونے والی ہے۔ چھت کے سوراخ میں سے چاندنی کی کرن کھسکتی ہوئی جیسے ہی پہلے چمپا کلی کے ناگن والے جسم پر پڑی وہ ایک خفیف سے جھٹکے کے ساتھ عورت کی شکل میں واپس آ گئی۔ اس کے بعد چاندنی کی کرن نے ناگ پال کے سانپ والے جسم کو چھونا تھا اور اُسے بھی انسانی رُوپ میں واپس آنا تھا۔ شاہی رقاصہ کے حسین رُوپ میں آتے ہی چمپا کلی اپنی جگہ سے اُٹھی اور ہاتھ باندھ کر ناگ دیوتا کو نمسکار کیا۔ گپھاہ میں شہنائی اور ڈھولک کی دھیمی آواز بلند ہوئی۔

ایک دم سے شکیل کی آنکھ کھل گئی۔

گپھاہ کے اندر چاندنی کی کرن سے پھیلے ہوئے مدھم اُجالے میں اُسے جو منظر نظر آیا اُسے دیکھ کر اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اُس نے دیکھا کہ ایک سانپ کنڈلی مارے پھن اُٹھائے اپنی جگہ پر ساکت بیٹھا ہے۔ ایک سفید سانپ چبوترے پر پھن کھولے بیٹھا ہے اور ان کے درمیان ایک حسین عورت زرق برق ہیرے موتیوں والے لباس میں ملبوس ڈھولک اور شہنائی کی دھیمی آواز میں سفید سانپ کو جھک کر پرنام کر رہی ہے۔ یہ انمول اور نایاب منظر شکیل کو پھر کبھی دیکھنے کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے جلدی سے کیمرہ سنبھالا اور اُسے اپنی آنکھ کے ساتھ لگا کر اس حیران کن طلسمی منظر کو فوکس میں لے لیا۔ ایسا کرتے ہوئے اُس کے ہاتھ سے چھوٹی ٹارچ نیچے گر پڑی جس سے آواز پیدا ہوئی۔ چمپا کلی نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اسی لمحے شکیل نے کیمرے کا بٹن دبا دیا۔ فلیش گن کی تیز چمک، چمپا کلی کے چہرے پر پڑی۔ اُس کے حلق سے ایک چیخ کی آواز نکلی اور اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیئے۔ ایک لمحے کے لئے اُسے ایسے لگا جیسے اُس پر آسمانی بجلی گر پڑی ہو۔ یکلخت گپھاہ میں ان گنت سانپوں کی دہشت ناک پھنکاروں کی دل دہلا دینے والی پھنکاریں ایک ساتھ گونج اُٹھیں...... شکیل لرز گیا۔ ایسے لگا جیسے ہزاروں سانپ اس پر حملہ کرنے دوڑے آ رہے ہیں۔ وہ انتہائی گھبراہٹ میں کیمرہ سنبھال کر باہر کو بھاگ اُٹھا۔ اُس کے جاتے ہی گپھاہ کی فضا پر موت کا سکوت غالب آ گیا۔ ڈھولک اور شہنائی کی آوازیں ڈوب گئیں۔ چمپا کلی کا جسم تیز ہوا میں نازک شاخ کی طرح کانپ رہا تھا ..... اُس نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اُس کو پہلے تو کچھ دکھائی نہ دیا۔ اُس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچ رہے تھے۔ اُس

نے دو تین بار آنکھوں کو جلدی جلدی جھپکا اور دیکھا کہ وہاں نہ ناگ دیوتا ہے اور نہ ناگ پال ہے۔ چھت کے سوراخ میں سے آتی چاندنی کی کرن میں اُس جگہ پڑ رہی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے ناگ پال سانپ کے رُوپ میں بیٹھا تھا اور جسے چاندنی کی کرن کے پڑتے ہی انسانی رُوپ میں واپس آنا تھا۔ مگر وہاں اب سوائے بکھری ہوئی اینٹوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا...... چمپا کلی نے استھان کی طرف دیکھا۔ ناگ دیوتا کا سفید سانپ بھی غائب ہو چکا تھا۔ چمپا کلی کی آنکھیں ابھی تک چکا چوند سی تھیں۔ وہ دیوانہ وار گپھاہ کی چھت اور در و دیوار کو دیکھنے لگی۔ یہ آسمان سے بجلی گری تھی؟ دیوتاؤں کا قہر نازل ہوا تھا؟ یا کیا ہوا تھا؟ چمپا کلی کو کچھ علم نہیں تھا۔ بس ایک بجلی سی کڑکی تھی اور سوائے چمپا کلی کے سب کچھ غائب ہو گیا تھا۔ ناگ دیوتا غائب ہو گیا تھا۔ ناگ پال سانپ کے رُوپ میں غائب ہو گیا تھا...... ڈھولک کی تھاپ، گھنگھروؤں کی جھنکار، شہنائیوں کی آواز...... سب کچھ غائب ہو گیا تھا۔ ختم ہو گیا تھا۔

اُس نے پلٹ کر ناگ دیوتا کے استھان کی طرف دیکھا۔ استھان کا چبوترہ جو چند لمحے پہلے ناگ دیوتا اور ناگ پال کی موجودگی میں زندگی کی دھڑکنوں سے سرشار تھا اب اُس پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس پر ویرانی برس رہی تھی۔ گپھاہ کی ہزاروں برس قدیم فضا جو تھوڑی دیر پہلے گھنگھروؤں کی جھنکاروں، ڈھولک کی تھاپ اور شہنائی کی نشاط انگیز آوازوں سے گونج رہی تھی اب اس پر موت کا سکوت طاری تھا۔ چھت کے چھوٹے شگاف سے آتی چاندنی کی کرنیں پھیکی پڑ گئی تھیں اور اس پھیکی اُداس روشنی میں چمپا کلی کو پہلی بار گپھاہ کی چھت سے لٹکتے ہزاروں برس پرانے جالے نظر آئے۔ اُسے پہلی بار احساس ہوا کہ وقت ہزاروں برس کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ شگاف سے آتی چاندنی کی پھیکی کرن ابھی دیوار سے دُور تھی۔ اُس کے دیوار کو چھو لینے کے ساتھ ہی چمپا کلی نے بھی انسانی شکل سے ناگن کے رُوپ میں بدل جانا تھا۔ چمپا کلی کے اندر جیسے ایک طوفان سا اُٹھا۔ آنکھوں کے آگے آسمانی بجلیاں سے چمکیں۔ کانوں میں بادلوں کی قیامت خیز گرج بلند ہوئی۔ اُس نے آتما اور جسم کی پوری شکتی سے ناگ پال کو آواز دی۔

''ناگ پال! میرے ناگ پال! میرے پیارے پتی دیو! تم مجھے اکیلی چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہو؟ مجھے آواز دو...... سات سمندر پار سے۔ سات آسمانوں کے پار سے۔ سات زمینوں کے اندر سے۔ تم جہاں بھی ہو مجھے آواز دو۔ میرے پاس واپس آ جاؤ ناگ پال......! ناگ پال! تمہارے بغیر میری ایک پل کی زندگی بھی موت کے برابر ہو گی۔ میں تمہیں ناگ دیوتا کا واسطہ دیتی ہوں...... میرے پاس واپس آ جاؤ ناگ پال...... ناگ پال......!''

چمپا کلی چیختی رہی۔ فریاد کرتی رہی۔ ناگ پال کو آوازیں دے دے کر بلاتی رہی مگر کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ گپھاہ کی فضا پر موت کی خاموشی طاری رہی...... چمپا کلی روتے

روتے زمین پر بیٹھ گئی اور سسکیاں بھرتے ہوئے ناگ پال کو بلاتی رہی۔ اُسے ایسے محسوس ہوا جیسے ناگاپورم کا شہر ایک بار پھر زمین میں غرق ہو گیا ہے۔ اور اس دفعہ جو وہ ناگ پال سے جدا ہوئی ہے تو اب کبھی اس سے نہ مل سکے گی۔

چمپا کلی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ پہلے اُس نے ایک دم چہرہ اُٹھا کر اس جگہ پر نظریں جما دیں جہاں کچھ دیر پہلے ناگ پال، سانپ کے رُوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ جگہ خالی پڑی تھی۔ چاندنی کی کرن دیوار کے اور قریب ہو گئی تھی۔ چاندنی کی کرن کے دیوار کو چھونے کے ساتھ ہی چمپا کلی کو ناگن کے رُوپ میں واپس آ جانا تھا۔ لیکن اُس کے دل کو دھڑکا لگا تھا کہ شاید اب ایسا نہ ہو سکے گا۔ انہونی باتیں ہو رہی تھیں۔ چمپا کلی اس بات سے بھی خوفزدہ تھی کہ اس سے پہلے ساڑھے چار ہزار سالوں میں ایک بار بھی ایسا نہ ہوا تھا کہ گپھاہ میں چمپا کلی اور ناگ پال، ناگ دیوتا کی چاند رات کی چوکی بھرنے آئیں، ناگ دیوتا بھی حاضر ہو۔ چمپا کلی شاہی رقاصہ کے رُوپ میں ظاہر ہو چکی ہو۔ اور پھر ایک بجلی سی چمکی ہو، ایک چکا چوند سی پیدا ہوئی ہو اور ناگ دیوتا اور ناگ پال اچانک غائب ہو گئے ہوں۔ اُس نے چیخ چیخ کر ناگ پال کو آوازیں دی تھیں۔ رو رو کر اُسے پکارا تھا۔ مگر کسی جانب سے اُسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

چمپا کلی خوفزدہ نظروں سے چاندنی کی کرن کو دیکھنے لگی جو آہستہ آہستہ دیوار کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ چاندنی کی کرن کے دیوار تک پہنچنے کے بعد اس پر کیا گزرنے والی تھی؟ کیا انہونی ہونے والی تھی؟ ہو سکتا تھا کہ وہ شاہی رقاصہ سے ناگن کا رُوپ بدل لے۔ ہو سکتا تھا وہ ناگن نہ بن سکے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ شاہی رقاصہ کی شکل میں بھی نہ رہے اور کسی اور رُوپ میں ظاہر ہو جائے۔ اُس کا جسم آنے والے کسی حادثے کے خوف سے سرد پڑنے لگا تھا۔ اپنے محبوب، اپنے پتی دیو ناگ پال سے اچانک بچھڑ جانے کا غم تیر بن کر اُس کے سینے میں اُتر گیا تھا۔ وہ ناگ پال کو پکارتی، گپھاہ کے چاروں کونوں میں اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ اُس کی درد بھری پکار ہزاروں برس پرانی گپھاہ کے در و دیوار کو ہلا رہی تھی۔ مگر ناگ پال اُسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آوازیں دیتی سرنگ کے دہانے کے پاس آئی تو رُک گئی۔ اُسے انسانی شکل میں وہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ وہیں سے واپس مُڑی تو اُسے چاندنی کی کرن کی دھیمی روشنی میں اینٹوں کے پاس کوئی چیز پڑی ہوئی نظر آئی۔ چمپا کلی نے اسے جھک کر اُٹھا لیا اور غور سے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ یہ شکیل کی چھوٹی جیبی ٹارچ تھی جو وہ گھبراہٹ میں وہیں چھوڑ گیا تھا۔ چمپا کلی کی اُنگلیاں ٹارچ کے بٹن پر گئیں تو اُس نے اُسے ذرا سا دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ٹارچ میں سے روشنی نکل کر دیوار پر پڑی۔ چمپا کلی نے گھبرا کر ٹارچ وہیں پھینک دی۔ وہ ڈر گئی۔ اس ٹارچ کو وہ اگنی دیوی کے قہر و

غضب کی علامت سمجھ کر ناگ دیوتا کے ویران استھان کے سامنے جا کر ہاتھ باندھے سر جھکا کر دوزانو بیٹھ گئی اور فریاد کی کہ اے ناگ دیوتا مہاراج! مجھ سے اگر کوئی خطا ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر دیں۔''

اچانک اُسے خیال آیا کہ چاندنی کی کرن دیوار کے پاس پہنچ گئی ہو گی اور اُس کے شاہی رقاصہ سے ناگن بننے کا وقت آن پہنچا ہو گا۔ اُس نے پلٹ کر دیوار کی طرف دیکھا۔ چاندنی کی کرن دیوار پر آ گئی تھی۔ چمپا کلی کے جسم پر ایک لرزش سی طاری ہو گئی تھی۔ وہ اس غم سے نڈھال تھی کہ چاندنی کی کرن غائب ہوتے ہی وہ ناگن بن جائے گی اور پھر خدا جانے ناگ پال سے کبھی ملاقات ہو یا نہ ہو...... وہ تو ناگ دیوتا کے حکم سے اس گپھاہ اور ٹیلے کے باہر کہیں نہیں جا سکتی۔ وہ ناگ پال کو کیسے تلاش کرے گی؟ چاندنی کی کرن دیوار پر پہنچنے کے فوراً بعد غائب ہو گئی۔ کیونکہ چاند گپھاہ کی چھت والے شگاف سے آگے نکل گیا تھا۔ چمپا کلی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب اُسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگنا تھا اور اُس کے انسانی جسم کو سانپ کے جسم میں تبدیل ہو جانا تھا...... آنکھیں بند کئے وہ اس تبدیلی کے لئے تیار ہو گئی۔

وقت لمحہ بہ لمحہ گزرتا چلا گیا...... لیکن اُسے کوئی جھٹکا نہ لگا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ ناگن نہیں بنی تھی...... اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بھلا دی گئی تھی۔ فراموش کر دی گئی تھی...... آکاش کے سارے دیوتا اُسے چھوڑ گئے تھے۔ کوئی اس کا حامی و مددگار نہیں رہا تھا۔ ناگ پال بھی اُسے چھوڑ گیا تھا۔ ناگ دیوتا بھی اسے چھوڑ گیا تھا جس کی ہزاروں برس سے وہ چوکی بھر رہی تھی۔''

چمپا کلی گھائل دل اور خون کے آنسو روتی ہوئی آنکھیں لے کر اُٹھی اور دوڑ کر ناگ دیوتا کے استھان کے سامنے آ کر اپنے بازو کھول دیئے اور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''میرے ناگ دیوتا مہاراج! تو نے اپنی داسی کو بھلا دیا ہے۔ مگر تمہاری داسی تجھے نہیں بھلا سکتی۔ آج پونم کی رات ہے۔ پونم کی رات کو تم اپنے استھان پر آ کر مجھے درشن دیا کرتے ہو۔ آج تم آئے مگر ناگ رقص کی مہلت نہ دی اور مجھے اشیرواد دیئے بغیر چلے گئے۔ اور مجھے میری زندگی کی تمام مسرتوں، تمام خوشیوں سے محروم کر دیا گیا۔ میرے دیوتا مہاراج! مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر دو۔ مجھے شما کر دو...... تم نے اپنی داسی کو درشن نہیں دیئے۔ مگر میں تمہاری چوکی ضرور بھروں گی۔ میں تیرا ناگ رقص ضرور کروں گی......''

اور پھر چمپا کلی جو اس وقت شاہی رقاصہ کے شاہانہ زرق برق لباس میں ملبوس تھی چمپا کلی نہ رہی بلکہ ایک شعلہ بن گئی اور ناگ دیوتا کے خالی استھان کے سامنے ناگ رقص کرنے لگی۔ نہ ڈھولک کی آواز آ رہی تھی، نہ کوئی بین بج رہی تھی، نہ کسی شہنائی کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن چمپا کلی دیوانہ وار رقص کر رہی تھی۔ آج اُس کے ناگ رقص میں اپنے ناگ سے بچھڑی ہوئی

ناگن کا قہر و غضب تھا۔ اُس کے حلق سے شعلہ بار پھنکاروں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اُس پہ ایسے غضب اور طیش کی حالت طاری تھی کہ جیسے وہ اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو ڈس کر بھسم کر دینا چاہتی ہو۔ وہ ناگن کے رُوپ میں نہیں تھی لیکن اُس میں ہزاروں لاکھوں غضبناک ناگنیں پھنکار رہی تھیں۔ کبھی وہ اپنے سنہری بالوں والے سر کو شیش ناگ کے پھن کی طرح ایک جھٹکے سے اُوپر اُٹھاتی اور کبھی اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھن کی طرح کھول کر غیظ و غضب کے ساتھ زمین پر زور سے مارتی جیسے اپنے دشمنوں کو باری باری ڈس کر موت کی نیند سلا رہی ہو۔ یہ وہ دشمن تھے جنھوں نے اُسے اپنے ناگ پال سے، اپنے ناگ دیوتا سے، ناگ دیوتا کے اشیرواد سے محروم کر دیا تھا۔ رقص کی گردشوں کے ساتھ خوفناک بگولے کی طرح رقص کرتے ہوئے جب اُسے یہ خیال آتا کہ وہ اپنے دوسرے جنم کے ایک لاکھ سال کا چکر ناگ پال کے بغیر کیسے بسر کرے گی تو اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا اور اُس کے رقص کی گردشیں، اُس کے رقص کے بگولے قیامت برپا کرنے والی آندھی بن جاتے۔ چمپاکلی کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ نہ جانے رقص کی وہ کون سی گردش تھی کہ جس کا جھٹکا لگنے سے اُس کے گلے کا لاکٹ ٹوٹ کر تہہ خانے کے ایک کونے میں گر پڑا تھا اور چمپاکلی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی تھی۔ سونے کے اس چھوٹے سائز کے لاکٹ پر سانپ کا نقش کھدا ہوا تھا۔ رقص کرتے کرتے چمپاکلی کا جسم تھکن سے چور ہو گیا۔ اپنے ہی رقص کے دائروں میں اُس کے پاؤں اُلجھنے لگے۔ لڑکھڑانے لگے اور وہ تھک ہار کر ناگ دیوتا کے استھان کے آگے گر پڑی اور ہچکیاں بھر کر رونے لگی۔ اُس کے ہونٹوں سے ایک ہی جملہ بار بار نکل رہا تھا۔

''ناگ پال...... میرے ناگ پال! تم تو مجھے چھوڑ کر نہ جاتے...... میرے ناگ پال! تم تو مجھے چھوڑ کر نہ جاتے......''

عین اسی لمحے استھان کے پیچھے سے سفید روشنی کا غبار سا اُبھرا اور بڑھتے بڑھتے اُس کی روشنی ساری گپھاہ میں پھیل گئی۔ چمپاکلی نے زمین پر اوندھے پڑے پڑے سر اُٹھا کر اشک آلود آنکھوں سے استھان کی جانب دیکھا۔

استھان پر ناگ دیوتا سفید سانپ کے رُوپ میں براجمان تھا۔ چمپاکلی تڑپ کر اُٹھی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر اُس نے اپنا سر ناگ دیوتا کے آگے جھکا دیا۔ تب اُسے ناگ دیوتا کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز جیسے دُور سے آ رہی تھی۔ ناگ دیوتا نے کہا۔

''چمپاکلی! میں نے تیری چوکی سویکار کی۔ تمہارا ناگ رقص قبول کیا... اور میں تمہیں اپنا اشیرواد بھی دیتا ہوں۔ لیکن یہ میرا تمہیں آخری اشیرواد ہے۔ اور میرے آگے تمہارا یہ رقص آخری ناگ رقص ہے۔ آج کے بعد ہزاروں چاند راتیں آئیں گی۔ لیکن میں کسی چاند رات کو تمہیں درشن دینے نہیں آؤں گا اور تم کسی چاند رات کو اس گپھاہ میں ناگ رقص کرنے نہیں آؤ

گی۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہے......''

یہ سن کر چمپاکلی کے تو ہوش اُڑ گئے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی کڑی سزا آخر اُسے کس جرم کے بدلے دی جا رہی ہے۔ ناگ پال کی جدائی کے بعد یہ دوسرا بڑا صدمہ اُسے پہنچایا جا رہا تھا۔ اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

''ناگ دیوتا! میں نے کون سا ایسا پاپ کیا ہے جس کی مجھے اتنی خوفناک سزا دی جا رہی ہے؟ آخر میری خطا کیا ہے؟ میں تو پونم کی ہر رات کی طرح ناگ پال کے ساتھ آپ کے درشن کرنے اور آپ کی چوکی بھرنے یہاں آئی تھی۔ مجھے نہیں پتہ پھر کیا ہوا؟ ایک بجلی سی میری آنکھوں میں چمکی اور ایک لمحے کے اندر سب کچھ ختم ہو گیا۔ آپ بھی مجھ سے رُوٹھ کر اپنے استھان سے چلے گئے۔ میرا پتی دیو ناگ پال بھی مجھ سے بچھڑ گیا۔ میں روتی رہی۔ چیختی رہی۔ رو رو کر آپ کو پکارتی رہی۔ ناگ پال کو آوازیں دیتی رہی مگر کسی نے میری نہ سنی۔ کوئی مجھے یہ بتانے نہ آیا کہ میں کون سا مہا پاپ کر بیٹھی ہوں؟ اب آپ نے مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی سزا سنا دی ہے اور مجھے جنم جنم کے لئے اپنے درشنوں سے، اپنے ناگ رقص سے اور میرے ناگ پال سے محروم کر دیا ہے...''

چمپاکلی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

''ناگ دیوتا... میرے عظیم دیوتا! کم از کم مجھے میری خطا تو بتا دیجئے۔''

ناگ دیوتا نے کہا۔

''تم نے ناگ دیوتا کی سب سے بڑی شرط کو توڑ دیا ہے۔ تم نے وہ کام کیا ہے جس کے کرنے سے تمہیں اور ناگ پال دونوں کو منع کیا گیا تھا... سنو! ناگاپورم شہر کے غرق ہونے کے بعد جب تمہیں اور ناگ پال کو ایک ساتھ دوسرا جنم دیا گیا تھا تو تمہیں کہا گیا تھا کہ تم اپنے ٹیلے والے ٹھکانے سے نکل کر ایک خاص حد کے اندر اندر رہو گے۔ نہ اس حد سے باہر جاؤ گے اور نہ آج کے زمانے کے کسی انسان کا سامنا کرو گے۔ تمہیں خبردار کیا گیا تھا کہ اگر تم نے ایسا کرنے کی غلطی کی تو اس کے نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ لیکن تم نے اس شرط کی پالنا نہیں کی اور آج رات اس گپھاہ میں تمہارا آج کی دنیا کے ایک انسان سے آمنا سامنا ہو گیا اور اُس انسان نے تم پر روشنی پھینک کر تمہاری تصویر اُتار لی۔ تم اسے ابھی نہیں سمجھ سکو گی کہ آج کے زمانے میں جو ہمارے تمہارے زمانے سے پونے پانچ ہزار برس آگے کا زمانہ ہے، کسی پر روشنی ڈال کر اس کی تصویر کیسے اُتاری جاتی ہے۔ ہم دیوتاؤں کو ہر کال (زمانے) اور ہر یگ (دور) کا حال معلوم ہے۔ آج کے زمانے میں کیا ہو رہا ہے اور انسان نے کتنی ترقی کی ہے اور آج کے بعد انسان کتنی ترقی کرے گا اور اس کے ساتھ کیا گزرے گی؟ ہم دیوتاؤں کو وہ بھی معلوم ہے۔''

چمپا کلی نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''لیکن ناگ دیوتا مہاراج! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں گپھاہ سے نکل کر اس انسان کے پاس نہیں گئی۔ میں نے تو اُسے دیکھا تک نہیں۔ میری تو اس روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو گئی تھیں۔''

ناگ دیوتا نے کہا۔ ''تم اُس انسان کے پاس نہیں گئیں، یہ ٹھیک ہے۔ تم نے اُس انسان کو دیکھا تک نہیں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن وہ میری گپھاہ میں آ گیا تھا اور اُس نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ جب یہ آج کے زمانے کا انسان اس گپھاہ کی طرف آیا تھا تو تمہیں دیوتاؤں کی طرف سے، میری طرف سے اس کا اشارہ مل گیا تھا۔ مگر تم اپنے پتی دیو ناگ پال کے نظارۂ جمال کی کو دیکھنے میں اس قدر گم تھیں کہ تمہیں دیوتاؤں کے اس اشارے کا ذرا بھی احساس نہ ہوا۔ اور آج کے زمانے کا وہ انسان جس کی کایا (جسم) کے پدارتھ (کیمیاوی اجزاء) ہم ساڑھے چار ہزار برس پہلے کے دیوتاؤں اور انسانوں کی کایا (جسم) کے پدارتھوں (کیمیاوی اجزاء) سے بالکل مختلف ہیں روشنی کے ذروں کے ساتھ اپنے جسم کے پدارتھوں (کیمیاوی اجزاء) کو ساتھ لے کر ہمارے جسموں میں داخل ہو گئے۔ تمہارے اور ناگ پال کے جسموں میں حلول کر گئے۔ اور ان سیماوی اجزاء کے ایک دوسرے سے تصادم کے بعد ایک ردِعمل شروع ہو گیا۔ یہ ردِعمل تمہارے اور ناگ پال تم دونوں کے جسموں میں اس وقت بھی جاری ہے۔ مجھ پر ان کا اثر اس لئے نہیں ہوا کہ میں انسان نہیں، دیوتا ہوں۔

چمپا کلی! تمہارا شریر (جسم) جو آج سے ہزاروں برس پہلے دیوی دیوتاؤں کے اجزاء کے ملاپ سے بنا تھا اور کومل اور نرمل (پاکیزہ) تھا۔ اب ویسا نہیں رہا۔ تمہارے جسم میں ملاوٹ آ گئی ہے۔ آج کے زمانے کی کھوٹ شامل ہو گئی ہے۔ اور یہ کھوٹ، یہ ملاوٹ اس کیمرے کی روشنی کے ذروں کے ساتھ تمہارے خون میں شامل ہوئی ہے جس سے اس انسان نے تمہاری تصویر اُتاری تھی۔ آج سے ہماری دنیا کے ساتھ تمہارا رشتہ ٹوٹ گیا ہے...... اب تم، ہم دیوی دیوتاؤں کی دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہیں۔ جاؤ چمپا کلی! جاؤ۔ جس دنیا نے تمہیں ہماری دنیا سے جدا کیا ہے اسی دنیا میں جا کر رہو۔ میں آج سے تمہیں اپنی دنیا سے جلاوطن کرتا ہوں۔''

یہ سن کر چمپا کلی تھرا اُٹھی۔ اُس کا انگ انگ کانپ گیا۔ اُس نے ناگ دیوتا کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور روتے ہوئے کہا۔

''میرے عظیم دیوتا! مجھے کیا خبر تھی کہ آج کی دنیا کا، باہر کی دنیا کا کوئی انسان مجھے دیکھ رہا ہے۔ مجھ سے جو کچھ بھی ہوا بے خبری میں ہوا۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔''

ناگ دیوتا نے کہا۔

''چمپا کلی! اگر تم بے خبری میں زہر کھا لو اور پھر یہ کہو کہ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ زہر

ہے تو کیا زہر کا اثر ختم ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ زہر کا اثر تو اپنا کام کر کے رہے گا۔ اور پھر تمہیں اتنا بے خبر بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ جس وقت باہر کی دنیا کا یہ انسان گپھاہ میں آ چکا تھا تو تمہیں دیوتاؤں کی طرف سے اور خود میری جانب سے ایک اشارہ دیا گیا تھا۔ اس وقت تمہارا فرض تھا کہ ناگ دیوتا کی شاہی رقاصہ ہوتے ہوئے اس اشارے کو سمجھ جاتیں اور ناگن بن کر اس انسان کو فوراً ڈس دیتیں۔ مگر تم نے ایسا نہ کیا۔ تم ناگ پال کی محبت میں، اُس کے دیدار کرنے میں مشغول رہیں اور وہ سب کچھ ہو گیا جسے نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تم اتنی بے خبر نہیں تھیں جتنی غافل تھیں۔ اور غفلت ہم دیوتاؤں کی دنیا کی سب سے بڑی توہین ہے۔ جاؤ چمپا کلی! جس دنیا کے ساتھ تمہارا تعلق جڑ گیا ہے اس دنیا میں جاؤ۔ ہماری دنیا کے ساتھ تمہارا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ ہم نے ناگ پال کو بھی تمہارے ساتھ ہی اپنی دنیا سے جلاوطن کر دیا ہے۔ باہر کی دنیا میں جا کر یہ کبھی نہ بھولنا کہ اب کوئی دیوی دیوتا تمہاری حفاظت نہیں کرے گا......''

چمپا کلی کے حلق سے ایک چیخ سی نکل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ دیوتاؤں کا کہا شاستروں کے مطابق اٹل ہوتا ہے۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اس نے خشک آواز میں صرف اتنا کہا۔

''میرے دیوتا! میں دیوتاؤں کی طرف سے دی گئی سزا کو قبول کرتی ہوں۔ لیکن مجھے اتنا ضرور بتا دیں کہ باہر کی دنیا میں ناگ پال مجھے کہاں ملے گا اور کس رُوپ میں ملے گا؟''

ایک لمحے کے لئے گپھاہ میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر ناگ دیوتا کی آواز گونجی۔

''وقت تمہیں یہ سب کچھ بتا دے گا۔''

اور اس کے ساتھ ہی ناگ دیوتا غائب ہو گیا...... چمپا کلی نے اپنی ہتھیلیوں میں چہرہ چھپا لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔ دیر تک چمپا کلی ویران گپھاہ میں اسی حالت میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔ پھر اُس نے سر اُٹھا کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ اُسے گپھاہ کی ہر شے، بوسیدہ در و دیوار، استھان کا اینٹوں کا ستون، چبوترے کا کھنڈر، فرش پر بکھری ٹوٹی پھوٹی اینٹیں، ہر چیز، ہر شے اجنبی دکھائی دی۔ جہاں وہ صدیوں سے پونم کی رات کو ناگ دیوتا کے آگے ناگ رقص کرتی آئی تھی وہاں سوائے چمپا کلی کی سسکیوں اور سرد آہوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ چاندنی کی روشن کرن تھی، نہ شہنائیوں کی نشاط انگیز آواز تھی، نہ گھنگھروؤں کی جھنکار تھی، نہ ناگ دیوتا تھا، نہ ناگ پال تھا...... کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ ہر شے اُس سے کنارہ کش ہو چکی تھی۔ اُس سے منہ موڑ چکی تھی۔ اُسے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اب اُسے کبھی پونم کی رات کو ناگ رقص کے لئے اس گپھاہ میں نہیں آنا تھا۔ ایک جیون ساتھی تھا ناگ پال۔ جو اس ناگہانی آفت میں اُس کا دُکھ درد بانٹ سکتا تھا۔ وہ بھی اس سے بچھڑ گیا تھا۔ ہزاروں برس کی رفاقت ایک ہی رات میں ختم ہو گئی تھی۔ گزرا ہوا زمانہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ماضی اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ آگے ایک نئی دنیا کا سفر تھا جہاں نہ کوئی اُس کا ہمدرد تھا، نہ ہم خیال تھا، نہ مددگار تھا۔ چمپا کلی

ماضی اور حال کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ پیچھے جا نہیں سکتی تھی، آگے جاتے ہوئے ڈرتی تھی۔ جہاں کھڑی تھی وہاں کی زمین بھی اُس کے پیروں تلے سے کھسک رہی تھی۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اُس نے گپھاہ کے باہر جانے والی سرنگ کی جانب قدم بڑھایا۔ وہ ایک دو قدم چلی ہوگی کہ اچانک اُس کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا...... وہ سمجھ گئی کہ اُس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

دوسرے ہی لمحے چمپا کلی انسانی شکل سے ناگن کے رُوپ میں آ چکی تھی...... یہ اُس کے لئے ایک اور صدمہ تھا۔ انسانی شکل میں تو وہ پھر بھی کہیں نہ کہیں اپنے لئے کوئی ٹھکانہ بنا سکتی تھی اور ناگ پال کا کھوج لگا سکتی تھی۔ لیکن ناگن کے رُوپ میں تو اُسے باہر کی دنیا میں کئی قسم کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے تو اُسے باہر کے لوگوں سے اپنی جان بچانی ہوگی۔ شکیل کے کیمرے کی فلیش گن کی چمک سے چمپا کلی کے جسم میں جو ہمارے ماڈرن الیکٹرانک زمانے کے کیمیاوی ذرات حلول کر گئے تھے اور جس کے بارے میں ناگ دیوتا نے اُسے بتا بھی دیا تھا، اُن کا بے معلوم سا اثر چمپا کلی اپنے جسم میں محسوس کرنے لگی تھی۔ اُس کے تحت الشعور میں یہ احساس آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا کہ وہ ہزاروں سالوں کا سفر طے کرنے کے بعد ایک انتہائی ترقی یافتہ دنیا میں داخل ہو رہی ہے۔ اتنی بڑی، اتنی ترقی یافتہ دنیا کے ہجوم میں ناگ پال کو تلاش کرنے کی مہم کا خوف الگ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ پریشانی اُسے یہ تھی کہ وہ ناگن کے رُوپ میں تھی۔ سانپ کے رُوپ میں تھی...... اور سوائے سپیروں اور سانپوں کی پوجا کرنے والوں کے ہر کوئی سانپوں کا دشمن ہوتا ہے۔ یہ سارے خدشے، اندیشے اور خوف چمپا کلی کے دل میں تھے۔ جب اُس نے گپھاہ سے باہر جانے والی سرنگ کی طرف رینگنا شروع کیا، سرنگ میں گھپ اندھیرا تھا۔ مگر ناگن کے رُوپ میں چمپا کلی اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی۔ سرنگ سے باہر آ کر چمپا کلی رُک گئی۔ آسمان پر چودھویں کا چاند تھوڑا سا مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ وہ کنڈلی مار کر وہیں بیٹھ گئی۔ ایک نیا خیال اُسے پریشان کرنے لگا۔ اُس نے سوچا کیا وہ ہمیشہ ناگن کے رُوپ میں ہی رہے گی؟ کیا وہ کبھی انسانی شکل میں واپس نہ آ سکے گی؟ گپھاہ کے اندر تو وہ ناگ دیوتا کی شکتی سے چاندنی کی کرن پڑتے ہی ناگن سے شاہی رقاصہ کی شکل میں آ جاتی تھی، لیکن اب نہ ناگ دیوتا تھا اور نہ اُس کی شکتی اُس کے پاس تھی۔ چمپا کلی کی ہمت جواب دے گئی۔ اُسے اپنی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ اگر اسے ناگن کے روپ میں ہی ساری عمر رہنا ہے تو پھر باقی کی عمر گپھاہ کے اندر ہی کسی کونے میں چھپ کر گزار دے۔ لیکن جب ناگ پال کا خیال آیا تو اُس نے محسوس کیا کہ وہ ناگ پال کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اُس نے اپنا ارادہ بدل لیا اور اپنی جان پر کھیل کر اپنے محبوب، اپنے پتی دیو، اپنے ناگ پال کو تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے اپنا سر اوپر اُٹھا کر پورا پھن کھول دیا

اور چاندنی رات میں دُور ایک سرے سے دوسرے سرے تک جھلملاتی روشنیوں کو تکنے لگی۔ یہ موٹر گاڑیوں، ویگنوں، رکشاؤں، لاریوں، سکوٹروں اور ریل گاڑیوں والے ماڈرن ہڑپہ شہر کی روشنیاں تھیں۔ ان میں ہڑپہ ریلوے سٹیشن کی جگمگاتی روشنیاں اور ریلوے سگنل کی سبز اور سرخ روشنیاں سب سے نمایاں تھیں۔ ناگن چمپا کلی نے اُن روشنیوں کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ یہ ایک نئی زندگی کا سفر تھا۔ نئی دنیا کا سفر تھا۔ نئی زندگی کا آغاز تھا...... چمپا کلی کے ساتھ کیا گزرنے والی تھی؟ کیا کچھ ہونے والا تھا؟ وہ اس سے بے خبر تھی۔

دیکھا جائے تو قدیم تاریخ کے دفن شدہ شہر ناگا پورم کی شاہی رقاصہ چمپا کلی کی یہ صدیوں پرانی کہانی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ یہ داستان پڑھ چکنے کے بعد آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ جب ایک شہر آج سے ہزاروں سال پہلے اچانک زمین میں دھنس گیا، اس شہر کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہی زمین کی گہرائیوں میں غرق ہو گئے، اس شہر کے کھنڈر تک نہ ملے، کوئی کتبہ، کوئی تحریر، کوئی نام و نشان تک نہ مل سکا تو پھر چمپا کلی اور ناگ پال کی داستان کہاں سے اور کیسے نمودار ہو گئی؟ کہاں سے پیدا ہو گئی؟ اور اس سے بھی زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ داستان مجھ تک کیسے پہنچی؟ اس کی وضاحت کے لئے مجھے دو اڑھائی برس پیچھے جانا پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ کہانیاں لکھنا میرا شوق ہی نہیں یہ کسی حد تک میرا پیشہ بھی بن چکا ہے۔ اُن دنوں میں اپنے ایک نئے ناول کے لئے پلاٹ یعنی کہانی کی تلاش میں تھا۔ صبح شام سر پر ایک ہی دھن سوار رہتی تھی کہ کس قسم کی کہانی لکھی جائے؟ اس کا موضوع کیا ہونا چاہئے؟ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک روز میں اپنے مکان کے دیوان خانے میں بیٹھا چائے کی پیالی سامنے رکھے سگریٹ سلگائے ناول کے پلاٹ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ مکان کی گھنٹی بجی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو میرے سامنے ایک عجیب و غریب شخص کھڑا تھا۔ اُس شخص کا حلیہ بڑا پراسرار تھا۔ کالا سیاہ رنگ، دُبلا پتلا، منڈا ہوا سر، پچکے ہوئے گال، گلے میں منکوں کی مالا، کندھے پر سپیرے والا جھولا لٹکا ہوا، ہاتھ میں سپیروں والی بین، جسم پر میلی صدری اور میلا سا تہہ بند۔ آنکھیں ہلدی کی طرح زرد اور چمکتی ہوئیں۔ پہلی نظر میں یہ شخص مجھے افریقہ کا کوئی جادوگر لگا۔ اُس نے میرا نام لے کر مجھ سے پوچھا۔

''یہ آپ ہی کا نام ہے؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

وہ بولا۔ ''کیا میں آپ کا تھوڑا سا وقت لے سکتا ہوں؟ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

پہلے تو میں نے سوچا کہ مصروفیت کا بہانہ بنا کر اس افریقی جادوگر کو یہیں سے رخصت کر

دیتا ہوں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ خدا جانے اس نے مجھ سے کیا باتیں کرنی ہیں جس کے لئے یہ خاص طور پر مجھ سے ملنے آیا ہے۔ میں نے کہا۔

''اندر آ جائیں۔''

وہ اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ کندھے سے جھولا اُتار کر ایک طرف رکھ دیا، سپیروں والی بین بھی ایک طرف صوفے پر رکھ دی۔ میں بڑے تجسّس کے ساتھ اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ سپیرا غلطی سے میرے پاس آ گیا ہے۔ لیکن اُس نے میرا نام بالکل صحیح لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اُس سے کچھ پوچھتا، وہ بولا۔

''میرا نام سارنگ ہے۔ میں سپیرا ہوں۔ یہ ہمارا جدی پشتی پیشہ نہیں ہے۔ بس روزی روٹی کمانے کے لئے ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اصل میں ہمارے آباؤ اجداد آج سے ہزاروں برس پہلے ناگ دیوتا کے پجاری ہوا کرتے تھے۔ وہ جس ناگ مندر میں ناگ دیوتا کی پوجا پاٹھ کیا کرتے تھے وہ ناگاپورم نام کے ایک شہر کا سب سے بڑا مندر تھا۔ ہمارے قبیلے میں بزرگوں کی زبانی سینہ بہ سینہ اس شہر کے بارے میں یہ روایت بیان ہوتی چلی آئی ہے کہ یہ شہر جس کا نام ناگاپورم تھا، موہنجوداڑو اور ہڑپہ شہروں کے درمیان واقع تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ اس شہر کے باشندوں پر شیطان غالب آ گیا۔ برے بھلے کی تمیز باقی نہ رہی۔ شرم و حیا داری جاتی رہی۔ بدکاری عام ہو گئی۔ گلی گلی شراب خانے کھل گئے۔ مندر عیاشی کے اڈے بن گئے۔ جب لوگوں کے برے کرم اور گناہ اپنے عروج پر پہنچ گئے تو کہا جاتا ہے کہ ایک رات خوفناک گڑگڑاہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ زمین پھٹ گئی اور ناگاپورم کا شہر زمین کے اندر غرق ہو گیا۔ اس شہر کی بربادی کا ذکر ان لوک گیتوں میں بھی ملتا ہے جو ہمارے قبیلے کی عورتیں بیاہ شادی کے موقع پر گھروں میں گاتی ہیں۔''

وہ سپیرا جس نے اپنا نام سارنگ بتایا تھا ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ادھر میرا عجیب حال تھا۔ میں حقیقت میں ورطہ حیرت میں ڈوبا ہوا اُس سپیرے کا منہ تکے جا رہے تھا۔ یہ بات میری عقل سے بہت ہی بالا تر تھی کہ ایک ایسی افسانوی حکایت جس کے متعلق میں نے گمان کر لیا تھا کہ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سپیرا اُسی گم گشتہ داستان کا ایک حقیقی کردار بن کر میرے سامنے آ گیا تھا اور مجھے ایسی باتیں بتا رہا تھا جن کا کوئی ذکر تذکرہ تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ قدرت نے غیب سے میرے ناول کے لئے پلاٹ کا بندوبست کر دیا ہے۔ میرے تجسس میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے کہا۔

''بھائی! اس شہر کے بارے میں تمہارے قبیلے میں اور کون سی باتیں مشہور ہیں؟''

سارنگ سپیرا گہری محویت سے چونک کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ایک عورت کا ذکر صدیوں کا سفر طے کرتا ہمارے بزرگوں کی زبانی سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ناگاپورم کے ناگ مندر کی شاہی رقاصہ تھی۔ ہر سال پونم کی رات کو ناگ دیوتا کا خاص تہوار منایا جاتا تھا۔ اس تہوار کے موقع پر یہ شاہی رقاصہ ناگ دیوتا کے آگے ناگ رقص کیا کرتی تھی۔ اس شاہی رقاصہ کا نام چمپا کلی تھا جو ہمارے بزرگ پجاریوں کی زبانی سفر کرتا ہم تک پہنچا ہے۔ ہمارے لوک گیتوں میں اس عورت کا نام یہی بیان کیا گیا ہے۔ یہ شاہی رقاصہ ناگ دیوتا کی منظور نظر دیوداسی اور نرتکی تھی۔ لیکن اس عورت کو مندر کے ایک پجاری ناگ پال سے محبت ہو گئی اور دونوں نے شادی کر لی۔ ناگ دیوتا کو یہ بات بری لگی کہ اُس کی چہیتی دیوداسی کسی پجاری کی پتنی بن جائے۔ مگر چمپا کلی کے ناگ رقص کی وجہ سے ناگ دیوتا نے اُسے کچھ نہ کہا۔ پھر جب اس شہر کے گناہوں کی وجہ سے اس پر قدرت کا قہر نازل ہوا اور شہر زمین میں راتوں رات غرق ہو گیا تو ناگ دیوتا نے چمپا کلی شاہی رقاصہ کا دوسرا جنم اُس کے پتی ناگ پال کے ساتھ ہی اس دھرتی پر ناگ اور ناگن کے روپ میں ایک ساتھ کر دیا تا کہ شاہی رقاصہ ہر ماہ پونم کی رات کو ناگ دیوتا کے ناگ رقص کی چوکی بھرتی رہے۔ سینہ بہ سینہ ہمارے قبیلے میں اس عورت کے بارے میں یہ روایت بھی سننے میں آئی ہے کہ یہ شاہی رقاصہ چمپا کلی اپنے دوسرے جنم میں آج بھی اس شہر ہڑپہ یا کسی دوسرے شہر میں موجود ہے۔ میں بے اولاد ہوں۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ ہمارے قبیلے کے سب لوگ ایک ایک کر کے بوڑھے ہو کر مر چکے ہیں۔ اس وقت صرف میں ہی قبیلے کا ایک آدمی باقی رہ گیا ہوں۔ میں اس خیال سے پریشان رہنے لگا کہ میرے بعد ہمارے صدیوں پرانے پجاری آباؤ اجداد کا کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔ تب ایک رات میرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔''

سارنگ سپیرا خاموش ہو گیا۔ اُس نے سر جھکا دیا۔ مجھے میرے ناول کا آدھا پلاٹ مل گیا تھا۔ میں اس پراسرار کہانی کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کو بے تاب تھا۔ میں نے چائے کی پیالی بنا کر سارنگ سپیرے کو پیش کی اور سگریٹ بھی پیش کیا۔ سپیرے نے چائے کے دو گھونٹ پی کر سگریٹ سلگایا، اُس کے لمبے لمبے دو کش لگائے اور میری جانب چہرہ اُٹھا کر بولا۔

''وہ پونم کی رات تھی۔ میں اپنی جھونپڑی کے باہر چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ آسمان پر پورا چاند اپنی چاندنی پھیلا رہا تھا۔ نشے کی ترنگ میں میری آنکھیں اپنے آپ بند ہو رہی تھیں۔ پھر شاید میں سو گیا۔ شاید میں نے اس لئے کہا کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں جاگ بھی رہا ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ میری حالت نیند اور بیداری کی درمیانی حالت تھی۔ میری آنکھیں بند تھیں مگر میں دیکھ بھی رہا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ اچانک میری آنکھوں کے سامنے ایک غبار سا اُڑنے لگا۔ آہستہ آہستہ یہ غبار چھٹ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ناریل کے درختوں کا ایک

گھنا جھنڈ ہے جس کے اوپر پونم کی رات کا پورا چاند چمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں درختوں کی نازک شاخوں اور پتوں میں سے چھن چھن کر نیچے پڑ رہی ہیں جہاں ایک بے حد حسین عورت ناگ دیوتا کی طرح آسن جمائے بیٹھی ہے۔ اُس کی آنکھیں مانسرور کی نیلی جھیل کی طرح ہیں۔ لمبے سنہری بال شانوں پر بکھرے ہیں۔ سر پر ہیرے موتیوں جڑا تاج ہے۔ ہمارے قبیلے کی بڑی بوڑھیاں قدیم زمانے میں ناگ مندروں میں ناچنے والی دیوداسیوں کے لوک گیت سنایا کرتی تھیں تو ان گیتوں میں ناگ مندر میں ناچنے والی شاہی رقاصاؤں کا ایسا ہی حلیہ بیان کیا جاتا تھا۔ اُس عورت کی خوبصورتی اور حسن دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ تب اس حسین عورت نے اپنے لب کھولے اور کہا۔ سارنگ! تو میرے ناگ دیوتاؤں کے پجاریوں کی اولاد میں سے ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تیری کوئی اولاد، کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ تو ناگ دیوتا کے پجاریوں کی اولاد کا آخری چراغ ہے۔ تیرے مرنے کے بعد ناگ دیوتا اور اس کے آگے ناگ رقص کرنے والی شاہی رقاصہ چمپا کلی کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہیں رہے گا...... میں ناگ دیوتا کے آگے رقص کرنے والی شاہی رقاصہ چمپا کلی ہوں...... میں تمہیں اپنی داستان سناتی ہوں۔ ناگا پورم شہر کے غرق ہو جانے کے بعد اس کہانی کو سنانے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور میں سوائے تمہارے اور کسی کو یہ کہانی نہیں سنا سکتی۔ اسے سن کر اپنی زبان میں لکھ کر رکھ لے۔ تاکہ ناگا پورم کی عبرت ناک داستان آنے والی انسانی نسلوں تک پہنچتی رہے اور لوگ اس کو پڑھ کر، اس کو سن کر عبرت پکڑیں اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔''

سارنگ سپیرے کے سیاہ فام چہرے پر ایک عجیب سی چمک آ گئی تھی۔ میں حیرت زدہ ہو کر اُس کو تک رہا تھا۔ اُس کی محو حیرت کر دینے والی باتیں سن رہا تھا۔ سارنگ سپیرے نے اپنے بجھتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا اور خاموشی سے اس کے کش لگانے لگا۔ مجھے اُس سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اس سے پوچھوں پھر کیا ہوا؟ وہ ایک لمبا سانس بھر کر بولا۔

''پھر اُس حسین ترین عورت نے مجھے اپنی زندگی کی اور آج سے چار پانچ ہزار برس پہلے زمین میں غرق ہو جانے والے شہر ناگا پورم کی الم انگیز اور عبرت ناک داستان سنائی۔ سنائی نہیں بلکہ دکھائی...... اُس نے میری آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کے ہاتھوں کی اُنگلیوں میں سے حنا اور چندن کی خوشبو کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ جب اُس نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر سے اُٹھایا تو اُس کی داستانِ غم کے سارے واقعات ایک ایک کر کے میری نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ اُس کی کہانی کا ایک ایک منظر میری آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ مجھے ایسے لگا کہ میں کہانی کے واقعات، اُس کے سارے مناظر کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔

میں نے کہانی کے وہ منظر بھی دیکھے جہاں چمپا کلی خود موجود تھی۔ میں نے وہ منظر بھی دیکھے جہاں وہ خود موجود نہیں تھی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں سو رہا تھا کہ جاگ رہا تھا؟ میں سو بھی نہیں رہا تھا، جاگ بھی نہیں رہا تھا۔ چمپا کلی کی داستان کو اگر میں ایک دریا کہوں تو میں اُس دریا کی ایک لہر بن گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بہہ رہا تھا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میرے سر کے اوپر پونم کی رات کا چاند اسی طرح چمک رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ مجھے سوئے یا اونگھ میں گئے ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اس آدھے گھنٹے میں چمپا کلی نے اپنی پوری زندگی کی داستان بالکل اس طرح دکھا دی تھی جس طرح سینما گھر میں فلم دکھائی جاتی ہے۔ فلم میں دکھائی جانے والی کہانی کو پھر بھی دو ڈھائی گھنٹے لگ جاتے ہیں لیکن ناگا پورم کی شاہی رقاصہ کی داستان کو سننے اور دیکھنے میں مجھے آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت لگا تھا۔''

اب سارنگ سپیرا ذرا دم لینے کو رُکا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے پوچھا۔

''کیا وہ کہانی تم مجھے سنا سکتے ہو؟''

سپیرے نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے اُس داستان کا ایک ایک منظر، ایک ایک واقعہ پورے کا پورا یاد ہے۔ بلکہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور میں اسے سنانے کے لئے ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔ کیونکہ میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ مجھے پتہ چلا تھا کہ تم پرانی داستانیں لکھ کر اس کی کتابیں بناتے ہو۔ تمہارا پتہ پوچھتا پوچھتا میں تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ناگا پورم شہر اور ناگ دیوتا کے پجاریوں کی یہ کہانی لکھ کر اس کی کتاب بنا دو۔ تاکہ میرے مرنے کے بعد ہمارے پرکھوں، ہمارے ناگ دیوتا کے پجاری آباؤ اجداد کی یہ امانت آنے والی نسلوں تک پہنچتی رہے۔ اس طرح سے نہ صرف ہمارے آباؤ اجداد کا نام زندہ رہے گا بلکہ اس داستان کو پڑھ کر لوگ عبرت کا سبق حاصل کریں گے۔''

اُس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا اور کہنے لگا۔

''شاہی رقاصہ چمپا کلی نے اپنی داستان میں قدیم ناگا پورم شہر کے ناگ مندر کی گپھاہ کی جگہ آج کے ہڑپہ شہر کے قریب ایک ٹیلے کے پاس بتائی تھی۔ میں خود وہاں گیا تھا۔ وہاں ایک زمین دوز گپھاہ موجود تھی۔ وہاں مجھے ایک سپیرا ملا جس نے مجھے بتایا کہ اس گپھاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں پورے چاند کی رات کو ناگ اور ناگن کا ایک جوڑا آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ناگ اور ناگن، ناگ دیوتا کے ناگ رقص کی چوکی بھرنے آتے ہیں۔ چونکہ ہمارے قبیلے میں شروع ہی سے سپیروں اور سپیرنوں کو وہاں جانے سے سختی سے منع کیا جاتا ہے کہ جہاں ناگ دیوتا کی چوکی بھری جاتی ہو وہاں کسی سپیرے اور سپیرن کو ہرگز نہیں جانا چاہئے۔ اس لئے میں اس گپھاہ کے اندر نہیں گیا، باہر ہی سے اس کی سرنگ کو دیکھ کر واپس چلا آیا۔ اب میں

تمہیں ناگاپورم کی شاہی رقاصہ کی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے؟ یہ کہانی ایک نشست میں ختم نہیں ہو گی۔''

مجھے بیٹھے بٹھائے موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے قدیم ترین عہد کی ایک تحیر افروز داستان ہاتھ لگ گئی تھی۔ میں نے کہا۔

''چاہے دس دن لگ جائیں...... میں یہ کہانی ضرور سنوں گا۔''

سارنگ سپیرا روزانہ صبح آتا۔ ناشتہ میرے ساتھ کرتا اور ایک گھنٹہ کہانی سنا کر چلا جاتا۔ ایک ہفتہ لگا کر اُس نے ناگاپورم کی شاہی رقاصہ کی ساری داستان سنا دی۔ میں نے اُس کی کہانی سات آڈیو کیسٹ پر ریکارڈ کر لی۔ جب سارنگ سپیرے نے مجھے ساری کہانی سنا دی تو کہنے لگا۔

''ناگ دیوتا، ناگ مندر کی شاہی رقاصہ اور ناگ دیوتا کے ہمارے پجاری آباؤ اجداد کی طرف سے مجھ پر جو فرض لاگو ہوتا تھا وہ میں نے پورا کر دیا ہے۔ اب تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اس کہانی کی کتاب بنا کر لوگوں تک پہنچا دو گے تاکہ ہمارے بزرگوں، ہمارے پرکھوں کا نام باقی رہے۔''

میں نے سارنگ سپیرے کو یقین دلایا کہ وہ بے فکر رہے۔ یہ داستان کتابی شکل میں چھپ کر لوگوں تک ضرور پہنچ جائے گی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

''مجھے تم پر یقین ہے...... اب میں چلتا ہوں۔''

وہ جانے لگا تو میں نے اُس سے پوچھا۔

''تم نے شاہی رقاصہ کی کہانی میں بتایا ہے کہ وہ سانپ کے رُوپ میں ہماری آج کی ماڈرن دنیا میں داخل ہو چکی ہے اور اپنے محبوب ناگ پال کی تلاش میں ہے۔ کیا تم اس کا کھوج نہیں لگاؤ گے؟ ہو سکتا ہے وہ تمہیں مل جائے۔''

سارنگ سپیرے نے جواب دیا۔ ''یہ دیوتاؤں کے سراپ (بد دُعا) اور شاہی رقاصہ کے دوسرے جنم کا معاملہ ہے۔ ہمیں اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں نے اُس سے کہا۔ ''تم کبھی کبھار میرے پاس آتے رہنا۔ جیسے ہی اس کہانی کی کتاب چھپ گئی میں اس کی ایک کاپی خود تمہیں پیش کروں گا۔''

وہ بولا۔

''ہمارے قبیلے کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے ذمے کچھ فرض ہوتے ہیں جنہیں ادا کرنے کے واسطے ہم اس دنیا میں آتے ہیں۔ جب وہ فرض ادا ہو جاتے ہیں تو ہم اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ یہ میری زندگی کا آخری فرض تھا جو میں نے ادا کر دیا۔ شاید اب میری آپ کی ملاقات نہ ہو۔'' اتنا کہہ کر سارنگ سپیرا چل دیا۔

اُس کے جانے کے بعد میں نے اُس کی آواز میں ریکارڈ کئے ہوئے ساتوں کیسٹ باری باری کیسٹ پلیئر پر چڑھا کر سنے۔ جیسا کہ سارنگ سپیرے نے بیان کیا تھا کہ یہ کہانی اُسے شاہی رقاصہ چمپاکلی نے سنائی نہیں تھی بلکہ اسے ایک فلم کی طرح خواب کی حالت میں شروع سے آخر تک دکھا دی تھی جس کی وجہ سے سارنگ سپیرے نے کہانی کے وہ مناظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جن میں چمپاکلی موجود نہیں تھی۔ اور ایسے ایکشن بھی دیکھے تھے جن کے بارے میں چمپاکلی کو کچھ علم نہیں تھا۔ مثلاً کہانی کے آخر میں جب چمپاکلی دنیا میں اکیلی اور بے یار و مددگار رہ جاتی ہے اور انتہائی دل گرفتگی کے عالم میں اشک بار آنکھوں کے ساتھ گپھاہ میں ناگ دیوتا کے سامنے اپنا آخری ناگ رقص پیش کرتی ہے تو ایک تڑپتی ہوئی موج کی طرح دیوانہ وار رقص کرتے ہوئے اُس کے گلے کا طلائی لاکٹ ٹوٹ کر گر پڑتا ہے جس کی چمپاکلی کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ میں نے کیسٹ پر کہانی کے اس حصے کو بار بار ریوائنڈ کر کے سنا۔ سارنگ سپیرے نے بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا تھا کہ اُس نے آخری رقص کے دوران چمپاکلی کے گلے سے طلائی لاکٹ ٹوٹ کر گپھاہ میں ایک طرف گرتے دیکھا تھا۔ سارنگ سپیرے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس لاکٹ کی تلاش میں ناگ دیوتا کی ہزاروں برس پرانی گپھاہ کے کھنڈر میں ضرور جاتا۔ لیکن چونکہ اُن کے قبیلے کے سپیروں کو ناگ دیوتا کی پرانی گپھاؤں میں داخل ہونے سے سختی سے منع کیا جاتا تھا اس لئے وہ وہاں نہیں گیا۔

میں نے کیسٹ پلیئر بند کر دیا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے قدرتی طور پر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ہڑپہ کے قرب و جوار میں اس قدیم گپھاہ کے کھنڈر میں جا کر دیکھا جائے کہ چمپاکلی کا لاکٹ اب بھی وہاں موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ لاکٹ وہاں پر موجود ہوا تو اس سے ثابت ہو جائے گا کہ سارنگ سپیرے نے چمپاکلی کی جو داستان سنائی ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ ایک طرح سے اس لاکٹ سے چمپاکلی کی کہانی کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ میں نے ہڑپہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

چمپاکلی کی داستان کے ساتوں کیسٹ بڑی احتیاط کے ساتھ پلاسٹک کے لفافے میں ڈال کر اپنی الماری میں رکھے اور تالا لگا دیا۔

اس سے اگلے روز میں ٹرین پر سوار ہو کر ہڑپہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ قدیم ہڑپہ شہر کے کھنڈرات جدید شہر کی آبادی سے کچھ فاصلے پر واقع ہیں۔ سارنگ سپیرے نے جو داستان سنائی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ غرق شدہ ناگاپورم شہر قدیم ہڑپہ شہر کے کھنڈروں کے مغرب میں واقع تھا۔ اور اس شہر کے سب سے بڑے ناگ مندر کی زمین دوز گپھاہ کا کھنڈر ایک جگہ ایک ٹبے کے پہلو میں ہے۔ اور میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں اس ٹبے تک گیا تھا اور اس میں موجود گپھاہ کو باہر ہی سے دیکھ کر آ گیا تھا۔ چنانچہ میں آسانی کے ساتھ اُس ٹبے کے

پاس پہنچ گیا۔ ٹبے کی دائیں جانب ایک جگہ اُونچی اُونچی جھاڑیوں میں اندر جانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی وہ سرنگ نما راستہ ہے جو ناگ مندر کی زمین دوز گپھاہ کو جاتا ہے۔ دن کا وقت تھا۔ دُھوپ نکلی ہوئی تھی۔ میں سرنگ میں سے گزر کر ہزاروں برس پرانی گپھاہ میں آ گیا۔

گپھاہ میں آتے ہی مجھ پر ایک ہیبت سی طاری ہوگئی۔ شاہی رقاصہ چمپاکلی کی اور گناہ کے شہر ناگاپورم کی صدیوں پرانی عبرت ناک داستانِ الم میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے اس عبرت خیز داستان کا آغاز ہوا تھا...... اور یہی وہ جگہ تھی جہاں یہ کہانی اپنے حسرت ناک انجام کو پہنچی تھی۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میرا بیسویں صدی سے رابطہ یکلخت ختم ہوگیا ہے اور میں ایک ایسی زمین دوز قبر میں اُتر آیا ہوں جہاں پانچ ہزار برس پرانے ایک گناہگار شہر کی آخری لرزہ خیز چیخیں، اس کی آہ و بکا اور اس کی بین کرتی، واویلا کرتی المناک آوازیں دفن ہیں۔ ایک ہولناک سناٹا چھایا ہوا تھا جس میں عذاب سہتی گناہگار روحوں کی دبی دبی سسکیوں کی آوازیں سنائی دیتی محسوس ہوتی تھیں۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ سرنگ میں سے باہر کی دن کی مدھم روشنی اندر آ رہی تھی۔ میں جلدی سے اینٹوں کے اُس ڈھیر کی طرف گیا جس کے بارے میں سارنگ سپیرے نے اپنی کہانی میں بیان کیا تھا کہ آخری رقص کے وقت شاہی رقاصہ چمپاکلی کے گلے کا لاکٹ ٹوٹ کر وہاں گرا تھا۔ میں جھک کر لاکٹ تلاش کرنے لگا۔

اینٹوں کے ڈھیر کے پاس اندھیرا تھا۔ میرا ہاتھ کسی شے پر پڑا۔ میں نے اُسے اُٹھا لیا۔ یہ ایک چھوٹی پاکٹ سائز کی ٹارچ تھی۔ میں نے اُس کا بٹن دبایا، وہ روشن ہوگئی۔ یہ وہ ٹارچ تھی جو چمپاکلی کی تصویر اُتارتے وقت آرکیالوجی کے سٹوڈنٹ شکیل کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی۔ میں ٹارچ کی روشنی ڈال کر لاکٹ تلاش کرنے لگا۔ ایک جگہ مجھے وہ لاکٹ مل گیا...... یہ چھوٹے سائز کا سونے کا لاکٹ تھا۔ جس پر سانپ کا پھن کھدا ہوا تھا۔ میں نے اسے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی بش شرٹ کی جیب میں رکھ لیا اور گپھاہ سے باہر آ گیا۔ اسی روز میں ریل گاڑی میں بیٹھ کر لاہور واپس آ گیا۔ شاہی رقاصہ کے لاکٹ کو نکال کر بجلی کی روشنی میں بڑے غور سے دیکھا۔ یہ سونے کا لاکٹ تھا۔ یہ اپنی زنجیری سے نکل کر گرا تھا۔ زنجیری کو میں نے گپھاہ میں تلاش نہیں کیا تھا۔ سانپ کا پھن بڑی نفاست سے کھود کر بنایا گیا تھا۔ پھر میں نے پاکٹ سائز کی ٹارچ کو نکال کر دیکھا۔ یہ آج کے زمانے کی ٹارچ تھی۔ کہانی کے مطابق یہ ٹارچ یونیورسٹی کے شعبہ آرکیالوجی کا سٹوڈنٹ شکیل اپنے ساتھ لیتا گیا تھا۔

تب مجھے خیال آیا کہ اُس سٹوڈنٹ نے اپنے کیمرے سے چمپاکلی کی فوٹو اُتارنے کی بھی کوشش کی تھی اور کیمرے کی فلیش گن کی روشنی جیسے ہی چمپاکلی کے چہرے پر پڑی تھی

سٹوڈنٹ شکیل کو گپھاہ میں ہزاروں سانپوں کی غضب آلود پھنکاروں کی آوازیں سنائی دی تھیں اور وہ ڈر کر وہاں سے بھاگ آیا تھا۔ اُسے احساس تک نہیں ہوا تھا کہ اُس کے کیمرے کی فلیش گن کی روشنی نے چمپاکلی کے چہرے پر پڑتے ہی اُس کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر شکیل کے کیمرے کی فلیش گن اون ہوگئی تھی تو ضرور چمپاکلی کی فوٹو بھی فلم پر آ گئی ہوگی۔

یونیورسٹی کے اس سٹوڈنٹ سے ملنا میرے لئے ضروری ہوگیا تاکہ میں چمپاکلی کی فوٹو دیکھ سکوں۔ یونیورسٹی کے شعبہ آرکیالوجی میں شکیل نام کے سٹوڈنٹ کو تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ یونیورسٹی کی کینٹین کے کونے میں چائے کی پیالی سامنے رکھے اکیلا بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ میں نے اپنا تعارف کروایا تو وہ بڑے ادب سے اُٹھ کر ملا۔ وہ میری کتابیں شوق سے پڑھتا تھا۔ میں نے اُسے اصل قصہ تو نہ سنایا بس یہی کہا کہ میں ان دنوں وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر ایک تاریخی ناول لکھ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں مجھے پتہ چلا کہ ہڑپہ کے نزدیک ایک زمین دوز کھنڈر ہے جہاں چاند رات کو ناگ ناگن کا جوڑا آتا ہے۔ میں نے پورے چاند کی ساری رات اُس زمین دوز کھنڈر میں گزار دی مگر میں نے وہاں کسی ناگ ناگن کو نہ دیکھا۔ وہاں ایک خانہ بدوش قسم کے ساربان سے ملاقات ہوگئی۔ اُس کی زبانی معلوم ہوا کہ تمہارے کالج کے کچھ لوگ بھی وہاں اس سلسلے میں گئے تھے اور اُنہوں نے ناگ ناگن کے جوڑے کی فوٹو بھی اُتاری تھی۔

''کیا میں اُن لوگوں سے مل سکتا ہوں؟ میں ناگ ناگن کے جوڑے کی فوٹو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

شکیل نے کہا۔ ''سر! وہ میں ہی ہوں جو چاند رات کو زمین دوز کھنڈر میں گیا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم نے ناگ ناگن کے جوڑے کو دیکھا تھا؟''

''ہاں......'' وہ بولا۔ ''بلکہ میں نے ناگن کو حسین عورت کے رُوپ میں بھی دیکھا تھا۔''

مجھے تو ساری کہانی کا علم تھا۔ مجھے صرف فوٹو سے دلچسپی تھی۔ میں نے رسمی طور پر تھوڑی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے فوٹو اُتاری تھی؟''

وہ بولا۔

''اُتاری ضرور تھی...... مگر جب ڈارک رُوم میں اُسے ڈی ویلپ کرنے لگا تو کاغذ بالکل بلیک تھا۔ کوئی تصویر نہیں اُتری تھی۔ سر! میں نے ایسی حسین عورت اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھی۔ سنہرے بال، نیلی آنکھیں، سر پر ہیرے موتیوں کا تاج۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ ناگن سے عورت کے رُوپ میں آئی تھی۔ میں نے اپنے پروفیسر کو بتایا، دوستوں کو

بتایا۔ سب میرا مذاق اُڑانے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔ اُس عورت کی فوٹو نہیں اُتر سکی تھی۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔ میں نے جاگتے میں کوئی سپنا دیکھا ہو۔ مگر سر! وہ سپنا نہیں تھا۔ آپ یقین کریں وہ عورت مجھ سے پچیس فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اُس نے میری طرف مُڑ کر دیکھا بھی تھا۔ اُف! اُس عورت کے حسن میں ایک طلسم تھا...... ایک سحر تھا۔ مائی گاڈ!“

”تم دوبارہ وہاں نہیں گئے؟“ میں نے پوچھا۔

وہ کہنے لگا۔ ”سر! میں تو پہلی بار بھی بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا تھا۔ فلیش گن کی روشنی کے ساتھ ہی وہاں خدا جانے کتنے زہریلے سانپ نکل آئے تھے۔ اُن کی غضب ناک پھنکاریں گونجنے لگی تھیں۔ میں سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ آیا۔“

میں جو مقصد لے کر وہاں گیا تھا اس میں مجھے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ میں گناہگار اور بدقسمت شہر ناگاپورم کی شاہی رقاصہ چمپاکلی کی تصویر دیکھنا چاہتا تھا مگر خدا جانے کس وجہ سے کیمرہ اُس کی فوٹو نہ اُتار سکا۔ میں واپس آ گیا۔

اگلے روز میں نے چمپاکلی کی داستان لکھنی شروع کر دی۔ سارنگ سپیرے کی زبانی کہانی کے واقعات میں نے سات کیسٹوں پر ریکارڈ کئے تھے۔ پہلی ٹیپ کیسٹ پلیئر پر چڑھا کر کبھی فارورڈ، کبھی ریوائنڈ کر کر کے انہیں سنتا اور اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں انہیں قلم بند کرتا جاتا۔ یہ بڑا محنت طلب کام تھا۔ مجھے چار مہینے لگ گئے۔ مسودہ مکمل ہو گیا تو میں نے تین دن لگا کر اسے پڑھا، اس کی نوک پلک درست کی اور چھپنے کے لئے اپنے ناشر صاحب کے حوالے کر دیا۔ جس روز میں نے کہانی کا مسودہ چھپنے کے لئے دیا اُس روز چاند کی تیرھویں تاریخ تھی۔ اگلی رات پورے چاند کی رات تھی۔ میری شروع ہی سے یہ عادت ہے کہ میں رات کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کسی ادبی یا تاریخی کتاب کا مطالعہ کئے بغیر نہیں سوتا۔ اُس رات بھی میں حسب عادت اپنے کمرے میں پلنگ پر دراز مطالعے میں مشغول تھا۔ رات کے بارہ پونے بارہ کا وقت تھا۔ میرا کوئی الگ بیڈ رُوم نہیں ہے۔ جس کمرے میں، میں پڑھنے لکھنے کا کام کرتا ہوں وہی میرا بیڈ رُوم بھی ہے۔ ایک طرف کھڑکی کے پاس تخت پوش پر میرا بستر لگا رہتا ہے اور رات کو پڑھتے پڑھتے اسی پر سو جاتا ہوں۔ میرے کمرے کے پیچھے ایک مختصر سا باغیچہ ہے جہاں میں نے کچھ پھول پودے لگا رکھے ہیں۔ ان میں چمپاکلی کی ایک بیل بھی ہے جس پر موسم بہار میں چھوٹے چھوٹے سفید پھول کھلتے ہیں۔ رات کی رانی کی طرح ان پھولوں کی خوشبو بھی رات کے وقت اپنی مہک بکھیرتی ہے۔ خاص طور پر چاندنی راتوں میں باغیچے کی فضا ان کی خوشبو سے بھر جاتی ہے۔ ہمارے ایک رشتے دار بزرگ جو بنگال، بہار میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکے تھے ایک بار ہمارے گھر آئے تو اُنہوں نے چمپاکلی کی بیل کو دیکھ کر مجھ سے کہا۔

”اس بیل پر رات کو سانپ آتا ہے۔ تم نے اسے گھر میں کیوں لگوا لیا؟ یہ جنگل کی بیل ہے۔“

مگر مجھے اس بیل کو اُکھاڑنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ میں نے اس بیل کو بانس کی ایک چھتری کے اُوپر چڑھا رکھا ہے جس کے نیچے کبھی کبھی شام کے وقت بیٹھ کر میں چائے پیا کرتا ہوں۔ لیکن اس بزرگ کی بات کا مجھ پر کچھ ایسا نفسیاتی اثر ہو گیا تھا کہ میں رات کے وقت چمپاکلی کی بیل کے قریب نہیں جاتا کہ کہیں سانپ نہ نکل آئے۔ جس رات کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ موسم بہار کی خوبصورت رات تھی۔ آسمان پر چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا تھا۔ اُس کی چاندنی کھڑکی کے باہر میرے مکان کے باغیچے میں کھلی ہوئی تھی۔ چمپاکلی کے پھولوں کی خوشبو بھی اپنے جوبن پر تھی۔ کھلی کھڑکی میں سے خوشبو کے جھونکے کمرے میں آ رہے تھے میرے سرہانے ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ میں اپنے بستر پر نیم دراز مطالعے میں منہمک تھا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پڑھتے پڑھتے مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تو میں نے ہاتھ پیچھے کر کے ٹیبل لیمپ کی بتی بجھا دی اور کتاب ایک طرف رکھ کر ویسے ہی تخت پوش کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر لیں۔ میں ابھی نیند اور غنودگی کے درمیان ہی تھا کہ مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ میں نے بوجھل پلکیں اُٹھا کر کمرے میں نگاہ ڈالی۔ ٹیبل لیمپ کے بجھنے سے کھلی کھڑکی میں سے پورے چاند کی دُودھیا چاندنی کے عکس نے کمرے کی فضا میں دھیمی روشنی کا ایک غبار سا پھیلا رکھا تھا جس سے کمرے کی فضا بڑی طلسمی ہو گئی تھی۔ جو نامانوس سی آواز مجھے سنائی دی تھی وہ دوبارہ سنائی نہ دی۔ میں نے اسے اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور اسی حالت میں پڑے پڑے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند مجھے اپنی آغوش میں لے جا رہی تھی کہ اچانک وہی اجنبی آواز ایک بار پھر سنائی دی...... میں نے آنکھیں کھول دیں اور کان اُس آواز پر لگا دیئے۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چمپاکلی کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ میں اب پوری طرح بیدار تھا کیونکہ دوسری مرتبہ میں نے اُس پراسرار آواز کو بہت صاف سنا تھا۔ یہ ایسی آواز تھی جیسے کسی نے میرے کان کے بالکل قریب آ کر گہرا سانس لیا ہو۔

ایک سرسراہٹ سی ہوئی۔ میں نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو مارے دہشت کے میرا جسم سن ہو گیا...... کھڑکی میں نسواری رنگ کا ایک سانپ پورا پھن کھولے کنڈلی مارے بیٹھا میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا...... چاندنی میں اُس کی سرخ انار کے دانوں جیسی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میرا خون خشک ہو گیا۔ اتنی بھی ہمت نہ رہی کہ اُٹھ کر بھاگ جاؤں۔ سانپ مسلسل میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ اُس نے میرا نام لے کر کہا۔

''ڈرو نہیں..... میں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آئی۔''

میں نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا کہ شاید وہاں کوئی عورت موجود ہے جو مجھ سے ہم کلام ہوئی ہے۔ مگر دروازہ بند تھا۔ اتنے میں اسی عورت کی آواز پھر سنائی دی۔

''میں دروازے میں نہیں ہوں۔ تمہارے سامنے کھڑکی میں بیٹھی ہوں۔''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کھڑکی میں کنڈلی مار کر بیٹھے سانپ کی طرف تکنے لگا۔ عورت کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اُس نے دوبارہ میرا نام لے کر کہا۔

''تمہارا حیران ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ تم نے آج تک کسی سانپ کو عورت کی آواز میں بولتے نہیں دیکھا۔''

اب آہستہ آہستہ میرے ہوش و حواس اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ میں نے ہمت کر کے پوچھا۔ ''تم کون ہو..... ؟''

اُس نے کہا۔ ''میں اُس داستان کی بدنصیب ہیروئن ہوں جس کی تم نے کتاب لکھی ہے۔ میرا نام چمپاکلی ہے۔''

اب میرا اعتماد پوری طرح سے بحال ہو گیا۔ میں ٹیبل لیمپ جلانے لگا تو چمپاکلی کی آواز آئی۔ ''اسے مت جلانا..... آج پونم کی رات ہے۔ پورے چاند کی رات ہے۔ اس رات سے میری بڑی درد انگیز یادیں جڑی ہوئی ہیں۔ کبھی اس رات کو میں شاہی رقاصہ کے زرق برق لباس میں ناگ دیوتا کے آگے ناگ رقص کیا کرتی تھی۔''

سارنگ سپیرے کی زبانی سنی ہوئی چمپاکلی کی ساری داستانِ محبت میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ میں نے چمپاکلی سے کہا۔

''مجھے سارنگ سپیرے نے تمہارے داستان سنائی تھی۔ کہتا تھا میں ناگ دیوتا کے پجاریوں کی اولاد میں سے ہوں۔ کیا اُس نے جو کہانی مجھے سنائی ہے وہ واقعی سچی ہے؟''

چمپاکلی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں کھڑکی میں بیٹھے سانپ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جیسے چمپاکلی نے ایک آہ بھری، گہرا سانس لیا اور بولی۔

''سچ کیا ہے؟ جھوٹ کیا ہے؟ یہ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ جو چمپاکلی آج سے پانچ ہزار برس پہلے غرق شدہ شہر ناگاپورم کے ناگ دیوتا کے سامنے ناگ رقص کیا کرتی تھی وہ ناگن کے رُوپ میں تمہارے سامنے بیٹھی ہے۔ تمہیں اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیے؟''

میرا خوف دُور ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ مجھ پر چمپاکلی کی آواز اور اُس کے سانپ کے رُوپ کی ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ چمپاکلی کی آواز انسانی تاریخ کے منہدم شدہ ایوانوں اور جابر شہنشاہوں کے شاہی محلات کے تباہ حال کھنڈرات کی آواز تھی۔ یہ انسانی عجز و ندامت کی آواز تھی۔ عبرت کی آواز تھی۔ جو انسان کو اُس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتی تھی کہ دنیا کی ہر شے فنا ہو

جانے والی ہے۔ اوّل و آخر فنا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو بقا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔ وہ غیر فانی ہے۔ لا فانی ہے۔ لاثانی ہے..... میں اسی عالم حیرت و جبروت میں گم تھا کہ مجھے چمپاکلی کی آواز سنائی دی۔

''تمہارے پاس میری ایک امانت ہے۔ میں وہ امانت واپس لینے آئی ہوں۔''

میری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اپنی کس امانت کا ذکر کر رہی ہے؟ جب میں نے اُس سے پوچھا تو اُس نے کہا۔

''تمہارے پاس میرا لاکٹ ہے جو ناگ دیوتا کے آگے میرے آخری رقص کے وقت میرے گلے سے ٹوٹ کر گپھاہ میں گر پڑا تھا اور تم اسے اُٹھا لائے تھے۔ وہ ناگ دیوتا کی نشانی ہے۔ مجھے واپس کر دو۔''

میں اُسی وقت اُٹھا اور الماری میں سے لاکٹ نکال کر لے آیا۔ چمپاکلی ناگن کے رُوپ میں اسی طرح کھڑکی میں پھن کھولے بیٹھی تھی۔ اُس نے کہا۔

''اسے میرے سامنے میز پر رکھ دو۔''

کھڑکی کے پاس ہی ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر میری دو چار کتابیں پڑی تھیں۔ میں نے چمپاکلی کا سنہری لاکٹ میز پر پڑی کتابوں کے اوپر رکھ دیا اور خاموشی سے تخت پوش پر بیٹھ کر چمپاکلی کے پھن کو غور سے دیکھنے لگا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ لاکٹ کیسے اُٹھاتی ہے؟ اور اسےکہاں رکھے گی؟ چمپاکلی نے اپنے ناگن کے پھن کو ذرا سا جھکا کر اپنی آنکھیں لاکٹ پر مرکوز کر دیں۔ پھر ایسا ہوا کہ اُس کی آنکھوں میں سے ایک سرخ شعاع نکل کر لاکٹ پر پڑی اور دوسرے لمحے لاکٹ غائب ہو گیا۔ چمپاکلی نے اپنا پھن اُوپر اُٹھا لیا اور بولی۔

''میں تم سے خوش ہوں کہ تم نے میری امانت مجھے واپس کر دی۔''

میں نے بڑی آرزو کے ساتھ کہا۔

''چمپاکلی! مجھے بڑی حسرت ہے کہ میں تمہیں عورت کے رُوپ میں دیکھوں..... کیا مجھے اپنی صورت نہیں دکھاؤ گی؟''

ایک اُداس خاموشی چھا گئی۔ چمپاکلی ناگن کے رُوپ میں پھن پھیلائے کھڑکی میں ساکت حالت میں بیٹھی تھی۔ اُس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس نے اُداس لہجے میں کہا۔

''تم نے چمپاکلی کے پھولوں کو پت جھڑ میں دیکھنے کی خواہش کی ہے۔ کاش تم انہیں موسم بہار میں دیکھتے جب ان پھولوں کی ایک ایک پنکھڑی اپنے جوبن پر تھی۔ اب مجھے دیکھ کر کیا کرو گے؟''

میں نے کہا۔ ''پت جھڑ کے موسم کا بھی اپنا ایک حسن ہوتا ہے..... مجھے یقین ہے کہ تمہارا حسن آج بھی پہلے کی طرح دلکش ہو گا۔ حسن اُداس ہو کر زیادہ حسین ہو جاتا ہے۔''

چمپا کلی کی آواز آئی۔

''تم نے اپنی کتاب میں میرے حسن کو کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں۔ شاید میں تمہاری توقعات پر پوری نہ اُتر سکوں۔''

میں نے کہا۔ ''وہ میرا تصور تھا۔ میرا خوبصورت خیال تھا جس کے رنگوں سے میں نے تمہارے حسن کی تصویر بنائی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم میرے تصور سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔ بس مجھے اپنی صرف ایک جھلک دکھا دو۔''

چمپا کلی چپ ہو گئی۔ میں بھی خاموش تھا۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھے تک رہی تھی۔ میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں پر ایک دوسرے کا طلسم طاری ہو گیا تھا۔ وقت جیسے ہم دونوں کے درمیان آ کر رُک گیا تھا۔ یہ لمحات کتنے طویل اور کتنے مختصر تھے؟ مجھے اس کا کچھ احساس نہ تھا۔ چمپا کلی کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اُس کی آواز ایسی تھی جیسے خزاں کے زرد خشک پتوں پر سے شام کی ہوا کا اُداس جھونکا گزر گیا ہو..... کہنے لگی۔

''تم نے بڑی محبت سے میری زندگی کی دُکھوں بھری کہانی قلم بند کی ہے۔ میں تمہاری خواہش کو نہیں ٹال سکتی..... میں تمہیں اپنا انسانی رُوپ ضرور دکھاؤں گی۔''

ایک لمحے کے لئے وہ پھر خاموش ہو گئی۔ میں چپ رہا۔ وہ کہنے لگی۔

''تم نے اپنے باغیچے میں چمپا کلی کی بیل لگا رکھی ہے۔ چمپا کلی کے سفید پھول مہک رہے ہیں۔ کل رات اسی وقت چمپا کلی کی بیل کے پاس میرا انتظار کرنا۔ میں تمہیں اپنا اصلی رُوپ دکھانے آؤں گی۔''

چمپا کلی نے اپنا ناگن والا پھن سمیٹا اور خاموشی سے کھڑکی کی دوسری طرف باغیچے میں اُتر گئی۔ میرے چھوٹے سے کمرے میں اُس کی آواز کی بازگشت جیسے اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں اور ابھی تک حالت خواب میں ہی ہوں.... دُور سڑک پر سے کوئی رکشہ شور مچاتا گزر گیا اور میرا خواب ٹوٹ گیا۔

دوسرا دن میں نے عجیب بے صبری اور بے قراری سے گزارا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ آج رات میں ایک ایسی عورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھوں گا جو آج سے پانچ ہزار برس پہلے ایک گمشدہ شہر کے ناگ مندر کی شاہی رقاصہ تھی اور ناگ کی ایک پتھر کی مورتی کے آگے رقص کیا کرتی تھی۔ دن کی روشنی میں اپنے کمرے کی کھڑکی کو دیکھا تو سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں یہ سب کچھ میں نے خواب میں تو نہیں دیکھا تھا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سانپ آ کر کھڑکی میں بیٹھ جائے اور عورت کی آواز میں مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ ضرور یہ میرے تخیل کی کارگزاری ہے۔ کیونکہ میں نے چمپا کلی کی پوری داستان قلم بند کی ہے اور ابھی اس کا اثر مجھ پر غالب ہے۔ پھر خیال آتا کہ نہیں ... ایسا نہیں ہے۔ میری سماعت اور میری بصارت مجھے

دھوکہ نہیں دے سکتی۔ وہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی۔ اسی اُدھیڑ بن میں دن گزر گیا۔ شام ہو گئی..... میں بے تابی سے رات ہونے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ جو اصل حقیقت ہے وہ کھل کر میرے سامنے آ جائے۔

میں چائے کا تھرمس اور گھڑی سامنے رکھ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ رات ہو گئی۔ کھڑکی کے باہر آسمان پر چاند روشن ہو گیا...... میں نے اُٹھ کر کھڑکی کے باہر جھانک کر دیکھا۔ مسحور کن اُداس اُداس سی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ باغیچے میں بانس کی چھتری پر چڑھی ہوئی چمپا کلی کی بیل پر کھلے ہوئے سفید پھول ستاروں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ جیسے جیسے رات گہری ہوتی گئی، خاموشی چھانے لگی۔ میں نے چائے کی تیسری پیالی حلق میں اُتارنے کے بعد گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ گھڑی رات کے سوا گیارہ بجا رہی تھی۔ ابھی آدھی رات نہیں ہوئی تھی۔ چمپا کلی کو آدھی رات کے بعد ظاہر ہونا تھا۔

میں اُٹھ کر باغیچے میں آ گیا۔ چمپا کلی نے کہا تھا چمپا کلی کی بیل کے پاس میرا انتظار کرنا۔ گھڑی میں نے اپنی کلائی پر باندھ لی تھی۔ میں سفید پھولوں سے بھری ہوئی چھتری سے کچھ فاصلے پر گھاس پر بیٹھ گیا۔ چمپا کلی شاید ناگن کے رُوپ میں آئے گی۔ گھاس میں ذرا سی سرسراہٹ محسوس ہوتی تو میں چونک کر ادھر تکنے لگتا کہ کہیں وہ ناگن کے رُوپ میں آ نہ گئی ہو۔ بار بار گھڑی پر وقت دیکھتا۔ چاند آسمان کے وسط میں باغیچے پر اپنی نورانی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ اچانک ہوا کا ایک ہلکا سا نرم و نازک جھونکا میرے چہرے کو چھو کر گزر گیا۔ ہوا کے اس جھونکے میں مجھے ایک ایسی خوشبو کا احساس ہوا جو اس سے پہلے میں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ یہ خوشبو نہ موتیے کے پھول کی خوشبو تھی، نہ گلاب کی خوشبو تھی اور نہ نرگس کے پھول کی خوشبو تھی۔ تھوڑی دیر پہلے باغیچے میں جو چمپا کلی کی بیل کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی یہ پراسرار خوشبو اس پر بھی غالب آ گئی تھی۔ ہوا کا جھونکا گزر گیا مگر جو خوشبو وہ اپنے ساتھ لایا تھا وہ میرے احساسات کو ابھی تک معطر کئے ہوئے تھی۔ میں ہر سانس کے ساتھ اس کی مہک کو محسوس کر رہا تھا۔ حیرت کی بات ہے اس خوشبو نے میرے سانس کو بھی خوشبودار کر دیا تھا۔ اب اس خوشبو کے نرم و نازک جھونکے بار بار آنے لگے اور انہوں نے باغیچے کی فضا کو خوشبو سے بھر دیا۔ یہ ماڈرن زمانے کی کسی پرفیوم کی خوشبو نہیں تھی۔ لگتا تھا کہ یہ کسی مافوق الفطرت دنیا سے آنے والی ناقابل فہم خوشبو ہے جو سینکڑوں صدیوں کا سفر طے کر کے میرے باغیچے میں اُتر آئی ہے۔

میں ٹکٹکی باندھے سفید پھولوں سے ڈھکی ہوئی بانس کی چھتری کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے پائل کی دھیمی دھیمی جھنکار سی سنائی دی۔ یہ جھنکار باغیچے کے جنوبی کونے میں سے آ رہی تھی اور لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ میں پلکیں بھی نہیں جھپکا رہا تھا۔ چاندنی میں اُس شے

دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آخر وہ مجھے نظر آ گئی...... پہلے وہ ایک ہیولا سا لگا۔ آہستہ آہستہ ہیولے کا غبار دُور ہو گیا اور میری آنکھوں کے سامنے پانچ ہزار سال پہلے ناگ کے بت کے سامنے رقص کرنے والی چمپا کلی شاہی رقاصہ کے زرق برق لباس میں ظاہر ہو کر کھڑی تھی...... میری آنکھیں اُس کے حسن سے چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ میں نے اتنی حسین عورت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اُس کے سنہری بال نیم عریاں شانوں پر لہرا رہے تھے۔ سر پر سفید اور سرخ ہیرے جواہرات سے جڑا چھوٹا سا تاج تھا۔ گلے میں سنہری لاکٹ تھا۔ کانوں میں نیلم کے بندے تھے۔ نیلی آنکھیں چاندنی رات میں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چہرے کا حسن ایسا تھا کہ لگتا تھا کوئی دوسرا چاند زمین پر اُتر آیا ہے۔ وہ سیاہ ریشمی لباس میں ملبوس تھی جس پر ٹکے ہوئے ہیرے جواہرات میں سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ مجھ پر اُس کے حسن نے جادو سا کر دیا تھا۔ جس خوشبو کا جھونکا میں نے پہلی بار محسوس کیا تھا اب اس خوشبو نے مجھے جیسے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ کوشش کے باوجود میری زبان سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

چمپا کلی نے میری اس کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اُس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کہنے لگی۔

''میں چمپا کلی ہوں...... تمہاری خواہش کو ٹال نہیں سکتی تھی۔''

مجھ پر اس عورت کی صدیوں قدیم شاہانہ شخصیت کے حسن کے طلسم کا اثر چھایا ہوا تھا۔ میں آئینہ حیرت بنا اُس کے سامنے بیٹھا تھا۔ میں نے اس طلسم کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''چمپا کلی! دنیا کی کوئی زبان تمہارے حسن کو بیان نہیں کر سکتی۔ میں بھی اپنی کتاب میں تمہارے حسن بے مثال کو بیان نہیں کر سکا۔ لگتا ہے تم اس دنیا کی مخلوق نہیں ہو، جیسے آسمانوں سے اُتری ہوئی کوئی حور ہو۔''

چمپا کلی نے خواب ایسی آواز میں کہا۔

''ایک بار میرے ناگ پال نے بھی ایسا ہی کچھ کہا تھا۔'' اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اُس نے سرد آہ بھری اور بولی۔ ''اپنے ناگ پال کے نام پر میں تمہیں اپنا ناگ رقص دکھاتی ہوں۔ شاید یہ میرا آخری رقص ہو۔''

یہ کہہ کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لئے اور اپنا سر جھکا دیا۔ اُس کے جسم پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا...... ایسے لگ رہا تھا جیسے جنگلی لاب کی کوئی نازک شاخ تیز ہوا میں کانپ رہی ہو۔ اس کے بعد اُس نے اپنا ناگ رقص شروع کر دیا...... یہ بعینہ وہی ناگ رقص تھا جس کی تفصیل مجھے سارنگ سپیرے نے سنائی تھی اور جس رقص کی ایک ایک حرکت،

ایک ایک لرزش کے ساتھ میں اس کتاب میں بیان کر چکا ہوں۔ لیکن سن کر لکھنے اور دیکھ کر لکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جس قیامت خیز اور وحشت خیز والہانہ پن سے میں نے چمپا کلی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کرتے دیکھا اسے شاید میں کبھی بیان نہ کر سکوں گا۔ اس رقص کو میری آنکھوں نے دیکھا تھا اور آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، بیان نہیں کر سکتیں، لکھ بھی نہیں سکتیں۔ میں صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے جہاں میں بیٹھا تھا وہاں کا ذرہ ذرہ، باغیچے کے درخت، ایک ایک پھول، ایک ایک پتی اور آسمان پر چمکتا ہوا چاند، اس کی چاندنی کی ایک ایک کرن رقص میں ڈھل کر چمپا کلی کے ساتھ رقص کر رہی ہے۔ ایک تڑپتا ہوا شعلہ تھا جو کبھی آسمان کی طرف لپکتا اور کبھی زخمی سانپ کی طرح غضبناک ہو کر زمین پر لہرانے لگتا۔ آسمان کی ایک بے آواز بجلی تھی، تڑپ تڑپ کر کوندتی اور کوند کوند کر تڑپتی۔ چمپا کلی کبھی دونوں ہتھیلیوں کا پھن کھول کر پھنکارتی ہوئی میری طرف بڑھتی اور پھر ڈر کر ایک دم سے پلٹ جاتی اور کبھی دونوں ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر گویا میری تعظیم کرتی۔ اس کے پاؤں میں بندھی ہوئی پائلوں کی جھنکاریں کبھی سانپوں کی پھنکاریں بن جاتیں اور کبھی درد انگیز سُروں میں ڈھل جاتیں۔ میں گھاس پر بت کی طرح بیٹھا آنکھیں کھولے چمپا کلی کے رقص کو دیکھ رہا تھا۔ رقص کرتے کرتے وہ دوڑتی ہوئی میری طرف آئی اور مجھ سے کوئی پانچ فٹ کے فاصلے پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ سنہری بالوں کو جھٹک کر اُس نے سر جھکا دیا، پھر آہستہ آہستہ سر اُوپر اُٹھایا، دونوں ہاتھوں سے چہرے پر آئی ہوئی سنہری زلفوں کو پیچھے کیا، اُٹھی اور پائل کی دھیمی دھیمی جھنکار کے ساتھ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر کے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اُس کے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پورے چاند کی چاندنی میں کہکشاں کی مانند چمک رہا تھا۔ ہیرے موتیوں جڑے اُس کے شاہانہ ریشمی لباس میں سے وہی سحر طاری کر دینے والی مہک آ رہی تھی جس کی خوشبو پانچ ہزار سال گزر جانے پر بھی پہلے روز کی طرح تر و تازہ تھی۔ اس لمحے مجھے محسوس ہوا جیسے ہزاروں سالہ انسانی تاریخ اور اس کی تہذیب کا سارا حسن روشنی اور خوشبو بن کر میرے پہلو میں بیٹھا ہے۔ چمپا کلی چاندنی میں شرابور جنگلی گلاب کی بیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس نے آہستہ سے چہرہ میری طرف کرتے ہوئے اُداس آواز میں کہا۔

''چاندنی ڈھلنے لگی ہے...... اب مجھے جانا ہو گا۔''

میں نے اُس سے زیادہ اُداس آواز میں پوچھا۔

''کہاں جاؤ گی؟''

چمپا کلی نے گردن پھیر کر جنگلی گلاب کی بیل پر نظریں جما دیں۔ کچھ دیر خاموش رہی، پھر آہستہ سے بولی۔

''سینکڑوں ہزاروں سالوں کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچی ہوں۔ ہزاروں لاکھوں

صدیوں کا سفر سامنے ہے...... کیا خبر کہاں جاؤں گی؟ کہاں ملاقات ہوگی میرے ناگ پال سے؟ کہاں دیکھوں گی اُس کے کنول پھول جیسے چہرے کو؟ کچھ معلوم نہیں۔"

زرد چاندنی نے اُس کے چہرے کو اور زیادہ سوگوار بنا دیا تھا۔ اُس کے لب ہلے جیسے وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"دو محبت کرنے والے جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو انہیں سوائے ایک دوسرے کے اور کسی کی خبر نہیں رہتی۔ میں تو ناگ پال کی محبت میں گم تھی کہ مجھ سے بھول ہوگئی۔ انجانے میں بھول ہوگئی۔ اور ناگ دیوتا نے ہمیں اس بھول کی بڑی کڑی سزا دی۔ ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ جنم جنم کے لئے الگ کر دیا...... اور دیس نکالا دے دیا۔ کیا دیوتا محبت نہیں کرتے؟ کیا ان سے محبت میں کوئی بھول نہیں ہو جاتی؟ کیا میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی؟ میرا محبوب مجھ سے بچھڑ گیا۔ میرا شہر مجھ سے چھوٹ گیا۔ نہ کوئی سنگی ساتھی رہا نہ کوئی ہمدرد رہا۔ میں اپنا دُکھ درد چھپائے، اپنی محبت کا زخم لئے، کبھی ختم نہ ہونے والے راستوں پر سفر کر رہی ہوں۔ کون سے جنم میں، کون سے جنگلوں کی وادیوں میں اور کون سے اُجڑے ہوئے ویران محلوں میں میرا جیون ساتھی مجھ سے آن ملے گا؟ کچھ نہیں جانتی۔ میرے پیچھے سب مکانوں کے دروازے بند ہیں۔ میرے آگے تپتے صحراؤں کی گرم آندھیاں ہیں۔ سوچتی ہوں، کہاں سے میرا سفر شروع ہوا تھا؟ کہاں جا کر ختم ہوگا......"

مجھے ایک سسکار کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ جیسے چمپا کلی نے سسکی بھری ہو۔ اُس نے گردن موڑ کر مجھ پر نگاہ ڈالی۔ اُس کی نیلی آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی جھلملا رہے تھے۔ چمپا کلی نے اپنا نازک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میرے جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے ازل سے ابد تک جاری و ساری وقت نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا ہو۔ اُس کے ہاتھ میں صدیوں کی قدیم تاریخ کا لمس تھا۔

مجھ سے مخاطب ہو کر شکستہ آواز میں بولی۔

"تم نے میری کہانی لکھ دی۔ اچھا کیا۔ سمجھ والے لوگ اس سے عبرت پکڑیں گے۔ گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے۔ سچائی کے راستے پر چلیں گے۔"

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن اُس عورت کا رُعب حسن کچھ اس طرح سے مجھ پر غالب آ چکا تھا کہ الفاظ میری زبان پر آ کر رُک گئے۔

چمپا کلی نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر سے اُٹھا لیا۔ کہنے لگی۔ "اب مجھے جانا ہے...... جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ میں اپنے دِل پر محبت کا زخم لئے ناگ پال کی تلاش میں جا رہی ہوں ... یہ برس دو برس کی جدائی نہیں ہے، یہ جنم جنم کی جدائی ہے۔ تم اس جدائی کا تصور نہیں کر سکتے۔ شاید اب تم سے کبھی ملاقات نہ ہو۔ کبھی یاد آ جاؤں تو بھلا دینا......"

چمپا کلی نے اپنا اُداس چہرہ اُٹھا کر آسمان پر چمکتے چاند کی طرف دیکھا۔ ڈھلتی زرد چاندنی میں اُس کا اُداس چہرہ زرد کنول کے پھول کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اُٹھی اور شاہانہ وقار کے ساتھ بے آواز قدم اُٹھاتی پھیکی چاندنی میں دُھندلائے ہوئے مولسری کے درخت کی طرف چل پڑی۔ میں سحر زدہ سا ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھا اُسے زرد چاندنی کے غبار میں گم ہوتے دیکھ رہا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے وہ میری نظروں سے غائب ہوگئی۔ رات کے پچھلے پہر کی خاموشی پر جیسے سناٹا چھا گیا۔ چمپا کلی جا چکی تھی...... سینکڑوں صدیوں کی تاریخ کے غبار میں سے نکل کر آئی تھی اور آنے والی ہزاروں لاکھوں صدیوں کی دُھند میں گم ہوگئی۔ اُس کے ملبوس کی صرف خوشبو پیچھے رہ گئی تھی اور یہ خوشبو بھی آہستہ آہستہ مجھ سے جدا ہو رہی تھی۔

نہ جانے کتنی دیر تک میں بت بنا وہیں بیٹھا رہا۔ پھر آنکھیں جھپکا کر آسمان کی طرف دیکھا، آسمان پر صبح کا نور پھیل رہا تھا۔ مجھے یہ سب کچھ ایک حسین خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ میں اُٹھا اور خواب ہی کے عالم میں چلتا اپنے کمرے میں آ گیا۔ جسم جیسے کسی خمار میں چور تھا۔ میں بستر پر لیٹ گیا اور پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا...... جب آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ کھڑکی میں سے دُھوپ کمرے میں آ رہی تھی۔ میں جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں واقعی یہ سب کچھ خواب تو نہیں تھا؟ کہیں میں نے چمپا کلی کی کہانی خواب میں تو قلمبند نہیں کی؟ سارنگ سپیرے نے بھی کہیں یہ کہانی مجھے خواب میں تو نہیں سنائی؟ میں نے فوراً سارنگ سپیرے کی آواز میں ریکارڈ کی ہوئی ٹیپ، کیسٹ پلیئر پر چڑھائی اور بٹن اون کر دیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ ٹیپ چل رہی تھی مگر سارنگ سپیرے کی آواز غائب تھی...... میں نے جلدی جلدی ساتوں کیسٹ چیک کئے، ساتوں کے ساتوں کیسٹوں پر سے سارنگ سپیرے کی آواز غائب ہو چکی تھی۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ سنا، جو کچھ لکھا وہ سب خواب تھا۔ ایک حسین خواب...... میں نے تخت پوش کی پشت سے ٹیک لگا دی، آنکھیں بند کر لیں اور سوچا۔ اگر یہ واقعی خواب تھا تو کاش میری آنکھ کبھی نہ کھلتی۔ یہ خواب کبھی نہ ٹوٹتا۔

پھر ایک عجیب بات ہوئی...... دوسری رات کو میں حسب معمول بستر پر نیم دراز ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ کھلی کھڑکی کے باہر آسمان پر چاند روشن تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ اچانک ہوا کا ایک جھونکا کھڑکی میں سے آیا اور میرے چہرے کو چھو کر گزر گیا...... ہوا کے اس جھونکے میں چمپا کلی کے شاہانہ ملبوس کی وہی صدیوں پرانی خوشبو تھی۔ میں نے چونک کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔ باغیچے میں زرد چاندنی کا غبار سا اُڑ رہا تھا۔ ہر طرف ایک گہرا سکوت طاری تھا۔ چمپا کلی کے ملبوس کی طلسمی مہک مجھے مسلسل محسوس ہو رہی تھی۔ میں ابھی اسی سوچ میں تھا کہ خوشبو کہاں سے ایک دم آنی شروع ہوگئی ہے؟ کہ ہوا کا ایک اور تیز جھونکا چمپا کلی کی خوشبو لئے

کھڑکی میں سے اندر آیا۔ اس جھونکے کے ساتھ ایک کاغذ بھی اُڑتا ہوا اندر آ کر میرے تخت پوش کے بستر پر آن گرا...... میں نے کتاب ایک طرف رکھی اور کاغذ اُٹھا لیا۔ ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ اس کاغذ پر اُردو میں کچھ تحریر لکھی تھی۔ میں اُسے پڑھنے لگا۔ جیسے ہی میں نے اسے پڑھنا شروع کیا، چمپا کلی کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔ یہ آواز بڑی دُور سے آتی لگ رہی تھی۔ مگر ایک ایک لفظ صاف سنائی دے رہا تھا۔ کاغذ پر جو تحریر لکھی تھی، چمپا کلی اسے اپنی آواز میں پڑھ کر مجھے سنا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''کیا تم اسے محض ایک خواب سمجھتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ زمانے کے جو ظلم و ستم میں نے اُٹھائے ہیں، جو دُکھ درد میں نے سہے ہیں، جدائی کی جس آگ میں، میں پانچ ہزار سالوں سے جل رہی ہوں وہ محض ایک وہم ہے؟ خواب و خیال ہے؟ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں؟ اگر تم نے ایسا سمجھا تو میں یہی سمجھوں گی کہ تم نہ دیکھ سکتے ہو، نہ سن سکتے ہو، نہ سوچ سکتے ہو، نہ کچھ محسوس کر سکتے ہو۔ تم مر چکے ہو...... تم میں اور ایک مُردہ لاش میں کوئی فرق نہیں۔

نہیں نہیں...... ایسا ہرگز نہ سوچنا، چمپا کلی کی کہانی کوئی وہم و خیال نہیں ہے۔ یہ تاریخ کی بہت بڑی حقیقت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تاریخ کے وہ اوراق جن پر چمپا کلی کی دردناک داستان درج تھی ایک بدقسمت شہر کے ساتھ ہی زمین میں دفن ہو گئے۔ لیکن تمہیں میں نے اپنی داستانِ محبت لکھنے کے لئے چن لیا۔ اور جب تم نے میری داستان لکھ لی تو میں نے تمہاری کیسٹوں پر سے سارنگ سپیرے کی آواز غائب کر دی۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کے باوجود اگر تم کہو کہ یہ سب کچھ ایک خواب تھا تو یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہو گا۔ میں ایک حقیقت ہوں اور کل رات میں ایک زندہ جیتی جاگتی عورت کے رُوپ میں تمہارے پہلو میں بیٹھی تھی...... یاد رکھو! خواب اور حقیقت کے درمیان بڑا معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ کچھ خواب، حقیقت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ جس طرح کبھی کبھی انسان حقیقت میں کچھ ایسے واقعات دیکھتا ہے جن پر خواب کا گمان ہوتا ہے، ایسے ہی بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جو خواب نہیں ہوتے، حقیقت ہوتی ہے۔ انہیں ہمارا وہم خواب بنا دیتا ہے۔ تم نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ سنا وہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی۔ اور چمپا کلی اس حقیقت کا ثبوت ہے جو پانچ ہزار سالوں سے جنم جنم کے دوزخوں میں اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ بس...... میں تمہیں یہی کہنے آئی تھی......!''

چمپا کلی کی دُور سے آتی آواز خاموش ہو گئی۔ سرد آہوں جیسی آواز کی بازگشت بھی ماضی کے دُور دراز شکستہ گنبدوں میں جا کر گم ہو گئی...... نہ اُس کے ریشمی لباس کی سرسراہٹ تھی نہ اُس کے پیروں کی پائل کی جھنکار باقی تھی...... چمپا کلی کی آواز کے خاموش ہوتے ہی کاغذ پر لکھی

ہوئی تحریر بھی غائب ہو گئی تھی۔ اُس کی خوشبو ابھی تک آ رہی تھی......

میں اُٹھ کر باغیچے میں آ گیا۔ شبنمی گھاس نے میرے پاؤں بھگو دیئے۔ زرد چاندنی میں چمپا کلی کی بیل کے پھول اُداس تھے۔ میں نے ان پھولوں کو کبھی اُداس نہیں دیکھا تھا۔ کیا ان پھولوں کو بھی چمپا کلی سے جدا ہونے کا غم تھا؟ میں نے پہلی بار چمپا کلی کا نام لے کر اُسے پکارا۔ جواب میں خاموشی، ایک لمبی خاموشی تھی...... میں کمرے میں آ گیا۔ میں نے ٹیبل لیمپ بجھا دیا۔ کمرے میں زرد چاندنی کا نور سا پھیل گیا۔ کھلی کھڑکی میں سے مولسری کا درخت سر جھکائے خاموش تھا جیسے مراقبے میں ہو...... چمپا کلی کی خوشبو مجھ سے آہستہ آہستہ جدا ہو رہی تھی۔ اور پھر یہ خوشبو بھی غائب ہو گئی...... پانچ ہزار سالوں کی قدیم تاریخ کے گمنام دھندلکوں میں گم ہو گئی...... ایک اُداسی، ایک گہرا سکوت چھا گیا...... کیا یہ خواب میں دیکھی ہوئی حقیقت تھی یا حقیقت میں دیکھا ہوا کوئی خواب تھا......؟ اس کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

(ختم شد)